علامہ سید مرتضیٰ عسکری

اسلامی عقائد

قرآن کی روشنی میں

الحمدُ للهِ الّذی جعلنا من المُتمسّکینَ بالقرآنِ العظیم.

عقائد الاسلام من القرآن الکریم

اسلامی عقائد

قرآن کی روشنی میں

جلد اول

علامہ سید مرتضیٰ عسکری

جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان

پوسٹ بکس نمبر ۵۴۲۵ کراچی پاکستان

تالیف
علامہ مرتضیٰ عسکری

ترجمہ
مولانا محمد حسن جعفری

تہذیب ونظرثانی
رضا حسین رضوانی

طبع اول
جنوری ۲۰۰۷ء

مطبع
محراب پریس کراچی

انتساب

ان معظمہ کے نام

جنہوں نے سب سے پہلے توحید اور رسالت کا اقرار کیا۔
جنہوں نے اپنا تن من دھن سب کچھ اسلام پر نچھاور کر دیا۔
جنہوں نے اپنا سارا سرمایہ اسلام کی تبلیغ کے لئے وقف کر دیا۔
جنہوں نے امہات المؤمنین میں سب سے اونچا رتبہ پایا۔
میں اس کتاب کو عترت پیغمبر اور ان کی نانی کے حضور پیش کرتا ہوں۔
میں اس کتاب کو حضرت فاطمہ زہراؑ کی مادر گرامی کی نذر کرتا ہوں۔
میں اس کتاب کا ثواب اپنی نانی حضرت خدیجہؑ کو ہدیہ کرتا ہوں۔
خدایا ! اس کتاب کو مسلمانوں کیلئے نفع بخش قرار دے۔

مرتضیٰ عسکری

اسلام

"کیا تم نے پوری طرح سمجھ لیا ہے کہ اسلام کیا ہے؟

اسلام ایک ایسا دین ہے جس کی بنیاد حق و صداقت پر رکھی گئی ہے۔

یہ علم کا ایک ایسا سرچشمہ ہے جس سے عقل و دانش کے متعدد چشمے پھوٹتے ہیں۔

یہ ایک ایسا چراغ ہے جس سے لاتعداد چراغ روشن ہوتے رہیں گے۔

یہ ایک ایسا بلند رہنما مینار ہے جو اللہ کی راہ کو روشن کرتا ہے۔

یہ اصولوں اور اعتقادات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو حق اور صداقت کے ہر متلاشی کو اطمینان بخشتا ہے۔

اے لوگو! جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اپنی برترین خوشنودی کی جانب ایک شاندار راستا اور اپنی عبودیت اور عبادت کا بلند ترین معیار قرار دیا ہے۔ اس نے اسے اعلیٰ احکام، بلند اصولوں، محکم دلائل، ناقابل تردید تفوق اور مسلمہ دانش سے نوازا ہے۔

اب یہ تمہارا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو شان اور عظمت بخشی ہے اسے قائم رکھو۔ اس پر خلوص دل سے عمل کرو۔ اس کے معتقدات سے انصاف کرو۔ اس کے احکام اور فرامین کی صحیح طور پر تعمیل کرو اور اپنی زندگیوں میں اسے اس کا مناسب مقام دو۔"

(امام علی علیہ السلام)

کچھ اپنے بارے میں

حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم موسوی خوئی رضوان اللہ علیہ کا قائم کردہ یہ بین الاقوامی ادارہ جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان اب زعیم الحوزہ العلمیہ نجف اشرف حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی حسینی سیستانی دام ظلہ العالی کی سرپرستی میں دنیا بھر میں مستند اسلامی لٹریچر عوام تک پہنچانے میں کوشاں ہے۔ اس ادارے کا مقصد دور حاضر کی روحانی ضروریات کو پورا کرنا، لوگوں کو محکم اسلامی علوم کی طرف راغب کرنا اور اس گراں بہا علمی ورثے کی حفاظت کرنا ہے جو اہلبیت رسول علیہم السلام نے ایک مقدس امانت کے طور پر ہمارے سپرد کیا ہے۔

یہ ادارہ اب تک اردو، انگریزی اور دیگر زبانوں میں سیکڑوں کتابیں شائع کر چکا ہے جو اپنے مشمولات، اسلوب بیان اور طباعت کی خوبیوں کی بنا پر فردوس کتب میں نمایاں مقام حاصل کر چکی ہیں۔ انشاء اللہ نشر و اشاعت کا یہ سلسلہ انسانیت کو صراط مستقیم کی شناخت کرواتا رہے گا۔

اس کے علاوہ جامعہ ہذا تقریباً ۵۰۰ مدارس اور مکاتب میں زیر تعلیم بچوں اور جوانوں کو اسلامی تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔

دعوت اسلام ایک ایسا کام ہے جس کو فروغ دینے کے لئے ہم سب کو باہمی تعاون کرنا چاہئے۔ ادارہ آپ سب کو اس کار خیر میں شرکت کی دعوت دیتا ہے آپ بھی اس میں اپنا حصہ ڈالیں تاکہ اسلامی تعلیم دنیا بھر میں عام ہو سکے۔

دعا ہے کہ خدا بحق محمدؐ و آل محمدؐ ہم سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

شیخ یوسف علی نفسی

وکیل حضرت آیت اللہ العظمیٰ سیستانی دام ظلہ العالی

فہرست

عرضِ مؤلف

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔
اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِهِ الطَّاهِرِیْنَ ۔
وَالسَّلَامُ عَلٰی اَصْحَابِهِ الْمُنْتَجَبِیْنَ ۔

اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر میں نے حسب ذیل مقاصد کے حصول کی غرض سے یہ کتاب لکھی ہے۔

(۱) میں نے دیکھا کہ انسانی مکاتب فکر صدیوں سے قرآنی افکار کی مخالفت میں مصروف ہیں اور مختلف اجتماعی اداروں نے بہت سے ایسے قوانین بنائے ہیں جو احکام قرآن کے سراسر خلاف ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ کچھ جدید تعلیم یافتہ افراد قرآن کو مخلوق کے نظریات سے مطابقت دینے کی منظم کوشش کرتے ہیں جس سے لوگوں کے تخلیق کائنات اور خالق سے مخلوق کے ارتباط کے قرآنی نظریے کو ٹھیس پہنچتی ہے۔

اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے قرآن مجید سے کچھ ایسے آسان اور سادہ مباحث پیش کئے ہیں جن کا تعلق باری تعالیٰ کی ذات اور اس کے اسمائے حسنیٰ سے ہے۔ میں نے اس ضمن میں قرآن مجید کے ان نظریات کو قرآنی آیات سے ہی واضح کیا ہے جو مخلوق کے سلسلے میں بیان ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں نے یہ بھی بتایا ہے کہ انسان کی خلقت کے پہلے دن سے لے کر روز قیامت تک خالق کے ساتھ رابطے کی نوعیت کیا ہے۔ اس کے لئے میں نے انسانی نظریات کی بجائے قرآنی آیات پر ہی انحصار کیا ہے۔

(۲) میں نے القرآن الکریم و روایات المدرستین کی دوسری جلد میں یہ بحث کی تھی کہ کتب خلفاء میں رسول اکرمؐ سے منسوب ایسی روایات بھی موجود ہیں جن میں یہ کہا گیا ہے کہ قرآنی آیات میں اللہ تعالیٰ کے اسما کو تبدیل کرنا جائز ہے حالانکہ میرے نزدیک یہ نظریہ کسی طور پر بھی درست نہیں ہے۔ اس نظریے کے ابطال کے لئے ایک تفصیلی بحث کی ضرورت تھی چنانچہ میں نے زیر نظر کتاب میں لفظ "الالٰہ" اور "الرب" کی مثالوں سے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ قرآن مجید میں جہاں الالٰہ آیا ہے وہاں الرب لانا اور جہاں الرب آیا ہے وہاں الالٰہ لانا کسی طور پر بھی مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ اس بحث میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کتب خلفاء کا متذکرہ نظریہ کسی علمی بنیاد پر قائم نہیں ہے اس لئے اسے رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ سے نسبت دینا صحیح نہیں ہے۔

میں نے القرآن الکریم و روایات المدرستین میں کتب خلفاء سے نسخ کی روایات پیش کی تھیں اور اب اس کتاب میں انبیاؑء کی شریعتوں کے منسوخ ہونے کا جائزہ پیش کروں گا۔

(۳) میں نے مجمع علمی اسلامی کو "حوزۂ علمیہ" کے لئے نصابی کتب تیار کرنے کی سفارش کی تھی مگر اسلامی عقائد کے متعلق مجھے ایسی کوئی کتاب دکھائی نہ دی جو عصری تقاضوں کو پورا کرتی ہو۔ اسی لئے میں نے خدا کی مدد پر بھروسا کرتے ہوئے کتاب ہذا کو مرتب کیا ہے تاکہ یہ کتاب حوزہ ہائے علمیہ کے "اعتقادی مضمون" کی ضروریات کو پورا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو۔

(۴) ایران کے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد میں نے محسوس کیا کہ لوگوں میں اسلام شناسی کی ایک لہر پیدا ہوئی ہے اور مغربی ممالک میں رہائش پذیر اسلامی ممالک کے شہریوں خاص کر عربوں کے لئے جن کا اسلامی منابع سے رابطہ کٹ چکا ہے فکری رہنمائی کے لئے کتابوں کے ایک سلسلے کی شدید ضرورت ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے میں نے قیام الائمة باحیاء السنة تالیف کی اور اس کی پہلی جلد میں "اسلامی اصطلاحات" کے باب کو کتاب ہذا کا مقدمہ قرار دیا۔

میں نے کتاب ہذا میں اسلامی عقائد کو آیات قرآنی سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ جب میں اس کتاب کی ترتیب و تشکیل کے لئے قرآن مجید کے مطالعے میں مصروف تھا تو مجھ پر یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ قرآن مجید اسلامی عقائد کو انتہائی سلیس اور سادہ انداز میں پیش کرتا ہے۔ قرآن مجید نے اپنے استدلال کی بنیاد بھاری بھرکم اصطلاحات پر نہیں رکھی۔ قرآنی استدلال اتنا سہل اور آسان ہے کہ عربی پڑھا لکھا ہر صاحب شعور انسان اسے اچھی طرح سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید نے صرف علماء کو ہی اپنا مخاطب قرار نہیں دیا بلکہ وہ یَاۤاَیُّهَا النَّاسُ کہہ کر تمام انسانوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کراتا ہے۔

اس کے برعکس مجھے علماء کے رویے پر انتہائی حیرت اور افسوس ہے کہ انہوں نے اسلامی عقائد کے متعلق قرآن مجید کے عام فہم اسلوب کو چھوڑ کر یونانی فلاسفہ کے افکار، صوفیاء کے خود ساختہ عرفان، متکلمین کی گنجلک بحثوں، اسرائیلی روایات اور رسول اکرمؐ سے منسوب تمام رطب و یابس کو اپنی کتابوں میں جگہ دی۔ علماء نے قرآنی تعلیمات کو "فلسفہ" کے تابع بنانے کے لئے تاویلات سے کام لیا اور اس طرح اسلامی عقائد کو طلسم اور چیستان بنادیا۔ جب تک کوئی شخص بلاغت، منطق، کلام اور فلسفہ وغیرہ میں مہارت حاصل نہ کرے اس وقت تک اس کے لئے اسلامی عقائد کا سمجھنا مشکل بنادیا گیا ہے۔ علماء کی اس روش کے نتیجے میں معتزلی، اشعری، مرجئی اور خارجی پیدا ہوئے۔

(۵) جب ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اسلامی عقائد ایک زنجیر کی طرح ایک دوسرے سے مربوط نظر آتے ہیں۔ اس کا ایک حلقہ دوسرے حلقے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ عقائد کے تمام حلقے مل کر اسلامی عقائد کی

جامع زنجیر کو تشکیل دیتے ہیں اور عقائد کا ہر حلقہ دوسرے حلقے کی تکمیل کرتا ہے۔ اس کے برعکس علماء نے اس عقائد کی زنجیر کے تمام حلقوں کو ایک دوسرے سے جدا کردیا ہے جس کی وجہ سے اسلام کے طالب علموں کے لئے عقائد اسلام کی حکمت پس پردہ چلی گئی ہے۔

چنانچہ ہم نے درج بالا اسباب کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی اس کتاب کے مطالب کو حسب ذیل انداز سے مرتب کیا ہے:

اسلوب بحث

میں نے عقائد کے آب زلال کو قرآن مجید کے شفاف وشیریں چشمے سے براہ راست حاصل کیا ہے۔

اس بات سے ہر انسان باخبر ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے:

۱۔ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ٥ (اے اہل عرب!) ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں اتارا ہے تاکہ تم اسے سمجھ سکو۔ (سورۂ یوسف: آیت۲)

۲۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ٥ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ٥ اس (قرآن) کو روح الامین نے آپؐ کے دل پر (القا کیا ہے تاکہ) آپ لوگوں کو (عذاب آخرت سے) خبردار کردیں اس نے ہماری طرف سے (یہ القا) فصیح عربی زبان میں کیا ہے۔ (سورۂ شعراء: ۱۹۳و۱۹۴)

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم اس دور میں نزول قرآن کے زمانے کی عربی سے بہت ہٹ چکے ہیں چنانچہ میں نے تفسیر آیات کے لئے مختلف لغات کی طرف اور تفہیم آیات کے لئے حدیث وسیرت کی اُن روایات کی طرف رجوع کیا جن کی تنقیح میں اپنی دوسری کتابوں میں کرچکا ہوں۔ میں نے اس کتاب کے مباحث میں اُن کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔

میں نے اس کتاب کے مباحث میں تین طرح کی تفاسیر پر انحصار کیا ہے:

(۱) روائی تفسیر (۲) لغوی تفسیر (۳) موضوعی تفسیر

روائی تفسیر

سیوطی نے تفسیر درمنثور میں اور بحرانی نے تفسیر البرہان میں روائی تفسیر کی روش کو اپنایا ہے البتہ میں نے روائی تفسیر کرتے وقت سیوطی کا انداز نہیں اپنایا کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب میں ایک ہی آیت کے ضمن میں ایک دوسرے کی متضاد روایات نقل کی ہیں جبکہ میں نے صرف وہ روایات نقل کی ہیں جو میرے نزدیک صحیح تھیں اور

بعض مقامات پر میں نے سیوطی کی روایات پر تنقید بھی کی ہے۔

احادیث نقل کرتے وقت میں نے صرف شیعہ منابع پر ہی انحصار نہیں کیا بلکہ کتب خلفاء کی کتب صحاح، مسانید اور سنن سے بھی استفادہ کیا ہے۔ حدیث میں اختلاف کی صورت میں میں نے ایسی حدیث کو ترجیح دی ہے جس کی صحت کی دلیل میرے ہاں (مکتب اہلبیتؑ میں) روشن تھی۔

اور جہاں تک درایت حدیث کا تعلق ہے تو میں نے چھٹی صدی ہجری تک کے مشائخ حدیث کے طور طریقوں پر انحصار کیا ہے۔ درایت حدیث کی مکمل بحث کے لئے میری کتاب **"معالم المدرستین، جلد سوم، باب ائمہ اہلبیتؑ نے شناخت حدیث کے قواعد مقرر کئے"** ملاحظہ فرمائیں۔

لغوی تفسیر

روائی تفسیر کے علاوہ میں نے لغوی تفسیر اور تشریح سے بھی سیر حاصل استفادہ کیا ہے۔ یہ صرف مجھ پر ہی موقوف نہیں — سیوطی نے بھی حل لغات کے لئے ابن عباسؓ سے منسوب تفسیر پر انحصار کیا تھا۔ البتہ میں نے دیگر علمائے لغت کی طرح اپنے مباحث کو غیر ضروری طول نہیں دیا کیونکہ علمائے تفسیر نے ایک حقیقی معنی کو بیان کرنے کے علاوہ مجازی معانی پر بھی خاصی بحث کی ہے جبکہ میں نے آیت کے سیاق وسباق میں اُبھرنے والے معنی تک ہی اپنے آپ کو محدود رکھا ہے۔

موضوعی تفسیر

مذکورہ بالا دو قسم کی تفاسیر کے علاوہ میں نے موضوعی تفاسیر سے بھی استفادہ کیا ہے اور مجھ سے قبل فقہاء نے آیات احکام کے متعلق اسی اسلوب کو اپنایا ہے۔

ائمہ اہلبیتؑ سے تفسیر کی یہ تینوں اقسام بروایت صحیح مروی ہیں۔ اس مقام پر یہ بتانا انتہائی ضروری ہے کہ قرآنی آیات میں اکثر ایک سے زائد مطالب مراد ہیں جبکہ میں نے الفاظ آیات کو مقصد بحث تک ہی محدود رکھا ہے اور طویل بحث سے اجتناب برتا ہے تاکہ قارئین کو نتیجہ اخذ کرنے میں مشکل پیش نہ آئے۔

میں نے مختلف موضوعات کے تحت ایک ہی آیت کو بار بار پیش کیا ہے کیونکہ ایک لفظ دو علیحدہ علیحدہ مقامات پر مختلف طرح سے استعمال ہوا ہے جس کی وجہ سے اس کے معانی بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔

جہاں کہیں تکمیل بحث کے لئے ضروری تھا وہاں میں نے روایات کو نقل کرنے سے گریز نہیں کیا اور قرآنی مفہوم کی تائید وتقویت کے لئے تورات اور انجیل کے بھی حوالے دیئے ہیں۔ کتب سابقہ کے حوالوں کی

ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کیونکہ:

توراۃ و انجیل سیرت انبیاء کے قدیم ترین مآخذ ہیں اور اللہ نے قرآن مجید میں اس سے استشہاد کرتے ہوئے فرمایا ہے: كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ٥ توراۃ کے نازل ہونے سے پہلے بنی اسرائیل کے لئے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں سوا ان کے جو یعقوبؑ نے خود اپنے اوپر حرام کرلی تھیں۔ (اے رسولؐ) کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو توراۃ لاؤ اور اس سے دلیل پیش کرو۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۹۳)

البتہ میں نے ان عہدناموں سے ایسی روایات نقل نہیں کیں جن میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف نامناسب صفات منسوب کی گئی ہیں یا انبیاء و مرسلین کی توہین کی گئی ہے یا علم وعقل کے خلاف بات کی گئی ہے۔

پیغمبر اسلامؐ کی بعثت کی بشارت کے لئے میں نے توراۃ اور انجیل کے حوالے دیئے ہیں۔ یہ روش سنت الٰہی کے عین مطابق ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں نوید عیسیٰؑ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے: وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ٥ اور (وہ وقت یاد کرو) جب عیسیٰؑ بن مریمؑ نے کہا اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا نبی ہوں اور جو کتاب مجھ سے پہلے آچکی ہے یعنی توراۃ اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمدؐ ہوگا (سورۂ صف: آیت ۶) جہاں مختلف اقوال میرے پیش نظر تھے وہاں میں نے صرف اسی قول کو لیا ہے جس کے صحیح ہونے کی دلیل میرے پاس موجود تھی اور میں نے قول کے ساتھ اس کی دلیل کو بھی بیان کیا ہے۔ بعض مقامات پر میں نے علمائے سابقین کے نظریات سے بھی اختلاف کیا ہے اور جہاں جہاں اختلاف کیا ہے اس کی دلیل بھی بیان کی ہے۔

اس کتاب کی ترتیب اور مضامین کی تشکیل کے لئے میں نے قرآن مجید سے بھرپور رہنمائی حاصل کی ہے کیونکہ قرآن مجید نے اسلامی عقائد کو مربوط کڑیوں والی زنجیر کے سے انداز میں بیان کیا ہے جس کی تمام کڑیاں ایک دوسرے سے باہم جڑی ہوئی ہیں اور سابقہ بحث آنے والی بحث کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ جب تک عقائد اسلام کا مطالعہ اس قرآنی انداز سے نہ کیا جائے ان کی حکمت اجاگر نہیں ہوسکتی۔

دعا ہے کہ خداوند علی اعلیٰ ان مسلمانوں کے لئے جو قرآن کریم سے آسان اور عام فہم عقائد حاصل کرنے کے خواہاں ہیں اس کتاب مستطاب کو مفید بنائے اور قرآن کریم کے پرچم تلے تفرقے سے بچنے کے متمنی اور اتحاد بین المسلمین کے شیدائی افراد کے لئے اس کتاب کو ایک رہنما کی حیثیت عطا فرمائے۔

بے شک خداوند عالم نے سچ فرمایا ہے:

یَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا ○ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنْهُ وَ فَضْلٍ وَ يَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ○ اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلیل آچکی ہے اور ہم نے (کفر کا اندھیرا دور کرنے کے لئے) تمہاری طرف چمکتا ہوا نور بھیج دیا ہے۔ پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اسی کے ہو رہے تو وہ عنقریب ان کو اپنی رحمت اور فضل (کے گھنے باغوں) میں داخل کرے گا اور انہیں سیدھے راستے کی ہدایت کرے گا۔

(سورۂ نساء: آیت ۱۷۴ اور ۱۷۵)

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

مرتضٰی عسکری

میں نے اپنی علمی کم مائیگی کے اعتراف کے ساتھ مختلف اردو، فارسی اور انگریزی تراجم نیز اس کتاب میں علامہ صاحب کی لغوی تفسیر سے استفادہ کر کے قرآنی آیات کا سلیس اردو ترجمہ کیا ہے اور جہاں کہیں بتوفیق الٰہی حاشیہ لکھا ہے وہاں (☆) کا نشان لگا دیا ہے۔ فللّٰہ الحمد

رضا حسین رضوانی

میثاق اَلسْت

اللہ تعالیٰ نے نسل آدمؑ سے ایک میثاق لیا تھا جس کے متعلق قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَ اَشْھَدَھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَھِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّا کُنَّا عَنْ ھٰذَا غٰفِلِیْنَ ○ اَوْتَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَکَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَکُنَّا ذُرِّیَّۃً مِّنْ بَعْدِھِمْ اَفَتُھْلِکُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ○ جب تمہارے رب نے بنی آدم کی صلب سے ان کی اولاد نکالی اور خود ان ہی کو ان پر گواہ ٹھہرا کے پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا (بیشک تو ہمارا رب ہے) ہم اس کے گواہ ہیں۔ یہ اس لئے ہوا کہ قیامت کے دن تم لوگ یہ نہ کہہ سکو کہ ہم تو اس سے غافل تھے یا یہ کہہ دو کہ ہم سے پہلے ہمارے بزرگوں نے شرک کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد آنے والی نسل تھے تو کیا جو کام اہل باطل کرتے رہے اس کے بدلے تو ہمیں ہلاک کردے گا۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۷۲ و ۱۷۳)

ان آیات کی تفسیر سے پہلے ہم ایک مختصری تمہید بیان کرنا چاہتے ہیں۔

جب ایک بچہ پیدا ہوتا ہے اور اس کی ناف شکم مادر سے جدا کی جاتی ہے تو اس کا معدہ غذا طلب کرتا ہے۔ چونکہ بچہ اپنے احساسات کو بیان کرنے کے قابل نہیں ہوتا اس لئے وہ رونے کا سہارا لیتا ہے اور اس کے وجود میں تشنج کی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے جسے اس کے چہرے پر دیکھا جاسکتا ہے۔ بچے کے رونے سے ماں سمجھ جاتی ہے کہ اس کا بچہ غذا مانگ رہا ہے اور وہ بچے کو دودھ پلاتی ہے۔ بچہ آہستہ آہستہ ماں کی چھاتی سے دودھ پینے لگتا ہے اور یہ دودھ منہ کے ذریعے اس کے معدے تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر بچہ جوں جوں بڑا ہوتا جاتا ہے وہ ٹھوس غذا کھانے لگتا ہے اور غذا کا یہ سلسلہ ساری زندگی جاری رہتا ہے۔ جسمانی نشوونما کے لئے غذا انتہائی ضروری ہے اور ہر جاندار اپنے وجود کی بقا کے لئے غذا کا محتاج ہے۔ غذا کی یہی خواہش ہر جاندار کو عمل اور حرکت پر آمادہ کرتی ہے۔

ایک بچہ جب بڑا ہوتا جاتا ہے تو اس کے سوچنے سمجھنے کی خفتہ صلاحیتیں بھی بیدار ہونے لگتی ہیں۔ چنانچہ جب وہ اپنے سامنے کسی نئی چیز کو دیکھتا ہے تو اس کے متعلق ماں باپ سے سوال پوچھنے لگتا ہے۔ مثلاً جب وہ سورج کو غروب ہوتے دیکھتا ہے تو اپنے ماں باپ سے پوچھتا ہے کہ رات کے وقت سورج کہاں چلا جاتا ہے؟ اور جب وہ کسی پہاڑ کے دامن میں بہتے ہوئے چشمے کو دیکھتا ہے تو اپنے جذبۂ تجسس سے مجبور ہو کر ماں باپ

سے پوچھتا ہے کہ یہ پانی کہاں سے آ رہا ہے؟ اسی طرح جب وہ بادلوں کو ہوا کے دوش پر اڑتے ہوئے دیکھتا ہے تو پوچھتا ہے کہ یہ بادل کہاں جا رہے ہیں؟ مختصر یہ کہ ہر انسان فطری تجسس سے مجبور ہو کر اپنے والدین یا بڑوں سے کائنات کے متعلق سوال کرتا رہتا ہے۔

جس طرح معدہ انسان کو غذا حاصل کرنے پر مجبور کرتا ہے اسی طرح دماغ بھی انسان کو معلومات حاصل کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ غذا کی خواہش کا محرک معدہ ہے اور معلومات کے حصول کا محرک عقل ہے۔

ہر انسان اپنی پوری زندگی معدے اور عقل کے تقاضوں میں بسر کرتا ہے۔ ہر انسان غذا کے ساتھ ساتھ حوادث کے علل و اسباب جاننے کا خواہش مند رہتا ہے اور ہر چیز کی حرکت و سکون کی وجہ جاننا چاہتا ہے اور یہی فطری تقاضا اس کے لئے علم و معرفت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ عقل مند انسان صرف موجودات کے متعلق ہی معلومات حاصل نہیں کرتا بلکہ وہ یہ بھی سوچتا ہے کہ آخر ان موجودات کا موجد کون ہے؟ وہ صرف موجودات کی حرکت و سکون کی تلاش میں ہی نہیں رہتا بلکہ موجودات کو حرکت و سکون بخشنے والے کے متعلق بھی جستجو کرتا ہے اور اس کی عقل اس سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ وہ اس نظام ہستی کے چلانے والے کے بارے میں بھی غور کرے۔

حیراں ہے بُوعلی کہ میں آیا کہاں سے ہوں
رومیؔ یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کدھر کو میں! (اقبالؔ)

جب کوئی باشعور انسان زمین کے گرد چاند کی گردش اور سورج کے گرد زمین کی گردش اور ایک ذرہ کی اپنے محور کے گرد گردش اور خون کے سرخ و سفید خلیوں کی گردش اور اس طرح کی ہزاروں گردشوں کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اس کائنات کا ایک رب ہے جو تمام موجودات کی زندگی کو منظم رکھے ہوئے ہے اور وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ... کا یہی مفہوم ہے۔

تفسیر آیت

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ یعنی تمہارے رب نے انسانوں سے عہد لیا جب اس نے ان کے باپوں کی صلبوں (یعنی عالم ذر) سے ان کی نسل چلائی۔

۱۔ سفینۃ البحار، مادۃ الفطرۃ۔

۲۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ، ص۲۴ و ۲۵، احادیث ۲۰۴۷، ۲۰۴۹، ۲۰۵۰۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی، ج ۱، ص۱۶۱ سنن ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب فی ذراری المشرکین، ج ۴، ص۲۱۶۔ سنن ترمذی، کتاب القدر، باب ماجاء کل مولود یولد علی الفطرۃ، ج ۸، ص۳۰۳۔ مؤطا مالک، کتاب الجنائز، باب جامع الجنائز، ج ۱، ص۲۴۱، حدیث ۵۲۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۲، ص۲۳۳، ج ۳، ص۴۳۵، ج ۴، ص۲۴۔

وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اور ان میں سے ہر ایک کو اس کی ذات پر گواہ بنایا اور ان کی فطرت میں یہ بات رکھی کہ وہ ہر موجود کے وجود اور اس کی حرکت کے اسباب کی جستجو کریں اور اپنی فطری استعداد اور عقل کے ذریعے یہ فیصلہ کریں کہ مخلوق کے لئے خالق اور منظم نظام کے لئے منتظم کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ معلوم سے مجہول تک پہنچنے کی یہ صلاحیت رب جلیل نے صرف انسانوں کو ہی عطا فرمائی ہے۔ اسی فطری استعداد کی وجہ سے انسان نامعلوم اشیا کی حقیقتوں کا ادراک کرتا ہے جبکہ دوسری مخلوق اس وصف سے محروم ہے۔ ہم انشاء اللہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کی تفسیر کے ضمن میں اس نکتے کو واضح کریں گے۔

انسان غلط بات ماننے پر مجبور نہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی سرشت میں خصوصی استعداد ودیعت فرمائی ہے اور اسی استعداد کی وجہ سے وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ یعنی خود ان کو ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے واجب الوجود نے پوچھا تھا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ بنی نوع انسان نے زبان فطرت سے جواب دیا تھا کہ بَلٰى شَهِدْنَا کیوں نہیں! ہم اس بات کے گواہ ہیں۔

اسی مفہوم کو حضرت رسول اکرمؐ نے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے: كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ حَتّٰى يَكُوْنَ اَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ وَ يُنَصِّرَانِهٖ یعنی ہر پیدا ہونے والا فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اسے یہودی اور نصرانی بناتے ہیں۔[1] ایک اور روایت میں وَيُمَجِّسَانِهٖ بھی آیا ہے یعنی مجوسی بناتے ہیں۔[2]

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ہر انسان معرفت ربوبیت کی فطرت لے کر پیدا ہوتا ہے اور اس کے والدین اسے اس کی فطرت سلیمہ سے منحرف کرتے ہیں اور اسے یہودیوں، نصرانیوں یا مجوسیوں کے دین میں لے جاتے ہیں جبکہ یہ تینوں ادیان دین فطرت سے منحرف ہیں اور انہوں نے اللہ کے دین میں تحریف کی ہے۔

اس آیت میں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا تھا، الوہیت کا نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ "رب" یعنی نظام ہستی کے چلانے والے پر ایمان کا نتیجہ اللہ الخالق پر ایمان کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ جبکہ اللہ الخالق پر ایمان کا نتیجہ نظام ہستی کو چلانے والے رب پر ایمان کی صورت میں نہیں نکلتا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے روز الست انسانوں کو خود ان کے اوپر گواہ قرار دیا تاکہ وہ قیامت میں یہ نہ کہہ سکیں کہ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ یعنی ہم تیری ربوبیت سے بے خبر تھے اور تو نے اس کے لئے نہ تو ہم پر کوئی حجت قائم کی تھی اور نہ ہماری عقل ہی کی تکمیل کی تھی اس لئے ہم تیری ربوبیت کے ادراک سے قاصر رہ گئے تھے اور اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔

علاوہ ازیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو خود ان پر گواہ اس لئے بھی بنایا تاکہ قیامت میں کوئی یہ بہانہ نہ کرسکے کہ اِنَّمَا اَشْرَکَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَکُنَّا ذُرِّیَّۃً مِّنْ بَعْدِھِمْ. اس سے قبل ہمارے آباؤاجداد الوہیت میں شرک کرتے تھے اور تیری ربوبیت کے منکر تھے اور ہم ان کے صدیوں بعد پیدا ہوئے اس لئے ہمیں حقائق کا کچھ علم نہیں تھا اور ہمیں تیری الوہیت میں شرک اور تیری ربوبیت کا انکار اپنے بزرگوں سے ورثے میں ملا تھا اور ہمارے والدین نے ہمیں ایسے راستے پر چلایا کہ ہم تیری ربوبیت سے غافل رہ گئے لہٰذا اگر تیری ربوبیت سے غافل رہنا جرم ہے تو یہ جرم ہم نے نہیں بلکہ ہمارے آباؤاجداد نے کیا تھا۔ اگر تو نے اس جرم کی سزا دینی ہے تو ہمارے پرکھوں کو دے۔ اس جرم کی سزا کسی طور ہمیں نہیں ملنی چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ خدا نے "خود انسانوں" کو اپنے آپ پر گواہ اس لئے بنایا تاکہ کل کوئی یہ نہ کہنے پائے کہ معاشرے اور والدین کے اثرات بچے پر بالخصوص اور ایک بالغ انسان پر بالعموم مرتب ہوا کرتے ہیں اور یہی اثرات ہم پر بھی مرتب ہوئے پھر بھلا اس میں ہمارا کیا قصور تھا۔

خدا انسانوں کے اس طرح کے سوالات کو باطل کرتے ہوئے کہے گا کہ تمہاری یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ ہم نے تمہاری فطرت میں اسباب وعلل تلاش کرنے کی صلاحیت رکھ دی تھی اور اسی صلاحیت کی بدولت آنے والی نسلوں نے ایسی چیزیں دریافت کیں جنہیں پہلے کے لوگ نہیں جانتے تھے۔

مثلاً پرانے وقتوں میں لوگ بھاپ کی طاقت، بجلی کی قوت، روشنی کے سفر اور کواکب کی ایک دوسرے کے گرد گردش کو غلط جانتے تھے لیکن بعد کی نسلوں نے ان تمام حقائق کو دریافت کیا۔ آخر یہ دریافت کا مادہ انسان میں کہاں سے آیا؟ حقیقت یہ ہے کہ دریافت کا مادہ اس غریزے کا منطقی نتیجہ ہے جس کے تحت انسان علل واسباب کی جستجو کرتا ہے۔ لہٰذا انسان اپنی حجت سے خدا کو لاجواب نہیں کرسکتے جبکہ وہ ان سے کہہ سکتا ہے کہ ہم نے جستجو کا مادہ تم میں ودیعت کیا تھا اور ساتھ ہی عقل کا چراغ بھی عطا کیا تھا جس سے تم صحیح وغلط اور حق و باطل کو جان سکتے تھے لہٰذا ہم تم پر اپنی حجت مکمل کرچکے ہیں اور تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ "ہم اس سے غافل تھے۔"

علاوہ ازیں تمہارا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ آخر ہم کیا کرتے؟ ہم جس معاشرے میں رہتے تھے اس کے نظریات سے آزاد ہونا ہمارے لئے ممکن نہیں تھا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حق وصداقت پر چلنا چاہے تو معاشرہ جس قدر بگڑا ہوا ہی کیوں نہ ہو پھر بھی جادۂ حق پر چلنے والے چلتے ہی رہتے ہیں۔ اس کی مثال کے لئے سورۂ تحریم کی آیات ۱۰-۱۲ ہی کافی ہیں: ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ کَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتَا ھُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْھُمَا مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا وَّقِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِیْنَ ○ وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً لِّلَّذِیْنَ آمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِہٖ وَ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ○ وَ مَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِیْ اَحْصَنَتْ فَرْجَھَا

فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ ٥ خدا نے کافروں کے لئے نوحؑ کی بیوی اور لوطؑ کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے۔ یہ دونوں عورتیں ہمارے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں اور ان دونوں نے اُن سے خیانت کی تو خدا کی بارگاہ میں یہ رشتہ ان کے کوئی کام نہ آیا اور اُن سے کہہ دیا گیا کہ داخل ہونے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ اور خدا نے مومنوں کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے کہ جب اس نے التجا کی کہ اے میرے رب! میرے لئے جنت میں ایک گھر بنادے اور مجھے فرعون (کے شر سے) بچالے اور اس کے اعمال سے اور اس ظالم قوم سے نجات عطا فرما۔ اور مریم بنت عمران کی مثال جنہوں نے اپنی عفت کی حفاظت کی تو ہم نے اُن میں اپنی روح پھونک دی اور وہ اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کرتی تھیں اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھیں۔

حضرت آسیہ کافر گھرانے اور کافر ماحول میں رہتی تھیں اور ایسے آدمی کی بیوی تھیں جو الوہیت اور ربوبیت کا دعویدار تھا۔ حضرت آسیہ ایک معبود اور ایک رب پر ایمان رکھتی تھیں۔ شرک اور کفر کے ماحول میں رہنے کے باوجود انہوں نے اپنی قوم کے نظریات سے اختلاف کیا اور خدائی کے دعویدار اپنے شوہر سے ذرہ برابر بھی مرعوب نہ ہوئیں۔ وہ رب العالمین پر ایمان لائیں اور فرعون اور اس کے عمل سے بیزاری کا اعلان کیا۔ انہوں نے اپنی دعا میں کہا کہ "اے میرے رب! میرے لئے جنت میں ایک گھر بنادے اور مجھے فرعون (کے شر سے) بچالے اور اس کے اعمال سے اور اس ظالم قوم سے نجات عطا فرما۔" حضرت آسیہ نے باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور رب العالمین پر ایمان کی وجہ سے شہادت کو گلے لگانا قبول کیا لیکن اپنے شوہر کو رب نہیں مانا۔ یہ اس مومنہ کی داستان تھی جس نے کفر کی بستی میں ایمان کی شمع فروزاں رکھی تھی۔

اور اب دوسری طرف نگاہ کیجئے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ دونوں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی تھے۔ وہ لوگوں کو رب العالمین پر ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے لیکن ان کی بیویوں نے اپنے نبی شوہروں کی دعوت پر لبیک نہ کہی اور وہ رب العالمین اور اپنے شوہروں کی نبوت پر ایمان نہ لائیں۔

اسی طرح سے حضرت نوحؑ کے بیٹے نے کاشانہ نبوت میں پرورش پانے کے باوجود اپنے والد کو نبی نہیں مانا۔ اس نے اپنے والد کی بنائی ہوئی کشتی نجات پر سوار ہونے کے بجائے پہاڑوں پر چڑھنا پسند کیا اور وہ آخرکار عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آکر ہلاک ہو گیا۔

قرآن اس واقعہ کو یوں بیان کرتا ہے: وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَنَادٰى نُوْحُ ۨابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يَّا بُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكَافِرِيْنَ ٥ قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ وہ کشتی ان کو لے کر پہاڑوں جیسی موجوں کے درمیان چلی جارہی تھی کہ نوحؑ نے اپنے بیٹے کو پکارا جو (کشتی سے) الگ تھا کہ اے بیٹا!

ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں نہ جا۔ اس نے کہا کہ میں ابھی پہاڑ پر پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا۔ انہوں نے کہا کہ آج اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں مگر یہ کہ جس پر وہ خود رحم کرے۔ اتنے میں دونوں کے درمیان موج حائل ہوگئی اور ڈوبنے والوں کے ساتھ وہ بھی ڈوب گیا۔ (سورۂ ہود: آیت ۴۲و۴۳)

حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں نے اپنے شوہروں کی مخالفت کی تھی۔ حضرت نوحؑ کے بیٹے نے بھی اپنے والد کی مخالفت کی تھی اور کشتی نجات پر سوار ہونے سے انکار کردیا تھا جبکہ اسے عذاب الٰہی کے آثار بھی دکھائی دے رہے تھے مگر اس کے باوجود وہ ایمان سے محروم رہا۔

حضرت آسیہ نے بھی اپنے شوہر اور اپنی قوم کی مخالفت کی تھی۔ وہ اپنے رب پر ایمان لائی تھیں حالانکہ کافر ماحول میں رہتی تھیں مگر اس ماحول میں بھی وہ کفر سے دور رہیں اور اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرتی رہیں۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ماحول، معاشرہ اور والدین کسی کو ایمان لانے یا کافر ہونے پر مجبور نہیں کرسکتے جبکہ کفار اور مشرکین کے متعلق قرآن مجید نے سات مقامات پر یہ بیان فرمایا ہے کہ کافروں نے بت پرستی اور ملائکہ پرستی کے لئے یہ جواز پیش کیا تھا کہ وہ اس لئے اس بے راہ روی کا شکار ہوئے کہ ان کے آباؤاجداد کا یہی دین تھا۔

۱۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بت پرست قوم سے گفتگو کی تو انہوں نے کہا کہ ہمارے آب وجد ان ہی بتوں کے پجاری تھے: وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ ٥ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ٥ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ ٥ ہم نے ابراہیمؑ کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم ان کی حالت سے باخبر تھے۔ جب انہوں نے اپنے ابا اور اپنی قوم سے پوچھا کہ پتھر کے تراشے ہوئے یہ بت کیا ہیں جن کے گرد تم حلقہ باندھے ہوئے ہو تو انہوں نے کہا کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو ان ہی کی پرستش کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (سورۂ انبیاء: آیت ۵۱ تا ۵۳)

۲۔ یہی واقعہ قرآن مجید میں دوسرے مقام پر یوں بیان ہوا ہے: وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ٥ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ٥ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ٥ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ٥ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ٥ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ٥ انہیں ابراہیمؑ کا حال پڑھ کر سناؤ۔ جب انہوں نے اپنے چچا اور اپنی قوم سے پوچھا کہ تم لوگ کس چیز کو پوجتے ہو؟ وہ کہنے لگے کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ان کی مجاوری کرتے ہیں تو ابراہیمؑ نے کہا کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری آواز سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ فائدہ دے سکتے ہیں یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (سورۂ شعراء: آیت ۶۹ تا ۷۴)

۳۔ حضرت موسیٰؑ کی سرگزشت کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے: قَالَ مُوسَىٰ أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ أَسِحْرٌ هَٰذَا وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُونَ ٥ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونَ لَكُمَا

الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ ○ موسیٰ نے کہا کہ تم لوگ حق کے آجانے کے بعد اسے جادو کہہ رہے ہو تو کیا یہ جادو ہے جبکہ جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ انہوں نے کہا کہ تم یہ پیغام اس لئے لائے ہو کہ ہمیں ہمارے باپ دادا کے راستے سے منحرف کردو اور تم دونوں اس ملک کے بڑے بن جاؤ اور ہم تو ہرگز تمہاری بات ماننے والے نہیں ہیں۔ (سورۂ یونس: آیت ۷۷و۷۸)

۴۔ رسول اکرمؐ کے مخالفین بھی اپنے نظریات کی صحت کے لئے اپنے آباؤاجداد کا ہی حوالہ دیا کرتے تھے: وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ○ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا کے نازل کردہ احکام اور رسولؐ کی طرف آؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ چاہے ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ کسی طرح کی ہدایت رکھتے ہوں۔ (سورۂ مائدہ: آیت ۱۰۴)

۵۔ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ○ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ○ لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کے متعلق کسی علم و ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر جھگڑتے ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے تم اس کا اتباع کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس کا اتباع کرتے ہیں جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ چاہے شیطان ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلا رہا ہو۔ (سورۂ لقمان: آیت ۲۰و۲۱)

۶۔ وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَٰنِ إِنَاثًا أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ ○ وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَٰنُ مَا عَبَدْنَاهُم مَّا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ○ أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِّن قَبْلِهِ فَهُم بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ ○ بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّهْتَدُونَ ○ ان لوگوں نے فرشتوں کو بھی جو خدا کے بندے ہیں (خدا کی) بیٹیاں قرار دیدیا ہے۔ کیا یہ ان کی پیدائش کے گواہ ہیں؟ عنقریب ان کی گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے بازپرس کی جائے گی۔ اور یہ کہتے ہیں کہ خدا چاہتا تو ہم ان کو نہ پوجتے۔ انہیں اس کا کچھ علم نہیں۔ وہ صرف انکلیں دوڑا رہے ہیں۔ کیا ہم نے اس سے پہلے انہیں کوئی کتاب دی ہے جس سے یہ تمسک کئے ہوئے ہیں؟ نہیں! بلکہ انہوں نے یہ کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی دین پر پایا ہے اور ہم ان ہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ (سورۂ زخرف: آیت ۱۹تا۲۲)

۷۔ سابقہ امتوں کی اسی کہنہ پرستی کی رسم بد کو بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ ○ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكُم بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدتُّمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ○ فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ○ اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں (عذاب آخرت سے)

خبردار کرنے والا نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس بستی کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی دین پر پایا ہے اور ہم ان ہی کی پیروی کر رہے ہیں۔ پیغمبرؐ نے کہا کہ چاہے میں اس سے بہتر پیغام لے آؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے تو انہوں نے کہا کہ ہم تمہارے پیغام کو ماننے والے نہیں۔ پھر ہم نے ان سے انتقام لیا تو اب دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا برا انجام ہوا۔ (سورۂ زخرف: آیت ۲۳ تا ۲۵)

لغوی تشریح [۱]

۱۔ اَلتَّمَاثِیْلُ: دھات، پتھر یا لکڑی وغیرہ کا مجسمہ۔

۲۔ عَاکِفُوْنَ: ہر وقت معبد میں رہنے اور بتوں کی پوجا کرنے والے مجاور۔

۳۔ تَلْفِتَنَا: تو ہمیں منحرف کرتا ہے۔

۴۔ سَعِیْرُ، اَلسَّعِیْرُ: آگ کا شعلہ یا شعلہ زن آگ۔ آیت میں اس سے مراد جہنم کی آگ ہے۔

۵۔ یَخْرُصُوْنَ: وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ وہ انکلیں دوڑاتے ہیں۔

۶۔ اُمَّۃٌ: وہ جماعت جو کسی ایک بات میں متحد ہو۔ خواہ وہ "ایک" دین ہو، زمانہ ہو یا مکان ہو۔

۷۔ اَلْمُتْرَفُ: خوشحال۔ وہ جسے دنیا جہان کی نعمتیں میسر ہوں۔ جس پر نعمتوں کا تسلسل ہو اور وہ کثرت نعمات کے سبب سرکش ہو گیا ہو۔

تفسیر آیات

ان آیات میں خدا نے خبر دی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ بھلا یہ بتاؤ کہ جن بتوں کو تم پوجتے ہو کیا وہ تمہاری پکار سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ اور کیا پتھر کے ترشے ہوئے یہ بے جان بت تمہیں کوئی فائدہ یا نقصان بھی پہنچاتے ہیں؟ اس کے جواب میں ان کی قوم نے کہا تھا کہ ابراہیمؑ! تم تو جانتے ہو کہ پتھر کے بت بولا نہیں کرتے مگر ہمارے باپ دادا یہی کچھ کیا کرتے تھے۔ واقعی جب اوہام انسانوں کے دل و دماغ پر غلبہ پالیتے ہیں تو فہم سلیم اور ذہن مستقیم مفلوج ہو کر رہ جاتے ہیں۔

یہی کہن پرستی حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں بھی اعلان حق میں رکاوٹ تھی۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ خدا نے مجھے جو معجزات دیئے ہیں وہ سراسر حق ہیں لیکن ایک تم ہو کہ انہیں جادو کہہ رہے ہو؟

لوگوں نے جواب میں کہا تھا کہ تم ہمیں ہمارے باپ دادا کے طور طریقوں سے ہٹانا چاہتے ہو۔

۱۔ ہم نے لغوی تشریح کے لئے راغب اصفہانی کی مفردات القرآن، المعجم لالفاظ القرآن الکریم، لسان العرب اور المعجم الوسیط سے استفادہ کیا ہے۔

آبا پرستی کا یہی جذبہ رسول اکرمؐ کے عہد میں بھی حق سے دوری کا سبب تھا جیسا کہ اس آیت میں بتایا گیا ہے: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَائَنَا جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے ان احکام کی طرف آؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے وہی (رسومات) کافی ہیں جن پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو (عمل کرتے ہوئے) پایا ہے۔ (سورۂ مائدہ: آیت ۱۰۴)

ایک اور مقام پر قرآن مجید فرماتا ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتَابٍ مُّنِيْرٍ ٥ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا کے بارے میں کسی علم و ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر جھگڑا کرتے ہیں۔ (سورۂ حج: آیت ۸)

کفار قریش فرشتوں کو معبود مانتے تھے اور کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ خدا نے استفہام انکاری کے انداز میں فرمایا ہے کہ کیا انہوں نے ملائکہ کو بنتے ہوئے دیکھا تھا اور کیا تخلیق کے وقت یہ دیکھ لیا تھا کہ فرشتے صنف نازک سے ہی تعلق رکھتے ہیں؟ یا خدا نے ان پر تورات و انجیل جیسی کوئی کتاب اتاری ہے جس میں انہیں صنف نازک بتایا گیا ہے۔

اس کے جواب میں کفار و مشرکین نے اسی آباء پرستی کی روایت کا سہارا لیتے ہوئے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقے پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم پر ہدایت پانے والے ہیں۔

خدا سابقہ امتوں کی روش بیان کرتے ہوئے اپنے رسولؐ کو تسلی دیتا ہے کہ آپ لوگوں کے رویے سے مایوس نہ ہوں کیونکہ لوگوں کا عمومی رویہ یہی رہا ہے کہ جب بھی ہم نے کسی رسول کو تبلیغ کے لئے بھیجا تو اس قوم کے اشراف اس رسول کی مخالفت میں پیش پیش رہے اور ہمیشہ ان کا یہی موقف رہا کہ ہم جس راستے پر گامزن ہیں یہ ہمارے آباؤ اجداد کا راستا ہے۔ پھر خدا کے رسولوں نے ان سے کہا کہ ہم تمہیں تمہارے آباؤ اجداد کے راستے سے بہتر راستا بتاتے ہیں تو مشرکین نے جواب میں کہا کہ نہیں! ہمیں تمہاری رہنمائی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تمہارے پیغام کے منکر ہیں۔

برا ہو تعصب کا جو فطرت سلیمہ پر غالب آ کر انسان کو اپنے بنانے اور اس کی نشوونما اور بقا و ارتقا کا انتظام کرنے والے "رب" کی معرفت سے روک دیتا ہے۔

خلاصۂ بحث

جس طرح انسانی معدہ پوری زندگی غذا کی خواہش کرتا رہتا ہے اسی طرح انسانی نفس بھی پوری زندگی معلومات حاصل کرنے کا خواہاں رہتا ہے۔ انسانی نفس جب بھی کسی متحرک کی حرکت اور کسی موجود کے وجود کے سبب کا کھوج لگاتا ہے تو اس کی عقل یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگاتی کہ ہر حرکت کے پیچھے ایک محرک کا ہونا

ضروری ہے اور ہر منظم الوجود مخلوق کے لئے ایک خالق کا ہونا لازم و لابد ہے۔ ہماری کائنات اور جو کچھ اس میں ہے اس کے خالق کو اللہ کہا جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ اور رب کا تصور انسان کی فطرت میں شامل ہے اور قیامت کے دن کسی کو بھی اِنَّا کُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِيْنَ کہنے کا حق نہیں ہوگا۔

اسی طرح کوئی یہ کہنے کا حق بھی نہیں رکھتا کہ "ہم سے پہلے ہمارے بزرگوں نے شرک کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد آنے والی نسل تھے تو کیا اہل باطل کے اعمال کی بنا پر تو ہمیں ہلاک کردے گا۔"

اس حقیقت کو یوں سمجھنا چاہئے کہ آج سے کچھ عرصہ قبل جب بجلی دریافت نہیں ہوئی تھی اس وقت تک انسان رات کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں شب باشی کیا کرتے تھے لیکن بجلی کی دریافت کے بعد انسان کو رات کے وقت روشنی مل گئی اور جدید سواریوں کی ایجاد سے قبل انسان پیدل یا اونٹوں اور گھوڑوں پر سفر کیا کرتے تھے لیکن بعد میں جدید سواریاں ایجاد ہوگئیں۔

بجلی کی دریافت کے بعد اگر کوئی شخص کہے کہ میں اس روشنی سے استفادہ کرنا نہیں چاہتا کیونکہ میرے باپ دادا کے دور میں یہ چیز نہیں تھی اور اسی طرح جدید سواریوں کی ایجاد کے بعد اگر کوئی شخص کہے کہ میں دور دراز کا سفر اپنے آباؤاجداد کی طرح سے پیدل یا جانور کے ذریعے کروں گا تو یقیناً ایسے شخص کو احمق سمجھا جائے گا اور اس کی قدامت پسندی کو حماقت سمجھا جائے گا۔ اسی طرح سے انبیاء علیہم السلام کی "دعوت توحید" کے بعد اگر کوئی بدنصیب یہ کہے کہ میں تو اپنے باپ دادا کے عقیدے پر ہی قائم رہوں گا کیونکہ میرے آباؤاجداد کی پوری زندگی شرک و الحاد کے اندھیروں میں بسر ہوئی تھی اس لئے میں "نور توحید" کو قبول نہیں کروں گا تو ایسے شخص کو احمق سمجھا جائے گا اور ایسی قدامت پسندی قابل مذمت ٹھہرے گی۔

خدا نے انبیاء و مرسلین کے ذریعے سے لوگوں پر اپنی حجت تمام کردی ہے اور غفلت میں ڈوبے ہوئے لوگوں کی ہدایت کا سامان فراہم کردیا ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی کفر و الحاد کے اندھیروں میں بھٹکنا چاہے تو یہ اس کی بدنصیبی ہی کہلائے گی۔

خدا نے اپنے رسولؐ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: **فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝** (اے رسولؐ) آپ یاد دہانی کراتے رہیں کہ آپ صرف یاد دہانی کرانے والے ہیں۔ آپ ان پر نگران نہیں بنائے گئے۔ (سورۂ غاشیہ: آیت ۲۱و۲۲) اور اسی یاد دہانی کو خدا نے لفظ ذکر سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ...**وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝** (اے رسولؐ!) ہم نے آپ کو کتاب دے کر بھیجا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لئے اُن احکامات کو وضاحت سے بیان کریں جو اُن کی طرف نازل کئے گئے ہیں تاکہ وہ ان کو سمجھ سکیں۔ (سورۂ نحل: آیت ۴۴)

تصورِ اُلوہیت

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ''یہ کائنات اچانک پیدا ہوئی ہے اور اس کا نظم و نسق کسی منتظم کے بغیر ہی چل رہا ہے۔'' ان کا کہنا یہ ہے کہ بے شمار مخلوقات بس کسی ارادے کے بغیر اچانک پیدا ہوگئیں کیونکہ ذرات مخصوص تناسب سے ایک دوسرے سے مل گئے جس سے آکسیجن اور ہائیڈروجن جیسے بنیادی عناصر پیدا ہوگئے۔ پھر یہ بنیادی عناصر اتفاقاً ایک خاص تناسب سے آپس میں مل گئے اور اچانک انہیں پنپنے کے لئے سازگار ماحول مل گیا جس کے نتیجے میں بے شمار مخلوقات منصۂ شہود پر آگئیں اور یوں اس زمین پر زندگی نے جنم لیا۔

اچانک تخلیق کی اس تھیوری (The Big Bang Theory) کو رد کرتے ہوئے پروفیسر موریسن نے لکھا ہے کہ یہ تھیوری ریاضی کے اصولوں کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں:

آپ دس سکے لیں اور ان پر ایک سے دس تک نمبر لگائیں۔ اب ان کو جیب میں ڈال کر اچھی طرح سے ہلائیں۔ پھر انہیں ایک سے لے کر دس نمبر تک ترتیب وار نکالتے جائیں اور دوبارہ جیب میں ڈالتے جائیں اور ہر دفعہ ان کو اچھی ہلائیں۔ ریاضی کے اصول کے تحت ایک نمبر کے سکے کا ترتیب وار نکلنے کا چانس ۱/۱۰ ہوگا۔ پہلے اور دوسرے دو ترتیب وار سکوں کے ترتیب سے آنے کا چانس ۱/۱۰۰ ہو جائے گا۔ ایک سے لے کر تین نمبر تک کے سکوں کے ترتیب وار نکلنے کا چانس ۱/۱۰۰۰ ہو جائے گا۔ اور ایک نمبر سے لے کر چار نمبر تک کے سکوں کے ترتیب وار نکلنے کا چانس ۱/۱۰۰۰۰ ہو جائے گا۔ اور ایک سے لے کر دس نمبر تک کے سکوں کے ترتیب وار نکلنے کا چانس ناقابلِ یقین حد تک جا پہنچے گا یعنی ۱/۱۰ بلین ہو جائے گا۔[۱]

جب دس سکوں کے ترتیب وار نکلنے کا چانس ملین اور بلین میں سے ایک بنتا ہے تو پھر لاتعداد مخلوقات کے اچانک پیدا ہونے کا چانس کیا ہوگا؟ اور اس حقیقت کے بعد بھی کیا کوئی عقل مند شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ انجینئرنگ کا عظیم ترین اور محکم ترین شاہکار — ہماری یہ کائنات اچانک پیدا ہوئی ہے اور ایک محکم ترین نظامِ حیات رکھنے والی ہزاروں مخلوقات اس کائنات کے جزو ہیں۔

۱۔ نیو یارک اکاڈمی آف سائنسز کے سابق صدر Prof. Abraham Cressy Morrison کی کتاب Man Does Not Stand Alone سے اقتباس جو ۱۹۴۴ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کا عربی ترجمہ العلم یدعو للایمان کے نام سے مصر سے شائع ہوا ہے۔ پروفیسر موریسن نے یہ کتاب معروف برطانوی ماہر حیاتیات اور فلسفی Sir Julian Huxley کی کتاب Man Stands Alone کے جواب میں لکھی تھی۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ٥... وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ٥ ہم نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لئے اُسے ستاروں سے آراستہ کر دیا... اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے اور اس میں سے ہر چیز کو معینہ مقدار میں پیدا کیا۔ (سورۂ حجر: آیت ۱۶۔۱۹) اور یہ کہ

۲۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ٥ بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اور کشتیوں میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کے لئے چلتی ہیں اور مینہ جس کو خدا آسمان سے برساتا ہے اور اس سے زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں عقلمندوں کے لئے (قدرت خدا کی) نشانیاں ہیں۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۶۴)

جی ہاں! مجھے اپنے رب کی قسم! زمین و آسمان کی پیدائش، عظیم الشان کہکشاؤں اور زمین سے اُگنے والی تمام نباتات میں ایک خاص نظم پایا جاتا ہے جس میں عقل مندوں کے لئے نشانیاں ہیں لیکن نفسانی خواہشات کا زور عقل مند لوگوں کے سوچنے میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔

اِلٰہ کا مفہوم

(ا) اِلٰہ کے لغوی معنی: کُتب لغت میں لفظ اِلٰہ پر تفصیلی بحثیں کی گئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اِلٰہ "کِتَابٌ" کے وزن پر "اَلِہَ یَاْلَہُ" سے ماخوذ ہے جس کے معنی عبد ہونے یا عبادت کرنے کے ہیں۔ لفظ اَلِہَ فعل ماضی کے معنی ہیں اس نے خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت کی۔ اور اسی سے لفظ اِلٰہ بروزن کِتَابٌ ماخوذ ہے اور لفظ اِلٰہ بیک وقت مصدر اور اسم مفعول ہے جس طرح سے کِتَابٌ بمعنی مَکْتُوْبٌ ہوتا ہے اسی طرح سے لفظ اِلٰہ بمعنی مَاْلُوْہٌ ہے جس کے معنی معبود اور مطاع کے ہیں۔ چنانچہ لفظ اِلٰہ کے دو معنی ممکن ہیں:

۱۔ اگر اس لفظ کے مصدری معنی لئے جائیں تو اس کے معنی ہوں گے خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت کرنا۔

۲۔ اگر اس لفظ کو اسم مفعول کے معنی میں لیا جائے تو اس کے معنی ہوں گے وہ ذات جس کی مطلق طور پر عبادت اور اطاعت کی جائے۔

(ب) محاورات عرب میں اِلٰہ کا مفہوم: محاورات عرب میں اِلٰہ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

۱۔ اَلِہَ کا معنی ہے کہ وہ معبود کے لئے نماز، روزے اور قربانی جیسی دینی عبادات بجالایا۔ اِلَاھاً بروزن

یکنابا بمعنی مَالُوْہٌ بھی استعمال ہوتا ہے یعنی وہ جس کی عبادت کی جائے اور جس کیلئے دینی مراسم ادا کئے جائیں۔ جس طرح سے کِتَابٌ بمعنی مَکْتُوْبٌ آتا ہے اسی طرح سے اِلٰہٌ بھی مَالُوْہٌ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ عرب ہر طرح کے معبود کو اِلٰھًا سے تعبیر کرتے ہیں جس کی جمع آلِھَۃٌ ہے خواہ وہ معبود خالق ہو یا مخلوق۔ اسی لئے عربی زبان میں بتوں، مورتیوں، سورج، چاند اور ہندوؤں کی گائے کے لئے بھی اِلٰہٌ استعمال ہوتا ہے۔

۲۔ اِلٰہٌ، مطاع کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ان آیات میں بتایا گیا ہے:

اَرَءَ یْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوَاهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟ کیا آپ اس کی بھی ذمہ داری لینے کیلئے تیار ہیں؟ (سورۂ فرقان: آیت ۴۳) اَفَرَءَ یْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوَاهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ ۝ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟ اور اللہ نے اسی حالت کو دیکھ کر اسے گمراہی میں چھوڑ دیا ہے۔ (سورۂ جاثیہ: آیت ۲۳)

ان دونوں آیات میں خواہشات کو معبود بنانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشوں کی اطاعت کرتا ہے اور سورۂ قصص کی یہ آیت بھی اسی مفہوم کو واضح کرتی ہے:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ ھَوَاهُ بِغَيْرِ ھُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۝ جو شخص اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہشات کی پیروی کرے بھلا اس سے زیادہ گمراہ اور کون ہوسکتا ہے؟ (سورۂ قصص: آیت ۵۰)

۳۔ فرعون نے حضرت موسیٰ کو دھمکی دیتے ہوئے کہا تھا: لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰھًا غَيْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۝ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تمہیں قید کردوں گا۔ (سورۂ شعراء: آیت ۲۹)

فرعون ایک طرف معبود ہونے کا دعویدار تھا تو دوسری طرف وہ خود اور اس کی قوم بہت سے دیگر معبودوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس کے درباریوں کی گفتگو نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَ قَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَ اٰلِهَتَكَ ۝ قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ رہا ہے تاکہ وہ زمین میں فساد مچائیں اور تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ (سورۂ اعراف: آیت ۱۲۷)

فرعون اور اس کی قوم بہت سے معبودوں کو پوجتی تھی اور ان کے لئے بھینٹ چڑھایا کرتی تھی اور بہت سی دینی رسومات بجالاتی تھی جبکہ فرعون خود بھی معبود ہونے کا دعویدار تھا۔ نیز ایک احتمال یہ بھی ہے کہ فرعون اور اس کی قوم سورج کو پوجتی تھی اور فرعون اپنے آپ کو سورج کا اوتار قرار دیتا تھا۔

عرب کی ہلاک شدہ اور باقی رہنے والی اقوام میں اِلٰہٌ کا یہی مفہوم تھا۔

(ج) اسلامی اصطلاح میں اِلٰہٌ کا مفہوم: اسلامی اصطلاح میں لفظ اِلٰہٌ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے جس کے معنی معبود اور خالق خلق ہونے کے ہیں۔ قرآن کریم میں جہاں یہ لفظ اپنے لغوی معنی میں

استعمال ہوا ہے وہاں اس کا قرینہ بھی موجود ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے مثلاً: اَلَّذِیْنَ یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا آخَرَ... جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود اور مطاع مانتے ہیں۔ (سورۂ حجر: آیت ۹۶)

اس آیت میں قرینہ کے لئے آخَرَ اور مَعَ اللّٰہِ کے الفاظ آئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لفظ اِلٰہ معبود و مطاع کے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور جب اس لفظ کے ساتھ کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو یہ لفظ اپنے اصطلاحی مفہوم پر محمول کیا جائے گا اور قرآن مجید میں اس طرح کی بہت سی آیات موجود ہیں جو کہ الوہیت کو فقط اللہ تعالیٰ کے لئے محدود کردیتی ہیں۔ اس کی تفصیلی گفتگو آگے پیش کی جائے گی۔

لفظ اِلٰہ کے متعلق ابن منظور نے لسان العرب میں ابوالہیثم کی حسب ذیل جامع گفتگو نقل کی ہے:

خداوند عالم فرماتا ہے: مَا اتَّخَذَ اللّٰہُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا کَانَ مَعَہٗ مِنْ اِلٰہٍ اِذًا لَّذَھَبَ کُلُّ اِلٰہٍۭ بِمَا خَلَقَ خدا نے بیٹا نہیں بنایا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اِلٰہ ہے۔ اگر اور اِلٰہ ہوتے تو ہر اِلٰہ اپنی مخلوق کو علیحدہ کر لیتا۔

الٰہ کیلئے معبود ہونا ضروری ہے اور معبود ہونے کے لئے خالق، رازق، مدبر اور مقتدر ہونا ضروری ہے۔ جس میں یہ صفات موجود نہ ہوں وہ اِلٰہ نہیں ہے اگرچہ وہ ظلم کر کے لوگوں سے اپنی عبادت بھی کراتا ہو۔ مذکورہ بالا صفات سے عاری شخص مخلوق اور حقیقت میں عبادت گزار ہے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ☆ کا مفہوم

لفظ الٰہ کے مفہوم کو پوری طرح سمجھنے کے لئے قرآن مجید کی ان آیات کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے جن میں انبیائے کرامؑ کے اپنی قوم سے مکالمے نقل کئے گئے ہیں اور انبیائے کرامؑ نے اپنی اس گفتگو میں مشرکین کے نظریات کی بھرپور تردید کرتے ہوئے الوہیت کو خدا کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے۔ اس مفہوم کو سمجھنے کے لئے

☆ علامہ طباطبائیؒ اپنی کتاب شیعہ در اسلام (اردو ترجمہ پاسداران اسلام مطبوعہ جامعہ تعلیمات اسلامی ص ۲۱۷) میں توحید کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "دین اسلام میں اصول اور فروع کے مابین ایسا تعلق اور ربط ہے کہ ہر فرعی حکم خواہ اس کا تعلق کسی موضوع سے ہو، اگر اس کا تجزیہ کیا جائے تو کلمہ توحید کی جانب لوٹتا ہے اور کلمہ توحید ان فرعی احکام کی بنیاد قرار پاتا ہے۔"

علامہ رشید ترابیؒ نے توحید اور شرک کے عنوان سے نشتر پارک کی مجالس محرم میں فرمایا تھا کہ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے: "مجھ سے پہلے کسی نبی نے اور خود میں نے توحید کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی ترکیب کے ساتھ کہ جس میں پہلے نفی اور پھر اثبات ہے نبوت سے پہلے پیش نہیں کیا۔" انہوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ جب بعض شعراء اشاریت سے کام لیتے ہیں تو پورا جملہ کہنے کی بجائے صرف ایک دو الفاظ سے اس جملے کی طرف اشارہ کرتے ہیں مثلاً لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کو لَا حَوْلَ سے اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو لَا اِلٰہ سے ادا کرتے ہیں۔ یہ سوچنا کم نظری ہے کہ اس طرح شعراء خدا کی قوت یا الوہیت کا بالکلیہ انکار کرتے ہیں۔ مثلاً اقبالؒ کہتے ہیں:

صنم کدہ ہے جہاں اور مرد حق ہے خلیلؑ
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الٰہ میں ہے!

خواجہ اجمیری کی مشہور رباعی کا شعر ہے:

سر داد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسینؑ

سورۂ مومنون کی آیات ۱۲ تا ۱۴ کا مطالعہ انتہائی مفید ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ○ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ○ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ○ بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ پھر اسے ایک محفوظ جگہ پر نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر نطفہ کو علقہ اور علقہ کو مضغہ بنایا۔ اور مضغہ سے ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا اور اسے (ایک) دوسری (ہی) مخلوق بنا دیا۔ بابرکت ہے اللہ جو خلق کرنے والوں میں سب سے بہترین ہے۔

لغوی تشریح

۱۔ سُلٰلَة: سَلُّ الشَّيْءِ مِنَ الشَّيْءِ کا مطلب ہے کسی چیز سے آسانی کے ساتھ کچھ نکالنا۔ اسی طرح سے عربی زبان میں کہا جاتا ہے سَلُّ الشَّعْرَةِ مِنَ الْعَجِيْنِ یعنی آٹے سے بال نکالا۔ کسی چیز کے نچوڑ اور جوہر کو جو آسانی سے حاصل کیا جائے سُلٰلَة کہا جاتا ہے۔ نطفہ کو سُلٰلَة اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ غذا کا جوہر اور نچوڑ ہوتا ہے۔

۲۔ نُطْفَة: تھوڑے سے پانی کو نطفہ کہا جاتا ہے اور مرد و عورت کے مادۂ منویہ کو بھی نطفہ کہا جاتا ہے۔

۳۔ قَرَار: قَرَّ الشَّيْءُ فِيْ مَكَانِهٖ قَرَارًا یعنی کسی چیز کا اس کی جگہ پر ٹھہرنا۔ یہاں پر نطفہ قرار پانے کا مقام — رحم — مراد ہے۔

۴۔ مَكِيْن: مَكُنَ الشَّيْءُ مَكَانَهٗ یعنی کسی چیز کا اپنے مقام پر مضبوطی سے جم جانا اور متزلزل نہ ہونا۔ جو چیز اس طرح سے جم جائے اسے مَكِيْن کہا جاتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ہم نے مادۂ تولید کو اس کے مقام یعنی رحم میں ٹھہرایا۔

۵۔ عَلَقَة: جمے ہوئے گاڑھے خون کو عَلَق اور اس کے ایک ٹکڑے کو عَلَقَة کہا جاتا ہے۔[☆]

۶۔ مُضْغَة: مَضَغَ اللَّحْمَ یعنی اس نے گوشت کے ٹکڑے کو منہ میں ڈال کر چبایا۔ ایک لقمہ کے برابر گوشت کے ٹکڑے کو مُضْغَة کہا جاتا ہے۔ چنانچہ جب جنین اپنی خلقت کے مراحل طے کرتا ہوا گوشت کے لوتھڑے کی شکل اختیار کرتا ہے تو اسے مُضْغَة کہا جاتا ہے۔

☆ ایوارڈ یافتہ کتاب The Developing Human کے مصنف اور یونیورسٹی آف ٹورنٹو، کینیڈا میں علم جنین کے عالمی شہرت یافتہ پروفیسر ڈاکٹر کیتھ مور Dr.Keith Moore نے سورۂ علق کے حوالے سے اسی کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں لکھا ہے کہ قرآن مجید نے رحم مادر میں جنین کو علقہ (Leech-like clot) سے جو تشبیہ دی ہے وہ ان کے لئے ایک بالکل نئی بات تھی چنانچہ انہوں نے لیبارٹری میں اس کا Falsification test کیا اور Embryo کو اپنی ابتداء میں جب کہ وہ علقہ کی شکل میں تھا Leech کا ہم شکل پایا جو رحم کی دیوار میں جونک کی طرح چپکا ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی مذکورہ کتاب میں اس بات کو قرآن مجید کے حوالے سے لکھا اور جنین اور جونک کے تقابلی خاکوں کا اضافہ بھی کیا۔

۷۔ اَنْشَاَ: اَنْشَاَ الشَّیْءَ کے معنی ہیں کہ اس نے کسی چیز کو ایجاد کیا۔ احداث کیا اور اس کی تربیت کی۔ اور اَنْشَاَ اللّٰهُ الْخَلْقَ کا مطلب ہے خدا نے مخلوق کو پیدا کیا اور ان کی تربیت کی۔

تفسیر آیات

ہم نے مٹی سے اُگنے والی غذا کے جوہر یعنی منی (Semen) سے انسان کو بنایا۔ پھر ہم نے اس نطفہ کو ایک محفوظ جگہ یعنی رحم میں قرار دیا۔ پھر ہم نے نطفہ کو جمے ہوئے خون کی صورت دی۔ پھر اس جمے ہوئے گاڑھے خون کو ہم نے گوشت کے ایک چبائے ہوئے ٹکڑے کی شکل میں منتقل کیا۔ پھر اس گوشت سے ہڈیاں بنائیں اور ان پر گوشت چڑھایا۔ بالآخر صانع کی صناعی نے اسے ایک ''دوسری مخلوق'' کی صورت بخشی اور اس کے اعضا بنائے اور اس میں روح ڈالی۔ بابرکت ہے وہ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ جس نے ایسی مخلوق بنائی۔

سورۂ مومنون کی ان آیات کے بعد خدا نے کچھ ایسی مخلوق کا تذکرہ کیا ہے جسے انسان کے تابع کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد مخلوق کی انواع و اقسام کا ذکر ہے جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا کہ اے قوم! تم اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تم اس سے کیوں نہیں ڈرتے۔ (سورۂ مومنون: آیت ۲۳)

اس کے بعد خدا نے حضرت نوحؑ کی قوم کا انجام بیان کیا۔ پھر دوسری قوموں کے کفر کا تذکرہ کیا اور فرمایا: مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ... یقیناً خدا نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے۔ ورنہ ہر معبود اپنی خلقت کو لئے لئے پھرتا اور ہر معبود دوسرے پر فخر جتاتا۔ (سورۂ مومنون: آیت ۹۱)

مذکورہ آیات بتاتی ہیں کہ الوہیت کا دارومدار خالقیت پر ہے۔ چنانچہ خدا نے اپنی شان خلاقیت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ... ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بالکل ٹھیک ٹھیک بنایا ہے۔ (سورۂ احقاف: آیت ۳)

ا۔ اس کے ساتھ ہی خدا نے اپنے حبیبؐ سے فرمایا: قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ... آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم نے اپنے ان معبودوں کو دیکھا ہے جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو۔ ذرا مجھے بھی دکھلاؤ کہ انہوں نے زمین میں کیا پیدا کیا ہے یا آسمانوں میں ان کی کون سی شراکت ہے۔ (سورۂ احقاف: آیت ۴)

مختصر یہ کہ قرآن کی رُو سے الوہیت اور خالقیت کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور الوہیت کی بنیاد خالقیت پر ہے جیسا کہ حسب ذیل آیات سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔

۲۔ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ یا ان لوگوں نے خدا کے لئے ایسے شریک بنائے ہیں جنہوں نے اسی کی طرح کائنات خلق کی ہے اور ان پر خلقت مشتبہ ہوگئی ہے۔ (اے رسول) کہہ دیجئے کہ خدا ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی یکتا اور سب پر غالب ہے۔ (سورۂ رعد: آیت ۱۶)

۳۔ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ کیا پیدا کرنے والا اُس جیسا ہو سکتا ہے جو پیدا نہیں کرتا۔ آخر تم غور کیوں نہیں کرتے۔ (سورۂ نحل: آیت ۱۷)

یہی مفہوم سورۂ نحل کی آیت ۲۰، سورۂ فرقان کی آیت ۳ اور سورۂ اعراف کی آیت ۱۹۱ میں بیان کیا گیا ہے۔

ان تمام آیات میں ہم دیکھتے ہیں کہ خدا نے الوہیت کے اثبات کے لئے اپنی صفت خلاقیت کو پیش کیا ہے۔ چنانچہ اس نے سورۂ احقاف کی آیت میں کافروں سے یہ سوال کیا ہے کہ مجھے بتاؤ تو سہی کہ تم خدا کے سوا اپنے جن معبودوں کو پکارتے ہو بھلا انہوں نے تمہارے لئے زمین کا کون سا ٹکڑا بنایا ہے۔

اور سورۂ رعد کی آیت میں خدا نے ان سے یہ پوچھا ہے کہ تم نے خدا کے جو شریک ٹھہرائے ہیں تو کیا تم نے ان کی بنائی ہوئی مخلوق دیکھی بھی ہے جس سے تم مغالطے میں پڑ گئے؟

اور سورۂ نحل کی آیت میں پھر خالق دوجہاں نے ان کافروں سے پوچھا ہے کہ کیا پیدا کرنے والا اور پیدا نہ کرنے والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

اسی لئے خدا نے مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ... کہہ کر بتا دیا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود نہیں ہے۔

قرآن کریم میں خدا نے مشرکین کے خلاف — جو کہ غیر خدا کی عبادت کرتے تھے اور انہیں عبادت میں خدا کا شریک مانتے تھے — استدلال کرتے ہوئے اس نکتے پر خصوصی زور دیا ہے کہ مخلوق کی تخلیق خدا ہی کے ساتھ مخصوص ہے جبکہ دوسرے خود ساختہ معبود کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے۔

اس استدلال سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ معبود کی واضح صفت اس کا "خالق" ہونا ہے۔

حسب ذیل آیات میں اس حقیقت کو زیادہ واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

۱۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۝ وہی اللہ تو تمہارا رب ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ تمام چیزوں کا خالق ہے۔ پس تم اسی کی عبادت کرو۔ (سورۂ انعام: آیت ۱۰۲)

۲۔ حضرت صالحؑ نے اپنی قوم، ثمود کو تبلیغ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۝ انہوں نے کہا: اے قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اسی نے تمہیں مٹی سے بنایا ہے۔ (سورۂ ہود: آیت ۶۱)

۳۔ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ اے لوگو! اپنے اوپر خدا کی نعمت کو یاد کرو۔ کیا اس کے سوا بھی کوئی خالق ہے۔

وہی تمہیں آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ تم کس طرف بہکے چلے جا رہے ہو؟ (سورۂ فاطر: آیت ۳)

۴۔ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ... ان لوگوں نے خدا کے سوا ایسے معبود بنا لئے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ تو خود ہی مخلوق ہیں۔ (سورۂ فرقان: آیت ۳)

۵۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ٥ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ٥ اے لوگو! تمہارے لئے ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔ اسے غور سے سنو کہ جن لوگوں کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو وہ سب کے سب مل کر بھی ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے۔ اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین کر لے جائے تو یہ اس سے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ طالب و مطلوب (عابد و معبود) دونوں ہی کمزور ہیں۔ ان لوگوں نے خدا کی واقعی قدر نہیں پہچانی اور بیشک خدا زبردست اور غالب ہے۔ (سورۂ حج: آیت ۷۳و۷۴)

غیر خدا کو معبود ماننے والے تمام لوگوں سے خدا فرماتا ہے کہ تم اس مثال کو غور سے سنو۔ خدا کے سوا تم جس جس فرعون، بت اور گائے وغیرہ کو اس کا شریک بنا کر پکار رہے ہو وہ سب کے سب اتنے کمزور ہیں کہ مل کر بھی ایک حقیر مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے۔ جب تمہارے معبود مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے تو انہیں معبود سمجھنے کا تمہارے پاس کیا جواز ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ اگر مکھی ان کی غذا کا ذرہ لے کر اڑ جائے تو وہ اس قدر بے بس ہیں کہ اس ذرے کو مکھی سے واپس نہیں لے سکتے۔

مثلاً اگر مکھی کسی ہندو کی معبود گائے کے خون کا قطرہ چوس لے تو وہ گائے اس مکھی سے اپنا چوسا ہوا خون واپس لینے کی طاقت نہیں رکھتی۔ جب تمہارے معبود مکھی سے بھی زیادہ کمزور ہیں تو تم انسان ہو کر ایسی بے بس مخلوق کو اپنا معبود ماننے پر کیوں تلے ہوئے ہو۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو گائے اپنے ہی خون کا قطرہ مکھی سے واپس نہیں لے سکتی وہ تمہاری مدد کیسے کر سکتی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ یہاں طالب بھی کمزور اور مطلوب بھی کمزور ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مشرکین نے خدا کو پہچانا ہی نہیں ہے۔ وہ معبود کجا جو مکھی پیدا کرنے سے عاجز ہیں اور وہ معبود کجا جس نے اتنی بڑی کائنات بنائی ہے کہ اس سے ہر وقت کن فیکون کی صدا آتی رہتی ہے۔

یہ ساری کائنات خدا نے بنائی ہے۔ وہ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے۔ موت و حیات اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ کائنات میں اس کے سوا کسی کے پاس اختیارات نہیں ہیں اس لئے ہمیں اپنی مرادیں صرف اسی وحدہٗ لاشریک سے مانگنی چاہئیں اور صرف اسی کی بندگی کرنی چاہیے۔

حسب ذیل آیات میں اسی حقیقت کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے:

۱۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ٥ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تمہاری سماعت و بصارت کو لے لے اور تمہارے دلوں کی دھڑکنیں روک

دے تو اللہ کے سوا دوسرا کون سا معبود ہے جو تمہیں یہ نعمتیں دے سکتا ہے؟ (سورۂ انعام: آیت ۴۶)

۲۔ اَلَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ... اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۵۸)

۳۔ مَنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِضِیَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ کیا اللہ کے سوا کوئی ایسا معبود بھی ہے جو تمہارے لئے روشنی کو لا سکے تو پھر تم (میری) بات کیوں نہیں سنتے؟ (سورۂ قصص: آیت ۷۱)

۴۔ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ ۝ وہی اللہ تمہارا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پھر تم کدھر کو منہ موڑے جا رہے ہو؟ (سورۂ زمر: آیت ۶)

۵۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ رَبُّکُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ زندگی اور موت دیتا ہے۔ وہی تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا رب ہے۔ (سورۂ دخان: آیت ۸)

۶۔ اِنَّمَآ اِلٰـھُکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَسِعَ کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ۝ یقیناً تم سب کا معبود صرف وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ہر چیز کا وسیع علم رکھنے والا ہے۔ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۹۸)

۷۔ قُلْ لَّوْ کَانَ مَعَہٗٓ اٰلِـھَۃٌ کَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ۝ (اے رسولؐ) کہہ دیجئے کہ بقول تمہارے اگر اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود ہوتے تو اب تک صاحب عرش تک پہنچنے کی کوئی سبیل کر لیتے۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۴۲)

۸۔ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اٰلِـھَۃً لِّیَکُوْنُوْا لَھُمْ عِزًّا ۝ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور معبود بنا لئے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے باعث عزت بنیں۔ (سورۂ مریم: آیت ۸۱)

۹۔ اَمْ لَھُمْ اٰلِـھَۃٌ تَمْنَعُھُمْ مِّنْ دُوْنِنَا... کیا ان کے لئے ایسے معبود ہیں جو ہمارے بغیر انہیں بچا سکیں؟ (سورۂ انبیاء: آیت ۴۳)

۱۰۔ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِہٖٓ اٰلِـھَۃً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُھُمْ شَیْئًا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ ۝ کیا میں اس کے سوا دوسرے معبود بنا لوں جبکہ رحمٰن مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو اُن کی سفارش میرے کچھ بھی کام نہ آئے اور نہ ہی وہ مجھے چھڑا سکیں۔ (سورۂ یٰس: آیت ۲۳)

۱۱۔ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اٰلِـھَۃً لَّعَلَّھُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر بہت سے معبود بنا لئے ہیں کہ شاید وہ ان کی مدد کر سکیں گے۔ (سورۂ یٰس: آیت ۷۴)

۱۲۔ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْھُمْ اٰلِـھَتُھُمُ الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ... ان کے وہ معبود ان کے کسی کام نہ آئے جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے۔ (سورۂ ہود: آیت ۱۰۱)

قرآن کریم بڑی وضاحت سے یہ اعلان کر رہا ہے کہ بارش برسانا، سبزہ اُگانا، بیماریوں سے شفا دینا، دشمن پر فتح دینا، روزی دینا اور غربت دور کرنا صرف خدائے حیّ و قیوم کا کام ہے۔

خدا ہی کائنات کا حقیقی معبود ہے، اس کی قدرت اور افعال میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔

خداوند تبارک و تعالیٰ نے اپنا تعارف یوں کرایا ہے:

۱۔ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحَانَهٗ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ... اللہ ہی یکتا و یگانہ معبود ہے۔ وہ اس بات سے بری ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔ (سورۂ نساء: آیت ۱۷۱)

۲۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اِلٰهٌ وَّاحِدٌ... یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔ ایک معبود کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ (سورۂ مائدہ: آیت ۷۳)

۳۔ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ... اللہ نے کہا کہ دو معبود مت بناؤ۔ بس وہ اکیلا معبود ہے۔ (سورۂ نحل: آیت ۵۱)

جب الوہیت خدا کے ساتھ مخصوص ہے تو عبادت بھی صرف اسی کے لئے جائز ہے۔ اس کے سوا کسی کو عبادت زیبا نہیں ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

۴۔ اِنَّنِيْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ○ بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پس تم میری عبادت کرو اور میری یاد کے لئے نماز پڑھو۔ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۱۴)

۵۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○ (اے رسولؐ!) ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا تم سب میری عبادت کرو۔ (سورۂ انبیاء: آیت ۲۵)

۶۔ خدا اپنی صفات کا اثبات کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ○ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ بھلا کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور کس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا؟ (ہم نے۔) پھر ہم نے اس سے ہرے بھرے باغ اگائے۔ تمہارا کام تو نہ تھا کہ تم ان کے درختوں کو اگاتے۔ تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں!) بلکہ یہ لوگ خود اپنی طرف سے دوسروں کو معبود بنا کر خدا کے برابر کر رہے ہیں۔ بھلا کس نے زمین کو قرارگاہ بنایا اور اس کے بیچ نہریں جاری کیں اور اس کے لئے پہاڑ بنائے اور کس نے دو دریاؤں کے درمیان اوٹ بنائی۔ (یہ سب کچھ خدا

نے بنایا) تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں!) بلکہ ان میں اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ بھلا کون ہے جو مضطرب کی فریاد سنتا ہے اور جب وہ فریاد کرتا ہے تو کون اُس کی مصیبت کو دور کرتا ہے۔ اور تم لوگوں کو زمین کا وارث بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں!) یہ لوگ بہت کم غور کرتے ہیں۔ بھلا کون ہے جو خشکی اور تری کی تاریک راہوں میں تمہاری رہنمائی کرتا ہے اور بارش سے پہلے بشارت کے طور پر ہوائیں چلاتا ہے۔ کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں!) یقیناً اللہ ان تمام مخلوقات سے بلند ہے جنہیں یہ لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ بھلا کون ہے جو خلق کی ابتدا کرتا ہے۔ پھر دوبارہ بھی وہی پیدا کرے گا اور کون ہے جو آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں!) (اے رسولؐ) کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔ (سورۂ نمل: آیت ۶۰ تا ۶۴)

جی ہاں! اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی حمد کا سزاوار ہے۔ اس کی کوئی اولاد نہیں۔ نہ بیٹا نہ بیٹی۔ اور جو لوگ اس کے لئے اولاد کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ سراسر گمراہ ہیں۔

کیا خدا کی کوئی اولاد ہے؟

مشرکین میں ایسے بھی گروہ ہیں جو خدا کے بیٹے اور بیٹیوں کا عقیدہ رکھتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے:

۱۔ فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ ○ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَآئِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ ○ أَلَا إِنَّهُمْ مِنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُولُونَ ○ وَلَدَ اللّٰهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ○ أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ ○ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ○ (اے رسولؐ!) ان سے پوچھئے کہ کیا تمہارے رب کے لئے لڑکیاں ہیں اور اُن کے لئے لڑکے؟ یا ہم نے ملائکہ کو لڑکیاں پیدا کیا ہے اور یہ اس کے گواہ ہیں؟ آگاہ ہو جاؤ کہ یہ لوگ من گھڑت باتیں بناتے ہیں کہ اللہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے اور یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔ کیا اس نے اپنے لئے لڑکوں کی بجائے لڑکیوں کا انتخاب کیا ہے۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو؟ (سورۂ صافات: آیت ۱۴۹ تا ۱۵۴)

۲۔ وَجَعَلُوا الْمَلَآئِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ إِنَاثًا أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ ○ وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ... اُن لوگوں نے فرشتوں کو جو کہ اللہ کے بندے ہیں لڑکیاں قرار دے لیا ہے۔ کیا یہ لوگ ان کی پیدائش کے گواہ ہیں؟ ان کی گواہی عنقریب لکھ لی جائے گی۔ پھر اس کے بارے میں ان سے پوچھا جائے گا اور یہ کہتے ہیں کہ خدا چاہتا تو ہم ان کی پرستش ہی نہ کرتے۔ (سورۂ زخرف: آیت ۱۹ و ۲۰)

۳۔ أَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفَاكُمْ بِالْبَنِينَ ○ کیا اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے اپنے لئے لڑکیوں کو منتخب کیا اور تمہارے لئے لڑکوں کو پسند کیا ہے؟ (سورۂ زخرف: آیت ۱۶)

۴۔ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُھُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلاً ظَلَّ وَجْھُهٗ مُسْوَدًّا وَّھُوَ كَظِيْمٌ ٥ جب ان میں سے کسی کو اسی لڑکی کی بشارت دی جاتی ہے جو مثال انہوں نے رحمٰن کے لئے بیان کی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور غصے کے گھونٹ پینے لگتا ہے۔ (سورۂ زخرف: آیت ۱۷)

مشرکین عرب لات[1] منات[2] اور عزیٰ[3] کی عبادت کیا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ فرشتوں کی مورتیاں ہیں اور فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ خدا سورۂ نجم میں ارشاد فرماتا ہے:

۵۔ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ٥ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ٥ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ٥ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ٥ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَ هُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ٥ کیا تم لوگوں نے لات وعزیٰ کو دیکھا ہے اور منات کو جو اُن میں کا تیسرا ہے؟ تو کیا تمہارے لئے لڑکے اور اس کیلئے لڑکیاں ہیں؟ یہ انتہائی غیر منصفانہ تقسیم ہے۔ یہ تو صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے گھڑ لئے ہیں۔ خدا نے ان کے بارے میں کوئی دلیل نہیں اتاری۔ یہ لوگ صرف تخمین وظن اور خواہشات نفس کی پیروی کر رہے ہیں حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔ (سورۂ نجم: آیت ۱۹ تا ۲۳)

۶۔ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ٥ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ٥ بیشک جن لوگوں کا آخرت پر ایمان نہیں ہے وہ فرشتوں کے نام لڑکیوں جیسے رکھتے ہیں حالانکہ ان کے پاس اس سلسلے میں کوئی علم نہیں ہے۔ یہ صرف تخمین وظن کی پیروی کر رہے ہیں اور تخمین وظن حق کے بارے میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ (سورۂ نجم: آیت ۲۷ و ۲۸)

عرب کے کچھ لوگ جنات کی عبادت کیا کرتے تھے:

۱۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَ خَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَ بَنٰتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ٥ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَّ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ٥ ان لوگوں نے جنات کو خدا کا شریک بنا دیا ہے حالانکہ اسی نے ان کو پیدا کیا ہے۔ پھر انہوں نے جانے بوجھے بغیر خدا کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بھی تیار کر رکھی ہیں جبکہ اس کی شان ان باتوں سے بہت بلند ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے۔ اس کے اولاد کہاں سے ہو جبکہ اس کی کوئی بیوی ہی نہیں۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ (سورۂ انعام: آیت ۱۰۱ و ۱۰۲)

۲۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ٥ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ

☆۱۔ طائف میں نصب قبیلہ ثقیف کی دیوی۔

۲۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان نصب قبیلہ ہذیل اور قبیلہ خزاعہ کی دیوی۔

۳۔ مکہ مکرمہ میں نصب بنی کنانہ اور قبیلہ قریش کی دیوی۔

اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَکْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ○ اُس دن خدا سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے کہے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کیا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ تو پاک اور بے نیاز ہے اور تو ہی ہمارا ولی ہے اور یہ ہمارے کچھ نہیں ہیں۔ یہ جنات کی عبادت کیا کرتے تھے اور ان کی اکثریت اُن ہی پر ایمان رکھتی تھی۔ (سورۂ سباء: آیت ۴۰ و ۴۱)

فرشتوں کی عبادت کرنے والے مشرکین تو صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں البتہ ان کے عمل کا بیان قرآن میں موجود ہے جبکہ آج بھی دنیا میں حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا ماننے والے عیسائی بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں:

۱۔ وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِکَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ یُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ یہود کہتے ہیں کہ عزیرؑ خدا کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ سب ان کی زبانی باتیں ہیں۔ ان باتوں میں یہ بالکل ان کے مشابہ ہیں جو اُن کے پہلے کفار کہا کرتے تھے۔ ان پر اللہ کی مار ہو۔ یہ کہاں بہکے چلے جا رہے ہیں۔ (سورۂ توبہ: ۳۰)

۲۔ یٰاَهْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَکَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَا اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَیْرًا لَّکُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗ اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلًا○ لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِکَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ یَّسْتَنْکِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیَسْتَکْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا○ اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو۔ عیسیٰؑ بن مریم صرف اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جسے مریم کی طرف القا کیا گیا ہے۔ وہ اس کی طرف سے ایک روح ہیں۔ لہٰذا اللہ اور رسولوں پر ایمان لے آؤ اور خبردار تین کا نام بھی نہ لو۔ اس سے باز آجاؤ کہ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ اللہ فقط واحد معبود ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اسی کا ہے اور وہ کفالت و وکالت کے لئے کافی ہے۔ مسیح کو اس بات سے ہرگز انکار نہیں ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور نہ ملائکہ مقربین کو اس کی بندگی سے کوئی انکار ہے اور جو بھی اس کی بندگی سے انکار اور تکبر کرے گا تو اللہ ان سب کو اپنی بارگاہ میں جمع کرے گا۔ (سورۂ نساء: آیت ۱۷۱ و ۱۷۲)

۳۔ لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ وَقَالَ الْمَسِیْحُ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ○ لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَاِنْ لَّمْ یَنْتَهُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰهِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ کَانَا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ اُنْظُرْ کَیْفَ

نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ٥ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ٥ بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم خدا ہیں حالانکہ خود مسیح کہتے تھے کہ اے بنی اسرائیل اپنے اور میرے پروردگار کی عبادت کرو۔ جو کوئی اس کا شریک ٹھہرائے گا اس پر اللہ نے جنت حرام کردی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ یقیناً وہ لوگ بھی کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے حالانکہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور اگر یہ لوگ ایسے قول سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں سے جو کافر ہوئے ہیں وہ دردناک عذاب پائیں گے۔ تو یہ لوگ کیوں خدا کے آگے توبہ نہیں کرتے اور اس سے گناہوں کی معافی نہیں مانگتے۔ اور خدا تو بخشنے والا، مہربان ہے۔ مسیح ابن مریم تو صرف رسول تھے۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے اور ان کی ماں صدیقہ تھیں اور وہ دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھایا کرتے تھے۔ دیکھو! ہم ان لوگوں کے لئے اپنی نشانیوں کو کس طرح واضح کر کے بیان کرتے ہیں پھر یہ لوگ کدھر الٹے جارہے ہیں (اے رسولؐ!) آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے نفع اور نقصان کا کچھ اختیار نہیں رکھتے اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (سورۂ مائدہ: آیت ۷۲تا۷۶)

۴۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَايَشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ٥ بے شک وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم خدا ہیں۔ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ پھر خدا کے مقابلے میں کون کسی امر کا صاحب اختیار ہوگا اگر وہ مسیح ابن مریم اور ان کی ماں اور سارے اہل زمین کو مار ڈالنا چاہے۔ اور خدا ہی کے لئے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی حکومت ہے۔ وہ جو چاہے پیدا کرے وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ (سورۂ مائدہ: آیت ۱۷)

۵۔ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ٥ بیشک عیسیٰؑ کی مثال اللہ کے نزدیک آدمؑ جیسی ہے کہ انہیں مٹی سے پیدا کیا اور پھر کہا ہوجا اور وہ ہوگیا۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۵۹)

۶۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ٥ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ٥ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ٥ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ٥ وَمَا يَنْبَغِىْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ٥ اِنْ كُلُّ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِى الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ٥ یہ لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے ایک بیٹا بنایا ہے۔ یقیناً تم لوگوں نے بڑی سخت بات کہی ہے۔ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ پڑے اور زمین شگافتہ ہوجائے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر گر پڑیں کہ ان لوگوں نے رحمٰن کے لئے بیٹا قرار دے دیا ہے۔ جبکہ یہ رحمٰن کے شایاں نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ آسمانوں اور زمین میں کوئی ایسا نہیں ہے جو اس کی بارگاہ میں بندہ بن کر حاضر ہونے والا نہ ہو۔ (سورۂ مریم: آیت ۸۸تا۹۳)

خدا نے اس طرح کے تمام نظریات کو سورۂ مبارکہ توحید میں باطل ٹھہرایا ہے۔

۷۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ o اَللّٰهُ الصَّمَدُ o لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ o وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ o بنام خدائے رحمٰن ورحیم۔ (اے رسولؐ!) کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ صمد ہے۔ نہ وہ کسی کا بیٹا ہے نہ باپ اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔

لغوی تشریح

۱۔ اِفْكِهِمْ: افک، من گھڑت باتیں کرنا۔ حق کو چھوڑ کر باطل کو قبول کرنا۔

۲۔ كَظِيْمٌ: غم وغصہ سے بھرا ہوا شخص۔

۳۔ ضِيْزٰى: ضَازَ وَ ضَأَزَ یعنی اس نے ناانصافی کی۔ قِسْمَةٌ ضِيْزٰى یعنی غیر منصفانہ تقسیم۔

۴۔ سُلْطَانٍ: یہاں دلیل کے معنی میں ہے۔

۵۔ خَرَقُوْا: خَرَقَ الشَّيْءَ اس نے جانے بوجھے بغیر کسی چیز کا دعویٰ کیا۔

۶۔ بَدِيْعُ: کسی مثال کے بغیر کسی چیز کو ابتداءً بنانے والا۔ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا مطلب ہے آسمانوں اور زمین کو کسی آلہ، مادہ، زمان ومکان کے بغیر بنانے والا۔

۷۔ يُضَاهِئُوْنَ: مشابہ ہیں۔

۸۔ اِدًّا: بڑی سخت بات۔ ناقابل برداشت بات۔

۹۔ هَدًّا: کسی عمارت کو ڈھا دینا۔ ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔

۱۰۔ اَلْمَسِيْحُ: عبرانی لفظ مشیحا کا معرب۔ مسح کرنے اور ہاتھ پھیرنے والا۔ حضرت عیسیٰؑ کوڑھیوں اور اندھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے تو وہ بحکم خدا صحت یاب ہو جاتے تھے۔ اسی بنا پر ان کا لقب مسیح ہو گیا۔

۱۱۔ اَلْكَلِمَةُ: وہ مخلوق جسے خدا نے کسی عمومی واسطے کے بغیر لفظ کن سے پیدا کیا ہو۔ یہ لفظ اسی معنی میں حضرت عیسیٰؑ پر صادق آتا ہے۔ خدا نے انہیں کلمۃ اللہ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

(ا) خدا نے حضرت زکریاؑ سے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ o یقیناً خدا تمہیں یحییٰؑ کی بشارت دیتا ہے جو کلمۃ اللہ (عیسیٰؑ) کی تصدیق کرنے والا ہے۔ (آل عمران: ۳۹)

(ب) حضرت مریمؑ سے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ o یقیناً اللہ تمہیں اپنے کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریمؑ ہوگا۔ (آل عمران: ۴۵)

(ج) اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ o مسیح عیسیٰؑ بن مریمؑ صرف خدا کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں۔ (نساء: ۱۷۱)

حضرت عیسیٰؑ پر لفظ کلمہ کا اطلاق سبب پر مسبب کے اطلاق کی قسم ہے۔

۱۲۔ صِدِّيقَةٌ: صدیق اسے کہتے ہیں جو کبھی جھوٹ نہ بولتا ہو اور جس کی زبان صرف سچائی سے آشنا ہو۔ بالفاظ دیگر صدیق وہ ہوتا ہے جو اپنے قول وعقیدے میں سچا ہو اور اپنی صداقت کا اظہار اپنے فعل سے کرے۔ انبیاء و مرسلینؑ کے بعد کا درجہ صدیقین کا ہے۔

۱۳۔ عَبْدًا: وہ مملوک جو اپنے لئے نفع ونقصان اور موت وحیات کا کوئی اختیار نہ رکھتا ہو۔

۱۴۔ اَلصَّمَدُ: صمد وہ ہے جو نہ کسی کا باپ ہو اور نہ کسی کی اولاد اور جس کا کوئی ہمسر نہ ہو۔

تفسیر آیات

ان آیات میں قرآن نے ہمیں بتایا ہے کہ یہودیوں کا ایک گروہ حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا مانتا تھا۔ یقیناً یہ گروہ رسول خداؐ کی حیات طیبہ میں موجود تھا لیکن اب موجود نہیں۔ اسی طرح وہ مشرکین بھی موجود نہیں جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ البتہ حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا کہنے والے آج بھی دنیا میں بکثرت موجود ہیں۔ خدا نے ان کے عقیدے کو یوں بیان فرمایا ہے: وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ

نصاریٰ نے ایک عجیب اور غیر منطقی عقیدہ قائم کیا کہ خدا تین اقنوم میں سے تیسرا ہے یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس مل کر ایک بنتے ہیں یعنی تین ایک ہیں اور ایک تین ہے۔ نصاریٰ کے عقیدۂ تثلیث کے بطلان کے لئے یہی کافی ہے کہ کوئی بقائمی ہوش وحواس یہ نہیں کہہ سکتا کہ تین ایک ہے اور ایک تین ہے کیونکہ ایک علیحدہ عدد ہے اور تین علیحدہ عدد ہے۔ نصاریٰ نے اپنے اس غیر منطقی عقیدے کے ذریعے دوسرے کفار کا عقیدہ اپنایا اور حضرت مسیحؑ کو تین اقنوم کا ایک جزو قرار دے کر ان کی الوہیت کا عقیدہ اختیار کیا جبکہ قرآن بڑی صراحت سے اس حقیقت کو بیان فرماتا ہے کہ حضرت مسیحؑ صرف خدا کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ ان کی ماں حضرت مریمؑ صدیقہ تھیں اور دوسرے انسانوں کی طرح وہ ماں بیٹا دونوں کھانا کھاتے تھے اور اصول فطرت یہ ہے کہ ہر کھانا کھانے والے کو قضائے حاجت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور جو قضائے حاجت کی ضرورت محسوس کرے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

خدا نے قرآن مجید میں امت اسلامیہ کو یہ عقیدہ تعلیم فرمایا ہے کہ حضرت مسیحؑ خدا نہیں تھے بلکہ خدا کا کلمہ تھے جو خدا نے حضرت مریمؑ کو القا کیا تھا جبکہ مسیحی انہیں خدا کا کلمہ اور عبد ماننے کی بجائے خدا کا بیٹا ماننے پر بضد ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ باپ کے بغیر پیدا ہوئے تھے اس لئے وہ خدا کے بیٹے ہیں۔

اس کے جواب میں قرآن مجید فرماتا ہے کہ ان سے قبل حضرت آدمؑ بھی گزرے ہیں جن کے ماں اور باپ دونوں نہیں تھیں۔ خدا نے انہیں اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا تھا۔ جب آدمؑ ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہو کر خدا کے بیٹے نہیں بنے تو حضرت مسیحؑ صرف باپ کے نہ ہونے پر ابن اللہ کیسے بن سکتے ہیں؟

حضرت آدمؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر ہی کیا موقوف ہے قدرت کا سارا کارخانہ ــــــ فرشتے، جنات، انسان، حیوان، آسمان اور زمین ــــــ یہی پکار رہا ہے کہ یہ نمود دست قدرت کی کاریگری ہے۔

امام حسین علیہ السلام صمد کی وضاحت کرتے ہیں

اہل بصرہ نے ایک خط لکھ کر حضرت امام حسینؑ سے صمد کی وضاحت چاہی تو آپ نے ان کو لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اما بعد! علم کے بغیر قرآن میں غور و خوض نہ کرو اور علم کے بغیر بحث مباحثہ نہ کرو۔ میں نے اپنے نانا رسول خداؐ کو یہ کہتے سنا ہے کہ "جس کسی نے علم کے بغیر قرآن کے متعلق گفتگو کی تو اس نے اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالیا۔" خدا نے فرمایا ہے: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ پھر اس نے خود ہی صمد کی یہ تفسیر کی ہے: لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ اس نے کسی کو نہیں جنا اور کسی نے اس کو نہیں جنا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ اُس سے کسی کثیف چیز نے جنم نہیں لیا جس طرح سے بچہ اور دوسری کثیف اشیا مخلوقات سے جنم لیتی ہیں اور اُس سے سانس کی طرح سے کسی لطیف چیز نے بھی جنم نہیں لیا۔ اُس پر اونگھ، نیند، خطرہ، غم، حزن، تر و تازگی، ہنسی، گریہ، خوف، امید، رغبت، تنگدلی، بھوک اور سیرابی جیسے نوع بنوع عوارض طاری نہیں ہوتے۔ خدا اس سے کہیں بلند ہے کہ اس سے کوئی کثیف یا لطیف چیز جنم لے سکے۔ وہ کسی چیز سے پیدا یا برآمد نہیں ہوا جیسا کہ کثیف اشیا اپنے عناصر سے برآمد ہوتی ہیں۔ جس طرح ایک چیز دوسری چیز سے اور جانور و نباتات زمین سے اور پانی چشموں سے اور پھل درختوں سے اور آگ پتھروں سے برآمد ہوتی ہے یا جس طرح سے لطیف اشیا اپنے مرکز سے جنم لیتی ہیں جیسے آنکھ سے بصارت، کان سے سماعت، ناک سے سونگھنا، منہ سے چکھنا، زبان سے بولنا اور دل سے پہچاننا۔ اللہ اس طرح سے کسی بھی چیز سے پیدا نہیں ہوا۔ اللہ صمد ہے یعنی وہ کسی چیز سے پیدا نہیں ہوا اور کسی چیز میں مقیم نہیں ہے اور کسی چیز نے اسے اپنے اوپر اٹھایا ہوا نہیں ہے۔ وہ تمام اشیا کا خالق ہے اور اپنی قدرت سے تمام اشیا کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے۔ جن اشیا کو اس نے اپنی مشیت سے فنا کے لئے بنایا ہے وہ تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی اور جن چیزوں کو اس نے بقا کے لئے پیدا کیا ہے وہ اس کے علم کے تحت باقی رہیں گی۔ پس اللہ صمد ہے جو کسی کا باپ نہیں، کسی کا بیٹا نہیں اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ (بحرانی، تفسیر البرہان ج ۴، ص ۵۲۵)

خلاصۂ بحث

متعدد معبودوں پر ایمان رکھنے والے لوگوں کو حسب ذیل گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ قریش کے کچھ قبیلے فرشتوں کو معبود مانتے تھے اور انہیں خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ ایسا ماننے والے اب دنیا میں کہیں موجود نہیں۔

۲۔ عصر رسولؐ کے کچھ یہود حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا مانتے تھے لیکن آج ایسا ماننے والے نہیں ہیں۔

۳۔ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا مانتے تھے اور کہتے تھے کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے۔ باپ، بیٹا اور روح القدس تین اقوم ہیں اور یہ تین ہونے کے باوجود ایک ہیں۔ آج کے عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔

۴۔ کچھ مشرک جنات کو پوجتے تھے۔ مختلف ادوار میں جنات کی بابت ان کے اقوال مختلف رہے ہیں۔

۵۔ کچھ مشرک بتوں کو خدا سمجھ کر ان کی عبادت کرتے تھے۔

۶۔ کچھ لوگ حیوان کو پوجتے تھے مثلاً بنی اسرائیل نے گئو پوجا کی تھی۔ آج بھی ہندو گائے کی پوجا کرتے ہیں۔

۷۔ بعض مشرک مظاہر فطرت یعنی سورج، چاند اور ستاروں کی پرستش کرتے تھے۔

قرآن مجید نے مشرکین کے تمام گروہوں کی پرزور تردید کی اور دلائل و براہین سے انہیں لاجواب کیا۔ مثلاً جو لوگ فرشتوں کی پوجا کرتے تھے ایسے لوگوں کے متعلق خدا نے فرمایا کہ بھلا ان لوگوں سے یہ تو پوچھو کہ کیا یہ لوگ فرشتوں کی تخلیق کے وقت موجود تھے اور کیا انہوں نے دیکھا تھا کہ فرشتے لڑکیاں ہیں؟

حضرت مسیحؑ اور ان کی والدۂ گرامی کے لئے خدا نے فرمایا کہ وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے اور قضائے حاجت کے لئے پھرتے تھے۔ کھانا اور قضائے حاجت کے لئے پھرنا مخلوق کی صفت ہے۔ جہاں تک حضرت عیسیٰؑ کی بغیر باپ کے پیدائش کا تعلق ہے تو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کیونکہ ان سے قبل حضرت آدمؑ ماں باپ کے بغیر پیدا ہوئے تھے اور حضرت عیسیٰؑ، حضرت عزیرؑ، فرشتے اور جنات سب کے سب خدا کے بندے ہیں۔ خدا صمد ہے وہ کسی کا باپ یا بیٹا نہیں اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

بت پرستی کی تردید میں فرمایا کہ بت پتھر کے بے جان مجسمے ہیں جنہیں مشرکین نے اپنے ہاتھوں سے تراشا ہے لہٰذا بت معبود نہیں ہو سکتے۔

گئو پوجا کرنے والے بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا کہ سونے کا وہ بچھڑا سامری نے بنایا تھا۔ اور جو وجود اپنی تخلیق کے لئے دوسرے کا محتاج ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا۔

مظاہر فطرت کے بارے میں خدا نے فرمایا کہ ان کا طلوع ہونا اور ڈوبنا بذات خود اس امر کی دلیل ہے کہ وہ کسی ہستی کے زیر فرمان ہیں اور جو زیر فرمان ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید اپنی محکم دلیلوں سے الوہیت یعنی خالقیت کو خدائے وحدہٗ لاشریک کے لئے ثابت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ خالق اور باقی سب مخلوق ہیں۔

قرآن کریم میں مخلوقات کی اصناف

ملائکہ مَلَک کی جمع ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں پر عطا کئے ہیں اور ان کے لئے زندگی بھی ہے اور موت بھی۔ ملائکہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ وہ کبھی اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ وہ کبھی اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے انسانی صورت بھی اختیار کرلیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا پیغام پہنچانے کے لئے انھیں میں سے پیغام رسانوں کا انتخاب کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

۱۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا اور ملائکہ کو اپنا پیغام رساں بنانے والا ہے۔ وہ ملائکہ جن کے پر دو دو تین تین اور چار چار ہیں اور اللہ خلقت میں جس قدر چاہتا ہے اضافہ کردیتا ہے۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (سورۂ فاطر: آیت ۱)

۲۔ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ○ ان لوگوں نے ملائکہ کو جو رحمٰن کے بندے ہیں لڑکیاں قرار دیدیا ہے کیا یہ لوگ ملائکہ کی خلقت کے وقت موجود تھے؟ (سورۂ زخرف: آیت ۱۹)

۳۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ○ ملائکہ اپنے رب کی تسبیح کرتے ہیں اور زمین والوں کے حق میں استغفار کرتے ہیں۔ (سورۂ شوریٰ: آیت ۵)

۴۔ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ ملائکہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور جو حکم ان کو دیا جاتا ہے اسی کے مطابق کام کرتے ہیں۔ (سورۂ نحل: آیت ۵۰)

فرشتوں کا انسانی روپ میں آنا

۱۔ ملائکہ انسانی روپ میں بھی ظاہر ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت مریم کے سامنے فرشتہ انسانی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ...فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ○ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ○ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ○ ہم نے مریم کی طرف اپنی روح کو بھیجا جو اُن کے سامنے انسان بن کر نمودار ہوا۔ مریم نے کہا: اگر تم خوف خدا رکھتے ہو تو میں تم

سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ اس نے کہا: میں آپ کے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ آپ کو ایک پاک بیٹا عطا کروں۔ (سورۂ مریم: آیت ۱۷ تا ۱۹)

۲۔ فرشتے قوم لوطؑ پر عذاب نازل کرنے کے لئے انسان کے روپ میں آئے تھے: وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ○ فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ○ ... وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ○ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ... ابراہیمؑ کے پاس ہمارے نمائندے بشارت لے کر آئے اور آکر سلام کیا تو ابراہیمؑ نے بھی سلام کیا اور تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ اور جب دیکھا کہ ان لوگوں کے ہاتھ ادھر نہیں بڑھ رہے ہیں تو تعجب کیا اور ان کی طرف سے ڈر محسوس کیا۔ انہوں نے کہا: آپ ڈریں نہیں! ہم قوم لوطؑ کی طرف بھیجے گئے ہیں... اور جب ہمارے فرستادے لوطؑ کے پاس پہنچے تو وہ ان کے خیال سے رنجیدہ اور تنگ دل ہوگئے اور بولے کہ یہ بڑا سخت دن ہے... انہوں نے کہا: اے لوطؑ! ہم آپ کے رب کے نمائندے ہیں یہ ظالم آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے... (سورۂ ہود: آیت ۶۹ تا ۸۱)

۳۔ فرشتے غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی مدد کے لئے مجاہدین کے روپ میں نازل ہوئے تھے: اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ○ جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد سن لی (اور تمہیں کہا) کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کر رہا ہوں جو پرا باندھے ایک کے پیچھے ایک چلے آرہے ہیں۔ (سورۂ انفال: آیت ۹)

اسی سورہ میں آگے خدا فرماتا ہے:

اِذْ يُوْحِىْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّىْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِىْ فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ○ جب تمہارا رب فرشتوں کو وحی کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں لہٰذا تم مومنوں کو ثبات قدم عطا کرو اور میں عنقریب کفار کے دلوں میں رعب پیدا کردوں گا۔ لہٰذا تم کفار کی گردنوں پر مارو اور ان کی ایک ایک پور پر ضرب لگاؤ۔ (سورۂ انفال: آیت ۱۰)

ایک اور جگہ خدا فرماتا ہے:

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ○ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ○ (اے رسولؐ!) جب آپ مومنوں سے یہ کہہ کر ان کے دل بڑھا رہے تھے کہ کیا یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب

تین ہزار فرشتوں کو نازل کر کے تمہاری مدد کرے اگر تم دل کو مضبوط رکھو اور تقویٰ اختیار کرو۔ اور دشمن تم پر جوش کے ساتھ اچانک حملہ کر دے تو تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں کو جن پر نشان لگے ہوئے ہوں گے تمہاری مدد کو بھیجے گا (سورۂ آل عمران: آیت ۱۲۴ و ۱۲۵)

فرشتے اور پیغام رسانی

خدا فرشتوں سے پیغام رسانی کراتا ہے: اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ... خدا، فرشتوں اور انسانوں میں سے اپنے پیغام رساں منتخب کرتا ہے۔ (سورۂ حج: آیت ۷۵)

کچھ فرشتے وحی لانے پر مامور ہیں:

۱۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ○ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ ○ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ○ بے شک یہ ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا پیغام ہے جو صاحب قوت مالک عرش کے ہاں بلند مرتبے والا سردار اور امانتدار ہے۔ (سورۂ تکویر: آیت ۱۹ تا ۲۱)

۲۔ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ○ (اے رسولؐ!) کہہ دیجئے کہ جو شخص جبرئیلؑ کا دشمن ہے اسے معلوم ہونا چاہئے کہ جبرئیلؑ نے آپ کے دل پر حکم خدا سے قرآن القا کیا ہے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۹۷)

۳۔ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اسے روح الامین نے آپؐ کے دل پر القا کیا ہے تاکہ آپ (لوگوں کو عذاب آخرت سے) خبردار کریں۔ (سورۂ شعراء: آیت ۱۹۲ تا ۱۹۴)

۴۔ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِیُثَبِّتَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِیْنَ ○ (اے رسولؐ!) کہہ دیجئے کہ اس قرآن کو روح القدس نے تمہارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ القا کیا ہے تاکہ مومنوں کو ثبات قدم اور استقلال عطا کرے اور یہ اطاعت گزاروں کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔ (سورۂ نحل: آیت ۱۰۲)

۵۔ وَاٰتَیْنَا عِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ... ہم نے عیسیٰؑ بن مریمؑ کو کھلی ہوئی نشانیاں دیں اور روح القدس کے ذریعے ان (کے دعوئ نبوت) کی تائید کی۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۸۷-۲۵۳)

فرشتے اور نزول تقدیر

فرشتے شب قدر میں تقدیر الٰہی لے کر نازل ہوتے ہیں:

تَنَزَّلُ الْمَلٰۤئِکَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ کُلِّ اَمْرٍ ۝ اسی رات میں فرشتے اور روح خدا کے حکم سے تمام امور کو لے کر نازل ہوتے ہیں۔ (سورۂ قدر: آیت۴)

فرشتے انسانوں کے اعمال محفوظ رکھتے ہیں:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۝ اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ۝ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ۝ ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم کو معلوم ہے کہ اُس کا نفس اُس میں کیا کیا وسوسے پیدا کرتا ہے اور ہم اُس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں جبکہ دو لکھنے والے اُس کے اعمال لکھ رہے ہیں جو داہنے اور بائیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا مگر یہ کہ ایک نگہبان اس کو لکھنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ (سورۂ ق: آیت۱۶ تا ۱۸)

فرشتے اور موت

فرشتوں میں سے ایک فرشتہ موت پر موکل ہے:

قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝ (اے رسولؐ!) کہہ دیجئے کہ وہ ملک الموت تمہاری روح قبض کرے گا جسے تم پر مقرر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد تم سب اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر کئے جاؤ گے۔ (سورۂ سجدہ: آیت۱۱)

بزم فرشتگان میں ملک الموت کے مددگار فرشتے بھی ہیں:

...حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ۝ جب کسی کی موت کا وقت آپہنچتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے نمائندے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے۔ (سورۂ انعام: آیت۶۱) ایسے ہی فرشتوں کے متعلق ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰۤئِکَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا کُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ بَلٰۤی اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ فَادْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا... جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے لگتے ہیں تو یہ لوگ جو اپنے ہی اوپر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں مطیع بن کر کہتے ہیں کہ ہم تو کوئی برائی نہیں کرتے تھے۔ بے شک خدا خوب جانتا ہے کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔ جاؤ اب دوزخ کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ اور ہمیشہ ہمیشہ وہیں رہو... (سورۂ نحل: آیت۲۸ و۲۹)

آیئے دیکھیں کہ جب فرشتے اہل ایمان کی روح قبض کرتے ہیں تو ان کا انداز کیا ہوتا ہے؟

اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰۤئِکَةُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْکُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

جب فرشتے اُن لوگوں کی روحیں قبض کرتے ہیں جو (شرک سے) پاک ہوتے ہیں تو وہ اُن کو سلام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو عمل تم کیا کرتے تھے ان کے بدلے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (سورۂ نحل: آیت ۳۲)

فرشتے اور روزِ قیامت

تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ جس کی طرف فرشتے اور روح بلند ہوتے ہیں اس ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ (سورۂ معارج: آیت ۴)

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ٥ جس دن روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے اور کسی کی مجال نہ ہوگی کہ بول سکے سوائے اس کے جسے رحمٰن اجازت دیدے اور وہ صحیح بات کرے۔ (سورۂ نباء: آیت ۳۸)

فرشتوں پر ایمان ضروری ہے

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ... نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق اور مغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کر لو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر، آخرت پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور نبیوں پر ایمان لائیں...(سورۂ بقرہ: آیت ۱۷۷)

فرشتوں کا دشمن کافر ہے

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ٥ جو شخص خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرئیلؑ و میکائیلؑ کا دشمن ہو تو ایسے کافروں کا خدا دشمن ہے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۹۸)

لغوی تشریح

۱۔ فاطِرٌ: فطر اللّٰہ الخلق خدا نے مخلوق کو پیدا کیا ہے اور وہ ان کا فاطر یعنی خالق ہے۔

۲۔ حَنِیذٌ: حنذ اللحم بین حجرین اس نے دو پتھروں کے بیچ گوشت بھونا۔ لحم حنیذ، بھنا ہوا گوشت۔

۳۔ نکِرَھُم: اُن کی طرف سے ڈر محسوس کیا۔

۴۔ مُردِفین: اَردَفَہٗ کسی کو اپنے پیچھے سواری پر بٹھانا ملائکۃ مردفین گروہ در گروہ اُترنے والے فرشتے

۵۔ ثَبِّتُوْا: ثَبَّتَ اس نے کمزوری کے اسباب دور کر کے قوت بخشی۔ ثبات قدم بخشا۔

۶۔ مُسَوِّمِیْنَ: سَوَّمَ الشَّیْءَ اس نے ایک چیز پر نشان لگایا۔ اَلْمَلَائِکَۃُ مُسَوِّمِیْنَ یعنی وہ فرشتے جو میدان جنگ میں اپنے اوپر یا اپنے گھوڑوں پر نشان لگائے ہوئے تھے۔

۷۔ مَکِیْنٍ: بلند مرتبے والا۔ اس آیت میں خدا کے ہاں بلند مرتبہ رکھنے والا مراد ہے۔

۸۔ مُطَاعٍ: جس کی اطاعت کی جائے۔ سردار۔ مُطاع و مُقتاد فرشتہ وہ ہوتا ہے جو اپنے مددگار فرشتوں کو حکم دے اور وہ اس کی اطاعت کریں۔

۹۔ اَلْبَیِّنَاتُ: آیات بینات یعنی واضح اور کھلی ہوئی نشانیاں۔

۱۰۔ حَبْلُ الْوَرِیْدِ: شہ رگ کو حبل یعنی رسی سے تشبیہ دی گئی ہے۔

۱۱۔ اَلْمُتَلَقِّیَانِ: کراماً کاتبین جو انسان کا نامہ اعمال لکھتے ہیں۔ ان کا لکھا ہوا نامہ اعمال قیامت کے دن ہر شخص کے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اور یہ فرشتے انسان کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔

۱۲۔ رَقِیْبٌ: نگہبان۔ خیال رکھنے والا۔

۱۳۔ عَتِیْدٌ: اعددت الشیء واعتدتہ میں نے ایک چیز تیار کی۔ اس سے اسم فاعل ہے مُعْتَدٌ اور عَتِیْدٌ

۱۴۔ تَوَفَّاهُمْ: روح قبض کرنا۔

۱۵۔ اَلرُّوْحُ: جاندار اجسام کو زندہ رکھنے والی چیز کہ جب وہ جسم سے نکل جائے تو موت واقع ہو جائے۔ حقیقی روح کے متعلق ہمارا علم محدود ہے جیسا کہ خدا نے بتایا ہے:

وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ○ (اے رسولؐ) یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں (کہ کیا ہے؟) آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کا ایک امر ہے اور تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۸۵)

اظہار شرف کے لئے روح کی نسبت کبھی خدا کی طرف اور کبھی فرشتوں کی طرف دی گئی ہے:

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِیْنَ ○ جب میں اس (پیکر خاکی) کو درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ (سورۂ حجر: آیت ۲۹)

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے ضمن میں ارشاد باری ہے:

وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا ... مریم بنت عمران جس نے اپنی عفت کی حفاظت کی تھی ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔ (سورۂ تحریم: آیت ۱۲)

یہاں روح کی نسبت خدا کی طرف اظہار شرف کے لئے ہے اور ایسی ہی نسبت لفظ بیت اللہ میں مضمر ہے جیسا کہ خدا کا فرمان ہے: وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَکَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا وَّ

طَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ ٥ جب ہم نے ابراہیمؑ کے لئے بیت اللہ کی جگہ مہیا کی (تو ان سے فرمایا) کسی چیز کو میرا شریک نہ بنانا اور طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو پاک صاف رکھنا۔ (سورۂ حج: آیت ۲۶)

اس آیت میں بیت الحرام کو بیت اللہ کہہ کر اسے باقی روئے زمین کے قطعات سے افضل قرار دیا گیا ہے اور اسی طرح سے سابقہ دو آیات میں روح کی نسبت اللہ کی طرف اس کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے۔ روح کی جامع تعریف یہ ہے کہ روح اسے کہتے ہیں جس پر جانداروں کی زندگی اور ان کی ہدایت کا دارومدار ہو۔ اسی لئے وحی، نبوت اور خدا کی قائم کردہ شریعتیں بالخصوص قرآن مجید جیسا سامان ہدایت بھی روح کے زمرے میں شامل ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ... وہ جس بندے پر چاہتا ہے اپنے حکم سے فرشتوں کو روح کے ساتھ نازل کرتا ہے... (سورۂ نحل: آیت ۲) وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا... اس طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کی وحی کی ہے۔ (سورۂ شوریٰ: آیت ۵۲) اس آیت میں قرآن مجید کو روح کہا گیا ہے کیونکہ حبیب خداؐ کی طرف جس روح کی وحی کی گئی تھی وہ یہی قرآن مجید تھا۔

واضح رہے کہ روح، فرشتوں سے ایک الگ مخلوق ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ کُلِّ اَمْرٍ ٥ اس رات میں فرشتے اور روح خدا کے حکم سے تمام امور کو لے کر اترتے ہیں۔ (سورۂ قدر: آیت ۴)

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ جس کی طرف فرشتے اور روح بلند ہوتے ہیں اس ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے (سورۂ معارج: آیت ۴)

امیر المومنین علیہ السلام کی زبانی ہم اس کی مزید وضاحت آگے پیش کریں گے۔

۱۶۔ اَلْاَمِیْنُ: ارسال وحی کیلئے امانت دار فرشتے کو خدا نے روح الامین کہا ہے: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ٥ عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ٥ اس (قرآن) کو روح الامین نے آپ کے دل پر القا کیا ہے تاکہ آپ (لوگوں کو عذاب آخرت سے) خبردار کریں۔ (سورۂ شعراء: آیت ۱۹۳و۱۹۴)

۱۷۔ اَلْقُدُسُ: قُدس، قُدسا یعنی پاک ہوا۔ روح القدس یعنی پاک روح۔ خدا نے الملک الروح کو روح القدس کے نام سے یاد کیا ہے جیسا کہ ارشاد اقدس الٰہی ہے:

ہم نے عیسیٰؑ بن مریمؑ کو معجزات عطا کئے اور روح القدس کے ذریعے ان (کے دعویٰ نبوت) کی تائید کی۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۸۷۔۲۵۳)

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے کہ اس (قرآن) کو روح القدس نے تمہارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ مومنوں کو ثبات قدم عطا کرے۔ اور یہ اطاعت گزاروں کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔ (سورۂ نحل: آیت ۱۰۲)

۱۸۔ تَعْرُجُ: عَرَجَ الشَّیْء عُرُوجًا کسی چیز کا بلند ہونا اور اوپر کی طرف جانا۔

عالم غیب کے متعلق بے سروپا تصورات

اکثر لوگوں کی روش یہ ہے کہ جب وہ عالم غیب کے متعلق قرآنی آیات اور احادیث رسولؐ سنتے ہیں تو عالم غیب کے حقائق کا عالم مادہ پر قیاس کرتے ہوئے عالم خیال میں ٹامک ٹوئیاں مارنے لگتے ہیں اور اپنے خودساختہ مفروضوں کو علم و معرفت کا نام دیتے ہیں جبکہ اشیا کو جاننے کے دو ہی طریقے ہیں:

۱۔ کسی چیز کا ہم اپنے حواس سے ادراک کریں مگر حواس کا تعلق صرف مادی جہان سے ہے اور غیر مادی چیزوں کا ادراک حواس سے ممکن نہیں ہے۔

۲۔ کچھ چیزوں کا علم ہم روایت اور حکایت سے حاصل کرتے ہیں۔ مثلاً ہم نے بہت سے شہر اور ممالک نہیں دیکھے لیکن اس کے باوجود ہم ان کے متعلق کچھ نہ کچھ علم رکھتے ہیں اور ہمارے علم کی بنیاد اس روایت اور حکایت پر ہے جو ہم نے لوگوں سے سنی ہے۔ یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ ہماری سنی ہوئی باتیں جتنی محدود ہوں گی اسی نسبت سے ہمارا علم بھی محدود ہوگا لیکن اس علم کے لئے بھی صحت نقل بہت ضروری ہے۔

ستاروں سے آگے جو جہان ہیں نیز عالم ملکوت، جنات اور یوم آخرت کے واقعات کے متعلق ہماری معلومات کا تعلق بھی علم کی اسی دوسری قسم سے ہے کیونکہ ان غیر مادی حقائق کے متعلق ہمارے علم کا منبع و ماخذ انبیاء و مرسلین کے ارشادات ہیں۔ صفات الٰہیہ کا علم مذکورہ بالا غیر مادی جہانوں سے کہیں بلند و برتر ہے اور اس کا ذریعہ بھی انبیائے کرامؑ ہیں۔ ہمیں ان کی صداقت پر پورا یقین ہے لیکن ہمیں ان غیر مادی حقائق کا بس اتنا ہی علم ہے جتنا کہ انہوں نے بتایا ہے۔ اس سے زیادہ علم حاصل کرنا ہمارے بس میں نہیں اور یہ ہمارے محسوسات اور تعقلات کی پہنچ سے بہت دور ہے۔

خلاصۂ بحث

فرشتے خدا کی مخلوق ہیں۔ خدا نے انہیں پر دیئے ہیں۔ اسی نے انہیں زندگی بخشی ہے اور وہی ان کو موت سے ہمکنار کرے گا۔ فرشتے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے بعض اوقات انسان کی صورت میں بھی

ظاہر ہوتے ہیں۔ درجات کے لحاظ سے بھی کچھ فرشتے افضل ہیں اور کچھ مفضول۔ مثلاً حضرت جبرئیلؑ کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔ وہ خدا کے رسولوں کو وحی پہنچانے اور شب قدر میں تقدیر الٰہی کے جملہ فیصلوں کو زمین پر لانے کے ذمہ دار ہیں۔ کراماً کاتبین بھی فرشتے ہیں۔ حضرت عزرائیلؑ اور ان کے مددگار سب کا تعلق صنف ملائکہ سے ہے۔ فرشتے خدا کے فرمانبردار بندے ہیں اور وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔

عالم ملکوت، جنات، روح، روز آخرت اور کائنات کی تخلیق ایسے مسائل ہیں جنہیں ہم اپنے حواس سے محسوس نہیں کر سکتے۔ ہمارے علم کا منبع صرف انبیائے کرامؑ کی تعلیمات ہیں۔ لوگوں کی باتوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ لوگ صرف انکلیں دوڑاتے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ہے: وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ "اس کی سلطنت پانی پر تھی"۔ یہاں پانی سے مراد وہ پانی نہیں ہے جس کا ہم آج زمین پر مشاہدہ کر رہے ہیں جو آکسیجن اور ہائیڈروجن کے مخصوص تناسب H_2O سے تشکیل پاتا ہے۔ اور ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ "پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا" سے وہ دھواں مراد نہیں ہے جو ہمیں آگ سے بنتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ خدا نے اس پانی کو ہمارے مشاہدے میں آنے والے اس پانی سے تشبیہ دی ہے اور اس دھوئیں کو ہمارے مشاہدے میں آنے والے دھوئیں سے تشبیہ دی ہے۔

آسمان اور زمین

لغت میں لفظ سمآء: سما الشیء یسمو سموًا وسماءً یعنی بلند ہوا۔ اونچا ہوا۔ لمبا ہوا۔
سماء کل شیء یعنی ہر چیز کا بلند ترین حصہ۔ جو چیز بھی آپ پر سایہ کرے اسے سماء یعنی آسمان کہا جاتا ہے۔

قرآن میں لفظ سمآء: قرآن کریم میں جہاں لفظ سماء بطور واحد آیا ہے وہاں اس سے مراد وہ بسیط فضا ہے جو زمین کا احاطہ کئے ہوئے ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

۱۔ اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ○ کیا انہوں نے آسمانی فضا میں مسخر پرندوں کو نہیں دیکھا۔ (سورۂ نحل آیت ۷۹)

۲۔ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ○ اس نے آسمان سے پانی اتارا اور اس کے ذریعے سے تمہاری روزی کے لئے پھل نکالے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۲)

ایک انسان عینک اور دوربین کے بغیر دیکھ سکتا ہے کہ پرندہ کس طرح زمین کی آسمانی فضا میں اڑتا ہے اور زمین کی آسمانی فضا میں مسخر بادلوں سے بارش کیسے برستی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی اونچے پہاڑ پر چڑھ جائے تو وہ دیکھ سکتا ہے کہ بادل اس سے نیچے تیر رہے ہیں اور اس کے اوپر سورج چمک رہا ہے۔

قرآن مجید جب کہتا ہے کہ پرندے آسمانی فضا میں اڑتے ہیں اور آسمان سے پانی برستا ہے تو اس سے بلند و بالا نیلگوں آسمان مراد نہیں ہے بلکہ اس سے آسمانی فضا مراد ہے جو زمین سے کچھ ہی اوپر ہے۔

نیز قرآن مجید میں لفظ سماء زمین سے اوپر موجود ستارے اور سات آسمان کے لئے بھی استعمال ہوا ہے مثلاً:

۱۔ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ○ اس کے بعد وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو سات آسمان بنا دیئے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۹)

۲۔ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ○ آسمان و زمین میں کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں ہے جس کا ذکر کتاب مبین میں نہ ہو۔ (سورۂ نمل آیت ۷۵)

۳۔ یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ... اس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح خطوں کا طومار لپیٹا جاتا ہے۔ (سورۂ انبیاء آیت ۱۰۴)

مذکورہ آیات میں ہر چیز کو جو زمین کے اوپر ہے اور زمین جس کے نیچے ہے سماء کہا گیا ہے۔
یعنی ساتوں آسمان اور اس کے علاوہ جو کچھ زمین سے اوپر ہے وہ سماء ہے۔

قرآن مجید میں سماء کی جمع سماوات بھی استعمال ہوا ہے مثلاً هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لئے پیدا کیں پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو سات آسمان بنا دیئے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۹)

ارض یعنی زمین قرآن مجید میں ۴۵۱ مرتبہ بطور واحد اور ایک مرتبہ سماوات پر بطور معطوف آیا ہے مثلاً اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ... خدا وہی ہے جس نے سات آسمان بنائے اور ان کے مثل زمین بنائی۔ (سورۂ طلاق: آیت ۱۲)

اس آیت سے جو کچھ ہم سمجھ سکے ہیں وہ یہ ہے کہ یہاں تخلیق میں مماثلت کا ذکر ہے عدد میں مماثلت کا نہیں۔ یعنی مفہوم آیت یہ نہیں ہے کہ اللہ نے سات آسمان اور سات زمینیں بنائیں بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے سات آسمانوں کو بنایا اور آسمانوں کی طرح سے زمین کو بھی بنایا۔ البتہ اگر مماثلت کو عدد کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے تو پھر مفہوم آیت یہ ہوگا کہ اللہ نے سات آسمان اور سات زمینیں بنائیں اور اس صورت میں زمینی سماء وہ فضا ہوگی جو زمین کا احاطہ کئے ہوئے ہے جس کا ذکر ہم سورۂ نحل کی آیت ۷۹ میں کر چکے ہیں۔

جن آیات میں آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا ذکر آیا ہے ان کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس ذات اقدس کی طرف رجوع کریں جن کے قلب اطہر پر قرآن القا کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے:

...وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ... (اے رسولؐ) ہم نے آپ پر قرآن القا کیا ہے تاکہ آپ لوگوں پر اُن احکام کو واضح کریں جو اُن کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ (سورۂ نحل: آیت ۴۴)

تخلیق کائنات کے متعلق رسول اکرمؐ کی بہت سی احادیث و روایات موجود ہیں لیکن علماء نے ان احادیث کے متن وسند پر اتنی توجہ نہیں دی جتنی کہ انہوں نے احکام کی احادیث و روایات کی طرف دی ہے۔ اس لئے ہم اس عنوان کی احادیث پر زیادہ توجہ مبذول نہیں کر سکیں گے۔ البتہ ہم تخلیق کائنات کی آیات کے ظاہری مفہوم اور قابل اطمینان روایات کی روشنی میں چند معروضات پیش کرتے ہیں۔

آغاز تخلیق اور اس کے بعد کے مراحل کے بارے میں خداوند عالم فرماتا ہے:

۱۔ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ... وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ یوم میں پیدا کیا ہے اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ (سورۂ ہود: آیت ۷)

۲۔ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ... بے شک تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں (مرحلوں) میں پیدا کیا۔ پھر وہ عرش اقتدار کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے۔ (سورۂ یونس: آیت ۳)

۳۔ اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِہٖ خَبِیْرًا ٭ اس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا۔ پھر وہ عرش اقتدار کی طرف متوجہ ہوا وہ رحمٰن ہے اس کے بارے میں اسی باخبر سے پوچھو۔ (فرقان: آیت ۵۹)

۴۔ اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ٭ کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین باہم جڑے ہوئے تھے تو ہم نے ان کو جدا جدا کر دیا اور ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ پھر بھی یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ (انبیاء: آیت ۳۰)

۵۔ ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ٭ وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لئے پیدا کیں۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو سات آسمان بنا دیئے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۹)

۶۔ قُلْ اَئِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَہٗٓ اَنْدَادًا ذٰلِکَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ٭ وَ جَعَلَ فِیْھَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِھَا وَ بٰرَکَ فِیْھَا وَ قَدَّرَ فِیْھَآ اَقْوَاتَھَا فِیْٓ اَرْبَعَۃِ اَیَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ٭ ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَھَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْھًا قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ٭ فَقَضٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ اَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَھَا وَ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَ حِفْظًا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ٭ (اے رسولؐ!) کہہ دیجئے کہ کیا تم اس کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو یوم میں پیدا کیا اور (بتوں کو) اس کا مثل قرار دیتے ہو حالانکہ وہ تمام جہانوں کا رب ہے۔ اور اُس نے اس زمین میں مضبوط پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے۔ اور زمین میں برکت رکھی۔ اور چار یوم میں تمام سامان معیشت کو مقرر کیا جو تمام طلبگاروں کے لئے یکساں ہے۔ اس کے بعد وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو بالکل دھواں تھا۔ اُسے اور زمین کو حکم دیا کہ خوشی سے یا ناخوشی سے ہماری طرف آؤ۔ دونوں نے کہا کہ ہم خوشی سے آتے ہیں۔ پھر دو یوم میں سات آسمان بنائے اور ہر آسمان کو نظام تقدیر کا پابند بنایا۔ اور ہم نے آسمان دنیا کو جھلملاتی قندیلوں سے مزین کیا اور (شیطانوں سے) محفوظ رکھا۔ یہ خدائے غالب وعلیم کی مقرر کی ہوئی تقدیر ہے۔
(سورۂ حم السجدہ: آیت ۹ تا ۱۲)

۷۔ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ... خدا وہی ہے جس نے سات آسمان بنائے اور ان کے مثل زمین بنائی۔ (سورۂ طلاق: آیت ۱۲)

۸۔ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰھَا ٭ رَفَعَ سَمْکَھَا فَسَوّٰھَا ٭ وَاَغْطَشَ لَیْلَھَا وَ اَخْرَجَ ضُحٰھَا ٭ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحٰھَا ٭ اَخْرَجَ مِنْھَا مَآءَ ھَا وَ مَرْعٰھَا ٭ وَالْجِبَالَ اَرْسٰھَا ٭ مَتَاعًا لَّکُمْ

ولانعامکم ٥ بھلا تمہارا بنانا مشکل ہے یا مستحکم آسمان کا بنانا؟ اسی نے آسمان کو بنایا، اس کی چھت کو بلند کیا، پھر اسے برابر کر دیا۔ اور اسی نے رات اندھیاری اور دن اجیالا بنایا۔ اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا۔ اس میں سے پانی نکالا اور چارہ اگایا۔ اور اس پر پہاڑوں کو گاڑ دیا۔ یہ سب کچھ ہم نے تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لئے کیا۔ (سورۂ نازعات: آیت ۲۷ تا ۳۳)

۹۔ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنَاهَا ٥ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحَاهَا ٥ قسم ہے آسمان کی اور جس نے اسے مستحکم بنایا۔ اور قسم ہے زمین کی اور جس نے اسے بچھایا۔ (سورۂ شمس: آیت ۵ و ۶)

۱۰۔ وَالْاَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ٥ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ٥ ہم نے زمین کو پھیلا دیا ہے اور اس میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے ہیں اور ہر موزوں چیز کو اس میں سے اُگایا ہے۔ اور اسی میں تمہارے لئے اسباب معیشت قرار دیئے ہیں اور ان کے لئے بھی جن کے تم رازق نہیں ہو۔ (سورۂ حجر: آیت ۱۹۔۲۰)

۱۱۔ اَلَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ٥ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ٥ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ٥ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو گہوارا بنایا اور اس میں تمہارے لئے راستے بنائے۔ اور اس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس سے انواع و اقسام کے نباتات کے جوڑے اگائے کہ تم بھی کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو بھی چراؤ۔ بے شک اس میں عقلمند لوگوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ تمہیں نکالیں گے۔ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۵۳ تا ۵۵)

۱۲۔ اَلَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ٥ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا۔ پھر آسمان سے مینہ برسا کر تمہارے کھانے کے لئے زمین سے پھل اُگائے لہٰذا اس کے لئے جان بوجھ کر کسی کو ہمسر نہ بناؤ۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۲)

۱۳۔ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ٥ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے کس طرح تہہ بہ تہہ سات آسمان بنائے ہیں۔ (سورۂ نوح: آیت ۱۵)

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ٥ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ٥ اللہ نے ہی تمہارے لئے زمین کو بچھایا ہے تاکہ تم اس میں مختلف کشادہ راستوں پر چلو۔ (سورۂ نوح: آیت ۱۹ و ۲۰)

۱۴۔ افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت ○ والی السماء کیف رفعت ○ والی الجبال کیف نصبت ○ والی الارض کیف سطحت ○ کیا یہ لوگ اونٹوں کو نہیں دیکھتے ہیں کہ کیسے (عجیب) پیدا کئے گئے ہیں اور آسمان کی طرف کہ کیسا بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں۔ اور زمین کی طرف کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔ (سورۂ غاشیہ: آیت ۱۷ تا ۲۰)

۱۵۔ امن خلق السموات والارض وانزل لکم من السماء ماء فانبتنا به حدائق ذات بهجة ما کان لکم ان تنبتوا شجرها ء اله مع الله بل هم قوم یعدلون ○ امن جعل الارض قرارا و جعل خلالها انهارا و جعل لها رواسی و جعل بین البحرین حاجزا ء اله مع الله بل اکثرهم لا یعلمون ○ بھلا کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور کس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا؟ (ہم نے۔) پھر ہم نے اس سے ہرے بھرے باغ اُگائے۔ تمہارا کام تو نہ تھا کہ تم ان کے درختوں کو اُگاتے۔ تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (نہیں!) بلکہ یہ لوگ خود اپنی طرف سے دوسروں کو خدا بنا کر خدا کے برابر کر رہے ہیں۔ بھلا کس نے زمین کو قرارگاہ بنایا اور اس کے بیچ نہریں جاری کیں اور اس کے لئے پہاڑ بنائے اور کس نے دو دریاؤں کے بیچ اوٹ بنائی۔ (یہ سب کچھ خدا نے بنایا) تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں!) بلکہ ان میں اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ (سورۂ نمل: آیت ۶۰ و ۶۱)

۱۶۔ و جعلنا فی الارض رواسی ان تمید بهم و جعلنا فیها فجاجا سبلا لعلهم یهتدون ○ و جعلنا السماء سقفا محفوظا وهم عن آیاتها معرضون ○ ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے ہیں تا کہ لوگوں کو لے کر کسی طرف جھولنے نہ لگے۔ اور ہم نے اس میں کشادہ راستے بنائے تا کہ لوگ ان پر چلیں۔ اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔ اس پر بھی وہ ہماری نشانیوں سے منہ پھیر رہے ہیں۔ (سورۂ انبیاء: آیت ۳۱، ۳۲)

۱۷۔ الم نجعل الارض کفاتا ○ احیاء و امواتا ○ و جعلنا فیها رواسی شامخات ○ کیا ہم نے زمین کو ایک جمع کرنے والا ظرف نہیں بنایا؟ جس میں زندہ و مردہ سب کو جمع کریں گے اور اس میں اونچے اونچے مضبوط پہاڑ کھڑے کئے۔ (سورۂ مرسلات: آیت ۲۵ تا ۲۷)

۱۸۔ هو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا و قدره منازل لتعلموا عدد السنین والحساب ما خلق الله ذالک الا بالحق یفصل الآیات لقوم یعلمون ان فی اختلاف اللیل والنهار وما خلق الله فی السموات والارض لآیات لقوم یتقون۔ وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور چاند کی منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں کا شمار اور کاموں کا حساب معلوم کرو۔ یہ سب خدا نے حق (یعنی عدم) سے پیدا کیا ہے۔ سمجھنے والوں کے لئے وہ اپنی آیتیں تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ رات اور دن

کے (ایک دوسرے کے پیچھے) آنے جانے میں اور جو چیزیں خدا نے آسمان اور زمین میں پیدا کی ہیں ان سب میں اہل تقویٰ کے لئے نشانیاں ہیں۔ (سورۂ یونس: آیت ۵ و ۶)

لغوی تشریح

۱۔ یَوْمٌ: طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک کے وقت کو یوم کہا جاتا ہے۔ کسی واقعے سے مربوط زمانہ اور دورانیہ بھی یوم کہلاتا ہے۔ جنگ جاری رہنے کے سارے عرصے کو بھی یوم کہا جاتا ہے مثلاً یوم الخندق، یوم صفین۔

۲۔ ثُمَّ: یہ لفظ اپنے مابعد کے ماقبل سے تاخر کو ظاہر کرتا ہے خواہ تاخر از روئے مرتبہ ہو یا زمان و مکان۔

تاخر مرتبہ کی مثال: ایک شخص رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: مَنْ اَبَرُّ؟ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ حضورؐ نے فرمایا: اُمَّکَ. تیری ماں۔ اس نے پوچھا: ثُمَّ مَنْ؟ پھر کون حضورؐ نے فرمایا: اُمَّکَ. تیری ماں۔ اس نے پوچھا: ثُمَّ مَنْ؟ پھر کون؟ حضورؐ نے فرمایا: اَبَاکَ. تیرا باپ۔

تاخر زمان کی مثال: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرَاهِيْمَ وَ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ... ۝ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰی آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ... ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا اور دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب (کے سلسلے) کو (جاری) رکھا.. پھر ان کے پیچھے انہی کے قدموں پر اور پیغمبر بھیجے اور ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریمؑ کو بھیجا (سورۂ حدید: آیت ۲۶ و ۲۷)

تاخر مکان کی مثال: ذَهَبْتُ مِنْ بَغْدَادِ اِلٰی كَرْبَلَاءَ ثُمَّ النَّجَفْ میں بغداد سے کربلا پھر نجف گیا

۳۔ دُخَانٌ: آگ کے شعلوں سے بننے والا دھواں۔ بخارات اور گیسوں کو بھی دُخان کہا جاتا ہے۔

۴۔ اِسْتَوٰی: جب اِسْتَوٰی کا صلہ عَلٰی سے ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں مسلط ہونا مثلاً اِسْتَوٰی عَلَيْهِ وہ اس پر مسلط ہوا۔ اور جب اس کا صلہ اِلٰی سے ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں منتہی ہونا۔ مثلاً اِسْتَوٰی اِلَيْهِ یعنی وہ اس کے پاس پہنچ گیا یا وہ انتہا کو پہنچ گیا۔

رَحْمٰن، عَرْش اور سَوّٰاهُ کی بحث کے ضمن میں اس لفظ کی تفصیل پیش کی جائے گی۔

۵۔ الرَّتْقُ: متصل ہونا۔ جڑا ہوا ہونا۔

۶۔ جَعَلَ: بنانا یا پیدا کرنا مثلاً:

اُذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ... خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ اس نے تم میں انبیاء پیدا کئے... (مائدہ: آیت ۲۰) وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ اس نے تمہارے لئے کپڑا پیدا کیا جو تمہیں گرمی سے بچاتا ہے (سورۂ نحل: آیت ۸۱) جَعَلَ، صَيَّرَ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا

ہے مثلاً اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا۔ (بقرہ: آیت ۲۲)
جَعَلَ کے معنی مقرر کرنا بھی ہے مثلاً لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ہم نے تم میں سے ہر جماعت کے لئے شریعت اور طریقہ مقرر کیا (مائدہ ۴۸) جَعَلَ ہدایت تسخیری کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً وَجَعَلْنَا الْاَنْهَارَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ ہم نے دریاؤں کو ایسا بنایا ہے کہ وہ ان کے (حکم کے) تحت بہتے ہیں (انعام: آیت ۶)

۷۔ الرَّوَاسِیْ: راسی کی جمع۔ مضبوط پہاڑ۔ اَرْسَاهُ اس نے قائم کیا اور اس کی جگہ پر اسے مضبوط کیا۔
۸۔ فَقَضٰهُنَّ: یہاں تکمیل تخلیق مراد ہے۔
۹۔ اَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا: ملائکہ کو یہ امور سکھائے اور ہر آسمان کی مخلوق کو نظام تقدیر کا پابند بنایا۔
۱۰۔ بَنٰهَا: بَنَی الْبَیْتَ اس نے گھر بنایا۔ آیت میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ اسے خوب مستحکم کیا۔
۱۱۔ اَلسَّمْکُ: چھت۔ نیچے سے اوپر تک کا فاصلہ۔ اور اوپر سے نیچے کے فاصلے کو عمق کہا جاتا ہے۔
۱۲۔ سَوّٰی: سَوَّاهُ جس مقصد کے لئے کسی چیز کو بنایا اس میں اس کی استعداد پیدا کی۔
۱۳۔ اَغْطَشَ: اندھیارا اور تاریک بنایا۔
۱۴۔ اَلضُّحٰی: دن چڑھے کا وقت۔ جب سورج کی روشنی پھیل جائے (چاشت) اَخْرَجَ ضُحٰهَا یعنی اس نے دن کو روشن کیا۔
۱۵۔ دَحٰهَا: دَحَا الشَّیْءَ اس نے ایک چیز کو موقع سے دور کیا، بچھایا، پھیلایا۔ وَالْاَرْضَ دَحٰهَا یعنی زمین کو اس انداز سے بچھایا کہ اس پر رہائش ممکن ہو سکے۔
۱۶۔ مَدَدْنٰهَا: مَدَّ۔ اس نے طول و اتصال میں پھیلایا۔ آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ ہم نے زمین کو پھیلایا اور اسے گہوارے کی طرح رہنے کے قابل بنایا۔
۱۷۔ مَوْزُوْنٍ: وزن۔ کسی چیز کو اس طرح تولنا کہ اس کے مقابلے میں ثقیل چیز برابر دکھائی دے۔ وزن ثقل تک ہی محدود نہیں ہوتا بلکہ طول، عرض، حرارت، ٹھنڈک اور بارش وغیرہ کے بھی اوزان ہوتے ہیں۔
وَزَنَ الشَّیْءَ۔ ایک چیز کو اس کے برابر کی چیز سے تولا۔ جو چیز برابر تل جائے وہ موزون کہلاتی ہے۔
مثلاً خدا فرماتا ہے: وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ ہم نے زمین سے مختلف چیزوں کو ان کی ضرورت، مقصد اور ماحول کی مناسبت سے اتنا ہی موزوں پیدا کیا جتنا کہ حکمت کا تقاضا تھا۔

تفسیر آیات

مذکورہ آیات کے ظاہری الفاظ کا مفہوم کچھ یوں ہے:
آسمانوں اور زمین کی خلقت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پانی پیدا کیا جس کی حقیقت کو وہ خود ہی جانتا

ہے۔ اس کا عرش اقتدار پانی پر تھا یعنی کارکنان قضاء و قدر فرشتے بھی اسی پانی پر رہتے تھے اور جب خداوند عالم نے اپنی مشیت سے دوسری چیز بنانے کا ارادہ کیا تو اس نے اس پانی سے زمین کو بنایا اور زمین، آسمان سے پہلے بنی۔ پھر زمین کے بخارات اور تپش سے اس نے آسمانوں کو پیدا کیا۔ زمینی بخارات اور دھواں زمین سے اوپر بلند ہوا اور یوں اللہ تعالیٰ نے آسمان کو زمین سے جدا کیا۔[1] واللہ اعلم۔ اس سے پہلے زمین اور آسمان باہم جڑے ہوئے تھے۔ پھر دھوئیں اور زمین کے بخارات نے آسمان کی شکل اختیار کی۔ پھر ایک آسمان سے اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا کیے۔

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: جَعَلَ مِنْ مَاءِ الْبَحْرِ الزَّاخِرِ... یَبَساً جَامِداً، ثُمَّ فَطَرَ مِنْهُ اَطْبَاقاً، فَفَتَقَهَا سَبْعَ سَمَاوَاتٍ بَعْدَ ارْتِتَاقِهَا یعنی اس نے ایک اتھاہ سمندر کے پانی سے جس کی سطحیں تہہ بہ تہہ اور موجیں تھپیڑے مار رہی تھیں ایک خشک اور ساکن زمین کو پیدا کیا۔ پھر اس نے پانی (کے بخارات) کی تہوں پر تہیں چڑھا دیں جو آپس میں جڑی ہوئی تھیں الگ الگ کر کے سات آسمان بنائے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے دنیا حسب ذیل چھ مراحل میں بنائی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَهُ الشُّكْرُ:

(۱) زمین

(۲) آسمان

(۳) کواکب، برج، شہاب

(۴) حیوان، چرند، پرند

(۵) جن، شیاطین

(۶) انسان

(۱) زمین

خداوند عالم نے زمین کو دو یومیں پیدا کیا اور اس میں مضبوط پہاڑوں کی میخیں ثبت کیں اور چار دنوں میں آسمانی فضا میں سورج کو پیدا کیا اور سطح زمین پر پانی جاری کیا۔ پھر اس نے پیڑ پودوں کی غذا مقرر کی۔ مقصد یہ ہے کہ اس نے ہر جاندار کی فطرت میں یہ بات رکھ دی کہ وہ پانی سے جنم لے۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا یعنی اس نے زمین کے بعد آسمان بنایا۔ آسمان دھوئیں اور بخارات کی شکل میں تھا۔ وہ بخارات سطح زمین سے بلند ہوئے یا یہ کہ آتش فشاں پہاڑوں کے دہانوں سے شعلے بلند ہوئے اور خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے آسمان کو زمین سے جدا کر دیا جبکہ اس سے قبل وہ دونوں آپس میں جڑے ہوئے تھے۔ خدا نے آسمان کو

۱و۲۔ شرح نہج البلاغہ، خطبہ ۲۰۹۔ سیوطی، درمنثور، ج ۱، ص ۳۳۳۔ علامہ مجلسی بحار الانوار، ج ۱۰۳، ص ۵۸۔

زمین کے اوپر بلند کیا (واللہ اعلم)۔ پھر اس نے اس آسمان اور زمین سے پوچھا: "تم خوشی سے ہماری طرف آتے ہو یا ناخوشی سے۔ دونوں نے کہا کہ ہم خوشی سے آتے ہیں۔" پھر اس نے آسمان میں ستارے اور سیارے بنائے جن کی تعداد وہ خود ہی بہتر جانتا ہے۔ پھر اس نے زمین کو آسمان کی قربت سے دور کیا اور اسے بچھایا۔ پھر اس میں دریا، نیز، پودے اور جانور پیدا کئے۔ پھر جس آسمان کو خدا نے زمین سے جدا کیا تھا اُس سے دو یوم میں سات آسمان بنائے اور بعدازاں ہر آسمان میں اس کی گردش کا نظام جاری کیا تاکہ اس کی بقا کا سلسلہ جاری رہ سکے اور آسمان دنیا کو ستاروں کی جھلملاتی قندیلوں سے زینت بخشی۔ پھر ایسے ستارے بنائے جو شیاطین کے لئے رجم کا ذریعہ ہیں اور شہاب ثاقب، شیاطین کو آسمانوں میں ہونے والی گفتگو سننے سے روکتے ہیں۔

خدا نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا۔ چاند کی منزلیں طے فرمائیں۔ چاند ہر رات علیحدہ علیحدہ منزل سے گزرتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ سورج سے ہٹنے لگتا ہے اور یوں اس کی حرکات سے قمری مہینے تشکیل پاتے ہیں اور مہینوں سے سال بنتے ہیں۔ چاند کے گھٹنے بڑھنے سے انسان سالوں کا حساب لگا سکتا ہے۔

خدا نے زمین میں موزوں قسم کی سبزیاں اور بوٹیاں اگائیں اور زمین کو انسان کے لئے (متحرک) گہوارا بنایا۔ انسان زندہ اور مردہ دونوں حالت میں زمین سے استفادہ کرتا ہے اور مرنے کے بعد اسی زمین سے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔

ان آیات سے ہم یہ استنباط کر سکتے ہیں کہ زمین، آسمان سے پہلے بنی ہے اور زمین کا رتبہ آسمانوں سے کہیں زیادہ ہے علاوہ ازیں خدا نے آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں اہل زمین کے فائدے کے لئے پیدا کی ہیں نیز زمین خدا کے انبیاء، اوصیاء اور اولیاء کا مسکن ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے:

اَلَم تَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ... کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو خدا نے تمہارے قابو میں کر دیا ہے۔ (سورۂ لقمان: آیت ۲۰)

وَسَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا... جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو خدا نے تمہارے قابو میں کر دیا ہے۔ (سورۂ جاثیہ: آیت ۱۳)

ان آیات سے مستفاد ہوتا ہے کہ انسانی ضرورت کی چیزیں مثلاً پانی، گوشت اور نباتات وغیرہ بنی نوع انسان سے پہلے پیدا کی گئی ہیں۔

علاوہ ازیں جنوں اور فرشتوں کو بھی انسان سے پہلے پیدا کیا گیا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰہُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ... ہم نے انسان کو کھنکھناتی سیاہی مائل مٹی سے بنایا ہے۔ اور جنات کو اس سے بھی پہلے اس آگ سے بنایا ہے جو سیاہی سے مخلوط تھی۔ جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں کھنکھناتی سیاہی مائل مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں (سورۂ حجر: آیت ۲۶ تا ۲۸)

(۲) کواکب

خداوند عالم نے برجوں، ستاروں اور شہابیوں کے متعلق یوں خبر دی ہے:

۱۔ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ٥ وَ حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ٥ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ٥ ہم نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لئے اس کو (ستاروں سے) سجا دیا اور ہر شیطان رجیم سے اسے محفوظ کر دیا۔ ہاں اگر کوئی شیطان چوری چھپے وہاں کی بات سننا چاہے تو دہکتا ہوا شعلہ اس کے پیچھے لپکتا ہے۔ (سورۂ حجر: آیت ۱۶ تا ۱۸)

۲۔ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ ٥ وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ٥ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَ يُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ٥ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ٥ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ٥ بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے سجایا اور ہر سرکش شیطان سے اس کی حفاظت کی کہ اب وہ عالم بالا کی باتیں سن نہیں سکتے (اگر وہ ایسی کوشش کریں گے تو) ہر طرف سے مارے جائیں گے۔ (یعنی وہاں سے) نکال دینے کو اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔ ہاں جو کوئی (فرشتوں کی کسی بات کو) اچک لے تو دہکتا ہوا شعلہ تاریکیاں چیرتا ہوا اس کے پیچھے لپکتا ہے۔ (سورۂ صافات: آیت ۶ تا ۱۰)

۳۔ تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِيْرًا ٥ بڑی برکت والا ہے وہ خدا جس نے آسمانوں میں برج بنائے اور ان میں (آفتاب کا جگمگاتا) چراغ اور چمکتا ہوا چاند بھی بنایا۔ (سورۂ فرقان: آیت ۶۱)

۴۔ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ... وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور چاند کی منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں کی تعداد اور دوسرے حسابات دریافت کر سکو... (سورۂ یونس: آیت ۵)

۵۔ وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ٥ وہی تو ہے جس نے چاند کو ان کے درمیان نور بنایا اور سورج کو چراغ ٹھہرایا ہے۔ (سورۂ نوح: آیت ۱۶)

۶۔ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ٥ بے شک خدا کے ہاں مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ یہ تعداد خدا نے اس دن مقرر کی جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ ان میں سے چار مہینے محترم ہیں یہ محکم دستور (شروع سے چلا آتا) ہے لہذا ان مہینوں میں (قتال ناحق کر کے) اپنے اوپر ظلم نہ کرو اور تم سب مشرکوں سے اسی طرح لڑو جس طرح وہ تم سے لڑتے ہیں۔ جان رکھو کہ خدا صاحبان تقویٰ کے ساتھ ہے۔ (سورۂ توبہ: آیت ۳۶)

۷۔ وَعَلَامَاتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ اور (راستوں میں) علامات بنا دیں اور لوگ ستاروں سے بھی راستے معلوم کرتے ہیں۔ (سورۂ نحل: آیت ۱۶)

۸۔ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ... اسی نے تمہارے لئے ستارے بنائے تاکہ تم خشکی اور تری کے اندھیروں میں ان سے راستا معلوم کرسکو۔ (سورۂ انعام: آیت ۹۸)

لغوی تشریح

۱۔ بُرُوْجٌ: برج کی جمع ہے۔ زمین پر محل اور قلعہ کو برج کہا جاتا ہے (مثلاً برج العرب، برج دبئی) اور آسمان میں ان ستاروں کے جھرمٹ کو برج کہا جاتا ہے جن سے چاند، سورج، ستارے اور کواکب گزرتے ہیں۔ ان میں ستاروں کا وہ جھرمٹ بھی شامل ہے کہ اگر ہم کاغذ پر اس گزرگاہ کی تصویر بنائیں تو وہ عقرب کی شکل میں دکھائی دیتی ہے اور یہی چاند کی منزلیں ہیں۔
نجومیوں کی اصطلاح میں چاند کے بارہ برج ہیں۔ انشاء اللہ ہم بحث کے آخر میں قرآن کے اس خطاب کے متعلق عرض کریں گے جو لوگوں کو اپنی آنکھوں سے دکھائی دیتے ہیں۔

۲۔ رَجِیْمٌ: بمعنی مرجوم ہے۔ یعنی جسے اچھائیوں سے یا عالم بالا سے دور کردیا گیا ہو۔ ملعون۔

۳۔ شِهَابٌ: فضا میں دہکتا ہوا شعلہ۔ اس کی جمع شہب ہے۔

۴۔ مَارِدٌ: جن و انس کے سرکش شیطان کو مَارِد اور مَرِید کہا جاتا ہے۔ وہ سرکش جو بھلائیوں سے دور ہو اور گناہوں میں حد سے بڑھنے والا ہو۔

۵۔ دُحُوْرًا: دَحَرَهٗ دَحْرًا وَ دُحُوْرًا۔ اُس نے دور کیا، دھتکار دیا اور نکال دیا۔

۶۔ اَلنُّجُوْمُ: وہ اجرام فلکی جو روشن ہوں۔ خدا کا فرمان ہے: جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً اس نے سورج کو روشن بنایا۔ وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا اس نے سورج کو (روشن) چراغ بنایا۔

۷۔ وَاصِبٌ: مسلسل جاری رہنے والا۔ دائمی۔

۸۔ خَطِفَ: خَطِفَ الشَّیْءَ خَطْفًا تیزی سے کسی چیز کا اُچک لینا۔ خَطْفَةٌ بروزن فَعْلَةٌ یکبارگی کے معنی میں ہے یعنی کسی شیطان کی طرف سے ایک مرتبہ فرشتوں کی گفتگو کا اُچک لینا۔

۹۔ اَلثَّاقِبُ: ثَقَبَ الشَّیْءَ ثَقْبًا کسی چیز میں سوراخ کرنا۔ ثَاقِبٌ سوراخ کرنے والا۔ شہاب کو ثاقب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ تاریکیوں کو چیرتے ہوئے گزرتا ہے۔

تفسیر آیات

سماوات اور کواکب کی بحث میں بیان کی گئی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کواکب و نجوم اور دیگر روشن اجرام فلکی آسمان دنیا سے نیچے واقع ہیں۔ اس کے بعد دوسرا پھر تیسرا پھر چوتھا علیٰ ہذا القیاس۔ ساتوں آسمان ایک دوسرے کے اوپر واقع ہیں۔ ان کی بلندی مکانی ہے جبکہ عرش کی بلندی معنوی ہے۔ البتہ ہمارے بیان کردہ مفہوم پر دو سوالات کئے جاسکتے ہیں:

(۱) خدانے ستاروں کے بارے میں بس اتنا ہی فرمایا ہے کہ وَ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوْا۔۔اس نے ستارے اس لئے بنائے ہیں تاکہ تمہیں راستا مل سکے۔ ستاروں کے اس فائدے سے تمام لوگ واقف ہیں۔ آخر خدانے ستاروں کے ان آثار اور اوصاف کے متعلق لوگوں کو کیوں کچھ نہیں بتایا جن کا ہیئت دانوں نے بعد میں انکشاف کیا ہے؟

(۲) خدانے سورۂ صافات میں فرمایا ہے کہ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ٱلْكَوَاكِبِ ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے سجایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کواکب و نجوم آسمان دنیا کے نیچے ہیں جبکہ قدیم ہیئت دان سمجھتے تھے کہ اکثر ستارے آسمان دنیا کے اوپر واقع ہیں۔ معاصر ہیئت دان اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب نمبرا

خدانے حضرت خاتم الانبیاءؐ کو اس لئے مبعوث فرمایا تھا کہ آپ لوگوں کو خدائی احکام بتائیں:

قُلْ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔۔۔ (اے رسولؐ!) آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا رسول بن کر آیا ہوں۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۵۸)

وَ اُوْحِىَ اِلَىَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ۔۔۔ اور یہ قرآن میری طرف اس لئے اتارا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے تم کو اور جہاں تک یہ پیغام پہنچے سب کو خبردار کروں۔ (سورۂ انعام: آیت ۱۹)

حضرت خاتم الانبیاءؐ کے مخاطب تمام بنی نوع انسان تھے اسی لئے آپ یَا اَیُّھَا النَّاسُ کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے اور یہ بات واضح ہے کہ آنحضرتؐ صرف علم الافلاک کے معلّم نہیں تھے اور آپ کے مخاطبین علم الافلاک کے طالبعلم نہیں تھے۔ آپ کو تبلیغ کے لئے ایسی گفتگو کی ضرورت تھی جسے تمام لوگ سن اور سمجھ سکیں۔ اسی لئے خدانے توحید الوہیت کے دلائل انتہائی سادہ زبان میں اور آسان مثالوں سے بیان کئے ہیں۔ مثلاً

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ○ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ○ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ○ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ○ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ○ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ○ کیا یہ لوگ

اونٹوں کو نہیں دیکھتے ہیں کہ کیسے (عجیب) پیدا کیے گئے ہیں اور آسمان کی طرف کہ کیسا بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح کھڑے کیے گئے ہیں۔ اور زمین کی طرف کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔ تو تم نصیحت کرتے رہو کہ تم نصیحت کرنے والے ہو۔ تم ان پر نگران نہیں ہو۔ (سورۂ غاشیہ: آیت ۱۷ تا ۲۲)

اسی طرح توحید کے دلائل دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ٥ ءَ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ٥ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ٥ ... فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ٥ بھلا تم نے اُس پانی کو دیکھا جسے تم پیتے ہو؟ تو کیا تم نے اسے بادلوں سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری بنا دیں۔ پس تم شکر کیوں نہیں کرتے... اپنے عظیم رب کے نام کی پاکیزگی بیان کرو۔ (سورۂ واقعہ: آیت ۶۸ تا ۷۴)

اب کچھ دیر کے لئے فرض کیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ہزاروں لاکھوں کواکب اور ان کی گزرگاہوں کا تذکرہ کرتا یا انسانی اعضا مثلاً آنکھ کا ذکر کرتا اور اس کے لاکھوں خلیوں کے بارے میں بتاتا یا انسانی خون کے بارے میں بتاتا کہ اس میں سرخ اور سفید ذرات ہیں یا انسانی دماغ کے متعلق بتاتا کہ اس میں لاکھوں خلیے ہیں تو آخر ان باتوں کا نتیجہ کیا نکلتا۔ جبکہ میرے کچھ دوستوں کا کہنا ہے کہ اللہ نے ایسا نہ کر کے کتاب الٰہی میں نقص پیدا کیا ہے۔ (معاذ اللہ) حالانکہ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اگر خدا خوردبین یا دوربین اور جدید لیبارٹری آلات کی دریافت سے پہلے یہ چیزیں بیان فرما دیتا تو انہیں اس وقت کون سمجھ سکتا تھا؟

اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی مدنظر رکھیں کہ لوگ اپنے نبی کو دیوانہ تک کہا کرتے تھے۔ اگر ایسے میں انبیائے کرامؑ اپنی قوم سے بالفرض کچھ اس طرح کہتے:

اے لوگو! آپ اور ہم جس زمین پر رہ رہے ہیں ہماری یہ زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے اور زمین سے سورج کا فاصلہ ۹۳ ملین میل ہے اور زمین جس گزرگاہ میں واقع ہے اسی گزرگاہ میں تیس ملین ستارے بھی موجود ہیں اور ان ستاروں کے علاوہ اس گزرگاہ میں لاکھوں عوالم سدوم بھی واقع ہیں — تو خدارا بتائیے کہ لوگ اپنے انبیاءؑ کے ذہنی توازن کو درست مان لیتے جبکہ ان کی ذہنی پستی اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ وہ خدائے واحد کے سیدھے سے منطقی مسئلے کو بھی ماننے پر تیار نہیں تھے اور اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بے جان بتوں کو معبود ماننے پر اصرار کرتے تھے۔ انبیائے کرامؑ نے انہیں سیدھی سی یہ بات کہی تو وہ انہیں مجنون، ساحر اور کاہن تک کہنے سے نہیں چوکتے تھے۔ ان کی ذہنی پستی کی انتہا یہ تھی کہ وہ سیدھا راستا دکھانے والوں کو پاگل سمجھتے تھے جیسا کہ خدا نے کلام مجید میں بتایا ہے:

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ ٥ ان سے پہلے نوحؑ کی قوم نے بھی ان کی تکذیب کی تھی تو انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہا کہ یہ پاگل ہے۔ (سورۂ قمر: آیت ۹)

تمام امتوں نے اپنے انبیاءؑ کے متعلق جو تصور قائم کیا اس کی ترجمانی کرتے ہوئے خدا فرماتا ہے:
كَذٰلِكَ مَا اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ اسی طرح سے ان سے پہلے کسی قوم کے پاس کوئی رسول نہیں آیا مگر یہ کہ ان لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔
(سورۂ ذاریات: آیت ۵۲)

حضرت خاتم الانبیاءؐ کو بھی تو لوگوں نے کہا تھا کہ آپ دیوانے ہیں۔ (سورۂ قلم: آیت ۵۱)
جو لوگ توحید جیسا مسئلہ سن کر انبیاءؑ کو دیوانہ کہتے تھے اگر ان کے سامنے یہ علمی مسائل بیان کئے جاتے تو ان کا ردعمل کیا ہوتا؟ اور کیا ان حالات میں کسی کے ایمان لانے کی توقع کی جاسکتی تھی؟
انبیائے کرامؑ کی تبلیغ کا دور ہر لحاظ سے جہالت کا دور تھا۔ اس دور میں بوقلموں سائنسی انکشافات نہیں ہوئے تھے اور سائنسی آلات نہیں بنے تھے اور بھاری بھرکم قسم کے انسائیکلوپیڈیا موجود نہیں تھے اسی لئے انبیائے کرامؑ نے ان مباحث کو پیش کرنا مناسب ہی نہیں سمجھا۔

ویسے بھی اصولی طور پر خدا نے قرآن مجید کو کتاب ہدایت بنا کر نازل کیا ہے اور اس میں بتایا ہے کہ لوگوں کو اللہ کی عبادت کیوں اور کیسے کرنی چاہئے اور اس کے اوامر و نواہی کی اطاعت کا انداز کیا ہونا چاہئے۔ نیز یہ کہ اس کائنات کی اشیا سے استفادہ کا صحیح طریقہ کیا ہے اور معاشرے میں لوگوں کا ایک دوسرے سے برتاؤ کیسا ہونا چاہئے۔ قرآن مجید اس لئے نازل نہیں ہوا کہ لوگوں کو ہوا، پانی اور زمین کے کیمیائی خواص بتائے۔ یہ کام خدا نے انسان پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ غور کرے اور اس کارخانۂ ہست و بود کے سربستہ راز فاش کرے۔

خدا نے انسانوں کو عقل کی دولت عطا فرمادی ہے اس کے بعد یہ اس کی ذمہ داری نہیں کہ وہ اپنی کتاب میں بیان کرے کہ ایٹم کو توڑنے کا کیا طریقہ ہے۔ یہ ہرگز اس کی ذمے داری نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو ایٹمی دھماکے کا فارمولا بتائے۔ ہاں! اس نے انسان کو یہ ضرور بتایا ہے کہ وہ اپنی عقل سے کام لے کر انسانیت کی خدمت کرے اور عقل عیار کو استعمال کر کے خلق خدا کی بربادی کا سامان نہ کرے۔

البتہ قرآن مجید میں مخلوق کی مختلف انواع و اقسام کے تذکرے کا پایا جانا اور کچھ سائنسی حقائق کی طرف اشارہ کرنا خلاف مصلحت نہیں تھا۔ اسی لئے قرآن مجید میں کچھ ایسی آیات موجود ہیں جن میں بعض ایسے حقائق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو کہ عصر نزول میں معلوم نہیں تھے۔ خدا نے یہ سب کچھ اس لئے کیا تاکہ آنے والے زمانوں میں یہ آیات قرآن کی ابدی صداقت کی مؤید بن سکیں۔ اسی لئے امیر المومنین امام علیؑ نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں: وَلَا تَفْنٰى عَجَائِبُهُ قرآن کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ قرآن کا یہ اعجاز ہی تو ہے کہ قرآن نے ایک بھی ایسی چیز بیان نہیں کی جس کی صدیوں بعد سائنس نے تردید کی ہو۔

جواب نمبر۲

ماضی میں کچھ علماء سے ایک بڑی غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے قرآنی حقائق کو بطلیموسی نظریات کے ساتھ منطبق کرنے کی کوشش کی کیونکہ اس دور کے علماء یہ سمجھتے تھے کہ بطلمیوس[1] کے نظریات ثابت شدہ علمی حقائق پر مبنی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے قرآنی آیات کی تاویل[2] کر کے خوامخواہ انہیں بطلیموسی نظریے کا مؤید قرار دیا۔ قرآن میں سات آسمانوں کا جو ذکر آیا ہے ہمارے علماء نے اس کی تاویل کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس سے مراد "سات افلاک" ہیں

☆ اسکندریہ کا مشہور ہیئت داں اور جغرافیہ داں Claudius Ptolemaeus Ptolemy (۹۰ء - ۱۶۸ء) جس نے اپنی کتاب The Almagest (مجسطی) میں یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ زمین کائنات کا "مرکز" ہے اور سارے سیارے زمین کے گرد حرکت کرتے ہیں جبکہ زمین خود ساکن ہے۔ کئی صدیوں بعد پولینڈ کے نیکولس کوپرنیکس (۱۴۷۳ء - ۱۵۴۳ء) نے بطلیموس کے نظریے کو باطل ثابت کیا اور لکھا کہ سورج کائنات کا "مرکز" ہے اور تمام سیارے بشمول زمین سورج کے گرد گردش کرتے ہیں لیکن اس خوف سے کہ یہ انکشاف کلیسا کے ماننے والوں کے عقائد میں بھونچال پیدا کر دے گا اور اس کے نظریے کی شدید مزاحمت کی جائے گی اس کی کتاب De revolutionibus orbium coelestium اس کی زندگی میں نہیں بلکہ اس کے مرنے کے بعد شائع ہوئی۔ اس کے بعد اٹلی کے Galileo (۱۵۶۴ء - ۱۶۴۲ء) نے جب ۱۶۳۲ء میں اپنی کتاب Dialogues on the two chief systems of Universe شائع کی تو اس پر پابندی عائد کر دی گئی اور کلیسا کی عدالت احتساب نے اسے تفتیش کے لئے روم طلب کیا جہاں اس پر مقدمہ چلایا گیا اور اسے مجبور کیا گیا کہ وہ زمین کی حرکت سے انکار کرے۔

☆ اسلام کے ابتدائی دور میں بعض اہل سنت کا یہ عام عقیدہ تھا کہ کافی وجوہ کی بنا پر قرآنی آیات کے ظاہری لغوی معنوں کو نظر انداز کر کے اس کے برعکس معنی دیئے جا سکتے ہیں۔ اسے "تاویل" کہا جاتا تھا۔ سنی اسلام میں "تاویل قرآن" کے الفاظ انہیں معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔

سنی علماء کی کتابوں اور مختلف مکاتب کے مابین ہونے والے ان مباحثوں سے جو تحریراً موجود ہیں پتا چلتا ہے کہ اگر کوئی مخصوص نظریہ (جو کسی مکتب کے علماء کے اجماع یا کسی اور ذریعے سے قائم ہوا ہو) کسی قرآنی آیت کے ظاہری معنی کے برعکس ہو تو "تاویل" کر کے اس کے معنی ظاہری معنی کے برعکس بیان کئے جاتے ہیں۔ بعض اوقات مباحثہ کرنے والی دو جماعتیں جو ایک دوسرے سے متضاد رائے رکھتی ہوں اپنی آراء کے جواز میں قرآن مجید سے استدلال کرتی ہیں۔ فریقین میں سے ہر ایک دوسرے فریق کی پیش کی ہوئی آیات کی تاویل کرتا ہے۔

یہ طریقہ کسی نہ کسی حد تک شیعوں میں بھی در آیا ہے اور بعض شیعی کتابوں میں اس کی جھلک نظر آتی ہے۔

تاہم اگر قرآنی آیات اور اہلبیتؑ کی روایات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات مبرہن ہو جاتی ہے کہ قرآن کی زبان دلکش اور اسلوب بیان فصیح ہے۔ وہ ہر مضمون کی مناسبت سے زبان استعمال کرتا ہے اور بیان کو الجھاتا نہیں۔ جس چیز کو صحیح معنوں میں قرآن کی تاویل کہا جاتا ہے اس کا تعلق فقط لفظی اشارات سے نہیں بلکہ ان حقائق و معارف سے ہے جو عام لوگوں کیلئے ناقابل فہم ہیں۔ اس کے باوجود یہی وہ حقائق و معارف ہیں جن سے اصول دین اور قرآن کے عملی احکام کے سوتے پھوٹتے ہیں۔

پورا قرآن تاویل اور باطنی معنوں کا حامل ہے جن کو براہ راست سمجھنے سے انسانی ذہن قاصر ہے۔ دنیا میں فقط انبیاء اور اولیاء جو دنیاوی آلائشوں سے پاک ہیں ان معنوں کو سمجھ سکتے ہیں البتہ قیامت میں قرآن کی تاویل سب پر ظاہر کر دی جائے گی۔

جنہیں بطلیموس نے یوں بیان کیا تھا: '' آسمان اور زمین ایک دوسرے کے اوپر واقع ہیں جیسا کہ پیاز کی پرتیں (Layers) ایک دوسرے کے اوپر ہوتی ہیں اور ان سب کا '' مرکز زمین ہے'' جس کا 3/4 پانی ہے۔ پھر زمین کے اوپر ہوا کا کرہ ہے۔ ہوا پر آگ کا کرہ ہے اور مٹی، پانی، آگ اور ہوا عناصر اربعہ ہیں۔ اس کے اوپر فلک قمر ہے، اس کے اوپر فلک عطارد ہے، اس کے اوپر فلک زہرہ ہے، اس کے اوپر فلک شمس ہے، اس کے اوپر فلک مریخ ہے، اس کے اوپر فلک مشتری ہے، اس کے اوپر فلک زحل ہے اور ان سات کواکب کو''سات سیارے'' کہا جاتا ہے۔ آٹھواں فلک، فلک البروج ثابت کواکب کا فلک ہے۔ نواں فلک، فلک اطلس ہے جس میں کوئی ستارہ نہیں ہے۔ سات آسمان وہی سات افلاک ہیں جن میں سیارے موجود ہیں۔ فلک البروج کو کرسی اور فلک اطلس کو عرش کہا جاتا ہے۔'' [1]

ہمارے کچھ علمائے قدیم نے قرآن و احادیث کے مضامین کو فلسفی اور فلکی نظریات کے تابع کرنے کی کوشش کی اور اس سلسلے میں انہوں نے بہت زیادہ تاویل سے کام لیا۔ چونکہ بطلیموسی نظریہ '' ظواہر قرآن'' کے مطابق نہیں اس لئے ان علماء کو تاویل آیات میں بھی بہت سر کھپانا پڑا جیسا کہ علامہ مجلسی نے بحار میں لکھا ہے۔

علامہ مجلسی فرماتے ہیں: '' جان لیجئے کہ یہاں کئی مشہور اشکالات ہیں۔ ہیئت دان اس بات پر متفق ہیں کہ فلک اول میں قمر کے سوا اور کوئی جرم موجود نہیں ہے۔ باقی تمام سیارے اپنے اپنے فلک میں واقع ہیں اور ثابت ستارے **(Fixed Stars)** آٹھویں فلک میں ہیں جبکہ آیت کریمہ بتاتی ہے کہ سب کے سب یا بیشتر سیارے آسمان دنیا میں واقع ہیں۔ اس کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں۔'' [2]

علامہ مجلسی نے وہ جوابات نقل کیے ہیں مگر ہم اختصار کے پیش نظر ان بے فائدہ جوابات کو چھوڑتے ہیں اور صرف اپنے وقت کے عظیم فلسفی میر باقر داماد کا جواب یہاں نقل کرتے ہیں۔

بیان اور تاویل علیل: میر داماد (رح) **من لا یحضرہ الفقیہ** کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

'' عرش فلک اعظم ہے۔ اور امام معصومؑ کے عرش کو مربع کہنے کی وجہ یہ ہے کہ فلک میں حرکت کی وجہ

اس دعوے کی تشریح یوں کی جاسکتی ہے کہ جو چیز انسان کو الفاظ ایجاد کرنے اور بولنے پر مجبور کرتی ہے وہ اس کی معاشرتی اور مادی ضروریات کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اپنی معاشرتی زندگی میں انسان اپنے خیالات، ارادے اور احساسات اپنے ہم جنسوں کو سمجھانے پر مجبور ہوتا ہے۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے وہ بولنے اور سننے کی قوتیں استعمال کرتا ہے۔ بعض اوقات وہ اپنی آنکھ کے اشاروں سے بھی کام لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نابینا اور بہرا ایک دوسرے کی بات نہیں سمجھ پاتے کیونکہ جو بات نابینا زبان سے کہتا ہے وہ بہرا سن نہیں پاتا اور جو کچھ بہرا اشاروں سے کہتا ہے وہ نابینا دیکھ نہیں پاتا۔ چونکہ دینی حقائق کی نوعیت ایسی ہی ہے اس لئے ان معاملات کے بارے میں قرآن مجید کی آیات مبارکہ لازمی طور پر علامتی، اشاری اور رمزی (Symbolic) ہیں۔

دیکھئے شیعہ در اسلام، از علامہ طباطبائی۔ (اردو ترجمہ پاسداران اسلام، ص ۱۳۸۔ ۱۳۹، مطبوعہ جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان)

[1] [2]۔ بحار الانوار، ج ۵۸، ص ۷۵۔

سے ایک مدار اور دو قطب (شمالی اور جنوبی) متعین ہوتے ہیں۔ اور ہر عظیم دائرہ کرے کو دو حصوں (ایک روشن اور دوسرا تاریک) میں تقسیم کرتا ہے اور فلک اپنے مرکز میں حرکت اور قطبین کے درمیان گزرتے ہوئے دائرے کی وجہ سے مربع شکل بنالیتا ہے۔ "عرش" اور "کرسی" دونوں دن بدلنے کے مقام اور بروج کے مراکز اور چاروں کناروں کے درمیان گزرنے والے دائرہ (Sphere) کی وجہ سے مربع بن جاتا ہے جو بلند فلک کی سطح پر افقی دائرہ بن جاتا ہے اور مشرق و مغرب کے درمیان اس چکر کی وجہ سے مربع شکل اختیار کرلیتا ہے جو ان چاروں کونوں کے درمیان وقوع پذیر ہوتا ہے اور اسی سے چار سمتیں مشرق، مغرب، شمال اور جنوب متعین ہوتی ہیں۔ ہیئت دانوں نے فلک کو اس انسان سے تشبیہ دی ہے جو چت لیٹا ہوا ہو اور جس کا سر شمال اور پاؤں جنوب کی جانب ہوں۔ دایاں حصہ مغرب اور بایاں حصہ مشرق کی جانب ہو۔ مربع اور مسدس ایک دائرے کی پہلی شکلیں ہیں جو اپنے مواقع پر ظاہر ہوتی ہیں کیونکہ مربع کی شکل برابر کے دو متوازی خطوں سے حاصل ہوتی ہے اور مسدس کی شکل نصف خط سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ دائرے کا چھٹا حصہ نصف قطر کے مساوی ہے اور ربع دائرہ مکمل قوس کے برابر ہے جو چوتھے حصے سے کم ہو تو اس کو چار تک مکمل کرنے والا اس کا تمام کرنے والا ہے۔ علاوہ ازیں فلک اقصیٰ مادہ اور صورت رکھتا ہے اور عقل جو عقل اول ہے اسے عقل کل بھی کہا جاتا ہے اور نفس جو کہ پہلا نفس ہے اور جسے نفس کل کہا جاتا ہے وہ مربع ہے اور وہ نظام وجود میں سب سے پہلا مربع ہے۔ کچھ اور وجوہات بھی ہیں جن کی تشریح کا یہ مقام نہیں ہے۔

البتہ یہ نظریات شریعت کے قوانین اور اہل شریعت کی اصطلاحات سے مطابقت نہیں رکھتے۔"[1]

یہاں تک علامہ مجلسی نے جو quote کیا تھا وہ ختم ہوا۔

ستم ظریفی یہ ہوئی کہ بعض علماء نے اسرائیلی روایات سے اور بعض علماء نے رسول اکرم سے منسوب جھوٹی روایات سے قرآنی آیات کی تفسیر کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اس بات سے کوئی غرض نہ رکھی کہ حدیث صحیح ہے یا غلط۔ اس روش کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن اور حدیث کے طالب علموں کے لئے قرآن مجید، اسلامی اصطلاحات اور لغوی الفاظ کو سمجھنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوگیا۔ اس موضوع پر ہم نے اپنی کتاب القرآن فی عصر الرسول (ص) وما بعدہٗ میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

خلاصہ بحث

لغت میں ہر اُس چیز کو سماء کہا جاتا ہے جو کسی چیز پر سایہ فگن ہو اور سماء کل شیء کا مطلب ہے ہر چیز کا اوپری حصہ۔ لفظ سماء بصورت واحد قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے جس سے زمین کے گرد فضا مراد ہے جیسا

۱۔ بحار الانوار، ج ۵۸، ص ۵ اور ۶۔

کہ ان دو آیات سے مستفاد ہوتا ہے:

... الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ پرندے آسمانی فضا میں مسخر ہیں۔

وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً اور اس نے آسمان سے پانی برسایا۔

مذکورہ دونوں آیات میں سماء آسمانی فضا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ علاوہ ازیں سماء سے کواکب اور سات آسمان بھی مراد لئے گئے ہیں جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ اس کے بعد وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو سات آسمان بنا دیئے۔ سماء کی جمع سماوات بھی کئی جگہ قرآن مجید میں آیا ہے جس سے سات آسمان مراد ہیں۔

خلاق دو عالم نے خبر دی ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پہلے اس نے پانی کو خلق کیا۔ آیات قرآنی سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اس نے اسی پانی سے زمین[1] — اور اسی پانی کے بخارات سے آسمانوں کو بنایا۔ پھر اس نے زمین و آسمان کی وہ تمام چیزیں چھ مراحل میں مکمل کیں جن کی انسان کو اس کی زندگی میں ضرورت ہو سکتی تھی۔ اور اس نے تمام ستاروں کو ان کے ضیائی ابعاد کے ساتھ آسمان دنیا کے نیچے بنایا۔

خدا نے تخلیق کائنات کے بس اتنے ہی راز وحی کے ذریعے آشکار کئے ہیں جتنے ہدایت بشر کے لئے ضروری تھے۔ جو راز انسانی عقل کی برداشت سے زیادہ تھے وہ وحی کے ذریعے نہیں بتائے گئے۔

کچھ علماء نے لفظ سماوات اور کواکب کی تاویل کر کے انہیں خواہ مخواہ بطلیموسی نظریات سے تطبیق دینے کی کوشش کی تھی کیونکہ ان کے زمانے میں بطلیموسی نظریہ سائنسی حقیقت سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح سے بعض علماء نے قرآن کی تفسیر کے لئے اسرائیلی روایات کا سہارا لیا جس کی وجہ سے آغاز آفرینش اور آسمانوں، کواکب اور دوسری اصناف خلق کے متعلق مسلمانوں میں غلط نظریات نے رواج پایا۔

قرآن مجید بتاتا ہے کہ

۱۔ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى رِجْلَيْنِ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى اَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ خدا نے زمین پر چلنے والے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے۔ ان میں سے بعض تو پیٹ کے بل رینگتے ہیں اور بعض دو پیروں پر اور بعض چار پیروں پر چلتے ہیں۔ خدا جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ بیشک خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ (سورۂ نور: آیت ۴۵)

☆ قشر ارض کا 90% سے زائد حصہ oxygen ، silicon ، magnesium اور iron پر مشتمل ہے۔ یہ سارے عناصر عام طور پر مرکب صورت میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً پانی دو گیسوں آکسیجن اور ہائیڈروجن کا مرکب ہے اور اس کا کیمیائی فارمولا H_2O ہے جو بتاتا ہے کہ پانی کے سالمے (اقل ترین حصے) میں ہائیڈروجن کے دو اور آکسیجن کا ایک ایٹم پایا جاتا ہے۔

۲۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طَائِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتَابِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ ٥ زمین پر رینگنے والا یا دو پروں سے اڑنے والا کوئی پرندہ ایسا نہیں جو تمہاری طرح سے جماعت نہ رکھتا ہو۔ ہم نے کتاب میں کسی شے کے بیان میں کوئی کمی نہیں کی ہے۔ اس کے بعد سب اپنے رب کے حضور پیش کیے جائیں گے۔ (سورۂ انعام: آیت ۳۸)

۳۔ وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ... آسمانوں میں اور زمین پر چلنے والے سب کے سب خدا کو سجدہ کرتے ہیں۔ (سورۂ نحل: آیت ۴۹)

تفسیر آیات

زمین پر چلنے والے، پانی میں رہنے والے یا فضا میں اڑنے والے جتنے بھی جاندار ہیں وہ سب کے سب اپنی جگہ ایک امت ہیں۔ چیونٹیاں ایک امت ہیں اور ان کا بھی ایک نظام زندگی ہے۔ مچھلیاں بھی ایک جماعت ہیں اور ان میں بھی ایک نظام حیات ہے۔ الغرض زمین پر رینگنے والے تمام جاندار اور کیڑے مکوڑے علیحدہ علیحدہ امت ہیں اور ان میں سے ہر نوع کا اپنا اپنا نظام حیات ہے جیسا کہ انسانوں کا اپنا نظام حیات ہے۔ ان کے نظام حیات کے متعلق ''خلق کے لئے رب العالمین کی ہدایت'' کے لئے صفحہ ۱۱۵ دیکھیں۔

جنات

جَنَّ یَجِنُّ جِنًّا یعنی چھپ گیا اور چھپتا ہے۔ اسی طرح سے جَنَّ الشَّیْءَ وَ عَلَی الشَّیْءِ (یعنی اس نے چھپا دیا) کے معنی میں بھی آتا ہے۔ ارشاد قدرت ہے: فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ یعنی جب رات نے اسے ڈھانپ دیا۔ اسی لفظ سے خدا کی ایک مخلوق — جن — کا نام مشتق ہے یعنی غیر مرئی مخلوق☆

۱۔ خدا نے ان کے مادۂ تخلیق کے متعلق فرمایا ہے: وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ٥ اور اس نے جنات کو آگ کے شعلوں سے پیدا کیا۔ (سورۂ رحمٰن: آیت ۱۵)

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ٥ اور جنات کو اس سے پہلے زہریلی آگ سے پیدا کیا ہے۔ (سورۂ حجر: آیت ۲۷)

☆ آکسفورڈ ڈکشنری میں ہے کہ ''جن'' ایک خیالی مخلوق ہے۔ مسلمانوں کی دیو مالائی داستانوں کے مطابق پوشیدہ صلاحیتوں کی حامل یہ مافوق الفطرت مخلوق انسان اور حیوان کی صورت میں ظاہر ہونے کی قابلیت رکھتی ہے (اس ڈکشنری کے مرتبین کے ذہن میں غالباً الہ دین کے چراغ جیسا کوئی ''جن'' ہے جو فرضی قصوں کی مشہور کتاب الف لیلہ کا شہرۂ آفاق کردار ہے)۔

۲۔ جنات میں بھی انسانوں کی طرح جماعتیں پائی جاتی ہیں۔

... فِیۡۤ اُمَمٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ... جنات اور انسانوں کی جماعتیں جو ان سے پہلے گزر چکیں۔ (سورۂ حم السجدہ: آیت ۲۵)

۳۔ جنات حضرت سلیمانؑ کے خدمت گزار تھے۔

وَ مِنَ الۡجِنِّ مَنۡ یَّعۡمَلُ بَیۡنَ یَدَیۡهِ بِاِذۡنِ رَبِّهٖ ؕ وَ مَنۡ یَّزِغۡ مِنۡهُمۡ عَنۡ اَمۡرِنَا نُذِقۡهُ مِنۡ عَذَابِ السَّعِیۡرِ ۝ یَعۡمَلُوۡنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِیۡبَ وَ تَمَاثِیۡلَ وَ جِفَانٍ کَالۡجَوَابِ وَ قُدُوۡرٍ رّٰسِیٰتٍ... اور جنوں میں سے ایسے بھی تھے جو ان کے رب کے حکم سے ان کے سامنے کام کرتے تھے اور جو کوئی ان میں سے ہمارے حکم سے سرتابی کرے گا اس کو ہم آتش جہنم کا مزہ چکھائیں گے۔ یہ ان (سلیمانؑ) کے لئے محرابیں، مجسمے، حوض کے برابر پیالے اور زمین میں گڑی ہوئی بڑی بڑی دیگیں بنایا کرتے تھے۔ (سورۂ سبا: آیت ۱۲ و ۱۳)

۴۔ جنوں میں ایک ایسا جن بھی تھا جس میں اتنی قوت تھی کہ وہ دربار برخاست ہونے سے پہلے ملکہ بلقیس کا تخت شہر سبا سے اٹھا کر فلسطین میں حضرت سلیمانؑ کے سامنے پیش کرے۔

قَالَ عِفۡرِیۡتٌ مِّنَ الۡجِنِّ اَنَا اٰتِیۡکَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ تَقُوۡمَ مِنۡ مَّقَامِکَ ۚ وَ اِنِّیۡ عَلَیۡهِ لَقَوِیٌّ اَمِیۡنٌ ۝ جنات میں سے ایک قوی ہیکل جن نے کہا کہ قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں میں اس کو آپ کے پاس لا حاضر کرتا ہوں۔ اور مجھے اس پر قدرت بھی حاصل ہے اور میں امانت دار بھی ہوں۔ (سورۂ نمل: آیت ۳۹)

۵۔ جنات علم غیب نہیں جانتے۔

فَلَمَّا قَضَیۡنَا عَلَیۡهِ الۡمَوۡتَ مَا دَلَّهُمۡ عَلٰی مَوۡتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الۡاَرۡضِ تَاۡکُلُ مِنۡسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَیَّنَتِ الۡجِنُّ اَنۡ لَّوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ الۡغَیۡبَ مَا لَبِثُوۡا فِی الۡعَذَابِ الۡمُهِیۡنِ جب ہم نے سلیمانؑ کی موت کا پروانہ جاری کر دیا تو کسی چیز سے اُن کا مرنا معلوم نہ ہوا مگر دیمک سے جو اُن کی لاٹھی کو کھا رہی تھی۔ جب لاٹھی گر پڑی تب جنات کو معلوم ہوا (کہ سلیمانؑ مر گئے ہیں۔ اور وہ کہنے لگے) کہ اگر وہ غیب (مرگ سلیمانؑ کے بارے میں) جانتے ہوتے تو زبوں حالی کا عذاب نہ سہتے۔ (سورۂ سبا: آیت ۱۴)

۱۔ رسول اکرمؐ کی بعثت سے قبل جنات کے شب و روز کے متعلق ارشاد اقدس الٰہی ہے:

وَّ اَنَّهٗ کَانَ یَقُوۡلُ سَفِیۡهُنَا عَلَی اللّٰهِ شَطَطًا ۝ ہم میں کا احمق، خدا کی بابت بے سروپا باتیں کرتا تھا۔ وَّ اَنَّهٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الۡاِنۡسِ یَعُوۡذُوۡنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الۡجِنِّ فَزَادُوۡهُمۡ رَهَقًا ۝ وَّ اَنَّهُمۡ ظَنُّوۡا کَمَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ لَّنۡ یَّبۡعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝ بعض انسان بعض جنات کی پناہ پکڑا کرتے تھے (جس سے) ان کی سرکشی اور بڑھ گئی۔ تمہاری طرح وہ بھی یہی گمان کرتے تھے خدا کسی کو نہیں جلائے گا۔ (سورۂ جن: آیت ۴، ۶ و ۷)

۲۔ حضرت خاتم الانبیاءؐ کی بعثت کے بعد جنات کے لئے عالم بالا کی گفتگو سننے پر پابندی لگا دی گئی تھی۔

وَّ اَنَّا لَمَسۡنَا السَّمَآءَ فَوَجَدۡنٰهَا مُلِئَتۡ حَرَسًا شَدِیۡدًا وَّ شُهُبًا ۝ وَّ اَنَّا کُنَّا نَقۡعُدُ مِنۡهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمۡعِ ؕ فَمَنۡ

یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ٥ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اس کو مضبوط نگہبانوں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا۔ اور یہ کہ پہلے ہم وہاں بہت سے مقامات میں (خبریں) سننے کے لئے بیٹھا کرتے تھے لیکن اب جو کوئی سننے جائے گا وہ شعلوں کو اپنی گھات میں پائے گا۔ (سورۂ جن: آیت ۸و۹)

۳۔ ان کے اسلام و کفر کی خبر قرآن نے یوں دی ہے:

وَ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ٥ ہم میں کوئی نیک ہیں اور کوئی اور طرح کے۔ ہمارے مختلف مذہب ہیں۔ (سورۂ جن: آیت ۱۱) وَ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ٥ ہم میں سے بعض اسلام لائے اور بعض نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اور جو اسلام لائے وہ رشد و ہدایت کے راستے پر چلے۔ (سورۂ جن: آیت ۱۴)

شیاطین

ہر سرکش اور نافرمان کو شیطان کہتے ہیں خواہ اس کا تعلق انسانوں سے ہو، جنوں سے یا حیوانوں سے۔

۱۔ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ٥ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ٥ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ٥ ہم ہی نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لئے اس کو سجا دیا اور ہر شیطان مردود سے اسے محفوظ کر دیا۔ ہاں اگر کوئی شیطان چوری چھپے وہاں کی بات سننا چاہے تو بھڑکتا ہوا شعلہ اس کے پیچھے لپکتا ہے۔ (سورۂ حجر: آیت ۱۶ تا ۱۸)

۲۔ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ٍالْكَوَاكِبِ ٥ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ٥ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَ يُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ٥ دُحُوْرًا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ٥ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ٥ بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے سجایا اور ہر سرکش شیطان سے اس کی حفاظت کی کہ اب وہ عالم بالا کی باتیں سن نہیں سکتے (اگر وہ ایسی کوشش کریں گے تو) ہر طرف سے مارے جائیں گے۔ (یعنی وہاں سے) نکال دینے کو اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔ ہاں جو کوئی (فرشتوں کی کسی بات کو) اُچک لے تو دہکتا ہوا شعلہ تاریکیاں چیرتا ہوا اس کے پیچھے لپکتا ہے۔ (سورۂ صافات: آیت ۶ تا ۱۰)

۳۔ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ٥ ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے سجایا ہے اور انہیں شیاطین کو سنگسار کرنے کا ذریعہ بنایا ہے اور ان کے لئے ہم نے جہنم کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (سورۂ ملک: آیت ۵)

۴۔ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ٥ وَ لِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ لِيَرْضَوْهُ وَ لِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ٥ اور اسی طرح ہم نے شیطان (صفت) انسانوں اور جنوں

کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا تھا۔ وہ دھوکا دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں مہمل باتیں ڈالتے رہتے تھے اور اگر تمہارا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرسکتے۔ اور آپ ان کو اور جو کچھ یہ افتراء کرتے ہیں اسے چھوڑ دیں۔ اور (وہ ایسے کام) اس لئے بھی (کرتے تھے) کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل ان کی باتوں پر مائل ہوں اور وہ انہیں پسند کریں اور جو کام وہ کرتے تھے وہی کرنے لگیں۔ (سورۂ انعام: آیت ۱۱۳)

۵۔ ...اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ٥ بے شک ہم نے شیاطین کو بے ایمان انسانوں کا دوست بنا دیا ہے۔ (سورۂ اعراف: آیت ۲۷)

۶۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ٥ بے شک فضول خرچ شیاطین کے بھائی ہیں۔ اور شیطان تو (نعمات) پروردگار کا کفران کرنے والا ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۲۷)

۷۔ ...وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ٥ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ٥ شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تمہیں برائی اور بے حیائی (کے کاموں) کا حکم دیتا ہے اور اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ خدا کے خلاف جاہلانہ باتیں کرتے رہو۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۶۸ و ۱۶۹)

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ٥ شیطان تمہیں تنگدستی کا خوف دلاتا ہے اور تمہیں برائیوں کا حکم دیتا ہے جبکہ اللہ تم سے اپنی مغفرت اور رحمت کا وعدہ کرتا ہے۔ خدا بڑی کشائش والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۶۸)

۸۔ ...وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ٥ يَعِدُهُمْ وَ يُمَنِّيْهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ٥ اور جس نے خدا کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا ولی بنایا وہ صریح نقصان اٹھائے گا۔ شیطان ان کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ شیطان انہیں وعدے دیتا ہے وہ دھوکا ہی دھوکا ہے۔

(سورۂ نساء: آیت ۱۱۹ و ۱۲۰)

۹۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ٥ شیطان تو بس یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کردے اور تمہیں خدا کی یاد اور نماز سے روک دے۔ تو کیا تم رک جاؤ گے؟

(سورۂ مائدہ: آیت ۹۱)

۱۰۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ... اے اولاد آدم! (دیکھنا کہیں) شیطان تمہیں بہکا نہ دے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو بہکا کر جنت سے نکلوا دیا اور ان سے ان کے کپڑے اتروا دیئے تاکہ ان کے ستر ان کو کھول کر دکھا دے۔ وہ اور اس کی جماعت تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ (سورۂ اعراف: آیت ۲۷)

ابلیس — قرآن میں

اَبْلَسَ یُبْلِسُ فَھُوَ مُبْلِسٌ یعنی غمگین ہوا، حیران ہوا، مایوس ہوا اور غم کی وجہ سے چپ رہا اور اپنی دلیل پیش کرنے میں ناکام رہا۔ قرآن میں یُبْلِسُ اسی مفہوم میں آیا ہے وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ جس دن قیامت برپا ہوگی تو مجرم اپنی دلیل پیش کرنے میں ناکام رہیں گے۔ (سورہ روم: آیت ۶)

ابلیس اس شیطان کا اسم علم ہے جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ قرآن کریم میں جہاں کہیں لفظ شیطان مفرد اور الف لام کے ساتھ آیا ہے تو اس سے مراد ابلیس ملعون ہی ہے۔

۱۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ○ جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سبھوں نے سجدہ کیا۔[☆] وہ جنات میں سے تھا۔ اس نے حکم خدا سے سرتابی کی تو کیا تم لوگ مجھے چھوڑ کر شیطان اور اس کی اولاد کو اپنا دوست بنا رہے ہو جبکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لئے بہت برا بدلہ ہے۔ (سورۂ کہف: آیت ۵۰)

☆ کہا گیا ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدمؑ کو جو سجدہ کیا تھا وہ معروف اور عام معنوں میں نہیں بلکہ فروتنی کا سجدہ تھا۔ آیت اللہ خوئی علیہ الرحمہ کے مطابق یہ نظریہ درست نہیں ہے کیونکہ خضوع (فروتنی) لفظ سجدہ کے ظاہری معنوں کے برخلاف ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سجدے میں حضرت آدمؑ کو قبلہ قرار دیا گیا تھا چنانچہ خدا نے حضرت آدمؑ کی تعظیم کی خاطر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کی طرف رخ کر کے مجھے سجدہ کرو۔ موصوف کے نزدیک یہ تاویل بھی غلط ہے کیونکہ شیطان نے خود کو افضل جان کر حضرت آدمؑ کو سجدہ نہیں کیا تھا البتہ ان کے نزدیک یہ نظریہ درست اور بہترین ہے کہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا جانا چونکہ خدا کے حکم سے تھا اس لئے وہ سجدہ خدا ہی کے لئے تھا۔ سجدہ چونکہ فروتنی کی انتہا اور بندگی کی آخری حد ہے اس لئے خدا نے سجدے کو اپنی ذات اقدس سے مخصوص کر دیا ہے اور اس کے سوا کسی اور کے لئے سجدہ جائز نہیں ہے خواہ معبودیت کی نیت سے نہ بھی کیا جائے۔ بندے کو چاہیے کہ اپنے آقا کا فرمانبردار رہے، اس کا حکم مانے، اس کی مرضی پر چلے اور کسی معاملے میں اپنے آپ کو آزاد نہ سمجھے اور اپنے آقا کی حکم عدولی نہ کرے۔ چونکہ شیطان نے اپنے آقا کی حکم عدولی کی تھی اس لئے وہ سزا کا مستحق ٹھہرا تھا۔ (البیان فی تفسیر القرآن)

حضرت امیرؑ خطبہ قاصعہ میں فرماتے ہیں "ابلیس کے تکبر نے اس کی طول طویل محنتوں اور عبادتوں کو غارت کر دیا جبکہ وہ چھ ہزار سال عبادت کر چکا تھا جس کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں کہ وہ دنیا کے سال تھے یا آخرت کے مگر اس ایک لمحے کے تکبر نے اس کی ساری زندگی کی عبادت پر پانی پھیر دیا... کیونکہ اس نے تکبر و سرکشی کا جامہ پہن لیا تھا اور عجز و فروتنی کی نقاب اتار کر پھینک دی تھی۔"

ابلیس یہ نکتہ نہ سمجھ سکا کہ بندگی کی شان ہمیشہ فروتنی چاہتی ہے۔ جو فروتنی خدائے ذوالجلال کے حکم سے ہو درحقیقت وہ اسی کی بندگی کا اظہار ہوتی ہے۔ شفاعت، توسل اور خاصان خدا کے مزارات کی زیارت کے باب میں ابن تیمیہ سے یہی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ اس نے خاصان خدا کے مزارات کی زیارت کرنے، جذبہ امتنان و تشکر اور اظہار مودت کے لئے احتراماً ان مزارات کو مس کرنے اور تعظیماً ان کو بوسہ دینے نیز خاصان خدا کو وسیلہ بنانے اور اپنا شفیع ٹھہرانے کو شرک قرار دیا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ٥ وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِم مِّن سُلْطَانٍ... اور ابلیس نے ان کے بارے میں اپنا خیال سچ کر دکھایا۔ مومنوں کی ایک جماعت کے سوا وہ اس کے پیچھے چل پڑے۔ اور اس کا ان پر کچھ زور نہ چلا۔ (سورۂ سباء: آیت ۲۰ و ۲۱)

حضرت آدمؑ کی داستان میں اسے لفظ شیطان سے تعبیر کیا گیا ہے: فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِن سَوْآتِهِمَا... ٥ وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَن تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَأَقُل لَّكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِينٌ ٥ پھر شیطان دونوں کو بہکانے لگا تاکہ ان کے ستر جو اُن سے پوشیدہ تھے کھول دے... تب ان کے رب نے انہیں آواز دی کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت (کے پاس جانے) سے منع نہیں کیا تھا اور کیا میں نے تم دونوں کو جتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلم کھلا دشمن ہے۔
(سورۂ اعراف: آیت ۲۰ اور ۲۲)

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ٥ اے اولاد آدم! کیا ہم نے تمہیں یہ جتا نہیں دیا تھا کہ شیطان کے بندے نہ بننا۔ بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (سورۂ یٰس: آیت ۶۰)

۳۔ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ٥ بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے تم اسے دشمن سمجھو۔ وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ جہنمیوں میں شامل ہو جائیں۔
(سورۂ فاطر: آیت ۶)

لغوی تشریح

۱۔ مَرَجَ: مخلوط ہونا۔ مَارِج یعنی آگ کا وہ شعلہ جو دھوئیں سے مخلوط ہو۔

۲۔ اَلسَّمُوْمُ: گرم ہوا۔ لو۔ اسے بادسموم اس لئے کہتے ہیں کہ یہ جسم میں داخل ہو کر زہر کا سا اثر کرتی ہے۔

۳۔ یزغ: زَاغَ الْاِنْسَانُ یَزِیْغُ وہ شخص جو راہ اعتدال، جادۂ حق اور فرمان الٰہی سے ہٹ جائے۔

۴۔ مَحَارِیْبَ: محراب کی جمع۔ صدر مجلس اور افضل ترین جگہ۔
وہ مقام جہاں بیٹھ کر بادشاہ لوگوں سے ممتاز دکھائی دے اور ان سے دور نظر آئے۔
وہ کمرہ جو کسی عبادت گاہ کے اگلے سرے پر واقع ہو۔
وہ مساجد جن میں عبادت کی جائے۔

۵۔ جِفَانٌ: جفنہ کی جمع۔ جفنۃ بروزن قَصْعَۃٌ ہے اور دونوں کا معنی بھی ایک ہے لیکن جفنہ کھانے کے برتن کے لئے مخصوص ہے۔

۶۔ اَلْجَوَابِ: حوض کے برابر بڑے بڑے پیالے۔

۷۔ رَاسِیَاتٌ: راسیہ کی جمع۔ مضبوط بنیاد والی چیزیں۔

۸۔ عِفْرِيْتٌ: قوی ہیکل اور شریر جن۔

۹۔ رَصَدًا: رَصَدَهُ يَرْصُدُ رَصْدًا و رَصَدًا گھات لگا کر راستے میں بیٹھنا۔ رَصَدٌ: حفاظت۔
آیت میں رَصَدًا کا لفظ اسم فاعل رَاصِدٌ کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی گھات لگا کر بیٹھنے والا۔

۱۰۔ طَرَائِقَ: طریقہ کی جمع۔ اچھی یا بری حالت وسیرت۔

۱۱۔ قِدَدًا: قِدَّةٌ: مختلف الآراء جماعت۔ قِدَدٌ جمع ہے۔ طَرَائِقَ قِدَدًا مختلف مذہب رکھنے والی جماعتیں۔

۱۲۔ اَلْقَاسِطُوْنَ: قَسَطَ فَهُوَ قَاسِطٌ حق سے ہٹ گیا۔ قاسط: ظالم۔ ''قاسط جنات'' وہ ظالم جنات جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اَقْسَطَ اس نے عدل کیا۔

۱۳۔ رَشَدًا: سرکشی اور گمراہی سے محفوظ راہ ہدایت۔

۱۴۔ اَلسَّفِيْهُ: دین کی سمجھ بوجھ نہ رکھنے والا، معمولی عقل رکھنے والا۔ احمق۔

۱۵۔ شَطَطًا: شَطَّ دور ہوا اور بہت ہی دور ہوا۔ شَطَّ عَلَيْهِ اس پر ظلم کیا گیا۔ شَطَطٌ زیادہ دور ہونا اور حد سے گزرنا۔ قُلْنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ہم نے خدا کے متعلق بے سروپا باتیں کیں اور حق سے زیادہ دور ہوئے

۱۶۔ يَعُوْذُوْنَ: يَعُوْذُبِهٖ وہ اس کی پناہ پکڑتا ہے اور اس سے الحاق کرتا ہے۔

۱۷۔ رَهَقًا: رَهِقَ رَهَقًا اس نے حماقت اور سرکشی کی رَهِقَهُ الْمَكْرُوْهُ ناپسندیدہ حالات نے اسے ڈھانپ لیا رَهِقَتْهُ الذِّلَّةُ اس پر ذلت چھا گئی۔ زَادُوْهُمْ رَهَقًا ان کی سرکشی اور ذلت بڑھ گئی۔

۱۸۔ دَآبَّةُ الْاَرْضِ: دَبَّ دَبًّا وَ دَبِيْبًا آہستہ آہستہ چلا۔ دآبۃ ہر جاندار، خواہ مذکر ہو یا مؤنث، عاقل ہو یا غیر عاقل۔ البتہ عام طور پر یہ لفظ غیر عاقل کے لئے بولا جاتا ہے۔

۱۹۔ مِنْسَاْتَهٗ: نَسَاْ الدَّآبَّةَ اس نے جانور کو ہنکایا۔ چونکہ جانوروں کو لاٹھی سے ہانکتے ہیں اس لئے اسے مِنْسَاْةٌ کہا جاتا ہے۔

۲۰۔ اَلْغَيْبُ: حواس جس چیز کا ادراک نہ کرسکتے ہوں یا جو چیز حواس سے ماورا ہو وہ غیب ہے۔ مثلاً انسان اپنے معبود، خالق اور مربی کو عقل سے تو پہچان سکتا ہے مگر حواس سے نہیں۔ انسان کا کام سبب اور مسبب میں غور کرنا ہے۔ اور اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کی کچھ صفات اور حیات بعد الموت جس کے متعلق انبیائے کرامؑ نے خبر دی ہے غیب ہے۔ مستقبل میں رونما ہونے والے یا حال میں پیش آنے والے واقعات جو انبیائے کرامؑ کی وساطت سے معلوم ہوں یا دور کے لوگوں کو وقوعہ پر موجود افراد کی زبانی جو اطلاعات ملیں وہ سب غیب ہیں۔

۲۱۔ رُجُوْمًا: اس کی واحد رَجْمٌ اور رُجُمٌ ہے۔ اَلرَّجم یعنی پتھر جس سے کسی کو سنگسار کیا جائے۔

۲۲۔ زُخْرُفَ: زُخْرُفَ الْقَوْلَ یعنی اس نے گفتگو میں جھوٹ پر ملمع چڑھایا۔ مہمل اور فضول باتیں۔

۲۳۔ يُوْحِيْ: اَلْاِيْحَاءُ یعنی وسوسہ۔

۲۴۔ غُرُوْرًا: غَرَّهُ غُرُوْرًا یعنی اس نے اسے دھوکا دیا اور غلط لالچ دی۔

۲۵۔ یقْتَرِفُ وَ مُقْتَرِفُوْنَ: یَقْتَرِفُ الْحَسَنَةَ اَوِالسَّیِّئَةَ یعنی وہ اچھائی یا برائی کرتا ہے۔ مُقْتَرِف یعنی اچھا یا برا کام کرنے والا۔

۲۶۔ مُبَذِّرِیْنَ: بَذَّرَ الْمَالَ تَبْذِیْرً۔ اس نے مال کو ضائع کیا اور فضول خرچی میں اڑا دیا یعنی وہاں خرچ کیا جہاں خرچ نہیں کرنا چاہئے تھا۔ ایسے شخص کو مبذر کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع مبذرین ہے۔

۲۷۔ خُطُوَاتُ الشَّیْطَانِ: خَطَا اِلَی الشَّیْءِ۔ وہ ایک چیز کی طرف چلا خُطْوَةٌ دو قدموں کا درمیانی فاصلہ۔ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطَانِ یعنی شیطان کی پیروی نہ کرو اور اس کے پیدا کردہ وسوسوں پر عمل نہ کرو۔

۲۸۔ اَلْفَحْشَآءُ: یعنی بے حیائی کے کام۔ وہ اقوال و افعال جن کی قباحت بہت زیادہ ہو۔ اسلامی اصطلاح میں یہ لفظ کبھی کبھی بدترین گناہوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

۲۹۔ اَلْمَیْسِرُ: جوا۔ دور جاہلیت میں (۱) اَزْلَامٌ اور (۲) قِدَاحٌ کے ذریعے سے جوا کھیلا جاتا تھا۔ اَزْلَامٌ، زَلَمٌ کی جمع ہے۔ عرب لکڑی کے تین تیروں سے فال☆ نکالا کرتے تھے۔ ایک پر اَمَرَنِیْ رَبِّیْ اور دوسرے پر نَھَانِیْ رَبِّیْ لکھا ہوتا تھا جبکہ تیسرا خالی ہوتا تھا یعنی اس پر کچھ نہیں لکھا ہوتا تھا۔ اگر امر نکلتا تو اس کام کو کرتے اور اگر نہی نکلتی تو نہ کرتے اور اگر خالی نکلتا تو پھر پھینکتے تھے۔ یہ تیر قریش نے کعبہ میں رکھے ہوئے تھے اور کعبہ کے متولی لوگوں سے نذرانہ لے کر فال نکالا کرتے تھے۔

قِدَاحٌ، قَدَحٌ کی جمع۔ وہ لکڑی کے تین پانسے ہوتے تھے جن میں سے ایک پر ہاں اور دوسرے پر نہیں لکھا ہوتا تھا اور تیسرا خالی ہوتا تھا۔ ان کے ذریعے سے عرب فال نکالتے اور جوا کھیلتے تھے۔

۳۰۔ سَوْاٰتُھُمَا: ان دونوں کی شرمگاہیں۔ ان دونوں کے ستر۔

۳۱۔ اَلْقَبِیْلُ: مماثل صنف، گروہ، جماعت اور پیروکار۔

۳۲۔ فَسَقَ: (۱) عربی زبان کا مقولہ ہے فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ مِنْ قِشْرِھَا کھجور اپنی پھکی سے باہر نکل آئی۔ فَسَقَ فُلَانٌ مَالَهٗ فلاں نے اپنا مال اڑا دیا۔ اسلامی اصطلاح میں خدا کی اطاعت اور شریعت سے گزر جانے کو فسق کہا جاتا ہے۔ کفر، نفاق اور گمراہی کو فسق کہا گیا ہے مثلاً: وَمَا یَکْفُرُ بِھَا اِلَّا الْفَاسِقُوْنَ ○ فاسقوں کے سوا ان کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۹۹) اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ ○ بے شک منافق ہی فاسق ہیں۔ (سورۂ توبہ: آیت ۶۷) فَمِنْھُمْ مُّھْتَدٍ وَ کَثِیْرٌ مِّنْھُمْ فَاسِقُوْنَ ○ ان میں سے کچھ ہدایت یافتہ ہیں اور اکثر فاسق ہیں۔ (سورۂ حدید: آیت ۲۶)

☆ آج مسلمان کا حال یہ ہے کہ فال گیروں کے پاس جا کر فالناموں سے، طوطوں سے حتیٰ کہ قہوہ کی پیالیوں سے فال نکلواتا ہے۔ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ کَذَّبَتْ عَادٌ... کَذَّبَتْ ثَمُوْدُ... کَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے۔ عاد نے بھی تکذیب کی تھی... ثمود نے بھی تکذیب کی تھی... قوم لوط نے بھی تکذیب کی تھی۔ (سورۂ قمر: آیت ۱۷۔۳۳)

لفظ فسق ایمان کے متضاد کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً: مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ان میں کچھ مومن ہیں اور اکثر فاسق ہیں۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۱۰)

جن ـــ قرآن میں

حافظ جلال الدین سیوطی نے سورۂ جن کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ سے لیکر آنحضرتؐ کی بعثت تک کے درمیانی عرصے میں (زمانہ فترت میں) جنات کے لئے آسمانوں تک جانے اور وہاں کی باتیں سننے کی کوئی ممانعت نہیں تھی لیکن آنحضرتؐ کی بعثت ہوئی تو آسمان دنیا کی حفاظت کا سخت انتظام کیا گیا اور جنات پر شہابیوں کی بارش کی گئی۔ سارے جنات ابلیس کے پاس حاضر ہوئے تو ابلیس نے ان سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے زمین پر کوئی عظیم واقعہ رونما ہوا ہے تم جا کر اس کا پتا چلاؤ۔ یہ سن کر جنات کے سردار مختلف سمتوں میں روانہ ہوگئے۔ ان کی ایک جماعت حالات کا جائزہ لینے کے لئے تہامہ اور یمن پہنچی تو انہوں نے دیکھا کہ سرکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجور کے ایک درخت کے پاس نماز صبح میں قرآن کریم پڑھ رہے ہیں۔ آپ کی تلاوت سن کر سارے جنات ٹھٹھک گئے اور ایک دوسرے سے بولے کہ خاموشی سے یہ کلام سنو۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ اپنی قوم کے پاس خبر لے کر گئے اور اس طرح انہیں دولت اسلام نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعے سے اس واقعے کی اطلاع یوں دی ہے:

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ (اے رسولؐ!) کہہ دیجئے کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (اس کتاب کو) سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ (سورۂ جن: آیت ۱)

بیان کیا جاتا ہے کہ جنات کا وہ گروہ سات افراد پر مشتمل تھا اور وہ نصیبین[1] کے رہنے والے تھے۔ ائمہ اہلبیتؑ سے مروی اس سلسلہ کی بعض روایات ملاحظہ فرمائیں:

حضرت سلیمانؑ کی وفات

امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت سلیمانؑ نے اپنے دربانوں سے فرمایا کہ خدا نے جیسا عظیم ملک مجھے عطا فرمایا ہے ویسا میرے بعد کسی اور کو عطا نہیں فرمائے گا۔ خدا نے ہوا کو میرے تابع کر دیا ہے۔ اس نے مجھے انسانوں، جنوں، حیوانوں اور پرندوں پر حکومت بخشی ہے اور پرندوں کی بولیاں بھی سکھائی ہیں۔

☆ شمالی عراق کا ایک چھوٹا سا دریا ہرماس ہے جو شمال سے بہتا ہوا آتا ہے اور دریائے فرات میں مل جاتا ہے۔ اس دریا کے ابتدائی حصے پر نصیبین واقع ہے۔

پس میں چاہتا ہوں کہ کل پورا دن خلوت میں گزاروں اور اپنے محل کی چھت پر سے ''ملک عظیم'' کا جائزہ لوں لہٰذا تم کسی کو میرے پاس نہ آنے دینا تاکہ میں کل کا دن مسرت اور شادمانی میں گزار سکوں۔

اگلے دن آپ لاٹھی کے سہارے محل کی چھت پر سے ''ملک عظیم'' کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے کہ اچانک ایک خوبصورت جوان نمودار ہوا۔ حضرت سلیمانؑ نے چھوٹتے ہی اس سے پوچھا: آج میری خلوت کا دن تھا۔ تم کس کی اجازت سے یہاں آئے ہو؟

جوان نے کہا: میں اس محل کے رب کی اجازت سے آیا ہوں۔

حضرت سلیمانؑ نے کہا: بے شک اس محل کے رب کا حق مجھ سے فائق ہے۔ پھر آپ نے پوچھا کہ تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟

جوان نے کہا: میں ملک الموت ہوں اور آپ کی روح قبض کرنے آیا ہوں۔

حضرت سلیمانؑ نے کہا: تم اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرو۔ میں آج خوشی منانا چاہتا تھا مگر میرے رب کا ارادہ یہ ہے کہ میں اپنی خوشی کی تکمیل اس کی ملاقات سے کروں۔ حضرت سلیمانؑ لاٹھی کا سہارا لئے ہوئے کھڑے تھے کہ آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ موت کے بعد کچھ عرصے تک آپ لاٹھی کے سہارے کھڑے رہے۔ لوگ دور سے آپ کو کھڑا دیکھ کر کہتے تھے کہ سلیمانؑ زندہ ہیں۔ پھر کچھ دنوں کے بعد ان میں آپ کے متعلق اختلاف ہو گیا۔

ایک گروہ نے کہا کہ کافی عرصے سے سلیمانؑ لاٹھی کے سہارے کھڑے ہوئے ہیں۔ وہ نہ تو کچھ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں اور نہ ہی سوتے ہیں۔ یقیناً وہ ہمارے رب ہیں اور ہمیں ان کی عبادت کرنی چاہئے۔ دوسرے گروہ نے کہا کہ سلیمانؑ جادوگر ہیں اور انہوں نے ہماری نظر بندی کر رکھی ہے جس کی وجہ سے وہ ہمیں لاٹھی کے سہارے کھڑے دکھائی دیتے ہیں جو شعبدہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ مومنین نے کہا کہ سلیمانؑ خدا کے بندے اور نبی ہیں۔ خدا جیسے چاہے گا ان کے معاملات کی تدبیر کرے گا۔

جب لوگوں میں اختلاف بڑھا تو خدا نے دیمک کو حضرت سلیمانؑ کی لاٹھی پر مسلط کر دیا جو اس کو اندر سے کھاتی رہی یہاں تک کہ وہ کمزور ہو کر ٹوٹ گئی اور حضرت سلیمانؑ منہ کے بل گر پڑے۔

اس واقعے کو خدا نے قرآن میں یوں بیان فرمایا ہے: فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِى الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝ جب لاٹھی گر پڑی تب جنات کو معلوم ہوا (کہ سلیمانؑ مر گئے ہیں۔ اور وہ کہنے لگے) کہ اگر وہ غیب (مرگ سلیمانؑ کے بارے میں) جانتے ہوتے تو زبوں حالی

کا عذاب نہ سمجھتے۔ (سورۂ سبا: آیت ۱۴) [۱]

امام جعفر صادقؑ سے پوچھا گیا کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو ماں باپ کے بغیر اور حضرت عیسیٰؑ کو باپ کے بغیر اور باقی انسانوں کو ماں باپ سے کیوں پیدا کیا؟

آپ نے فرمایا تا کہ لوگ خدا کی قدرت کا مشاہدہ کر سکیں اور یہ جان لیں کہ وہ انسان کو باپ کے بغیر بھی اور ماں باپ کے بغیر بھی پیدا کر سکتا ہے۔ خدا نے یہ اس لئے کیا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ [۲]

قصص الانبیاء میں ہے کہ جب خدا نے ابلیس کو حضرت آدمؑ کے سجدے کا حکم دیا تو اس نے کہا: اے میرے رب! اگر تو مجھے اس سجدے سے معاف رکھے تو تیری عزت کی قسم! میں وعدہ کرتا ہوں کہ تیری اتنی عبادت کروں گا کہ آج تک کسی نے نہیں کی ہوگی۔ خدا نے فرمایا کہ میں وہ عبادت چاہتا ہوں جو میری مرضی کے مطابق ہو نہ کہ تیری مرضی کے مطابق۔ [۳]

امام صادقؑ سے پوچھا گیا کہ ابلیس فرشتہ تھا یا جن؟ آپ نے فرمایا: فرشتے سمجھتے تھے کہ وہ فرشتہ ہے جبکہ خدا جانتا تھا کہ وہ فرشتہ نہیں (بلکہ فرشتوں کا ہم نشیں) ہے۔ جب خدا نے سجدے کا حکم دیا تو جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا۔ [۴] امام سے جنت آدمؑ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: حضرت آدمؑ کو دنیا کے ایک باغ میں رکھا گیا تھا جس پر چاند سورج طلوع ہوا کرتے تھے۔ اگر آدمؑ خلد بریں میں ہوتے تو وہاں سے کبھی نہ نکالے جاتے۔ [۵]

آپ نے فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا کے متعلق فرمایا: ان کے ستر پہلے دکھائی نہ دیتے تھے، بعد میں دکھائی دینے لگے۔ [۶]

ایک زندیق نے صادق آل محمدؐ سے پوچھا کہ کہانت کہاں سے چلی اور لوگوں کو آنے والے واقعات کا علم کیونکر ہو جاتا ہے تو آپ نے فرمایا: ایام جاہلیت میں بھی جب انبیاء کا سلسلہ موقوف تھا اور دوسرے انبیاء کے زمانۂ فترت میں بھی (تیز طرار) کاہن ہی قاضی ہوا کرتے تھے۔ وہ تیزی طبع، تیزی نگاہ، تیزی فہم اور دل میں گزرنے والے خیالات کے سبب (لوگوں کے باطن میں جھانک لیتے اور معاملے کو بھانپ لیتے تھے اور یوں) لوگوں کے مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے۔ شیطان کو مستقبل کی جو خبریں معلوم ہوتی تھیں وہ کاہن کو بتا دیتا تھا اور یوں کاہن لوگوں کو اطراف و اکناف اور گھروں کے حالات کی خبر دیتے تھے۔

آسمانی خبروں کا ذریعہ یہ تھا کہ شیاطین پہلے آسمانوں تک جاتے تھے جہاں بیٹھ کر وہ عالم بالا کی گفتگو

۱۔ بحار الانوار، مجلسی، مطبوعہ تہران، ج ۱۴، ص ۱۳۶، بحوالہ علل الشرائع، ص ۳۶ اور عیون اخبار الرضا، ص ۱۳۶۔

۲۔ بحار الانوار، علامہ مجلسی ج ۱۱، ص ۱۰۹۔

۳ تا ۶۔ بحار الانوار، علامہ مجلسی، ج ۱۱، ص ۱۴۳۔ ۱۳۵۔

سنا کرتے تھے۔ اس وقت ان کے آنے جانے پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی اور نہ ہی انہیں شہابیوں سے مار کر بھگایا جاتا تھا۔ جب کوہ فاران سے نور نبوت محمدؐ جمال جہاں آرا ہوا تو آسمانوں پر جنات کی آمد و رفت روک دی گئی تاکہ وحی الٰہی میں کسی طرح کا اشکال پیدا نہ ہو اور زمین کے رہنے والوں پر خدا کی حجت تمام ہو اور وہ کسی طرح کے شک وشبہ میں نہ رہیں۔ شیطان آسمان کی خبروں میں سے ایک جملہ سن کر زمین پر آتا اور کاہن کو بتا دیتا تھا۔ بعد میں کاہن اس جملے کے ساتھ زیب داستان کے لئے اپنی طرف سے کچھ بڑھا دیتا تھا اور یوں حق و باطل مخلوط ہوجاتے تھے۔ لہٰذا کاہن کی جو بات سچی ثابت ہوتی وہ آسمانی خبر ہوتی تھی اور جو بات جھوٹی ثابت ہوتی وہ اس کی من گھڑت ہوتی تھی۔ جس دن سے شیاطین پر پابندی عائد کی گئی اسی دن سے کہانت بھی ختم ہوگئی۔

آج معاملہ یہ ہے کہ شیاطین لوگوں کے منہ سے نکلی ہوئی باتیں سن کر وہی باتیں کاہنوں کو بتا دیتے ہیں مثلاً کسی چوری، قتل یا گمشدگی کی واردات کے متعلق ادھر اُدھر لوگوں سے جو کچھ سنتے ہیں وہ کاہنوں کو بتا دیتے ہیں اور کاہن وہی بات ''سائل'' کو بتا دیتے ہیں۔ چونکہ لوگوں کی بیان کردہ بات کبھی سچ اور کبھی جھوٹ ہوتی ہے اس لئے کاہنوں کی اطلاع بھی کبھی سچی اور کبھی جھوٹی ثابت ہوجاتی ہے۔

اس زندیق نے مزید پوچھا: شیاطین آسمان تک کیسے پہنچتے تھے جبکہ ان کا جسم بھی انسانوں کی طرح کثیف ہے اور وہ حضرت سلیمانؑ کے لئے ایسی چیزیں بناتے تھے جن سے دوسرے لوگ عاجز ہوتے تھے؟

امامؑ نے فرمایا: وہ لطیف جسم رکھتے ہیں البتہ حضرت سلیمانؑ کے لئے انہیں کثیف جسم دیدیا گیا تھا کیونکہ وہ حضرت سلیمانؑ کے تابع کئے گئے تھے۔ شیاطین لطیف مخلوق ہیں۔ ان کی غذا باد نسیم ہے اور ان کے لطیف جسم رکھنے کی دلیل یہ ہے کہ وہ آسمانی خبروں کو سننے کے لئے آسمان تک جاتے تھے جبکہ کثیف جسم سیڑھی یا دوسرے کسی ذریعے کے بغیر آسمان تک نہیں جاسکتا۔[1]

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

الآباء ثلاثة: آدم، ولد مؤمناً، والجانّ ولد كافراً، وابليس ولد كافراً، وليس فيهم نتاج انما يبيض ويفرخ وولده ذكور ليس فيهم اناث[2] یعنی باپ تین ہیں (جن سے نسلیں پھیلیں)۔

(۱) آدمؑ۔ وہ مومن پیدا ہوئے تھے۔

(۲) جانّ۔ وہ کافر پیدا ہوا تھا۔ (جنات کے بچے نر و مادہ کے ملاپ سے پیدا ہوتے ہیں)

(۳) ابلیس۔ وہ کافر پیدا ہوا تھا۔ اس کی نسل نر و مادہ کے ملاپ سے پیدا نہیں ہوتی۔ وہ انڈے دیتا ہے اور اس سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا سارا کنبہ قبیلہ نر افراد پر مشتمل ہے۔ اس کے قبیلے میں مادہ نہیں ہوتی۔

۱۔ بحار الانوار، ج ۶۳، ص ۷۶، بحوالہ الاحتجاج، ص ۱۸۵۔

۲۔ خصال صدوق، ج ۱، ص ۱۵۲۔

آپ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ابلیس فرشتہ تھا اور کیا وہ کسی آسمانی امر کا ناظم تھا؟

امامؑ نے فرمایا: وہ فرشتوں میں سے نہیں تھا اور نہ ہی کسی آسمانی امر کا ناظم تھا۔ وہ جن تھا مگر فرشتوں کا ہم نشیں تھا۔ فرشتے اسے اپنی ہی جنس سے خیال کرتے تھے لیکن خدا جانتا تھا کہ وہ ان کی جنس سے نہیں تھا۔ جب خدا نے حضرت آدمؑ کے سجدے کا حکم دیا تو جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔[1]

خلاصۂ بحث

۱۔ جن — جَنَّ الشَّیْءَ وَ جَنَّ عَلَیْهِ یعنی کسی چیز کو چھپالیا۔ اور اَلْجِنُّ وَالْجَانُّ یعنی غیر مرئی مخلوق۔ قرآن میں ہے کہ خدا نے جنات کو آگ کے اس شعلے سے پیدا کیا ہے جو سیاہی سے مخلوط تھا۔

۲۔ شیطان — ہر سرکش متمرد انسان، جن اور حیوان۔ اور اس بحث میں جناتی شیاطین مراد ہیں۔

۳۔ ابلیس — اَبْلَسَ یعنی غمگین ہوا، حیران ہوا، غم کی وجہ سے خاموش ہوا اور دلیل پیش کرنے میں ناکام ہوا اس بحث میں ابلیس سے مراد وہ جن ہے جس نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔

خدا نے جنوں کو حضرت سلیمانؑ کے تابع کر دیا تھا۔ وہ ان کے لئے محرابیں، مجسمے اور حوض کے برابر پیالے اور بڑی بڑی دیگیں بنایا کرتے تھے۔ جنوں میں سے ایک ایسا قوی ہیکل جن بھی تھا جس نے حضرت سلیمانؑ سے کہا تھا کہ وہ ان کا دربار برخاست ہونے سے پہلے آن کی آن میں ملکہ بلقیس کا تخت شہر سباء سے اٹھا کر فلسطین میں ان کے روبرو پیش کر سکتا ہے۔

جب حضرت سلیمانؑ کی وفات ہوئی اور وہ کافی عرصے تک لاٹھی پر ٹیک لگائے کھڑے رہے تو اس پورے عرصے میں جنات یہی سمجھتے رہے کہ حضرت سلیمانؑ زندہ ہیں لیکن جب دیمک نے ان کی لاٹھی کو چاٹ کر ختم کر دیا اور آپ گر پڑے تب جنات کو پتا چلا کہ آپ کا انتقال ہوگیا ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات غیب کا علم نہیں رکھتے۔ اگر ان کے پاس علم غیب ہوتا تو وہ اتنے طویل عرصے تک (بڑے بڑے مشکل کام کرنے کی) ذلت کی تکلیف میں نہ رہتے۔ خدا نے بتایا ہے کہ شیاطین بھی جنات میں سے ہیں۔ رسول اکرمؐ کی بعثت سے پہلے وہ آسمان تک جاتے تھے اور وہاں بیٹھ کر عالم بالا کی باتیں سنا کرتے تھے۔ پھر جب رسول اکرمؐ مبعوث ہوئے تو آسمان میں ان کا داخلہ بند کر دیا گیا۔ اور اگر کوئی وہاں کی باتیں سننے کی کوشش کرتا تو فرشتے شہاب ثاقب سے اس پر حملہ کر کے انہیں مار بھگاتے۔

خدا نے ابلیس کے متعلق بتایا ہے کہ اس نے حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا دونوں کے دل میں وسوسہ ڈال کر انہیں جنت ارضی سے باہر نکلوا دیا تھا۔

۱۔ بحارالانوار، ج ۱۱، ص ۱۱۹۔

انسان

خداوند علی اعلیٰ نے انسان کی خلقت کے متعلق فرمایا ہے:

۱۔ اِنَّا خَلَقْنٰھُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ ○ ہم نے انسان کو گندھی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (سورۂ صافات: آیت ۱۱)

۲۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ اور ہم نے انسان کو سیاہی مائل بدبودار مٹی سے پیدا کیا ہے جو سوکھ کر کھنکھنانے لگی تھی۔ (سورۂ حجر: آیت ۲۶)

۳۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ ○ اس نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی مٹی سے بنایا۔ (سورۂ رحمٰن: آیت ۱۴)

۴۔ اَلَّذِیْ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ○ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ○ ثُمَّ سَوّٰهُ وَ نَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ جَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ جس نے ہر چیز کو بہت اچھی طرح بنایا اور انسان کی خلقت کا آغاز مٹی سے کیا۔ پھر اس کی نسل حقیر پانی سے پیدا کی۔ پھر اس کو درست کر کے اس میں اپنی روح پھونکی اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے مگر تم بہت کم شکر کرتے ہو۔ (سورۂ سجدہ: آیت ۷تا۹)

۵۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَکُمْ وَ نُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ نُخْرِجُکُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّکُمْ وَ مِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی وَ مِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِکَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْـًٔا...○ اے لوگو! اگر تم کو دوبارہ جی اٹھنے میں کچھ شک ہو تو ہم نے تم کو (پہلی بار بھی تو) مٹی سے پیدا کیا تھا۔ پھر اس سے نطفہ بنا کر، پھر اس سے خون کا لوتھڑا بنا کر، پھر اس گوشت کے لوتھڑے سے جس کی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے ناقص بھی ہوتی ہے تاکہ تم پر (اپنی خلاقیت) ظاہر کردیں اور ہم جس چیز کو چاہتے ہیں ایک مقررہ مدت تک پیٹ میں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ پھر تم کو بچہ بنا کر باہر نکالتے ہیں۔ پھر تم جوانی کو پہنچتے ہو اور تم میں سے بعض (زندگی کی بہاریں دیکھنے سے پہلے) مر جاتے ہیں اور بعض (بڑھاپے میں) ارذل عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں کہ زندگی میں بہت کچھ جان لینے کے بعد ہر چیز بھول جاتے ہیں...(سورۂ حج: آیت ۵)

۶۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ○ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ ○ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ○ ثُمَّ اِنَّکُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوْنَ ○ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ○ اور ہم نے انسان کو گیلی مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اسے ایک محفوظ جگہ پر نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر نطفہ سے لوتھڑا بنایا۔ پھر لوتھڑے سے مضغہ بنایا۔ پھر مضغہ سے ہڈیاں بنائیں۔ پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر اس کو ایک نئی

صورت بخشی۔ بڑا بابرکت ہے خدا جو سب سے بہتر خلق کرنے والا ہے۔ آخر تم سب مرجاؤ گے اور قیامت کے دن جلائے جاؤ گے۔ (سورۂ مومنون: آیت ۱۲ تا ۱۶)

۷۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا وَّ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ٥ وہی تو ہے جس نے تم کو (پہلے پہل) مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر تم کو بچہ بنا کر (ماں کے پیٹ سے) باہر لاتا ہے، پھر تم اپنی جوانی کو پہنچتے ہو پھر بوڑھے ہو جاتے ہو اور کوئی تم میں سے (زندگی کی بہاریں دیکھنے سے) پہلے ہی مر جاتا ہے اور تم موت کے مقررہ دن تک پہنچ جاتے ہو۔ (یہ اس لئے بیان ہوا) کہ تم سوچو سمجھو۔ (سورۂ مومن: آیت ۶۷)

۸۔ فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ٥ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ٥ یَّخْرُجُ مِنْ بَیْنِ الصُّلْبِ وَ التَّرَآئِبِ ٥ انسان کو سوچنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا ہوا ہے۔ وہ اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا ہوا ہے جو کمر اور سینے کی ہڈیوں سے نکلتا ہے۔ (سورۂ طارق: آیت ۵ تا ۷)

۹۔ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا ... ٥ اس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا۔ پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا ... (سورۂ زمر: آیت ۶)

۱۰۔ وَ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ... ٥ وہی تو ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا۔ پھر (تمہارے لئے) ایک ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک سپرد ہونے کی۔ (سورۂ انعام: آیت ۹۸)

آدم علیہ السلام اور ابلیس

حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا قصہ قرآن مجید میں بار بار بیان ہوا ہے مثلاً:

۱۔ وَ لَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ٥ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰى ٥ فَقُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِزَوْجِكَ فَلَا یُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ٥ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْهَا وَ لَا تَعْرٰى ٥ وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِیْهَا وَ لَا تَضْحٰى ٥ فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ الشَّیْطٰنُ قَالَ یٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا یَبْلٰى ٥ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَ عَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ٥ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ وَ هَدٰى ٥ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِیْعًۢا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَ لَا یَشْقٰى ٥ وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى ٥ ہم نے

ان سے پہلے آدمؑ سے عہد لیا تھا مگر وہ (اُسے) بھول گئے ہم نے ان میں عزم و صبر نہ پایا۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدمؑ کے آگے سجدہ کرو تو سب سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس نے انکار کیا۔ تب ہم نے آدمؑ سے کہا کہ دیکھو یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ کہیں یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا نہ دے کہ پھر تم زندگی کی تکلیفوں میں پڑ جاؤ۔ یہاں جنت میں تم کو یہ (عیش و آرام) ہے کہ نہ بھوکے رہو گے نہ ننگے۔ اور نہ ہی تمہیں پیاس ستائے گی نہ ہی دھوپ۔ پھر ابلیس نے آدمؑ کے دل میں وسوسہ ڈالا اور کہا کہ بھلا میں تم کو ایسا درخت بتاؤں جو دائمی زندگی اور لازوال سلطنت کا ثمرہ دے۔ (یہ سن کر) دونوں نے جونہی اس درخت کا پھل کھایا تو ان پر ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں۔ چنانچہ وہ دونوں پتوں سے انہیں چھپانے لگے۔ چونکہ آدمؑ نے اپنے رب کے حکم کے خلاف کیا تھا اس لئے ان کا آرام ختم ہو گیا۔ پھر ان کے رب نے (آدمؑ اور ان کی اولاد کو پیغمبری کے لئے) چن لیا اور ان پر مہربانی کی اور (بخشش کیلئے طریقہ توبہ کی طرف) رہنمائی فرمائی۔ (پھر خدا نے) کہا کہ تم دونوں یہاں سے نیچے اتر جاؤ۔ تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے۔ پھر جب میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آجائے تو جو میری ہدایت مانے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ پریشان۔ اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت میں ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۱۱۵ تا ۱۲۴)

۲۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ قَالَ اَنْظِرْنِيْ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ قَالَ فَبِمَا اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَ قَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَّ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝ ہم ہی نے تم کو (ابتداء میں مٹی سے) پیدا کیا۔ پھر تمہاری صورت بنائی۔ پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا صرف ابلیس نے

انکار کردیا اور وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ (خدا نے) فرمایا جب میں نے تجھ کو حکم دیا تھا تو کس چیز نے تجھے سجدے سے باز رکھا۔ اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔ فرمایا کہ تو یہاں سے اتر جا۔ تجھے شایاں نہیں کہ یہاں غرور کرے۔ پس نکل جا۔ تو ذلیل ہے۔ اس نے کہا مجھے قیامت تک کی مہلت دیدے۔ فرمایا (اچھا) تجھ کو مہلت دی جاتی ہے۔ ابلیس نے کہا کہ تو نے تو مجھے گمراہ کیا ہی ہے میں بھی تیرے سیدھے راستے پر (ان کو گمراہ کرنے کے لئے) بیٹھ جاؤں گا۔ پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا اور تو ان کی اکثریت کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ فرمایا کہ تو راندۂ بارگاہ ہے۔ میں تجھ سے اور ان سب سے جو تیری پیروی کریں گے جہنم کو بھر دوں گا۔ اور ہم نے آدمؑ سے کہا کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو (اور جو چاہو) کھاؤ مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ ظلم کرنے والے ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تاکہ ان کی شرمگاہیں جو ان سے پوشیدہ تھیں کھل جائیں اور کہنے لگا کہ تمہارے رب نے تمہیں اس درخت کا (پھل کھانے) سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ نہ جیو۔ اور اس نے ان دونوں سے قسم کھائی کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔ غرض اس (مردود) نے ان دونوں کو دھوکے کے ذریعے درخت کی طرف جھکا دیا۔ جب انہوں نے اس درخت کا پھل کھالیا تو ان کی شرمگاہیں کھلنے لگیں اور انہوں نے درختوں کے پتے جوڑ کر ان کو چھپانا شروع کردیا۔ تب ان کے رب نے آواز دی کہ کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت (کا پھل کھانے) سے منع نہیں کیا تھا اور کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ان دونوں نے کہا کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ اب اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور رحم نہیں کھائے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔ ارشاد ہوا کہ تم سب زمین میں اتر جاؤ۔ اور تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے۔ زمین میں تمہارے لئے ایک خاص مدت تک رہائش اور (زندگی کا) سامان (کر دیا گیا) ہے۔ فرمایا کہ تمہیں وہیں جینا اور وہیں مرنا ہے۔ پھر تم اسی زمین سے نکالے جاؤ گے۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۱ تا ۲۵)

۳۔ قَالَ ءَ اَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ٥ قَالَ اَرَءَ يْتَکَ هٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا ٥ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَکَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُکُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ٥ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِکَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِکَ وَ رَجِلِکَ وَ شَارِکْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَ عِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ٥ اِنَّ عِبَادِیْ لَيْسَ لَکَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَکَفٰی بِرَبِّکَ وَکِيْلًا ٥ اس نے کہا کہ بھلا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے۔ (اور) کہنے لگا کہ دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ اگر تو مجھے قیامت تک کی مہلت دے تو میں چند افراد کے سوا اس کی (تمام) اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔ خدا نے فرمایا یہاں سے چلا جا۔ اب جو بھی تیری پیروی کرے گا تو تم سب

کی سزا جہنم ہے اور وہ پوری سزا ہے۔ جا جن پر بھی تیرا بس چلے اپنی آواز سے ان کو بہکا۔ اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں سے حملہ کر اور ان کے اموال و اولاد میں شریک ہو جا اور ان سے خوب وعدے وعید کر۔ اور شیطان جو وعدے ان سے کرتا ہے سب دھوکا ہے۔ بے شک جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تجھے غلبہ حاصل نہیں ہوگا اور (اے رسولؐ) آپ کا رب نگہبانی کے لئے کافی ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۶۱ تا ۶۵)

۳۔ قَالَ رَبِّ بِمَا اَغْوَيْتَنِي لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ۝ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِيْنَ ۝ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اس نے کہا کہ پروردگار! جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں کے لئے (گناہوں کو) آراستہ کر دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا۔ ہاں ان میں سے جو تیرے مخلص بندے ہیں (ان پر قابو چلنا مشکل ہے)۔ ارشاد ہوا کہ یہی میرا سیدھا راستا ہے۔ جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تجھے کچھ قابو نہیں (کہ ان کو گناہ میں ڈال سکے) ہاں بد راہوں میں سے جو تیرے پیچھے چل پڑے اور ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے۔ (سورۂ حجر: آیت ۳۹ تا ۴۳)

لغوی تشریح

۱۔ لَازِبٌ: لَزِبَ الطِّيْنُ گندھی ہوئی مٹی۔ اس سے اسم فاعل لَازِبٌ ہے۔

۲۔ صَلْصَالٌ: صَلْصَلَ الشَّيْءُ پکارنے کی آواز۔ صَلْصَلَ الْجَرَسُ اور صَلْصَلَ الرَّعْدُ اسی سے ماخوذ ہیں یعنی گھنٹی بجی اور زور دار کڑک ہوئی۔ صَلْصَالٌ یعنی وہ مٹی جو آگ سے پکے بغیر کھنکھنائے۔

۳۔ حَمَأٌ: بدبودار سیاہ مٹی۔

۴۔ مَسْنُوْنٌ: سَنَّ الشَّيْءُ کسی چیز کی بو کا بدل جانا۔ مسنون یعنی قالب میں ڈالی جانے والی مٹی۔

۵۔ مُخَلَّقَةٌ: خَلَّقَ الْعُوْدَ یعنی اس نے لکڑی کو سیدھا کیا۔ عُوْدٌ مُخَلَّقٌ یعنی سیدھی ہونے والی لکڑی۔ یہاں آیت میں مُخَلَّقَةٌ سے کامل الخلقت اور غَيْرُ مُخَلَّقَةٍ سے ناقص الخلقت اجسام مراد ہیں۔

۶۔ اَلصُّلْبُ وَالتَّرَائِبُ: صُلْبُ الرَّجُلِ یعنی مرد کی کمر کی ہڈی اور تَرَائِبُ الْمَرْاَةِ یعنی عورت کے سینے کی ہڈی۔ سائنس بھی سالہا سال کے تجربات کے بعد اسی نتیجے پر پہنچی ہے اور علامہ مجلسی نے بھی بحار الانوار میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔[۱]

۷۔ وَسْوَسَ وَ سَوْسَةٌ: گھٹیا خیال۔ کسی مخفی آواز کے حکم پر کوئی کام کرنا۔ دل میں کھٹکنے والی بات۔ شیطان کا انسان کو گمراہ کرنا جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

۱۔ سید قطب کی تفسیر میں سورۂ طارق ملاحظہ فرمائیں۔ بحار الانوار، ج ۶۰، ص ۳۸۶۔

وَ زَیَّنَ لَھُمُ الشَّیطٰنُ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ٥ اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لئے مزین کر دیا۔ (سورۂ انعام: آیت ۴۳) زَیَّنَ لَھُمُ الشَّیطٰنُ اَعْمَالَھُمْ... شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کر دیا۔ (سورۂ انفال: آیت ۴۸۔ سورۂ نحل: آیت ۶۳۔ سورۂ نمل: آیت ۲۴۔ سورۂ عنکبوت: آیت ۳۸)

۸۔ اَلسَّوْئَۃُ: وہ چیز جس کا چھپانا اچھا اور نہ چھپانا برا ہو۔ یہاں سوآت سے مراد انسانی شرمگاہ ہے۔

۹۔ عَزْمًا: صبر۔ مَالِیْ عَنْکَ عَزْمٌ میں تیرے بغیر صبر نہیں کر سکتا۔ محنت کرنا یا عزم صمیم کرنا بھی صبر ہے۔

۱۰۔ اَلْجَنَّۃُ: ایسا باغ جس کے درختوں نے زمین کو ڈھانک رکھا ہو جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْبُوْعًا ٥ اَوْ تَکُوْنَ لَکَ جَنَّۃٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْھٰرَ خِلٰلَھَا تَفْجِیْرًا ٥ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ کَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا کِسَفًا... اور ان لوگوں نے کہا کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمارے لئے زمین سے چشمہ جاری نہ کر دو۔ یا تمہارے پاس کھجور اور انگور کے باغ ہوں جن کے درمیان تم نہریں جاری کر دو۔ یا ہمارے اوپر اپنے خیال کے مطابق آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دو... (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۹۰ تا ۹۲)

لَقَدْ کَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْکَنِھِمْ اٰیَۃٌ جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّ شِمَالٍ کُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّکُمْ وَاشْکُرُوْا لَہٗ بَلْدَۃٌ طَیِّبَۃٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ٥ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ وَ بَدَّلْنٰھُمْ بِجَنَّتَیْھِمْ جَنَّتَیْنِ ذَوَاتَیْ اُکُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّ شَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ ٥ ذٰلِکَ جَزَیْنٰھُمْ بِمَا کَفَرُوْا وَھَلْ نُجٰزِیْٓ اِلَّا الْکَفُوْرَ ٥ (قوم سبا کے لئے ان کے شہر ہی میں ہماری ایک نشانی تھی (یعنی) دائیں اور بائیں دونوں طرف باغات تھے (ہم نے ان سے کہا کہ) تم اپنے رب کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ (یہاں تمہارے رہنے کو یہ) اچھا شہر ہے اور (وہاں بخشنے کو) خدائے بخشندہ۔ مگر انہوں نے (شکرگزاری سے) منہ پھیر لیا تو ہم نے ان پر (بند توڑ کر) بڑے زور کا سیلاب چھوڑ دیا اور ان کے دونوں باغات کو ایسے دو باغات میں تبدیل کر دیا جن کے پھل بدمزہ تھے۔ ان میں جھاؤ کے (بہت) اور بیر کے تھوڑے سے درخت تھے۔ یہ ہم نے ان کو ان کی ناشکری کی سزا دی اور ہم سزا ناشکروں کو ہی دیتے ہیں۔ (سورۂ سباء: آیت ۱۵ تا ۱۷)

۱۱۔ خَمْطٌ: وہ بوٹی جو کڑوی یا کھٹی ہو اور جسے کھانے کو دل نہ چاہے۔

۱۲۔ اَلْاَثْلُ: جھاؤ کا درخت جس کی لکڑی مضبوط اور ٹہنیاں زیادہ ہوتی ہیں۔ اس کا پھل کھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ اس درخت سے ٹوکریاں بنائی جاتی ہیں۔

خدا ایمانداروں کو حساب کتاب کے بعد باغات میں جگہ عنایت فرمائے گا اور باغ کو جنت کہا جاتا ہے۔ دنیا کے باغ کو بھی جنت اور آخرت کے باغ کو بھی جنت کہا جاتا ہے۔ اگرچہ ان میں بلحاظ اوصاف بہت زیادہ فرق ہے۔ ان میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ وہاں جو خوش نصیب جنت میں جائے گا وہ ہمیشہ وہیں رہے گا۔ اسے وہاں سے نکلنا نہیں پڑے گا اور نہ ہی موت اسے اس جگہ سے دور کر سکے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ اَذٰلِکَ خَیْرٌ اَمْ جَنَّۃُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ... ۝ لَھُمْ فِیْھَا مَایَشَآءُوْنَ خَالِدِیْنَ... ۝
آپ ان سے پوچھیں کہ کیا یہ بہتر ہے یا بہشت جاودانی جس کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے... وہاں جو کچھ چاہیں گے وہ ان کے لئے موجود ہوگا اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ (سورۂ فرقان: آیت ۱۵و۱۶)

وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اُولٰئِکَ اَصْحَابُ الْجَنَّۃِ ھُمْ فِیْھَا خَالِدُوْنَ ۝ اور جو ایمان لائیں گے اور نیک کام کریں گے وہ جنت میں جائیں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۸۲)

قرآن حکیم میں جنت دنیاوی اور اخروی دونوں باغ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ حضرت آدمؑ کو دنیا کے جس باغ میں رہائش دی گئی تھی اور جس کا پھل کھانے کی وجہ سے انہیں نکال دیا گیا اسے بھی جنت کہا گیا ہے۔

۱۳۔ تَضْحیٰ: ضَحِیَ الرَّجُلُ اس شخص کو دھوپ لگی۔

۱۴۔ غَوٰی: اس کا ایک معنی یہ ہے کہ عیش و آرام ختم ہوگیا اور آیت میں یہی معنی مراد ہے۔

۱۵۔ طَفِقَ: طَفِقَ یَفْعَلُ کَذَا وہ ایسا کرنے لگ گیا۔

۱۶۔ یَخْصِفَانِ: خَصَفَ الشَّیْءَ عَلَی الشَّیْءِ ایک چیز کو دوسری چیز سے جوڑا۔

۱۷۔ ضَنْکًا: ضَنُکَ عَیْشُہٗ اس کی زندگی تنگ ہوگئی۔

۱۸۔ وُرِیَ: وَارَاہُ مُوَارَاۃً اس نے اسے چھپایا۔

۱۹۔ دَلّٰھُمَا: دَلَّ الشَّیْءَ فِی الْمَھْوَاۃِ کسی چیز کو کھڈ میں ڈالنا دَلَّاہُ بِغُرُوْرٍ اسے دھوکے میں ڈال دیا۔

۲۰۔ لَاَحْتَنِکَنَّ: اِحْتَنَکَ الْفَرَسَ اس نے گھوڑے کو لگام ڈالی۔

۲۱۔ اِھْبِطُوْا: کسی چیز کو احترام سے نیچے اتارا جائے تو انزال کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً نزول ملائکہ، نزول قرآن اور نزول باران اور اگر کسی چیز کو حقارت سے نیچے اتارا جائے تو ہبوط کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً عربی زبان کا محاورہ ہے ھَبَطَ فِی الشَّرِّ وہ برائی میں گر گیا۔ ھَبَطَ فُلَانٌ فلاں شخص قعر مذلت میں گر گیا۔ ھَبَطَ مِنْ حَالِ الْغِنیٰ اِلیٰ حَالِ الْفَقْرِ ثروت سے گر کر غربت میں جا پڑا۔ ھَبَطَ مِنْ مَنْزِلَتِہٖ اپنے مرتبے سے گر گیا۔

۲۲۔ اَسْتَفْزِزْ: اِسْتِفْزَازٌ کسی کو جلدی سے اٹھانا اور ساتھ لے جانا۔

۲۳۔ بِصَوْتِکَ: صَوَّتَ فُلَانٌ بِفُلَانٍ فلاں نے فلاں کو برائی کی طرف بلایا۔ مفہوم یہ ہے کہ اپنے وسوسوں سے اولاد آدم میں سے جس کو چاہے اپنے ساتھ شامل کر سکتا ہے۔

۲۴۔ وَاَجْلِبْ عَلَیْھِمْ: اِجْلَابٌ کسی ہانکنے والے کا ہانکنا۔ جَلَبَۃٌ آواز کی شدت۔

۲۵۔ بِخَیْلِکَ وَ رَجِلِکَ: اپنے سواروں اور پیادوں سے حملہ کر۔ لفظ رَجِلٌ، رَاجِلٌ سے اسم جمع ہے۔ یعنی تو جتنا مکر و فریب کر سکتا ہے کر لے تجھے ہماری طرف سے اس کی کھلی اجازت ہے۔

۲۶۔ وَشَارِکْھُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ: ان کے مال حرام اور نسل حرام میں شریک ہوجا۔

۲۷۔ وَعدھُم: ان سے جھوٹے وعدے کرتا رہ مثلاً تو کہتا رہ کہ قبروں سے دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔

۲۸۔ سلط: السلاطۃ جبر و قہر کے ساتھ غلبہ حاصل کرنا۔ صاحب سلط یعنی بادشاہ۔ سلطان کے دوسرے معنی دلیل کے بھی ہیں جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ o کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں جن کی خدا نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ (سورۂ اعراف: آیت ۷۱)

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ یعنی میرے مخلص بندوں پر تیرا زور نہیں چلے گا۔

تفسیر آیات

مذکورہ آیات میں خداوند تبارک وتعالٰی نے بتایا ہے کہ اس نے ''پہلے انسان'' کو بدبودار سیاہ مٹی سے پیدا کیا جو خشک ہو کر کھنکھنانے لگی تھی۔ پھر خدا نے اس کی نسل کو منی سے چلایا جو مرد کی کمر اور عورت کے سینے کی ہڈی سے نکلتی ہے۔ پھر اس نطفہ کو جمے ہوئے خون میں تبدیل کیا اور جمے ہوئے خون کو لوتھڑے کی شکل دی اور لوتھڑے سے ہڈیاں بنائیں اور ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر اسے نئی شکل وصورت عطا فرمائی اور اس میں اپنی روح پھونکی اور اسے آنکھ، کان اور دل عطا فرمائے۔ پس بابرکت ہے وہ ذات جو احسن الخالقین ہے۔

پھر اسے بچہ بنا کر ماں کے پیٹ سے باہر نکالا اور اس میں مذکر اور مونث کی دو اصناف مقرر کیں۔ بطور انسان وہ ایک جیسے ہیں مگر حیات دنیا میں ان کے فرائض علیحدہ علیحدہ ہیں۔ کچھ انسان اوائل عمر میں یا جوانی میں مرجاتے ہیں۔ کچھ انسان ارذل عمر کو پہنچ کر (نسیان یعنی Global Amnesia میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور) زمین کی گود میں سو جاتے ہیں جہاں حشر تک سوتے رہیں گے۔ پھر قیامت کے دن انہیں اس زمین سے اٹھایا جائے گا اور ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

خدا نے تمام فرشتوں اور ابلیس کا امتحان لیتے ہوئے انہیں سجدۂ آدمؑ کا حکم دیا تھا اور فرشتوں کے جواب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس سے پہلے زمینی مخلوق کی کارستانیاں دیکھ چکے تھے اسی لئے انہوں نے تخلیق آدمؑ کے وقت کہا تھا کہ انسان زمین میں فساد مچائے گا اور خون بہائے گا۔ آدمؑ سے پہلے بھی زمینی مخلوق نے زمین میں فساد مچایا تھا اور خدا نے فرشتوں کے ذریعے انہیں ہلاک کیا تھا جیسا کہ روایت میں آیا ہے۔ جب خدا نے فرشتوں کو علم آدمؑ کا کمال دکھایا اور انہوں نے اپنی علمی کوتاہی اور آدمؑ کی علمی برتری دیکھی تو آدمؑ کے آگے سجدہ کیا۔ البتہ ابلیس نے تکبر کیا اور عدل الٰہی پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ آدمؑ مٹی سے بنے ہیں جبکہ میں آگ سے بنا ہوں۔ یوں فرشتے امتحان میں کامیاب ہوئے اور ابلیس ناکام ہوا۔

خدا نے آدمؑ کی تسکین کے لئے ان کی بیوی حوّا کو پیدا کیا اور انہیں ایک ایسی جنت میں رکھا جو جاودانی نہیں تھی اور ان سے کہا کہ جنت میں جو ان کا دل چاہے کھائیں لیکن ایک مخصوص درخت کے پاس نہ جائیں

ورنہ وہ ظالم قرار پائیں گے۔

خدا نے آدمؑ سے یہ کہہ دیا تھا کہ انہیں جنت میں ہر طرح کا عیش و آرام میسر ہوگا۔ نہ انہیں بھوک پیاس ستائے گی اور نہ بے لباسی کی شکایت ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی خدا نے انہیں خبردار کر دیا تھا کہ ابلیس تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے لہٰذا خیال رکھنا کہ کہیں وہ تمہیں جنت سے نکلوا نہ دے۔ اگر وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہوگیا تو تمہیں بڑی سخت زندگی بسر کرنا پڑے گی۔

بہرنوع شیطان آدمؑ و حواؑ کے پاس گیا اور حیلے سے انہیں ممنوعہ درخت کا پھل کھانے کی ترغیب دی۔ اس طرح وہ چاہتا تھا کہ ان کی شرمگاہیں جو کہ ابھی تک ان سے پوشیدہ تھیں ان پر ظاہر ہو جائیں۔ اس نے آدمؑ اور حواؑ کو یہ بتایا کہ اگر انہوں نے اس درخت کا پھل کھالیا تو وہ فرشتے بن جائیں گے یا پھر حیات جاودانی کے مالک ہو جائیں گے۔ اس نے خدا کی جھوٹی قسم کھا کر انہیں اعتماد دلایا کہ میں تمہارا خیرخواہ ہوں۔

آدمؑ اور حواؑ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کوئی خدا کی جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے اسی لئے انہوں نے ابلیس کی بات مان لی اور یوں وہ انہیں دھوکا دینے میں کامیاب ہوگیا۔ آدمؑ اور حواؑ نے جونہی ممنوعہ درخت کا پھل کھایا تو ان کے ستر کھل گئے اور انہیں اپنی برہنگی کا احساس ہوا۔ تب وہ اپنے ستر درختوں کے پتوں سے چھپانے لگے۔ اس وقت خدا نے فرمایا: کیا میں نے تمہیں اس درخت کے قریب جانے سے منع نہیں کیا تھا اور یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ آدمؑ اور حواؑ نے کہا: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کھایا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

جنت آدمؑ کہاں تھی؟

خدا نے قرآن میں بتایا ہے کہ اس نے بزم ملائکہ میں اعلان کیا تھا کہ وہ زمین پر اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہے۔ چنانچہ اسی زمین کی مٹی سے آدمؑ کو بنایا گیا۔ اسی زمین پر ملائکہ کو سجدۂ آدمؑ کا حکم ہوا۔ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے تکبر کے سبب انکار کیا۔ پھر اسی زمین کی ایک جنت میں آدمؑ اور حواؑ کو رکھا گیا۔ آدمؑ کو اس کرۂ ارض سے کسی دوسری جگہ منتقل نہیں کیا گیا۔ آدمؑ خلد بریں میں نہیں تھے جس کے متعلق ہمیشگی کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اگر آدمؑ اس جنت میں ہوتے تو وہاں سے نکال کر زمین پر نہ بھیجے جاتے۔

ہمارے اس موقف کی پہلی بنیاد قرآن مجید کی وہ آیات ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ اہل جنت ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ علاوہ ازیں بہت سی روایات بھی ہمارے موقف کی تائید کرتی ہیں۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مذکورہ جنت عراق میں تھی۔ قاموس کتاب مقدس کے مؤلف نے کئی علماء کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ جنت فرات میں تھی۔[1]

۱۔ قاموس کتاب مقدس، مادّہ: عدن۔

اس کی تائید تورات کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ جس جنت میں حضرت آدمؑ بود و باش رکھتے تھے۔ اس جنت سے دجلہ و فرات اور جیحون و فیشون چار دریا نکلتے تھے۔[۱]

قاموس کتاب مقدس میں لکھا ہے کہ بعضوں کا خیال ہے کہ جیحون اور فیشون بابل میں تھے۔[۲] لفظ جیحون سے وہ دریائے جیحون مراد نہیں ہے جو خوارزم کے قریب سمندر میں گرتا ہے اور یاقوت حموی نے اس کا ذکر اپنی کتاب معجم البلدان میں بھی کیا ہے۔

جب آدمؑ جنت سے نکالے گئے تو انہوں نے دریائے فرات کے قریب بابل میں رہائش اختیار کی۔ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کے فرزند شیثؑ نے انہیں مکہ میں کوہ ابوقبیس[۳] کی ایک غار میں دفن کیا تھا۔ طوفان کے وقت حضرت نوحؑ نے ان کی ہڈیاں ایک تابوت میں رکھ لی تھیں اور جب طوفان ختم ہوا تو انہوں نے حضرت آدمؑ کا تابوت نجف میں دفن کیا۔[۴]

حضرت آدمؑ کو جنت ارضی سے نکالا گیا تو وہ وہیں قریب میں یعنی عراق میں بسنے لگے۔ وہ اپنے ساتھ جنت سے کچھ پودے اور کچھ پودوں کے بیج لے کر آئے تھے اور انہوں نے وہ پودے اور بیج کاشت کر دیے۔ اس کاشتکاری کی تعلیم خدا نے انہیں دی تھی جیسا کہ روایات میں اس کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔[۵]

حضرت آدمؑ کی عراق میں رہائش کے متعلق معجم البلدان کے مادہ بابلیون میں لکھا ہے کہ "اہل تورات کا بیان ہے کہ آدمؑ نے بابل میں رہائش اختیار کی۔" سرزمین بابل دجلہ و فرات کے درمیان واقع ہے۔

قاموس کتاب مقدس کے مادہ بابل کا خلاصہ یہ ہے:

دجلہ و فرات وہاں کی تمام زمین کو سیراب کرتے تھے اسی لئے وہاں کی زمین انتہائی زرخیز تھی اور وہاں بہت پھل اور اناج ہوتا تھا۔ اس سرزمین کا پرانا نام شنعار تھا۔ سفر تکوین آیات ۱۰ و ۱۱، مادہ شنعار از کتاب مقدس۔

معجم البلدان میں مادہ بابل کے ذیل میں لکھا ہے کہ بعض کا یہ قول ہے:

بابل دراصل کوفہ ہے۔ جب حضرت نوحؑ کشتی سے اترے تو وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر گرگری کی تلاش میں نکلے اور انہوں نے بابل میں رہائش اختیار کی جہاں ان کی نسل خوب پھیلی۔

مکتب خلفاء کی روایات میں ہے کہ حضرت نوحؑ نے حضرت آدمؑ کو بیت المقدس میں دفن کیا۔

مکتب اہلبیتؑ کی روایات میں ہے کہ حضرت نوحؑ نے حضرت آدمؑ کا تابوت نجف میں اس جگہ دفن کیا تھا جہاں اب امیر المومنین علیہ السلام مدفون ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام بھی وہیں مدفون ہیں۔

۱۔ تورات، طبع رچرڈ واٹسن، لندن ۱۸۳۹ء، سفر تکوین، اصحاح دوم ۱۰-۱۴۔

۲۔ قاموس کتاب مقدس، مادہ: جیحون و فیشون۔ استاد سامی البدری نے جنت آدمؑ کے متعلق اپنے ایک خط میں مجھے لکھا: تورات میں جن دریاؤں کا ذکر ہے وہ چاروں فرات کی شاخیں ہیں اور یہی حقیقت مسماری اور ہیروغلیفی تحریروں سے ثابت ہوتی ہے

۳تا۵۔ بحار الانوار، ج ۱۱، ص ۲۶۷-۲۶۸۔

حضرت آدمؑ کی عراق میں رہائش کی تائید درج ذیل روایات سے ہوتی ہے:

(۱) حضرت آدمؑ نے مکہ مکرمہ میں حج کیا، مشعر میں وقوف کیا اور عرفہ میں ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اس کے بعد مکہ میں ہی ان کی حوّا سے ملاقات ہوئی۔ خدا نے انہیں خانہ کعبہ بنانے کا حکم دیا۔

حضرت آدمؑ کا حج کرنا مسلّم ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی رہائش ہندوستان[☆] جیسے کسی دور دراز ملک میں نہیں تھی۔ اگرچہ بعض روایات میں ان کا ہندوستان میں اترنے کا ذکر کیا گیا ہے لیکن میرے نزدیک ان روایات کی صحت ثابت نہیں ہے۔[۲]

(۲) بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت آدمؑ نجف[۳] میں غری کے مقام پر دفن کئے گئے جب کہ حضرت خاتم الانبیاءؐ سے مروی بعض روایات میں ہے کہ ہر نبی جہاں فوت ہوتا ہے وہیں دفن کیا جاتا ہے۔[۴]

مذکورہ بالا روایات سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت آدمؑ کی جنت فرات کے قرب و جوار میں ہی تھی اور جب انہیں وہاں سے نکالا گیا تو وہ وہیں کہیں رہائش پذیر ہوگئے۔ اس کے بعد خدا نے اس جنت کو اجاڑ دیا اور اس کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ حضرت آدمؑ نے مختلف پودے اور زراعت سے اپنے لئے نئی جنت بنالی تھی۔ واللہ اعلم۔

جب عزت، ذلت میں تبدیل ہوئی

ابلیس ملائکہ کے ساتھ مل کر خدا کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کیا کرتا تھا۔ وہ فرشتوں کی طرح آن واحد کے لئے خدا کی نافرمانی نہیں کرتا تھا۔ اتنے میں خدا نے خلافت آدمؑ کا اعلان کیا۔ فرشتوں نے خدا سے خلافت آدمؑ کی حکمت دریافت کی تو خدا نے انہیں اپنی حکمت سے آگاہ فرمایا۔ پھر انہیں حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ فرشتوں نے خدا کے حکم کی تعمیل کی لیکن ابلیس جو اب تک اطاعت کا پیکر بنا ہوا تھا اچانک بگڑ گیا اور اس نے آدمؑ کو سجدہ کرنے کو اپنی توہین جانا۔ اس نے اپنے نفس کی خواہش کو مقدم رکھا اور حکم پروردگار کی خلاف ورزی کی۔ وہ اپنے سوء اختیار کی وجہ سے فرشتوں کی بزم سے نکالا گیا۔ فرشتوں کے سلسلے میں قرآن مجید بتاتا ہے: لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ وہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔

☆ ہندوستان کے جنوب میں سری لنکا (سیلون، سراندیپ) کے کوہ کنڈیان پر واقع Adam's Peak کی طرف اشارہ ہے جہاں ایک روایت کے مطابق حضرت آدمؑ کے نقوش قدم موجود ہیں۔

۲۔ بحارالانوار، ج ۱۱، ص ۱۷۰، ۱۸۰، ۲۰۵، ۲۱۰، ۲۱۱۔

۳۔ بحارالانوار، ج ۱۱، ص ۲۶۸۔ (غری کا باشندہ غروی کہلاتا ہے)

۴۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ق ج ۲، ص ۷۱۔ سنن ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی قتلی اُحُد، ج ۳، ص ۲۳۵۔

ابلیس اس عظیم درجے سے گر گیا اور اس طبقے کا فرد بنا جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور خدا کی نافرمانی کرتے ہیں۔ چنانچہ اسے اس کی نافرمانی کی یہ سزا ملی کہ خدا نے اسے بزم ملکوت سے نکال دیا اور فرمایا: فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا یہاں سے اتر جا۔ تجھے شایاں نہیں کہ یہاں غرور کرے۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۳)

جب خدا اس پر غضبناک ہوا تو وہ اپنی غلطی پر نادم نہیں ہوا اور توبہ کرنے کی بجائے بولا: أَنْظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ٥ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ٥ مجھے قیامت تک کی مہلت دیدے۔ فرمایا (اچھا) تجھ کو مہلت دی جاتی ہے۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۴و۱۵) اور جب وہ اپنے رب سے مہلت لے چکا تو اپنے ارادے کا اظہار کرتے ہوئے بولا: دیکھ لینا جسے آج تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے اس کا بدلہ میں اس کی نسل سے یوں لوں گا کہ ان کے منہ میں لگام ڈال دوں گا اور ان کو آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں سے غرض ہر طرف سے بہکاؤں گا اور ان کے برے اعمال کو ان کے لئے مزین کر کے دکھاؤں گا پھر تو خود ہی دیکھ لینا کہ ان کی اکثریت تیری شکر گزار نہیں ہوگی۔

خدا نے اس سے کہا: جا، یہاں سے نکل جا۔ میں تجھے اور جو لوگ تیری پیروی کریں گے ان سب کو جہنم میں جھونک دوں گا۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۶۳)

یوں بزم فرشتگان میں رہنے والا ابلیس اپنے اختیار سے خدا کے نافرمانوں میں شامل ہو گیا۔ اس نے در توبہ پر دستک دینے کو اپنی انا کے خلاف جانا اور اپنے اختیار کی وجہ سے مخلوق کو گمراہ کرنے کے پست ترین درجے میں جا گرا۔

حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کی دانشمندی

خدا نے حضرت آدمؑ کی تخلیق مکمل کی اور ملائکہ سے ان کا سجدہ کروایا۔ پھر اس نے حواؑ کو پیدا کیا۔ بعد ازاں دونوں کو جنت میں سکونت دی۔ اس جنت کا زمین پر ہونا ضروری تھا کیونکہ خدا نے حضرت آدمؑ کو اسی زمین کی مٹی سے پیدا کیا تھا اور اسی زمین پر ان کو خلیفہ بنایا تھا۔ کتاب و سنت میں ایسی کوئی نص نہیں ہے جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے کے بعد انہیں کسی دوسرے سیارے میں منتقل کیا ہو اور بعد ازاں انہیں اس سیارے سے دوبارہ زمین پر منتقل کیا ہو۔

اس دلیل سے ہمارا یہ موقف ثابت ہوتا ہے کہ جنت آدمؑ زمین پر تھی کیونکہ اس جنت کی خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ تم یہاں نہ بھوکے رہو گے اور نہ بے لباس۔ نہ تمہیں پیاس ستائے گی اور نہ دھوپ۔

خدا نے حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ سے کہا کہ اس جنت میں تم جہاں سے جو کھانا چاہو کھاؤ، تمہارے

لئے کوئی روک ٹوک نہیں ہے البتہ اس ممنوعہ درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے قرار پاؤ گے۔
حضرت آدمؑ کو خدا نے یہ بتادیا تھا کہ ابلیس ان کا اور ان کی بیوی کا دشمن ہے لہٰذا وہ اس سے خبردار رہیں اور اس کے دھوکے میں نہ آئیں ورنہ وہ انہیں جنت سے نکلوا دے گا۔

اور جب ابلیس نے حضرت آدمؑ کے سامنے خدا کی جھوٹی قسم کھا کر کہا کہ وہ ان کا خیرخواہ ہے تو حضرت آدمؑ اس کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گئے اور انہوں نے اپنے اختیار سے اس کے دھوے کو قبول کیا جس کے نتیجہ میں انہیں جنت کے عیش و آرام کو کھونا پڑا اور جنت کے آرام کی بجائے زندگی کی تلخیاں برداشت کرنا پڑیں۔ انہیں دنیا میں رہ کر جنت یا جہنم کا سامان فراہم کرنے کا مکلف ہونا پڑا۔

اس طرح سے ایک انسان نے اس بار امانت کو اٹھالیا جس کا تذکرہ قرآن میں یوں ملتا ہے:

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ... بے شک ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کیا اور خوف ظاہر کیا مگر انسان نے اسے اٹھالیا۔ بیشک وہ ظالم اور جاہل تھا۔ (یہ امانت اس لئے پیش کی گئی تھی) کہ خدا منافق مردوں و منافق عورتوں اور مشرک مردوں و مشرک عورتوں کو عذاب دے اور مومن مردوں و مومن عورتوں پر مہربانی کرے اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۂ احزاب: آیت ۷۲۔۷۳)

یہاں امانت سے مراد وہ شرعی تکالیف ہیں جن سے نفس انسانی کو مزین ہونا چاہیے۔

آسمانوں اور زمین پر امانت پیش کرنے سے مراد ہے کہ خدا نے اس امانت کو غیر مکلف مخلوق کے سامنے پیش کیا۔ امانت کا پیش کرنا اور انسان کا قبول کرنا مخلص اور برگزیدہ افراد کے چناؤ کا مقدمہ تھا۔

حضرت آدمؑ سے اس بار امانت کے اٹھانے میں خطا ضرور ہوئی تھی جس کے آثار میں ابلیسی وسوسہ سے متاثر ہونا شامل ہے اور حضرت آدمؑ سے یہ خطا اس ارضی جنت میں ہی ہوئی تھی لیکن جب وہ جنت سے باہر اس دنیا میں آئے اور انہوں نے خلافت الٰہیہ کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو اس دنیا میں ان سے کوئی خطا اور گناہ نہیں ہوا کیونکہ انبیاء کے لئے عصمت شرط ہے۔ غالباً اس گناہ میں یہ راز بھی پنہاں ہے کہ اگر حضرت آدمؑ یہ گناہ (ارشادی) نہ کرتے تو جس خلافت کا خدا نے انہیں تاج پہنانے کا اعلان کیا تھا، وہ اس کی ذمے داریوں سے عہدہ برآ نہ ہو پاتے اس لئے ممکن ہے کہ حضرت آدمؑ کا گناہ خدا کے وعدے اور اعلان کو عملی جامہ پہنانے کا ذریعہ بنا ہو۔

آغاز خلقت کی کہانی، معصومینؑ کی زبانی

(۱) حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے احمد، ابن سعد، ابوداؤد اور ترمذی نے اپنی اسناد سے یہ روایت کی ہے کہ خدا نے آدمؑ کو ایک مٹھی خاک سے پیدا کیا تھا جو تمام روئے زمین سے لی تھی۔ یہی باعث ہے کہ زمین کے اثر سے فرزندان آدم میں کوئی سرخ ہے، کوئی سفید ہے، کوئی سیاہ ہے، کوئی درمیانی رنگ (گندمی، سانولا وغیرہ) کا ہے۔[۱]

ابن سعد نے حضرت رسول اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ جب آدمؑ سے خطا سرزد ہوئی تو ان کی شرمگاہ ان پر ظاہر ہوگئی۔ اس سے قبل آدمؑ نے اپنی شرمگاہ نہیں دیکھی تھی۔[۲]

شیخ صدوقؒ نے حضرت رسول اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ آدمؑ اور حواؑ دنیا کے ایام کے لحاظ سے جنت میں سات گھنٹے رہے اور اسی دن اللہ نے انہیں جنت سے باہر بھیج دیا۔[۳]

(۲) ۱۔ حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام اپنی ایک دعا میں فرماتے ہیں: بار الٰہا! تو نے ملائکہ کو پیدا کیا اور انہیں اپنے آسمانوں میں جگہ دی۔ انہیں کسی طرح کی تھکاوٹ نہیں ستاتی۔ ان سے کوئی غفلت نہیں ہوتی۔ ان سے کوئی معصیت نہیں ہوتی۔ وہ سب مخلوق سے زیادہ تجھ کو جانتے ہیں۔ وہ سب مخلوق سے زیادہ تجھ سے ڈرتے ہیں۔ وہ سب مخلوق سے زیادہ تیرے قریب ہیں۔ وہ تیرے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں۔ نیند سے ان کی آنکھیں بوجھل نہیں ہوتیں۔ ان کی عقلیں نہیں چوکتیں۔ ان کے بدن نہیں تھکتے۔ وہ صلبوں اور رحموں میں نہیں ٹھہرے۔ تو نے انہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا۔ تو نے انہیں خلق کر کے اپنے آسمانوں میں رکھا اور اپنا قرب بخشا۔ تو نے انہیں اپنی وحی کا امین بنایا۔ تو نے انہیں آفتوں اور بلاؤں سے بچایا۔ تو نے انہیں گناہوں سے پاک رکھا۔ اگر تو انہیں قوت فراہم نہ کرتا تو وہ بلوان نہ ہوتے۔ اگر تو انہیں ثبات عطا نہ کرتا تو وہ ثابت نہ رہ سکتے۔ اگر تیری رحمت نہ ہوتی تو وہ اطاعت نہ کرتے۔ اگر تو نہ ہوتا تو وہ نہ ہوتے۔

مگر وہ تیری اطاعت، تیرے قرب، تیرے ہاں قدر و منزلت رکھنے اور تیرے حکم سے تغافل نہ کرنے کے باوجود بھی اگر وہ ان چیزوں کو دیکھتے جو تو نے اُن سے مخفی رکھی ہیں تو وہ اپنے اعمال کو حقیر جانتے اور اپنے

۱۔ سنن ترمذی، ۱۱/۱۶، حدیث ۱، سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب القدر، حدیث ۴۶۹۳، ج ۴، ص ۲۲۲۔ مسند احمد، ج ۴، ص ۴۰۰۔ طبقات ابن سعد، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی ج ۱، ص ۳۵۔ یہاں ہم نے ترمذی کی روایت کا مرادی ترجمہ پیش کیا ہے۔

۲۔ طبقات ابن سعد، طبع یورپ، ج ۱، ص ۱۰۔

۳۔ بحارالانوار، مجلسی، ج ۱۱، ص ۱۳۲ بحوالہ خصال صدوق۔

نفسوں پر الزام لگاتے کہ ان سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہوا۔ اے میرے خالق اور اے میرے معبود تو پاک ہے اور مخلوق کے لئے تیری آزمائش کتنی بہتر ہے۔[1]

۲۔ تخلیق کائنات کے متعلق نہج البلاغہ خطبہ اول میں ہے کہ "خدا نے کشادہ فضا اور وسیع خلا کو پیدا کیا اور ان میں ایسا پانی بہایا جس کے دریائے مواج کی لہریں طوفانی اور بحر ذخار کی موجیں تہہ بہ تہہ تھیں۔ پھر اسے تیز ہوا اور تند آندھی کی پشت پر لادا اور ہوا کو حکم دیا کہ پانی کے ذخیرے کو تھپیڑے دے اور بیکراں موجوں کو اچھالے۔ اس ہوا نے پانی کو یوں متھ دیا جس طرح دہی کے مشکیزے کو متھا جاتا ہے۔ جس سے پانی جھاگ دینے لگا۔ خدا نے وہ جھاگ کھلی ہوا اور کشادہ فضا کی طرف اٹھائی اور اس سے سات آسمان بنا دیئے۔ نچلے آسمان کو رکی ہوئی موج کی طرح بنایا اور اوپری آسمان کو محفوظ سائبان کی صورت میں اس طرح قائم کیا کہ نہ ستونوں کے سہارے کی ضرورت تھی نہ بندھنوں سے جوڑنے کی۔ پھر اس نے آسمان دنیا کو چمکتے دمکتے ستاروں سے سجایا۔ پھر بلند آسمانوں کے درمیان شگاف پیدا کئے اور ان کی پہنائیوں کو طرح طرح کے فرشتوں سے بھر دیا۔ ان میں سے کچھ سجدے میں ہیں جو رکوع نہیں کرتے اور کچھ رکوع میں ہیں جو سیدھے نہیں ہوتے۔ کچھ صفیں باندھے ہوئے ہیں جو اپنے مقام سے نہیں ہٹتے۔ کچھ پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں جو اپنے عمل سے نہیں تھکتے۔ نہ ان کی آنکھوں میں نیند ہوتی ہے اور نہ ان کے عقلوں میں بھول چوک پیدا ہوتی ہے۔ نہ ان کے بدنوں میں سستی آتی ہے اور نہ ان پر نسیان کی غفلت طاری ہوتی ہے۔

ان میں سے کچھ تو وحی الٰہی کے امین، اس کے رسولوں کی طرف پیغام رسانی کے لئے زبان حق اور اس کے قطعی فیصلوں اور فرمانوں کو لے کر آنے والے ہیں۔ کچھ اس کے بندوں کے نگہبان اور کچھ جنت کے دروازوں کے پاسبان ہیں۔ کچھ وہ ہیں جن کے قدم زمین کی تہہ میں جمے ہوئے ہیں اور ان کی گردنیں آسمان دنیا سے بھی آگے نکلی ہوئی ہیں۔ وہ اپنے رب کو مجسم تصور نہیں کرتے۔ نہ اس کو مخلوق کی صفتوں سے متصف کرتے ہیں۔ نہ ہی اسے محل و مکان میں گھرا ہوا سمجھتے ہیں۔ نہ اشباہ و نظائر سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔"

۳۔ تخلیق انسان کے متعلق نہج البلاغہ میں ہے کہ "خدا نے سخت و نرم اور شور و شیریں زمین سے مٹی جمع کی۔ پھر اسے پانی سے اتنا بھگویا کہ وہ صاف ہو کر نتھر گئی اور اسے اتنا گوندھا کہ اس میں لس پیدا ہو گئی۔ پھر اس لس دار مٹی سے ایک ایسی صورت بنائی جس میں موڑ ہیں اور جوڑ اعضا ہیں اور مختلف حصے ہیں۔ اسے اتنا سکھایا اور اتنا سخت کیا کہ وہ خالص ہو کر کھنکھنانے لگی۔ ایک وقت معین اور مدت معلوم تک اسے یونہی رہنے دیا" ـــــ حضرت امیرؑ نے ان مختلف اجزا کا تذکرہ کیا ہے جن سے انسان کی پیدائش ہوئی اور ان سے مختلف طبائع نے جنم لیا اور ان اجزا سے خیر و شر، حسن و قبح کی استعداد پیدا ہوئی۔ حضرت نے یہ بتایا ہے کہ مٹی خشک ہو گئی تھی اور ایک خاص وقت کے لئے آمادہ کر لی گئی تھی۔ علاوہ ازیں یہ مفہوم بھی ممکن ہے کہ خدا نے زمین سے اس صورت کو پیدا کیا اور وہ قیامت تک کے لئے اسے محفوظ رکھے گا ـــ پھر اس میں روح پھونکی تو وہ ایسے انسان کی صورت میں کھڑی

۱۔ بحار الانوار، مجلسی، ج ۵۹، ص ۱۷۵۔ بحوالہ تفسیر قمی، ص ۵۸۳۔

ہوگئی جو قوائے ذہنی کو حرکت دینے والا، فکری حرکات سے تصرف کرنے والا، اعضا و جوارح سے خدمت لینے والا اور ہاتھ پیروں کو چلانے والا ہے۔ ایسی شناخت کا مالک ہے جس سے حق و باطل میں تمیز کر لیتا ہے۔ مختلف ذائقوں، بوؤں، رنگوں اور جنسوں میں فرق کرتا ہے۔ رنگ برنگی مٹی اور ملتی جلتی موافق اشیا اور مخالف ضدوں اور متضاد خلطوں سے اس کا خمیر ہوا ہے یعنی گرمی، سردی، تری اور خشکی کا پیکر ہے۔"[1]

۴۔ جنات اور شیطان کے بارے میں بحار میں حضرت امیرؑ کا یہ قول ملتا ہے کہ جنات اور نسناس[2] کی تخلیق کو سات ہزار سال گزر چکے تھے جب خدا نے ارادہ کیا کہ وہ ایک مخلوق کو اپنے دست قدرت سے پیدا کرے تو اس نے آسمانی طبقات کے پردے ہٹا کر فرشتوں سے کہا کہ زمین پر بسنے والے جنات اور نسناس کو دیکھو۔ جب فرشتوں نے انہیں زمین پر نافرمانی اور ناحق خونریزی کرتے ہوئے دیکھا تو ان میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! تو غالب، قادر، جبار، قاہر اور عظمت وشان کا مالک ہے۔ یہ تیرے کمزور اور حقیر بندے تیرا رزق کھا کر جی رہے ہیں، تیری زمین پر تیرے اختیار سے چل رہے ہیں اور تیری دی ہوئی پناہ میں زندگی گزار رہے ہیں پھر بھی بدترین گناہ کر رہے ہیں مگر تو ان پر عذاب نازل نہیں کر رہا جبکہ تو سب کچھ دیکھ رہا ہے اور سن رہا ہے۔ ہمارے لئے ان کے اعمال ناقابل برداشت ہیں۔

خدا نے فرشتوں کی یہ گفتگو سنی تو فرمایا: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ٥ میں زمین میں اپنا جانشین بنا رہا ہوں جو میری زمین پر میری مخلوق پر میری حجت ہوگا۔ یہ سن کر فرشتوں نے عرض کیا: اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ ٥ کیا تو اسے خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے جبکہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! تو ہم میں سے خلیفہ مقرر فرما کیونکہ ہم فساد نہیں کرتے اور خون نہیں بہاتے۔

خدا نے ان سے فرمایا: اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ٥ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ میں اپنے دست قدرت سے ایک بشر بنا رہا ہوں جس کی نسل سے انبیائے مرسلین، عباد صالحین اور ہدایت یافتہ ائمہ پیدا ہوں گے۔ میں انہیں زمین پر اپنی حجت بناؤں گا۔ وہ لوگوں کو نافرمانی سے منع کریں گے اور انہیں میرے عذاب سے ڈرائیں گے۔ وہ انہیں میری اطاعت کی طرف رہنمائی کریں گے اور میرے سیدھے راستے پر چلائیں گے۔ میں انہیں لوگوں کا عذر ختم کرنے اور تبلیغ کے لئے اپنی حجت قرار دوں گا۔ میں زمین سے نسناس کو ختم کر دوں گا اور سرکش جنات کو اپنی اس مخلوق سے جدا کر دوں گا۔ میں انہیں ہوا اور زمین کے اطراف میں رہائش دوں گا۔ وہ میری اس مخلوق کے ساتھ زندگی بسر نہیں کریں گے اور ان کے ساتھ معاشرت نہیں رکھیں گے۔ میری اس مخلوق کی جو اولاد میری نافرمانی کرے گی میں اسے نافرمانوں کے مساکن میں ٹھہراؤں گا اور اسے ان کے گھاٹ پر اتاروں گا اور ان کی کوئی پروا نہیں کروں گا۔ یہ سن کر فرشتوں نے عرض کیا: اے ہمارے رب! تو مالک و مختار ہے جو چاہے کرے۔ لَاعِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ٥ ہم تو بس اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو

۱۔ تفصیلی خطبہ نمبر ۱ صفحہ نمبر ۳۵۲ پر دیکھئے۔ ۲۔ نسناس ایک مخلوق تھی جس کی حقیقت کا ہمیں علم نہیں ہے۔

نے ہمیں علم بخشا ہے۔ بے شک تو غالب اور دانا ہے۔[1]

۵۔ حضرت امیرؑ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیلؑ روح نہیں ہیں۔ وہ فرشتہ ہیں۔ روح ان کے علاوہ ہے۔ قرآن کہتا ہے: یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ ٥ وہی فرشتوں کے ساتھ روح کو پیغام دے کر اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے بھیجتا ہے۔ (سورۂ نحل: آیت ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ روح اور فرشتے الگ الگ مخلوق ہیں۔ قرآن کہتا: لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ٥ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ... شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس شب میں فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے اترتے ہیں۔ (سورۂ قدر: آیت ۳و۴) ایک اور جگہ ارشاد باری ہے: یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ٥ جس دن روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ (سورۂ نباء: آیت ۳۸)

جس وقت خدا اور فرشتوں کے مابین مکالمہ ہو رہا تھا اس وقت حضرت جبرئیل امینؑ فرشتوں کی صف میں کھڑے ہوئے تھے: ...اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ٥ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ٥ میں گیلی مٹی سے بشر بنانے والا ہوں۔ جب میں اس کی نوک پلک درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔ (سورۂ ص: آیت ۷۱و۷۲) چنانچہ حضرت جبرئیلؑ نے فرشتوں کے ساتھ مل کر حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا۔

حضرت مریمؑ کے متعلق خدا فرماتا ہے: فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا ٥ ہم نے مریمؑ کی طرف اپنی روح کو بھیجا جو اُن کے سامنے انسان کی صورت بن کر نمودار ہوا۔ (سورۂ مریم: آیت ۱۷)

خدا نے اپنے حبیب پاکؐ سے فرمایا: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ٥ عَلٰى قَلْبِكَ...٥ اس کو روح الامین لے کر اترا ہے۔ (یعنی جبرئیلؑ نے) آپ کے دل پر القا کیا ہے ... پھر خدا نے فرمایا: لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ٥ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ٥ تاکہ آپ (لوگوں کو عذاب آخرت سے) خبردار کر دیں۔ یہ (القا) فصیح عربی زبان میں کیا ہے۔ (سورۂ شعراء: آیت ۱۹۳تا۱۹۵)

پس روح ایک ہے مگر اس کی صورتیں مختلف ہیں۔[2]

اس ساری بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جو حضرت آدمؑ میں پھونکی گئی تھی وہ بھی روح تھی اور جسے حضرت مریمؑ کے پاس بھیجا گیا تھا وہ بھی روح تھی اور فرشتہ وحی جسے لے کر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ اقدس میں شرفیاب ہوتا تھا وہ بھی روح تھی۔ اسی طرح خدا نے جس کے ذریعے حضرت عیسیٰؑ کی تائید کی تھی وہ بھی روح القدس تھی اور جو قیامت کے دن ملائکہ کے ساتھ صف بستہ کھڑی ہوگی وہ بھی روح ہوگی۔

عہدِ رسالت میں لوگوں نے رسول اللہؐ سے روح کے بارے میں پوچھا تھا: وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ٥ وہ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے

۱۔ بحارالانوار، ج ۶۳، ص ۸۲ بحوالہ علل الشرائع ج ۱، ص ۹۸۔ ۲۔ الغارات از ثقفی، ص ۱۰۷، طبع بیروت، ۱۴۰۷ھ۔

رب کے امر میں سے ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۸۵) واللہ اعلم۔

خدایا! ہمیں زبان کی خطاؤں اور قلم کی لغزشوں سے اپنی پناہ میں رکھ۔

۲۔ حضرت امیرؑ فرماتے ہیں کہ "فرشتوں نے حضرت آدمؑ کو جو سجدہ کیا تھا وہ اطاعت کا سجدہ نہیں تھا۔ انہوں نے حضرت آدمؑ کی عبادت نہیں کی تھی۔ ان کے سجدے کا مقصد حضرت آدمؑ کی فضیلت اور ان پر خدا کی خصوصی رحمت کا اعتراف کرنا تھا۔"[1]

حضرت امیرؑ ملائکہ کی مندرجہ ذیل چار اقسام بتاتے ہیں:

(۱) عبادت گزار فرشتے۔ ان میں سے کچھ رکوع میں ہیں، کچھ سجود میں، کچھ صف بستہ کھڑے ہیں اور کچھ تسبیح پڑھ رہے ہیں۔

(۲) وحی کے امین فرشتے۔ اللہ کی وحی لانے والے، انبیاء کی زبان پر بولنے والے اور خدا کے فیصلوں کو بندوں تک لانے والے۔ خدا کو جس کا جو بھی فیصلہ کرنا ہوتا ہے ان ہی کے ذریعے اپنا فیصلہ نافذ کرتا ہے۔

(۳) بندوں کے محافظ فرشتے۔ ان کی حیثیت انسانی جسم کے اعضا میں موجود قوتوں کی سی ہے۔ خدا ان کے ذریعے بندوں کو ہلاکتوں اور مصیبتوں سے بچاتا ہے۔ اگر یہ فرشتے نہ ہوتے تو بندوں کو سلامتی بہت ہی کم نصیب ہوتی اور تکلیفیں زیادہ اٹھانا پڑتیں۔ خدام جنت کا شمار بھی ان فرشتوں میں ہوتا ہے۔

(۴) حاملین عرش فرشتے۔ یہ فرشتے دنیا کے انتظامی امور مثلاً بارش برسانے اور نباتات اگانے جیسے امور پر مامور ہیں۔ اس کے سوا وہ ہر عالم کی مخلوقات کیلئے ایسے امور انجام دیتے ہیں جو نظام ربوبیت سے متعلق ہیں۔

(۳) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس روح کو خدا نے پسند کیا، ممتاز کیا، پیدا کیا، اپنی طرف منسوب کیا اور تمام ارواح پر فضیلت بخشی۔[2]

آپ ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں: خدا نے اس کی نسبت اپنی طرف اس لئے دی کیونکہ خدا نے اسے باقی ارواح سے چن لیا تھا۔ یہ نسبت اظہار شرف کے لئے ہے جیسا کہ خدا نے کعبہ کو چنا اور اسے اپنا گھر قرار دیا اور اپنے ایک رسول کو اپنا خلیل کہا۔ ورنہ روح، کعبہ اور خلیل سب کے سب مخلوق، مصنوع، حادث، مربوب اور تدبیر شدہ ہیں۔[3]

راوی بیان کرتا ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے اس روح کے متعلق پوچھا جو حضرت آدمؑ اور حضرت عیسیٰؑ میں پھونکی گئی تھی تو امام نے فرمایا: وہ دونوں خدا کی پیدا کردہ روحیں تھیں جنہیں خدا نے پسند کیا تھا اور چن لیا تھا۔ آدمؑ و عیسیٰؑ کی روحیں خدا کی پسندیدہ اور چنیدہ روحیں تھیں۔[4]

(۴) امام جعفر صادق علیہ السلام فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ان کی شرمگاہیں

۱۔ بحار الانوار، ج ۱۱، ص ۱۳۹۔
۲۔ بحار الانوار، ج ۴، ص ۱۱۔
۳۔ بحار الانوار، ج ۴، ص ۱۲، بحوالہ معانی الاخبار و توحید صدوق۔
۴۔ بحار الانوار، ج ۴، ص ۱۳۔

ان کے لئے پہلے کھلی ہوئی نہ تھیں یعنی اندر تھیں۔[1]

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جب حضرت آدمؑ جنت سے نکالے گئے تو حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ اے آدمؑ! کیا خدا نے تمہیں اپنے دست قدرت سے نہیں بنایا تھا؟ کیا اس نے تم میں اپنی روح نہیں پھونکی تھی؟ کیا اس نے تمہارے لئے ملائکہ سے سجدہ نہیں کروایا تھا؟ کیا اس نے حوّا سے تمہارا نکاح نہیں کیا تھا؟ کیا اس نے تمہیں جنت میں نہیں رکھا تھا؟ کیا اس نے تمہارے لئے تمام جنت کو مباح نہیں کیا تھا؟ کیا اس نے تم سے صریحاً یہ نہیں کہا تھا کہ اس درخت کا پھل نہ کھانا؟ مگر اس کے باوجود تم نے اسے کھایا اور خدا کی نافرمانی کی۔ حضرت آدمؑ نے کہا: اے جبرئیلؑ! بات یہ ہے کہ ابلیس نے میرے سامنے خدا کی قسم کھائی تھی کہ وہ میرا خیرخواہ ہے اور میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی خدا کی جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے۔[2]

توبہ آدمؑ کے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جب خدا نے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے جبرئیلؑ کو ان کے پاس بھیجا۔ جبرئیلؑ نے ان سے کہا کہ اپنی آزمائش پر صبر کرنے والے اور اپنے گناہ سے توبہ کرنے والے آدمؑ! تم پر سلام۔ خدا نے مجھے تمہارے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ میں تمہیں ان مناسک کی تعلیم دوں جس کی وجہ سے تمہاری توبہ قبول ہو سکے۔ یہ کہہ کر جبرئیلؑ نے ان کو ہاتھ سے پکڑا اور اپنے ساتھ لئے ہوئے بیت الحرام کے مقام پر پہنچے۔ اس وقت آسمان سے ایک بادل اترا۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ جس جگہ یہ بادل تم پر سایہ کرے اس جگہ پر اپنے پاؤں سے ایک خط کھینچو۔ پھر جبرئیلؑ ان کو بازو سے پکڑ کر منٰی میں لائے اور انہیں مسجد منٰی کا مقام دکھایا۔ حضرت آدمؑ نے وہاں خط کھینچا۔ بیت الحرام کا خط کھینچنے کے بعد انہوں نے حرم کی حدود پر خط کھینچا۔ پھر جبرئیلؑ انہیں عرفات میں لائے اور انہیں بلندی پر کھڑا کیا اور ان سے کہا کہ جب سورج ڈوبے تو سات مرتبہ اپنے گناہ کا اعتراف کرو۔ حضرت آدمؑ نے ایسا ہی کیا۔[3]

(۵) امام علی رضا علیہ السلام نے خَلَقْتُ بِيَدَيَّ کی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ "میں نے تمہیں اپنی قدرت و قوت سے پیدا کیا ہے۔"[4]

ایک مرتبہ مامون نے آپ سے پوچھا: فرزند رسولؐ! کیا آپ انبیاء کو معصوم جانتے ہیں؟

آپ نے فرمایا: ہاں۔

مامون نے کہا: پھر وَعَصٰى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوٰى کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا:

جب خدا نے حضرت آدمؑ کو جنت میں رہائش دی تو ان سے فرمایا تھا: تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے جو تمہارا جی چاہے کھاؤ پیو مگر اس درخت کے قریب مت جانا۔

خدا نے گندم کے درخت کی طرف اشارہ کیا تھا اور کہا تھا: ورنہ تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔

۱۔ بحار الانوار، ج ۱۱، ص ۱۶۰۔ بحوالہ تفسیر قمی، ص ۲۱۳۔ ۲۔ بحار الانوار، ج ۱۱، ص ۱۶۳۔

۳۔ بحار الانوار، ج ۱۱، ص ۱۶۷۔ ۴۔ بحار الانوار، ج ۱۱، ص ۱۰۔

خدا نے ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم اس درخت سے یا اس کی جنس کے کسی درخت سے نہ کھانا۔ حضرت آدمؑ اور حوّا اس مخصوص درخت کے قریب نہیں گئے تھے۔ انہوں نے اس کی جنس کے ایک اور درخت سے کھایا تھا۔ انہیں یہ مغالطہ بھی اس لئے ہوا تھا کہ شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈال کر کہا تھا کہ خدا نے تمہیں اس درخت سے نہیں روکا تھا بلکہ اس نے تو دوسرے درخت سے تمہیں روکا تھا۔ اس نے تمہیں اس درخت کے قریب جانے سے روکا تھا، اس کا پھل کھانے سے تو نہیں روکا تھا۔ اگر تم نے اس کا پھل کھالیا تو تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا بلکہ تم فرشتے بن جاؤ گے یا تمہیں زندگی جاوید مل جائے گی۔ اور اس نے ان دونوں کے سامنے خدا کی قسم کھائی تھی کہ وہ ان کا خیر خواہ ہے۔

چونکہ حضرت آدمؑ اور حوّا نے پہلے کسی کو خدا کی جھوٹی قسم کھاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اس لئے وہ دھوکے میں آ گئے۔ انہوں نے خدا کی قسم پر اعتماد کیا اور یہ واقعہ حضرت آدمؑ کی ''نبوت سے پہلے'' کا ہے۔[1]

خلاصہ بحث

ہم نے خدا کی جس مخلوق کا تذکرہ کیا ہے بلحاظ ہدایت اس کی چار قسمیں ہیں:

(۱) وہ مخلوق جس میں حیات، موت، ارادہ اور عقل و شعور موجود ہے لیکن نفس امارہ نہیں ہے یعنی فرشتے۔

(۲) وہ مخلوق جس میں حیات، موت، ارادہ، عقل و شعور اور نفس امارہ موجود ہے، اس کی دو قسمیں ہیں۔

(ا) انسان — جو مٹی سے بنا ہے۔

(ب) جن — جو زہریلی آگ سے بنا ہے۔

(۳) وہ مخلوق جس میں حیات، موت اور ارادہ موجود ہے لیکن عقل و شعور نہیں ہے یعنی حیوان۔

(۴) وہ مخلوق جس میں حیات تو ہے لیکن حیوانی حیات، اور عقل و ارادہ نہیں ہے مثلاً نباتات، پانی، سورج چاند ستارے اور دیگر اجرام فلکی۔

خداوند عالم نے اپنی حکمت سے ان تمام مخلوقات کے لئے ایک مستقل نظام مقرر کیا ہے جس کی وجہ سے ہر مخلوق اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔ ذرا سوچئے کہ وہ کون ہے جس نے ہر نوع کا الگ الگ نظام تشکیل دیا ہے اور اس کا نام کیا ہے؟ ایسے ہی تمام مسائل پر ہم آگے ربوبیت کی بحث میں گفتگو کریں گے۔

۱۔ بحار الانوار، ج ۱۱، ص ۱۶۴۔ بحوالہ عیون الاخبار الرضا، ص ۱۰۸۔

تصور ربوبیت

رب کی اصطلاح اسلام کی اہم اصطلاحات میں سے ایک ہے اور ہمارے آئندہ مباحث کی تفہیم کیلئے اس مفہوم کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات، خدا، رسول، وحی رسول اور قیامت کی معرفت کا دارومدار اسی لفظ کے مفہوم پر منحصر ہے نیز موحد و مشرک کی پہچان کیلئے بھی اس لفظ کو سمجھنا ضروری ہے۔

رب کے لغوی معنی

رَبَّهُ یُرَبِّهٗ: اس نے اس کی تربیت کی اور اس کے امور کی تدبیر کی۔ رب، مربی کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ نیز یہ لفظ مالک اور مالک مکان کے معنی بھی دیتا ہے۔ مثلاً رب الضیعۃ کا مطلب ہے زمین کی تدبیر کرنے والا یا اس کا مالک اور رب الفرس کا مطلب ہے گھوڑے کا مربی یا اس کا مالک

رب کے اصطلاحی معنی

رب اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسم ہے جس کا مطلب ہے مخلوق کا خالق اور مالک۔ وہ مخلوق کی زندگی کا نظام تشکیل دیتا ہے، ہر حال میں اس کی تربیت کرتا ہے اور اس کو کمال تک پہنچاتا ہے۔[1]

لفظ رب قرآن مجید میں لغوی معنی میں بھی استعمال ہوا ہے لیکن اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی ایسا قرینہ ضرور موجود ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے لفظی اور لغوی معنی مراد ہے مثلاً: ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ٥ بھلا بتاؤ کہ جدا جدا مالک بنا لینا اچھا ہے یا ایک ہی خدائے قہار کا بندہ بننا؟۔ (سورہ یوسف: آیت ۳۹)

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ٥ دونوں آدمیوں میں سے جس کی نسبت (یوسفؑ نے) سمجھا کہ وہ رہائی پائے گا اس سے کہا کہ اپنے مالک سے میرا ذکر بھی کرنا۔ (سورہ یوسف: آیت ۴۲)

اور جب لفظ رب کسی اضافت کے بغیر مطلق بولا جائے تو اس سے صرف خداوند سبحان کی ذات اقدس مراد ہوتی

۱۔ راغب نے لفظی اور اصطلاحی معنوں کا فرق بیان نہیں کیا۔ اسلامی اصطلاح میں رب اس مربی کو کہتے ہیں جو ہر چیز کو لحہ بہ لحہ کمال کی طرف لے جائے۔ راغب نے رب کا صرف عمومی مفہوم بیان کیا ہے۔

ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بتایا گیا ہے:

بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ٥ پاک شہر اور بخشنے والا رب۔ (سورۂ سبا، آیت ١٥)

لغت عرب اور اسلامی اصطلاح میں لفظ رب مالک اور مربی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اسلامی اصطلاح میں ہر موجود کی لحہ بہ لحہ تربیت کر کے اسے منزل کمال تک پہنچانے والے کو مربی کہتے ہیں۔ اور یوں لفظ مربی اپنے تکاملی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ پس رب کے دو معنی بنتے ہیں یا یوں کہہ لیں کہ اس کے معنی کے دو اجزا ہیں۔

راغب اصفہانی القرء کے مادہ میں لکھتے ہیں:

ہر لفظ دو معانی کے لئے وضع کیا گیا ہے اور دو معانی دیتا ہے۔ مثلاً مائدہ کا مطلب دسترخوان بھی ہے اور دسترخوان پر موجود کھانا بھی۔ علاوہ ازیں دونوں کو خوان بھی کہا جاتا ہے۔

☆ دعائے کمیل میں بڑی خوبصورتی سے لفظ رب لغوی اور اصطلاحی دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ امام علی فرماتے ہیں:

يَا رَبِّ ارْحَمْ ضَعْفَ بَدَنِيْ وَرِقَّةَ جِلْدِيْ وَدِقَّةَ عَظْمِيْ يَامَنْ بَدَءَ خَلْقِيْ وَذِكْرِيْ وَتَرْبِيَتِيْ وَبِرِّيْ وَتَغْذِيَتِيْ هَبْنِيْ لِابْتِدَاءِ كَرَمِكَ وَسَالِفِ بِرِّكَ بِيْ يَا اِلٰهِيْ وَسَيِّدِيْ وَرَبِّيْ اَتُرَاكَ مُعَذِّبِيْ بِنَارِكَ بَعْدَ تَوْحِيْدِكَ... هَيْهَاتَ اَنْتَ اَكْرَمُ مِنْ اَنْ تُضَيِّعَ مَنْ رَبَّيْتَهُ ... اے پروردگار! میرے کمزور جسم، میری نازک جلد اور میری ناتواں ہڈیوں پر رحم فرما۔ اے وہ ذات کہ جس نے مجھے پیدا کیا، میرا خیال رکھا، میری نشوونما اور بقا کا اہتمام کیا، میرے لئے بہتری کا سامان کیا اور مجھے سیر و سیراب کیا۔ پس جس طرح تو نے اس سے پہلے مجھ پر کرم کیا اور میرے لئے بہتری کا سامان کیا اب بھی مجھ پر اپنا وہ پہلا سا فضل و کرم جاری رکھ۔ اے میرے معبود! اے میرے مالک! اے میرے پروردگار! میں حیران ہوں کہ کیا تو مجھے اپنی آتش جہنم میں جلائے گا باوجودیکہ میں تیری توحید کا اقرار کرتا ہوں ... نہیں ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ تیرا کرم اس سے کہیں بڑھ کر ہے کہ تو اس کو بے سہارا چھوڑ دے جسے خود تو نے پالا ہو...

دعائے عرفہ میں جو ٩ ذی الحجہ کو عصر کے وقت پڑھی جاتی ہے لفظ رب کی تشریح کرتے ہوئے مولا امام حسین فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَرْغَبُ اِلَيْكَ وَاَشْهَدُ بِالرُّبُوبِيَّةِ لَكَ مُقِرًّا بِاَنَّكَ رَبِّيْ وَاِلَيْكَ مَرَدِّيْ اِبْتَدَاْتَنِيْ بِنِعْمَتِكَ قَبْلَ اَنْ اَكُوْنَ شَيْئًا مَذْكُوْرًا وَخَلَقْتَنِيْ مِنَ التُّرَابِ ثُمَّ اَسْكَنْتَنِي الْاَصْلَابَ آمِنًا ... فَابْتَدَعْتَ خَلْقِيْ مِنْ مَنِيٍّ يُمْنٰى وَاَسْكَنْتَنِيْ فِيْ ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ بَيْنَ لَحْمٍ وَدَمٍ وَجِلْدٍ لَمْ تُشْهِدْنِيْ خَلْقِيْ وَلَمْ تَجْعَلْ اِلَيَّ شَيْئًا مِنْ اَمْرِيْ ثُمَّ اَخْرَجْتَنِيْ لِلَّذِيْ سَبَقَ لِيْ مِنَ الْهُدٰى اِلَى الدُّنْيَا تَامًّا سَوِيًّا وَحَفِظْتَنِيْ فِي الْمَهْدِ طِفْلًا صَبِيًّا وَرَزَقْتَنِيْ مِنَ الْغِذَاءِ لَبَنًا مَرِيًّا وَعَطَفْتَ عَلَيَّ قُلُوْبَ الْحَوَاضِنِ وَكَفَّلْتَنِي الْاُمَّهَاتِ الرَّوَاحِمَ وَكَلَاْتَنِيْ مِنْ طَوَارِقِ الْجَانِّ وَسَلَّمْتَنِيْ مِنَ الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ فَتَعَالَيْتَ يَا رَحِيْمُ يَا رَحْمٰنُ حَتّٰى اِذَا اسْتَهْلَلْتُ نَاطِقًا بِالْكَلَامِ اَتْمَمْتَ عَلَيَّ سَوَابِغَ الْاِنْعَامِ وَرَبَّيْتَنِيْ زَايِدًا فِيْ كُلِّ عَامٍ حَتّٰى اِذَا اكْتَمَلَتْ فِطْرَتِيْ ... وَاَنَا اَشْهَدُ يَا اِلٰهِيْ بِحَقِيْقَةِ اِيْمَانِيْ وَعَقْدِ عَزَمَاتِ يَقِيْنِيْ وَخَالِصِ صَرِيْحِ تَوْحِيْدِيْ وَبَاطِنِ مَكْنُوْنِ ضَمِيْرِيْ وَعَلَائِقِ مَجَارِيْ نُوْرِ بَصَرِيْ وَاَسَارِيْرِ صَفْحَةِ جَبِيْنِيْ وَخُرْقِ مَسَارِبِ نَفْسِيْ وَخَذَارِيْفِ مَارِنِ عِرْنِيْنِيْ وَمَسَارِبِ سِمَاخِ

اسی طرح سے عربی زبان میں رب کے معنی کبھی مالک اور کبھی مربی کے ہوتے ہیں۔ اسلامی اصطلاح میں یہ لفظ کبھی مالک مربی کے معنی بھی دیتا ہے۔ اور کبھی یہ لفظ اپنے معنی کے ایک جز یعنی نظام حیات تشکیل دینے والے کے لئے بھی بولا جاتا ہے مثلاً: اِتَّخَذُوا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ٥ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر علماء و مشائخ کو اپنا رب بنالیا ہے۔ (سورۂ توبہ: آیت ۳۱)

سَمْعِیْ وَمَا ضُمَّتْ وَاَطْبَقَتْ عَلَیْهِ شَفَتَایَ وَحَرَکَاتِ لَفْظِ لِسَانِیْ وَمَغْرَزِ حَنَکِ فَمِیْ وَفَکِّیْ وَمَنَابِتِ اَضْرَاسِیْ وَمَسَاغِ مَطْعَمِیْ وَمَشْرَبِیْ وَحِمَالَةِ اُمِّ رَاْسِیْ وَبُلُوْعِ فَارِغِ حَبَائِلِ عُنُقِیْ وَمَا اشْتَمَلَ عَلَیْهِ تَامُوْرُ صَدْرِیْ وَ حَمَائِلِ حَبْلِ وَتِیْنِیْ وَنِیَاطِ حِجَابِ قَلْبِیْ وَاَفْلَاذِ حَوَاشِیْ کَبِدِیْ وَمَا حَوَتْهُ شَرَاسِیْفُ اَضْلَاعِیْ وَحِقَاقُ مَفَاصِلِیْ وَقَبْضُ عَوَامِلِیْ وَاَطْرَافُ اَنَامِلِیْ وَلَحْمِیْ وَدَمِیْ وَشَعْرِیْ وَبَشَرِیْ وَعَصَبِیْ وَقَصَبِیْ وَعِظَامِیْ وَمُخِّیْ وَعُرُوْقِیْ وَجَمِیْعُ جَوَارِحِیْ وَمَا انْتَسَجَ عَلٰی ذَالِکَ اَیَّامَ رِضَاعِیْ وَمَا اَقَلَّتِ الْاَرْضُ مِنِّیْ وَنَوْمِیْ وَیَقْظَتِیْ وَسُکُوْنِیْ وَحَرَکَاتِ رُکُوْعِیْ وَسُجُوْدِیْ اَنْ لَوْ حَاوَلْتُ وَاجْتَهَدْتُ مَدَی الْاَعْصَارِ وَالْاَحْقَابِ لَوْ عُمِّرْتُهَا اَنْ اُؤَدِّیَ شُکْرَ وَاحِدَةٍ مِّنْ اَنْعُمِکَ مَا اسْتَطَعْتُ ذَالِکَ ...

بار الہا! میں بخشش کی امید لئے تیرے پاس آیا ہوں اور تیری ربوبیت کی گواہی دیتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ تو ہی میرا رب ہے اور تیری ہی طرف میری بازگشت ہے۔ تو نے مجھ پر اپنی نعمت کا آغاز اس وقت کیا جب میں پیدا بھی نہیں ہوا تھا اور تو نے مجھ کو مٹی سے پیدا کیا، پھر مجھے آباؤ اجداد کی پشتوں میں رکھا تاکہ میں حوادث زمانہ سے امان میں رہوں... پھر تو نے میری پیدائش کا آغاز ٹپکائی ہوئی منی سے کیا اور مجھ کو گوشت، خون اور جلد کے درمیان تین تاریک پردوں (شکم، رحم اور رحم کی جھلی = مشیمہ) میں رکھا جہاں مجھے بھی اپنی خلقت سے آگاہ نہ کیا اور میرے معاملات کو اپنے ہاتھوں میں رکھا، پھر تو نے دنیا میں بھیجا تو ہدایت دیگر تندرست جسم کے ساتھ بھیجا، گہوارے میں میری نگہبانی کی، تازہ دودھ سے مجھے غذا بہم پہنچائی، گود میں کھلانے والیوں کے دلوں میں میری محبت ڈال دی، پالنے والیوں کو مہربان بنا کر میری پرورش کا ذمے دار بنایا، جنات کے آسیب اور ہر اونچ نیچ سے بچائے رکھا پس تو بہت بلند ہے اے رحیم اے رحمان! یہاں تک کہ میں بولنے لگا اور یوں تو نے مجھ پر اپنی بہترین نعمتیں پوری کر دیں اور سال بہ سال میرے جسم کو بڑھایا یہاں تک کہ میری جسمانی ساخت معتدل ہوگی...

اور اے خدا میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر میں ایمان کی حقیقت، محکم یقین، مبرہن و خالص توحید، ضمیر کے پوشیدہ اسرار، بینائی کے پیوستہ راستوں، نقوش جبیں کے رازوں، سانس کی نالیوں، ناک کی باریک جھلیوں، کانوں کے نازک پردوں، اوپر تلے ٹھیک بند ہونے والے ہونٹوں، زبان کی حرکات سے نکلنے والے لفظوں، منہ کے اوپر نیچے ہلنے والے جبڑوں، دانتوں کے اگنے کی جگہوں، کھانے پینے کا ذائقہ بتانے والے خلیوں، دماغ کو سنبھالنے والی ہڈیوں، گردن کے مہروں، سینہ صندوق کی وسعتوں، حلق کے کوے، وتین کی کھونٹی پر لٹکتے دل، منجمد خون سے بھرے جگر کے دونوں حصوں، ایک دوسرے سے جڑی پسلیوں، جوڑ کے حلقوں، اعضا کے بندھنوں، انگلی کے پوروں اور اپنے گوشت، خون، بال، جلد نیز دماغ سے جسم کو حس و حرکات منتقل کرنے والے ریشوں، دل کو خون پہنچانے والی شریانوں، ہڈیوں، اس کے گودوں، رگوں بلکہ بدن کے سارے اعضا و جوارح جو میری شیرخوارگی کے دوران نشوونما پاتے رہے اور زمین پر پڑنے والے اپنے بوجھ، اپنی نیند، اپنی بیداری اور رکوع و سجود کی حرکات و سکنات پر تیرا شکر ادا کرنا چاہوں اور ساری زندگی کوشاں رہوں اور عمر بھی وفا کرے تب بھی میں تیری ان نعمتوں میں سے کسی ایک نعمت کا شکر ادا نہیں کر سکتا...

ربُّ العالمین کون ہے؟

۱۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی ٥ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ٥ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ٥ وَالَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ٥ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی ٥ بنام خدائے رحمٰن ورحیم۔ (اے پیغمبرؐ) اپنے رب کی پاکیزگی بیان کرو جو حواس و قیاس سے ماوراء ہے۔ جس نے (انسان کو) بنایا اور بالکل ٹھیک بنایا۔ اور جس نے (اس کا) اندازہ ٹھہرایا۔ پھر (اس کو) سیدھا راستا دکھایا۔ اور جس نے چارہ اگایا۔ پھر اس کو سیاہ رنگ کا کوڑا کردیا۔ (سورۂ اعلیٰ: آیت ۱تا۵)

۲۔ رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ٥ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو صحیح اندازے کے مطابق درست بنایا اور پھر اسے ہدایت دی۔ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۵۰)

۳۔ خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ٥ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور صحیح اندازے کے مطابق درست بنایا۔ (سورۂ فرقان: آیت ۲)

۴۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ٥ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ٥ اور اس نے آدمؑ کو سب چیزوں کے نام سکھائے۔ پھر ان کو ملائکہ کے سامنے پیش کر کے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔ انہوں نے کہا کہ تو پاک ہے۔ ہم تو بس اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں علم بخشا ہے۔ بیشک تو علم اور حکمت والا ہے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۳۱و۳۲)

۵۔ شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ... (اے پیغمبرؐ) اس نے تمہارے دین کی وہی شریعت مقرر کی جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا۔ اور جس کی (اے پیغمبرؐ) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ (سورۂ شوریٰ: آیت ۱۳)

۶۔ اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ٥

وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا ○ رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَ مُنْذِرِينَ... (اے پیغمبرؐ) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور ان سے پہلے انبیاء کی طرف بھیجی تھی اور ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، اولاد یعقوبؑ، عیسیٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف بھی ہم نے وحی بھیجی تھی اور داؤدؑ کو ہم نے زبور بھی عطا کی تھی۔ کچھ رسولوں کے حالات ہم آپ کو بتا چکے ہیں اور کچھ رسولوں کے حالات ہم نے بیان نہیں کئے۔ اور موسیٰؑ سے تو خدا نے باتیں بھی کیں۔ سب رسولوں کو ہم نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا تھا... (سورۂ نساء: آیت ۱۶۳ تا ۱۶۵)

۷۔ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ ○ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ أَنْزَلَ الْفُرْقَانَ... (اے پیغمبرؐ) اس نے تم پر سچی کتاب اتاری ہے جو پہلی (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اسی نے تورات اور انجیل اتاری۔ (یعنی) پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے (تورات اور انجیل اتاری) اور (پھر حق و باطل کو) الگ الگ کر دینے والا ہے (قرآن) نازل کیا۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۳و۴)

۸۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ○ اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ (سورۂ ذاریات: آیت ۵۶)

۹۔ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَ يُنْذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا قَالُوا شَهِدْنَا عَلٰى أَنْفُسِنَا وَ غَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَ شَهِدُوا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ○ اے گروہ جن و انس! کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آتے رہے جو ہماری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے اور آج کے دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ (پروردگار) ہم خود اپنے خلاف گواہ ہیں۔ ان لوگوں کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا اور اب یہ خود اپنے اوپر گواہ ہیں کہ وہ کفر کرتے تھے۔ (سورۂ انعام: آیت ۱۳۱)

۱۰۔ وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنْصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِينَ ○ قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَ إِلٰى طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ○ يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ آمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَ يُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ○ وَ مَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَ لَيْسَ لَهُ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءُ أُولٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ○ (اے پیغمبرؐ) ہم نے جنات کے ایک گروہ کو آپ کی طرف متوجہ کیا کہ قرآن سنیں۔ پس جب وہ حاضر ہوئے تو (آپس میں) کہنے لگے کہ خاموشی سے سنو۔ پھر جب (تلاوت قرآن) تمام ہوئی تو وہ سب پلٹ کر اپنی قوم کے پاس گئے تاکہ (ان کو) ڈرائیں۔ کہنے لگے کہ اے قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰؑ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ یہ کتاب پچھلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور سچا (دین) اور سیدھا راستا بتاتی ہے۔ اے قوم! خدا کی طرف

بلانے والے کی آواز پر لبیک کہو اور اس پر ایمان لاؤ تاکہ خدا تمہارے گناہ بخش دے اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالے اور جو بھی خدا کے داعی کی بات قبول نہیں کرے گا وہ زمین میں خدا کو عاجز نہیں کرسکے گا اور نہ خدا کے سوا اس کے حمایتی ہوں گے یہ لوگ صریح گمراہی میں ہیں (سورۂ احقاف: آیت ۲۹تا۳۲)

۱۱۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ○ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ○ وَاَنَّهُ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ○ وَاَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ○ وَاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ○ وَاَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ○ وَاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ○ وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ○ وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ○ وَاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ○ وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ○ وَاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ○ وَاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ○ وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ○ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ○ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ○ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ○ بنام خدائے رحمٰن ورحیم۔ (اے پیغمبرؐ) کہہ دیجئے کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (اس کتاب کو) سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا جو بھلائی کا راستا بتاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ اور یہ کہ ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے۔ اس کی نہ کوئی بیوی ہے نہ کوئی اولاد۔ اور یہ کہ ہم میں سے بعض ناسمجھ خدا کے بارے میں طرح طرح کی بے ربط باتیں کررہے ہیں۔ اور ہمارا یہ خیال تھا کہ انسان اور جن خدا کی نسبت جھوٹ نہیں بولتے۔ اور یہ کہ بعض آدمی بعض جنات کی پناہ پکڑا کرتے تھے (اس سے) ان کی سرکشی اور بڑھ گئی تھی۔ اور یہ کہ ان کا بھی یہی اعتقاد تھا جس طرح تمہارا تھا کہ خدا کسی کو دوبارہ نہیں اٹھائے گا۔ اور یہ کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اس کو سخت قسم کے نگہبانوں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا۔ اور ہم پہلے بعض مقامات پر بیٹھ کر باتیں سن لیا کرتے تھے لیکن اب کوئی سننا چاہے گا تو اپنے لئے شعلوں کو تیار پائے گا۔ اور ہمیں معلوم نہیں کہ اہل زمین کے لئے اس سے کوئی برائی مقصود ہے یا ان کے رب نے ان کی بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔ ہم میں کوئی نیک ہیں اور کوئی اور طرح کے۔ ہمارے مختلف مذہب ہیں۔ اور یہ کہ ہم نے یقین کرلیا ہے کہ ہم زمین میں خدا کو عاجز نہیں کرسکتے اور نہ بھاگ کر اس کو تھکا سکتے ہیں۔ اور جب ہم نے ہدایت (کی کتاب) سنی تو اس پر ایمان لے آئے۔ پس جو اپنے رب پر ایمان لائے گا اس کو نہ نقصان کا خوف ہوگا اور نہ ظلم کا۔ ہم میں سے

بعض اسلام لائے اور بعض نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اور جو اسلام لائے وہ رشد و ہدایت کے راستے پر چلے۔ اور جو اسلام نہیں لائے وہ دوزخ کا ایندھن بنے۔ اور (اے پیغمبرؐ) یہ (بھی ان سے کہہ دو) کہ اگر یہ لوگ سیدھے راستے پر رہتے تو ہم ان کے پینے کو بہت سا پانی دیتے۔ تاکہ اس سے ان کی آزمائش کریں اور جو شخص اپنے رب کی یاد سے منہ پھیرے گا وہ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا۔ (سورۂ جن: آیت ۱ تا ۱۷)

۱۲۔ وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ o ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِھَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُہٗ فِیْہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ... اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی ہے کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور اونچی اونچی ٹٹیوں میں اپنے چھتے بنائے، ہر قسم کے میوے کھائے اور تابعداری کے ساتھ اپنے رب کے بتائے ہوئے راستوں پر چلے۔ اس کے پیٹ سے جو مشروب نکلتا ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں اس میں لوگوں (کے کئی امراض) کی شفا ہے۔ (سورۂ نحل: آیت ۶۸۔۶۹)

۱۳۔ اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّھَارَ یَطْلُبُہٗ حَثِیْثًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍ بِاَمْرِہٖ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ o بے شک تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ یوم میں پیدا کیا۔ پھر وہ عرش اقتدار پر مسلط ہوا۔ وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ اس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند ستاروں کو پیدا کیا سب اس کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اس کا ہے) وہ نہایت ہی صاحب برکت اللہ ہے یہ خدائے رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔ (سورۂ اعراف: آیت ۵۴)

ربوبیت صرف خدا کو زیبا ہے

۱۔ اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِہٖ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ o ...ھُوَالَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَہٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ... o تمہارا رب تو خدا ہی ہے جس نے آسمان اور زمین چھ یوم میں بنائے ۔ پھر وہ عرش اقتدار پر مسلط ہوا۔ وہی ہر کام کا انتظام کرتا ہے۔ کوئی اس کی اجازت کے بغیر (اس کے پاس) شفاعت نہیں کر سکتا۔ یہی خدا تمہارا رب ہے۔ تو تم اسی کی عبادت کرو۔ بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے ... اسی نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا ہے۔ اور چاند کی منزلیں مقرر کی ہیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور (کاموں کا) حساب معلوم کرو۔ (سورۂ یونس: آیت ۳ و ۵)

۲۔ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِىْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِىْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِىَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِىْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ٥ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ٥ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِىْ يَوْمَيْنِ وَ اَوْحٰى فِىْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ حِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (اے پیغمبرؐ) ان سے کہئے کہ کیا تم اس کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو یوم میں بنایا اور (بتوں کو) اس کا شریک ٹھہراتے ہو حالانکہ وہی تو سارے جہان کا رب ہے اور اسی نے زمین پر مضبوط پہاڑ بنائے اور اس میں برکت رکھی اور اس نے چار یوم میں (سب) سامان معیشت مقرر کیا جو تمام طلبگاروں کے لئے یکساں ہے۔ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو بالکل دھواں تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے کہا کہ تم دونوں آؤ (خواہ) خوشی سے خواہ ناخوشی سے۔ انہوں نے کہا کہ ہم خوشی سے آتے ہیں۔ (سورۂ حم السجدہ: آیت ۹ تا ۱۲)

لغوی تشریح

۱۔ سَبِّحْ: سَبِّحْ تَسْبِيْحًا یعنی پاکیزگی بیان کی یا سبحان اللہ کہا۔ علاوہ ازیں قول فعل اور نیت کی مطلق عبادت کو بھی تسبیح کہا جاتا ہے۔

۲۔ اسم: لفظ اسم کے دو معنی ہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں:

(ا) کسی چیز کے ذاتی نام کو اسم کہا جاتا ہے۔ مثلاً مکہ اس شہر کا نام ہے جہاں مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ قرآن اس کتاب کا نام ہے جو خدا نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائی۔

(ب) کسی چیز کی خاصیت اور حقیقت کو بیان کرنے والی صفت کو بھی اسم کہا جاتا ہے۔ سورۂ اعلیٰ کی آیت میں یہی دوسرے معنی مراد ہیں۔

۳۔ رَبِّکَ: لفظ رب کی بحث پہلے گزر چکی ہے۔

۴۔ الْاَعْلٰى: وہ ذات جو حواس اور قیاس کی حدود سے ماورا ہو۔

۵۔ خلق: اس لفظ کی تفسیر ہمیں حضرت موسیٰؑ کے اس قول سے ملتی ہے جس میں انہوں نے فرعون سے فرمایا تھا: رَبُّنَا الَّذِىْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ٥ یعنی ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو صحیح اندازے کے مطابق درست بنایا۔ اس نے جو چیز بنائی خوب بنائی۔

۶۔ سَوّٰى: سَوَّى الشَّىْءَ اس چیز کو بالکل ٹھیک بنایا۔ اسے ایسا بنایا کہ اس میں کوئی کمی یا خرابی نہ رہی اور اسے مقصد تخلیق کے حصول کی استعداد عطا کی۔

سورۂ انفطار کہتی ہے: يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ٥ الَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ

فعدلک ○ اے انسان ! تجھ کو اپنے کرم گستر رب کے بارے میں کس چیز نے دھوکا دیا۔ اسی نے تو تجھے پیدا کیا اور (تیرے اعضا کو) ٹھیک کیا اور (تیرے ڈیل ڈول کو) معتدل رکھا۔ (آیت ۶ و ۷)
اور یہاں دونوں معانی مراد ہیں۔ تسویۂ خلق کی حسب ذیل چار اقسام ہیں:
(۱) انسانوں کا تسویہ (۲) حیوانوں کا تسویہ (۳) مسخرات کا تسویہ (۴) فرشتوں کا تسویہ

(۱) انسانوں کا تسویہ: ایک انسان نطفہ سے مختلف مراحل طے کرنے کے بعد اور اعضا کی تکمیل کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ خدا ہدایت کے لئے اسے کان ، آنکھ اور دوسرے حواس عطا کرتا ہے جن کے ذریعے وہ معلومات حاصل کرتا ہے۔ خدا انسانی دماغ میں خلیے پیدا کرتا ہے جن میں معلومات ذخیرہ ہوتی ہیں۔ خدا انسان کو عقل سے نوازتا ہے جس سے وہ اچھے برے اور صحیح و غلط اور حق و باطل میں تمیز کرتا ہے۔ معلومات کے تبادلے اور ابلاغ کے لئے خدا نے انسان کو زبان اور قلم کا وسیلہ عطا فرمایا ہے۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو بولنا سکھایا۔ (سورۂ رحمٰن: آیت ۳و۴)

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ○ (اے پیغمبرؐ) اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔ (سورۂ علق: آیت ۱ تا ۵)

(۲) حیوانوں کا تسویہ: خدا نے حیوانوں کا تسویہ فرمایا اور ان میں ایسی قوتیں رکھ دیں جن کی وجہ سے وہ اپنی زندگی کو منظم کرسکتے ہیں اور اپنی فطرت کے تقاضوں کو بروئے کار لاسکتے ہیں۔

(۳) مسخرات کا تسویہ: خدا نے اجرام فلکی کے متعلق فرمایا: وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمْ ○ اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا ہے۔ وہ سب ایک مقررہ وقت کے مطابق چل رہے ہیں۔ وہی خدا تمہارا رب ہے۔ (سورۂ فاطر: آیت ۱۳)

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَکَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ○ سورج اور چاند ستارے سب اسی کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں۔ سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے)۔ یہ خدائے رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔ (سورۂ اعراف: آیت ۵۴)

(۴) فرشتوں کا تسویہ: فرشتوں کو خدا نے اس طرح بنایا ہے کہ وہ ہر گناہ سے پاک ہیں اور اس کے احکام کو بجالانا ان کی فطرت میں داخل ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ وہ خدا کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔ (سورۂ تحریم: آیت ۶)

۷۔ قَدَرَ: قَدَّرَ اللّٰهُ الشَّیْءَ تَقْدِیْرًا جن مقامات کی ہم تفسیر کرنا چاہتے ہیں ان کے تحت قدر کا مفہوم یہ ہے کہ خدا نے ہر چیز کے نظام حیات کو اس کی فطرت کے عین مطابق بنایا ہے۔ اس مفہوم کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے: وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۝ اس نے ہر چیز کو بنایا ہے اور ٹھیک اندازے کے مطابق درست بنایا ہے۔ (سورۂ فرقان: آیت۲)

۸۔ هُدٰی: خدا کی طرف سے مخلوق کو چار قسم کی ہدایت کی گئی ہے:
(۱) تعلیم (۲) فطری الہام (۳) تسخیر (۴) انبیاء پر وحی نازل کر کے تبلیغ۔
قَدَرَ اور هُدٰی کی تفصیل تفسیر آیات کے ذیل میں بیان کی جائے گی۔

۹۔ غُثَاءً: خشک گھاس جس کے اجزا ایک دوسرے سے جدا ہو کر کوڑا بن جائیں۔

۱۰۔ اَحْوٰی: گہری سبز گھاس جو سیاہی مائل دکھائی دیتی ہے۔

۱۱۔ اَلْوَحْیُ: وحی کے معنی کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

وحی کے لغوی معنی: اَوْحٰی اِلَیْهِ وَلَهٗ اس کی طرف اشارہ کیا اور ایسی بات کی جو دوسروں پر مخفی تھی۔ اس نے اسے حکم دیا، اس نے اسے الہام کیا اَوْحٰی فُلَانٌ الْكَلَامَ اِلٰی فُلَانٍ فلاں نے فلاں کو القا کیا۔

وحی کے اصطلاحی معنی: خدا کا وہ کلام جو فرشتے کے ذریعے سے انبیاء کی طرف القا کیا جاتا ہے اس طرح کہ رسول اس فرشتے کو دیکھتا ہے اور اس کا کلام سنتا ہے۔ حضرت جبرئیلؑ، حضرت خاتم الانبیاءؐ کے پاس آتے اور خدا کے احکام لاتے تھے۔ کبھی وحی میں نبی خدا کا کلام سنتا ہے لیکن درمیان میں فرشتہ نہیں ہوتا جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کوہ طور پر سنا کرتے تھے۔ کبھی انبیاء کو خواب میں حکم دیا جاتا ہے چنانچہ انبیاء کا خواب وحی کا درجہ رکھتا ہے جیسا کہ قرآن میں حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ کا مکالمہ بیان ہوا ہے: اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ بیٹا! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اس کے جواب میں حضرت اسماعیلؑ نے فرمایا تھا: یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ باباجان! آپ کو جو حکم ملا ہے اسے بجا لائیے۔

قرآن مجید میں وحی کا لفظ لغوی معنی میں بھی استعمال ہوا ہے مثلاً: فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا ۝ پھر (زکریاؑ) محراب عبادت سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے اور ان سے اشارہ سے کہا کہ صبح و شام اپنے رب کی تسبیح کیا کرو۔ (سورۂ مریم: آیت۱۱) اس آیت میں لفظ وحی اشارہ کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

خدا کا فرمان ہے: اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِهِمْ ۝ شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں برے خیالات ڈالتے رہتے ہیں۔ (سورۂ انعام: آیت۱۲۲)

حضرت موسیٰؑ کی داستان میں ہے کہ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْهِ... اور ہم نے مادر موسیٰؑ کی طرف وحی بھیجی کہ اس کو دودھ پلاؤ۔ (سورۂ قصص: آیت۷) یہاں وحی الہام کے معنی میں ہے۔

اسی طرح ارشاد قدرت ہے: وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ... اور تیرے رب نے مگس کو وحی کی۔ (سورہ نحل: آیت ۶۸) مقصد یہ کہ خدانے شہد کی مکھی کی جبلت میں یہ بات رکھ دی ہے کہ وہ اس طرح اپنی زندگی گزارے۔ یہ جبلی ہدایت صرف شہد کی مکھی تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ پروردگار نے ہر چھوٹے بڑے جانور کو اس ہدایت سے مالامال کیا ہے۔

۱۲۔ اِسْتَوٰی: جب اِسْتَوٰی کا صلہ عَلٰی کے ساتھ ہو تو اس کے معنی مسلط ہونا ہوتا ہے۔ صفات رب کے ذیل میں اس کی تفصیل بیان ہوگی۔

۱۳۔ اَلْعَرْش: وہ چیز جس کی چھت ہو۔ اس کی جمع عروش ہے۔ بادشاہ کے تخت کو بھی عرش کہتے ہیں کیونکہ وہ بلند ہوتا ہے۔ نیز لفظ عرش، عزت، سلطنت اور حکومت کے لئے بطور کنایہ استعمال ہوتا ہے۔ عربی زبان کا محاورہ ہے: ثَلَّ اللّٰهُ عَرْشَهُمْ خدانے ان کی حکومت کو منہدم کردیا۔[۱] کسی کا شعر ہے:

اِذَا مَا بَنُوْ مَرْوَانَ ثُلَّتْ عُرُوْشُهُمْ

وَاَوْدَتْ کَمَا اَوْدَتْ اِيَادُ وَحِمْيَرُ

جب بنی مروان کی حکومت ختم ہوئی تو وہ اسی طرح برباد ہوئے جس طرح ایاد و حمیر برباد ہوئے تھے[۲]

۱۴۔ اَلضِّيَاءُ: چمکدار اجسام سے نکلنے والی روشنی کو ضیاء کہا جاتا ہے۔ مثلاً ضائت النار و اضائت آگ نے روشنی پھیلائی۔

ضو، نور سے زیادہ روشنی کیلئے بولا جاتا ہے۔ ضیاء اور نور میں فرق یہ ہے کہ جس کی روشنی ذاتی ہو اسے ضیاء اور جس کی روشنی کسی دوسرے کی مرہون منت ہو اسے نور کہتے ہیں۔ (اسی لئے خدانے سورج کو ضیاء اور چاند کو نور کہا کیونکہ سورج کی روشنی ذاتی اور چاند کی روشنی سورج کی مرہون منت ہے)۔

۱۵۔ اَلْاَمْرُ: یعنی طلب فعل۔ نہی کا متضاد۔ (کیونکہ امر میں کسی کام کے کرنے اور نہی میں کسی کام کے نہ کرنے کا تقاضا کیا جاتا ہے) لفظ امر کام کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کی جمع امور ہوتی ہے۔ جب لفظ امر طلب فعل کے معنی میں ہو تو اس کی جمع اوامر ہوتی ہے۔

۱۶۔ سَخَّرَ: سخرہ یسخرہ فھو مسخرٌ اس نے اسے جھکا دیا، تابع کردیا اور جبراً اسے معین غرض کی طرف چلایا۔ تابع ہونے والے کو سخری کہا جاتا ہے۔

تفسیر آیات

اس مقام پر ہم قَدَّرَ اور هَدٰی کی کچھ وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ مفردات راغب اور المعجم الوسیط مادہ عرش۔ ۲۔ بحار الانوار، ج ۵۸، ص ۷۔

۱۔ قَدَّرَ: قرآن مجید میں خداوند عالم خلاقیت کو اپنی طرف نسبت دینے کے بعد بقائے نظام کے اجرا کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِیْهَا وَ قَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ... اور اُس نے اس زمین میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے۔ اور زمین میں برکت رکھی۔ اور چار یوم میں تمام سامان معیشت مقرر کیا (سورۂ حم السجدہ: آیت ۱۰)

پھر دو یوم میں سات آسمان بنائے اور ہر آسمان کو نظام تقدیر کا پابند بنایا۔ اور ہم نے آسمان دنیا کو جھلملاتی قندیلوں سے مزین کیا اور (شیطانوں سے) محفوظ رکھا۔ یہ خدائے غالب وعلیم کی مقرر کی ہوئی تقدیر ہے۔ (سورۂ حم السجدہ: آیت ۹ تا ۱۲)

یہ بتاتے ہوئے کہ زمین و آسمان کو بقائے نظام کے لئے ان کے رب کا حکم کیسے پہنچا قرآن مجید فرماتا ہے: اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ... بے شک تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ یوم میں پیدا کیا۔ پھر وہ عرش پر مسلط ہوا۔ وہ تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے۔ (سورۂ یونس: آیت ۳)

یہ آیت بتاتی ہے کہ خدا زمین و آسمان کے معاملات کی تدبیر کرتا رہتا ہے۔ وہ زمین و آسمان کو بنا کر لاتعلق نہیں ہو گیا (كُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ) بلکہ وہ ان کی نشوونما اور بقا کی تدبیر میں مصروف ہے اور وہی تمہارا رب ہے پس تم اسی کی عبادت کرو۔ اس کے بعد خدا بعض امور کی تفصیلات بیان کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ "وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور چاند کی منزلیں مقرر کیں۔" ان آیات میں قَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا سے یہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ خدا نے اس کا ایک خاص نظام وضع کیا ہے۔

۲۔ هَدٰى: سورۂ حم السجدہ اور سورۂ یونس میں زمین، آسمانوں، سورج اور چاند کے متعلق باری تعالیٰ کی ربوبیت کا جو ذکر ہے وہ رب کریم کی تربیت کا ہی ذکر ہے جبکہ سورۂ اعلیٰ میں اللہ تعالیٰ کی اس تربیت کا ذکر کیا گیا جو خلق کے ساتھ مخصوص ہے اسی لئے یہاں فَهَدٰى فرمایا گیا ہے۔ یعنی جس رب نے خلق کو پیدا کیا ہے اس نے صرف پیدا کرنے پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ ان کا تسویہ بھی فرمایا۔ یعنی تمام اصناف خلق کی زندگی کا ایک خاص نظام مقرر کر کے ان میں ہدایت قبول کرنے کی استعداد ودیعت فرمائی۔ پھر اس نے اپنی مخلوقات کی زندگی کے ارتقا اور اختتام کو چراگاہ سے تمثیل دیتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِیْۤ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى اس نے چراگاہیں بنائیں۔ ان میں گھاس اگائی۔ پھر گھاس منزل کمال پر پہنچ کر سیاہی مائل سبز ہو گئی لیکن چند روز گزرنے کے بعد وہی سرسبز اور شاداب گھاس خشک ہونے لگی اور آخرکار کوڑا بن گئی۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی چاروں اصناف کے لئے بہت سی آیات میں اپنی ہدایت کی کیفیت بیان فرمائی جس کی تفصیل اگلی بحث میں آئے گی۔

خلق کیلئے ربُّ العالمین کی ہدایت

مخلوقات کی ترتیب وار تخلیق کو مدنظر رکھ کر ہم خلق کیلئے رب العالمین کی ہدایت کی اقسام کو یہاں بیان کرتے ہیں۔(۱) خدا نے ملائکہ اور حاملین عرش کو جو ربوبیت اور خلق میں اس کا لشکر ہیں سب سے پہلے بنایا۔(۲) پھر خدا نے زمان، مکان، آسمان، زمین اور ان چیزوں کو بنایا جو مستقبل میں جانداروں کیلئے ضروری تھیں یعنی پانی اور نباتات وغیرہ۔(۳) پھر خدا نے جنوں اور حیوانوں کو پیدا کیا۔(۴) سب سے آخر میں خدا نے انسانوں کو پیدا کیا اور انسانوں کیلئے ضروری چیزوں کو ان سے پہلے پیدا کیا۔

ذیل میں ہم ہر صنف کی ہدایت کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

(۱) ملائکہ کی براہ راست تعلیم

وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَةِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ ○ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ○

(وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں اور انہوں نے کہا کیا تو اسے خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد اور خونریزی کرتا پھرے جبکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ ارشاد ہوا جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ اور اس نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے۔ پھر ان کو ملائکہ کے سامنے پیش کر کے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔ انہوں نے کہا کہ تو پاک ہے۔ ہم تو بس اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں علم بخشا ہے۔ بیشک تو علم اور حکمت والا ہے۔ تب خدا نے (آدمؑ کو) حکم دیا کہ تم ان کو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ جب آدمؑ نے ان کو وہ اسما بتائے تو خدا نے کہا کہ کیا میں

نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی سب پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو سب مجھ کو معلوم ہے۔ اور جب ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدمؑ کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس نے انکار کیا اور غرور کے سبب کافروں میں سے ہو گیا۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۳۰ تا ۳۴)

لغوی تشریح

۱۔ اَلْخَلِیْفَة: خَلِیْفَةُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ۔ لغت میں ہے: خَلَفَ، خِلَافَةً وَ خَلِیْفَةً۔

خَلَفَ زَیْدٌ عَمْرًوا زید، عمرو کے بعد آیا۔ یا زید نے عمرو کے بعد اس کے امور سنبھالے۔[1]

قرآن مجید کی حسب ذیل آیت سے یہی پہلے معنی یعنی بعد میں آنا مراد ہیں۔ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ ○ ان کے بعد ایک نسل ان کی جگہ آئی۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۶۹)

اور حسب ذیل آیت میں دوسرے معنی یعنی جانشین ہونا مراد ہیں:

وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَ اَصْلِحْ ○ اور موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہا میرے بعد تم میری قوم میں میرے جانشین ہو۔ ان کی اصلاح کرتے رہنا۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۴۲)

۲۔ خلافت: نائب ہونا، قائم مقام ہونا۔ کسی کی غیر موجودگی کی وجہ سے یا کسی کی موت کی وجہ سے یا کسی کی مجبوری کی وجہ سے یا قائم مقام کی عزت افزائی کی وجہ سے۔[2]

۳۔ خلیفة: وہ شخص جو غیب کی موت، اس کی مجبوری اور غیر موجودگی یا غیب کی عزت کے اظہار کے طور پر نیابت کرے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ ○ اور یاد کرو جب اس نے قوم نوحؑ کے بعد تمہیں نائب بنایا۔ (سورۂ اعراف: آیت ۶۹) موت کے بعد نیابت کرنے کی مثال ہے۔

اور یہ آیت یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ... اے داؤدؑ! بے شک ہم نے تمہیں زمین میں نائب مقرر کیا۔ (سورۂ ص: آیت ۲۶) دوسرے مفہوم کی مثال ہے۔

حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِیْ! اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِیْ! اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِیْ! خدایا میرے خلفاء پر رحم فرما۔ خدایا میرے خلفاء پر رحم فرما۔ خدایا میرے خلفاء پر رحم فرما۔

۱۔ مادہ خلف۔ المعجم لالفاظ القرآن الکریم۔

۲۔ مادہ خلف مفردات القرآن راغب اصفہانی۔

پوچھا گیا کہ یا رسول اللہؐ! آپ کے خلفاء کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: اَلَّذِیْنَ یَأْتُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ یَرْوُوْنَ حَدِیْثِیْ وَ سُنَّتِیْ وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے اور میری حدیث اور سنت بیان کریں گے۔[1]

روایات کے مطالعہ سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ خلیفۃ اللہ نبی ہوتا ہے یا نبی کا وہ وصی ہوتا ہے جسے خدا اپنی شریعت کی ہدایت کیلئے چنتا ہے۔ اس پر مزید بحث "خدا کے مبلغ اور عوام کے معلم" کے زیر عنوان آئے گی

۴۔ سجد: سَجَدَ سُجُوْدًا جھک گیا۔ مطیع ہوگیا۔ جب اس لفظ کی اضافت انسان کی طرف ہو تو اس کے معنی پیشانی زمین پر رکھنا ہوتا ہے۔ قرآن کی اس آیت میں سجدہ اطاعت کرنے کے معنی میں آیا ہے:

وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝

آسمانوں اور زمین میں رہنے والے سب کے سب خدا کو خوشی سے یا ناخوشی سے سجدہ کرتے ہیں اور ان کے سائے بھی صبح و شام سجدہ کرتے ہیں۔ (سورۂ رعد آیت ۱۵) اور اس آیت میں سجدہ پیشانی جھکانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے: سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۝ کثرت سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔ (سورۂ فتح آیت ۲۹)

تفسیر آیات

خدا، قیامت، صحیفوں اور نبیوں کی طرح فرشتوں پر ایمان رکھنا بھی فرض ہے۔ خدا نے ان کی دشمنی کو اپنی دشمنی قرار دیا ہے اور فرشتوں کے دشمن کو کافر کہا ہے۔

خدا نے واضح کیا ہے کہ فرشتے اس کے بندے ہیں۔ وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اور اہل زمین کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ وہ خدا کا ہر حکم بے چون و چرا بجالاتے ہیں۔

قرآن مجید نے یہ نہیں بتایا ہے کہ خدا نے فرشتوں کو کس چیز سے خلق کیا ہے۔ البتہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ خدا نے ان کو نور سے پیدا کیا ہے۔[2]

خدا نے قرآن مجید میں ان کا مادہ تخلیق بیان کرنے کی بجائے ان کے پروں کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس نے ان کے دو دو، تین تین اور چار چار پر بنائے ہیں اور جسے چاہتا ہے زیادہ پر عطا کرتا ہے۔

فرشتے انسانی صورت بھی دھار لیتے ہیں اور انسانی صورت میں خدا کا حکم پورا کرتے ہیں۔ ہم پرندوں کے پروں کو دیکھ کر ملائکہ کے پروں کا قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ وہ پرندوں کی طرح سے مادی جسم نہیں رکھتے اور ہم

۱۔ شیخ صدوق کی معانی الاخبار ص ۳۵۷ تا ۳۷۴۔ عیون الاخبار طبع نجف، ج ۲، ص ۳۶۔ من لا یحضرہ الفقیہ، تحقیق علی اکبر غفاری ج ۴، ص ۴۲۰۔ اور علامہ مجلسی کی بحار الانوار، ج ۲، ص ۱۴۵، حدیث ۷۔

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد و الرقائق، باب فی احادیث متفرقہ، ص ۲۲۹۴۔ مسند احمد، ج ۶، ص ۱۵۳ و ۱۶۸۔

اپنے حواس خمسہ سے ان کا ادراک نہیں کر سکتے۔ ان کی معرفت کا ذریعہ صرف انبیاء کی خبر ہے اور انبیاء کی خبر ماننے میں کوئی عقلی قباحت بھی نہیں ہے کیونکہ ہم نے بہت سے شہر نہیں دیکھے ہوتے تاہم لوگوں کی زبانی سن کر انہیں مان لیتے ہیں۔ جب ہم لوگوں کے بتانے پر دور دراز کے شہروں کا وجود مان لیتے ہیں تو انبیاء کے کہنے پر فرشتوں کو کیوں نہیں مان سکتے۔ البتہ اس میں اتنا فرق ضرور ہے کہ ہم ان دیکھے شہروں کی باتیں سن کر ان کا قیاس اپنے دیکھے ہوئے شہروں پر کرتے ہیں جبکہ ہم انبیاء کی زبانی فرشتوں کا ذکر سن کر ان کا قیاس مادی اجسام پر نہیں کر سکتے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عالم غیب کی چیزوں کو عالم مادہ کی چیزوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

خدا نے قصہ آدمؑ میں ضمناً یہ بھی بتایا ہے کہ اس نے فرشتوں کو اتنی تعلیم ضرور دی ہے جتنی ان کے فرائض منصبی کیلئے ضروری تھی اور یہ بھی بتایا ہے کہ اس نے انہیں خلافت آدمؑ کی خبر کس طرح سے دی تھی۔

وہ انسان زمین پر خدا کا خلیفہ ہے جسے خدا نے لوگوں کی ہدایت پر مامور کیا ہو اور حضرت آدمؑ اس کی واضح مثال تھے۔

خلافت آدمؑ کا اعلان سن کر فرشتوں نے کہا تھا: **اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ ٥** کیا تو اسے خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے جبکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۳۰)

روایات میں ہے کہ فرشتوں نے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ تخلیق آدمؑ سے قبل خدا نے زمین پر ایک مخلوق پیدا کی تھی جس نے زمین پر فساد مچایا تھا اور ناحق خون بہایا تھا۔ خدا نے ان کے مظالم کے سبب ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا تھا۔ اسی لئے فرشتوں نے نئی مخلوق آدمؑ کا قیاس سابقہ مخلوق پر کیا تھا۔

خدا نے فرشتوں سے فرمایا: **اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ** "جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔"

پھر خدا نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اور انہیں تمام اسما یعنی تمام چیزوں کے خواص و صفات بتائے۔ آیت میں لفظ اسما آیا ہے جو اسم کی جمع ہے۔ یہاں آیت میں اسم سے کسی چیز کا ذاتی نام مراد نہیں بلکہ وہ صفات مراد ہیں جو کسی چیز کی حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں ہماری دلیل یہ ہے کہ خدا نے آسمانوں اور زمین کی چیزوں کو انسان کے فائدے کے لئے مسخر کیا ہے۔ اسی لئے پہلے انسان کے لئے ضروری تھا کہ اسے تمام چیزوں کے صفات و خواص کا علم ہو جائے اس بحث کے اختتام پر اس نکتہ کی مزید وضاحت کی جائے گی۔

خدا نے کائنات کی جن چیزوں کو انسان کے لئے مسخر کیا ہے ان کے خواص سے حضرت آدمؑ کو مطلع کیا تاکہ وہ مسخر چیزوں سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اس کے برعکس فرشتوں کو اتنا ہی علم دیا ہے جتنا کہ ان کے فرائض

منصبی کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے۔ مثلاً جن فرشتوں کو خدا نے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے انہیں تسبیح وتہلیل اور تکبیر کی تعلیم دی اور جن فرشتوں کو انسانوں کے اعمال محفوظ رکھنے پر مامور کیا ہے انہیں عمل محفوظ رکھنے کے طریقوں کی تعلیم دی اور قبض ارواح پر مامور فرشتوں کو روح قبض کرنے کی تعلیم دی۔ المختصر فرشتوں کو خدا نے جن کاموں کے لئے پیدا کیا ہے انہیں ان کی تعلیم دی۔

حضرت آدمؑ اور فرشتوں کے علم کی نوعیت مختلف تھی اور جب خدا نے فرشتوں سے اسما یعنی چیزوں کے خواص وصفات پوچھے تو فرشتوں نے یہی کہا: پروردگار! ہم تو بس اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں علم بخشا ہے۔ پھر خدا نے حضرت آدمؑ سے فرمایا کہ وہ فرشتوں کو ان اسما کی تعلیم دیں۔ اس مرحلے کے بعد خدا نے فرشتوں کو سجدۂ آدمؑ کا حکم دیا اور ابلیس کے سوا سب فرشتوں نے آدمؑ کو سجدہ کیا۔

خلاصۂ بحث

خدا نے اپنی اس مخلوق یعنی فرشتوں کو آسمانوں اور زمین میں رہائش عطا کی ہے۔ ان کے لئے بھی حیات، موت کی پابندی ہے۔ خدا نے انہیں قوت درّاکہ عطا کی ہے اور وہ خواہشات نفس سے فطری طور پر آزاد ہیں۔ خدا نے انہیں ان کے مقصد تخلیق کے تقاضے پورا کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔[۱]

اور قصہ آدمؑ میں ان کے سوال کرنے کی وجہ بھی صرف یہی تھی کہ وہ تخلیق آدمؑ کی حکمت سے ناواقف تھے۔ جب حضرت آدمؑ نے انہیں اسما کی تعلیم دی تو انہیں حکمت الٰہیہ معلوم ہوگئی اور انہوں نے کسی رد وکد کے بغیر حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا۔ البتہ ابلیس نے تکبر کے سبب انکار کیا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کی۔ ہاں! خدا نے فرشتوں کو ان کے مقصد تخلیق کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے براہ راست ہدایت فرمائی۔

(۲) مسخرات کی تسخیر

یہاں ہم کچھ ایسی آیات نقل کر رہے ہیں جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خدا نے ان مسخرات مثلاً چاند، سورج، ہوا، پانی وغیرہ کو انسانوں کے فائدے کے کاموں میں لگا دیا ہے۔[☆]

۱۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ

۱۔ ہم نے اس صنف کی ہدایت کو اس لئے مقدم رکھا ہے کیونکہ یہ چیزیں انسان سے پہلے پیدا کی گئی ہیں۔

☆ انسان خود بھی ان مسخرات سے فائدہ اٹھانا سیکھ گیا ہے مثلاً آج وہ سورج سے شمسی توانائی حاصل کر رہا ہے، پانی سے بجلی بنا رہا ہے، چٹانی پتھر یعنی سلیکون سے مائیکرو چپس بنا رہا ہے اور ہوا میں سفر کرنے والی لہروں مثلاً ریڈار، موبائل فون، ریڈیو اور ٹیلی وژن کی ریڈیائی لہروں نیز الیکٹرو میگنٹک لہروں کو جان گیا ہے مگر پھر بھی اپنے رب سے اسی طرح غافل ہے جس طرح وہ دن بھر سورج سے استفادہ کرتا ہے لیکن کثرت ظہور کے سبب اس سے غافل رہتا ہے۔

یَتَفَکَّرُوْنَ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اس نے اپنے حکم سے تمہارے کام میں لگا دیا ہے۔ بے شک اس میں غور کرنے والے لوگوں کے لئے (قدرت کی) نشانیاں ہیں۔ (سورۂ جاثیہ: آیت ۱۳)

۲۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ... خدا ہی تو ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے رہنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا۔ (سورۂ مومن: آیت ۶۴)

۳۔ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ اسی نے تمہارے لئے زمین کو گہوارا بنایا ہے اور اس میں تمہارے لئے راستے بنائے تاکہ تم راہ پیائی کر سکو۔ (سورۂ زخرف: آیت ۱۰)

۴۔ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ٥ فِیْهَا فَاكِهَةٌ وَّ النَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ٥ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّیْحَانُ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ٥ اسی نے انسانوں کے لئے زمین بچھائی۔ اس میں میوے اور کھجور کے درخت ہیں جن کے خوشوں پر غلاف ہوتے ہیں۔ اور اناج (گندم، جو، چاول وغیرہ) جس کے ساتھ بھس ہوتا ہے اور خوشبودار پھول۔ تو (اے گروہ جن وانس) تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ (سورۂ رحمٰن: آیت ۱۰ تا ۱۳)

۵۔ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ ٥ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو نرم کیا تاکہ تم اس کے اطراف و اکناف میں چلو پھرو اور اس کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور تم کو اسی کے پاس (قبروں سے) نکل کر جانا ہے۔ (سورۂ ملک: آیت ۱۵)

۶۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ... کیا تم نہیں دیکھتے کہ جتنی چیزیں زمین میں ہیں سب خدا نے تمہارے لئے مسخر کر دی ہیں۔ (سورۂ حج: آیت ۶۵)

۷۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ٥ ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو زمین پر اور پانی پر سواری دی اور پاکیزہ روزی دی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۷۰)

۸۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ٥ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ ٥ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ٥ خدا ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے مینہ برسایا۔ پھر اس سے تمہارے کھانے کے لئے پھل پیدا کئے اور کشتیوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا تاکہ سمندر میں اس کے حکم سے چلیں اور دریاؤں کو بھی تمہارے زیر فرمان کر دیا۔ سورج اور چاند کو تمہارے لئے کام میں لگا دیا کہ دونوں (دن رات) گردش کر رہے ہیں۔ اور رات اور دن کو بھی تمہاری خاطر کام میں لگا دیا اور جو کچھ تم نے مانگا سب میں سے تم کو عطا کیا۔ اور اگر تم خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہ سکو گے۔ بے شک انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے۔ (سورۂ ابراہیم: آیت ۳۲ تا ۳۴)

۹۔ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَائِرٌ وَلَوْ شَاءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ النَّخِيْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَ تَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَعَلٰمٰتٍ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ اور سیدھا راستا تو خدا تک پہنچتا ہے کیونکہ کچھ راستے ٹیڑھے ہیں (جو اس تک نہیں پہنچتے) اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو زبردستی سیدھے راستے پر چلا دیتا۔ وہی تو (خدا) ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جسے تم پیتے ہو اور اس سے درخت بھی شاداب ہوتے ہیں جن میں تم اپنے جانوروں کو چراتے ہو۔ اسی پانی سے وہ تمہارے لئے کھیتیں، زیتون، کھجور، انگور اور طرح طرح کے پھل اُگاتا ہے۔ غور کرنے والوں کے لئے اس میں (قدرت خدا کی بڑی) نشانی ہے۔ اور اسی نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا اور اسی کے حکم سے ستارے بھی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ غور کرنے والوں کے لئے اس میں بھی (قدرت خدا کی بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور جو رنگ برنگی چیزیں اس نے زمین میں پیدا کی ہیں (سب تمہارے زیر فرمان کردی ہیں) نصیحت پکڑنے والوں کے لئے اس میں بھی نشانی ہے۔ اور وہی تو ہے جس نے سمندر کو تمہارے اختیار میں کیا تاکہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے پہننے کے لئے زیور (مروارید و مرجان) نکالو۔ اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں سمندر میں پانی (کے سینے) کو چیرتی چلی جاتی ہیں اور اس لئے بھی (سمندر کو تمہارے قابو میں کیا) کہ تم خدا کے فضل سے (روزی) تلاش کرو اور اس کا شکر کرو۔ اور اسی نے زمین پر پہاڑ (بنا کر) لگا دیئے تاکہ تم کو لے کر زمین جھول نہ جائے اور دریا اور راستے بنا دیئے تاکہ تم آسانی سے سفر کر سکو۔ اور راستوں میں نشانات بنا دیئے اور لوگ ستاروں سے بھی راستے معلوم کرتے ہیں۔ (سورۂ نحل: آیت ۹ تا ۱۶)

۱۰۔ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ کھجور اور انگور کے میووں سے تم شراب بناتے ہو اور بہترین غذا (کھاتے ہو)۔ بے شک عقلمندوں کے لئے ان (چیزوں) میں (قدرت خدا کی) نشانی ہے۔ (سورۂ نحل: آیت ۶۷)

لغوی تشریح

۱۔ سَخَّرَ: سَخَّرَهٗ يُسَخِّرُهٗ فَهُوَ مُسَخِّرٌ اس نے اسے جھکایا۔ تابع کیا۔ زیر فرمان کیا۔ اختیار میں کیا ایک خاص غرض کی طرف زبردستی چلایا۔ مُسَخَّرِيْ یعنی تابع ہونے والا۔

۲۔ اَلْاَکْمَامُ: اس کی واحد کُمّ ہے۔ کُمٌّ یعنی پھل، درخت، کھجور یا اناج کے بیج کا غلاف۔

۳۔ حَبٌّ: بیج۔ یہاں اس لفظ سے گندم، جَو اور چاول مراد ہیں۔

۴۔ اَلْعَصْفُ: بھُس اور خشک کھیت کا پتہ۔

۵۔ اَلرَّیْحَانُ: خوشبودار پھول۔

۶۔ اٰلَآءِ: نعمات۔

۷۔ ذَلُوْلاً: ذلت الدابۃ بعد شماس ذلا فھی ذلول سرکش ہونے کے بعد جانور نرم پڑ گیا۔ زمین ذلول یعنی نرم ہے اور انسان کیلئے ہر طرح سے قابل رہائش ہے جس پر چلنا پھرنا اور رہنا سہنا ممکن ہے۔

۸۔ مَنَاکِبِھَا: اس کی واحد مَنکِبٌ ہے۔ مَنکِبٌ یعنی انسان اور حیوان کا کندھا۔ مناکب الارض یعنی پہاڑ۔ انہیں اونٹ کے کندھے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ زمین کے اطراف واکناف کو بھی مناکب الارض کہا جاتا ہے۔

۹۔ دَآئِبَیْنِ: دَاَبَ: اس نے مسلسل کوشش کی۔ دَاْبٌ کام دَآئِبَیْنِ: اختتام دنیا تک مسلسل گردش کرنے والے

۱۰۔ تُسِیْمُوْنَ: اَسَامَ الْاِبِلَ یُسِیْمُھَا اونٹوں کو چرنے کے لئے باہر نکالا۔

۱۱۔ ذَرَاَ: ذَرَاَ اللّٰہُ الْخَلْقَ یَذْرَؤُھُمْ ذَرْئًا خدا نے کسی مثال کے بغیر بنایا، ان کو پھیلایا اور ان کو بڑھایا۔

۱۲۔ مَوَاخِرَ: مَخَرَتِ السَّفِیْنَۃُ مَخْرًا وَ مُخُوْرًا یعنی کشتی نے اپنے سینے سے پانی کو چیرا اور پانی چیرنے کی آواز بلند ہوئی۔ کشتی کو ماخرۃ کہا جاتا ہے اور اس کی جمع مواخر ہے۔

۱۳۔ تَمِیْدَبِکُمْ: مَادَ مَیْدًا یعنی ہلنا جلنا۔ مَیْدٌ: زمین جیسی کسی بڑی چیز کا ہلنا۔

خلاصۂ بحث

خدا نے زمین اور سمندروں، دریاؤں، درختوں، پھلوں، نباتات، معدنیات اور سورج چاند، ستاروں کو انسان کے لئے مسخر کیا ہے۔ سورۂ جاثیہ میں ارشاد باری ہے: سَخَّرَلَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ... ہم نے آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں تمہارے فائدے کے لئے بنائی ہیں۔

خدا نے ان مخلوقات کو تسخیری ہدایت دی ہے۔ وہ قانون ربوبیت کی پابندی کرتے ہوئے مسلسل گردش کر رہے ہیں۔ قرآن مجید میں اس ہدایت کو کہیں سَخَّرَ سے اور کہیں جَعَلَ سے تعبیر کیا گیا ہے مثلاً: جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا یعنی اسی نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا۔

(۳) فطری الہام

۱۔ خدا فرماتا ہے: وَالْاَنْعَامَ خَلَقَھَا لَکُمْ فِیْھَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْھَا تَاْکُلُوْنَ ۝ وَ لَکُمْ فِیْھَا جَمَالٌ

حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ وَ حِیْنَ تَسْرَحُوْنَ ٥ وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَکُمْ اِلٰی بَلَدٍ لَّمْ تَکُوْنُوْا بٰلِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ٥ وَالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْکَبُوْهَا وَ زِیْنَةً وَّ یَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ٥ ہم نے تمہارے لئے چوپائے بنائے۔ ان میں تمہارے لئے جڑاول اور دیگر بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے بعض (کے گوشت) کو تم کھاتے ہو۔ اور جب تم انہیں صبح جنگل میں چرانے لے جاتے ہو اور شام کو لے آتے ہو تو ان سے تمہاری عزت و شان ہے۔ یہ چوپائے (دشوار گزار) علاقوں میں جہاں تم مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے تمہارا سامان ڈھوتے ہیں۔ بیشک تمہارا رب بڑا شفیق اور مہربان ہے اور (اسی نے) گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سواری کرو۔ وہ تمہاری زینت بھی ہیں۔ وہ (اور چیزیں بھی) پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے۔ (سورۂ نحل: آیت ۵ تا ۸)

اور اسی سورۂ نحل میں ہے: وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ٥ اور تمہارے لئے جانوروں میں غور و عبرت کا سامان ہے۔ ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون ہے اس سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو کہ پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے۔ (آیت ۶۶)

وَ اَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ ٥ ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ٥ اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی ہے کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور (اونچی اونچی) ٹٹیوں میں اپنے چھتے بنائے اور ہر قسم کے میوے کھائے اور تابعداری کے ساتھ اپنے رب کے بتائے ہوئے راستوں پر چلے۔ اس کے پیٹ سے جو مشروب نکلتا ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں اس میں لوگوں (کے کئی امراض) کی شفا ہے۔ بے شک اس میں غور کرنے والوں کے لئے نشانی ہے۔ (سورۂ نحل: آیت ۶۸۔۶۹)

۲۔ وَاللّٰهُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰٓی اَرْبَعٍ یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ٥ خدا نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو پیٹ کے بل رینگ کر چلتے ہیں اور کچھ دو پاؤں پر چلتے ہیں اور کچھ چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ خدا جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (سورۂ نور: آیت ۴۵)

۳۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ ٥ زمین کے تمام جاندار اور دو پروں کے ساتھ پرواز کرنے والے تمام پرندے تمہاری طرح کی جماعتیں ہیں۔ ہم نے کتاب میں کسی طرح کی کمی نہیں چھوڑی۔ پھر سب اپنے رب کے حضور جمع کئے جائیں گے۔ (سورۂ انعام: آیت ۳۸)

لغوی تشریح

۱۔ فَرْثٌ: انتڑیوں میں پایا جانے والا گوبر۔

خدا نے ہر جانور کو فطری الہام کیا جس کی وجہ سے تمام جانور اپنا مقصد تخلیق پورا کر رہے ہیں۔ خدا نے ہر جانور کو ایسے افعال کا الہام کیا ہے جن سے اس کی زندگی وابستہ ہوتی ہے اور جانوروں کے اس طرح کے افعال صنف مسخر کے افعال کے قریب ہیں۔

۲۔ یَعْرِشُوْنَ: عَرَشَ الْکَرْمَ انگور کی بیل کو ٹٹی پر چڑھایا۔ عَرَشَ الْبَیْتَ گھر پر چھت ڈالی۔

۳۔ ذُلُلاً: تابعدار بن کر۔ سرکش نہ بن کر۔

خلاصہ بحث

خدا نے زمین، فضا اور آسمان دنیا کے نیچے تمام اجرام کے لئے اور ساری آبی مخلوق کے لئے ایک طے شدہ نظام حیات تشکیل دیا ہے۔ ہر صنف کا نظام حیات اس کی فطرت کے عین مطابق ہے۔ ہر صنف میں خدا نے ایسے اوصاف ودیعت فرمائے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے مقصد تخلیق کو پورا کرنے کے قابل بن سکے۔

خدا نے فطری وحی کی مثال کے لئے شہد کی مکھی کو پیش کیا اور فرمایا: ''تمہارے رب نے مگس کو الہام کیا کہ وہ پہاڑوں، درختوں اور اونچی اونچی ٹٹیوں میں اپنے چھتے بنائے ...'' شہد کی مکھی جو چھتا بناتی ہے وہ انجینئرنگ کا اعلیٰ ترین شاہکار ہے۔ ایک ننھی سی جان میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ ایسا شاندار چھتا بنائے۔ یہ سب وحی کا نتیجہ ہے۔ شہد کی مکھی کا نظام ایک مثال ہے ورنہ تمام جاندار اپنے اپنے نظام حیات کی تکمیل میں مصروف ہیں۔

آیت کا آغاز وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ سے کیا گیا ہے یعنی تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی ہے جبکہ بظاہر کہنا تو یہ چاہئے تھا کہ مکھی کے رب نے اس کو وحی کی۔ ان الفاظ سے اللہ رب العالمین نے یہ اشارہ کیا ہے کہ جس طرح اس نے شہد کی مکھی کے لئے مناسب فطرت نظام تشکیل دیا ہے اسی طرح انسانوں کے لئے بھی ان کی فطرت کے مطابق ایک جامع نظام وضع کیا ہے۔

(۴) وحی کے ذریعے انسان اور جنات کی تعلیم

اس طرح کی ہدایت اور تعلیم کو خَلَقَ فَسَوّٰی اور قَدَّرَ فَهَدٰی کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔

(۱) — انسان: رب العالمین نے انسان کو پیدا کیا اور اس کی زندگی کا نظام تشکیل دیا اور اس کی طبیعت میں خواہشات نفس کو جگہ دی اور اس کے ساتھ اسے عقل و شعور کی دولت بھی عطا کی جس سے وہ اپنے نفع و نقصان کو

بخوبی سمجھ سکتا ہے۔[۱]

خدا نے قبول ہدایت کے لئے انسان کو دو وسیلے عطا فرمائے ہیں:

پہلا وسیلہ منہ سے بولنا خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○ (اس نے) انسان کو پیدا کیا (اور) اسے بولنا سکھایا۔ (سورۂ رحمن: آیت ۳ و ۴)

خدا نے انسان کو زبان سے بولنے اور اپنے مافی الضمیر کو بیان کرنے کی قوت عطا فرمائی۔

دوسرا وسیلہ لکھنا پڑھنا۔ لکھائی سے ایک انسان کے افکار دوسروں تک منتقل ہوتے ہیں اور ایک نسل کے نظریات آنے والی نسل تک پہنچتے ہیں: اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ○ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جس کا اس کو علم نہیں تھا۔ (سورۂ علق: آیت ۳ و ۴)

پھر خدا نے انسان کی فطرت کے مطابق نظام حیات بنایا: فَاَقِمْ وَجْهَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ○ آپ اپنے رخ کو دین کی طرف رکھیں اور باطل سے کنارہ کش ہو جائیں کہ یہ دین وہ فطرت الٰہی ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ (سورۂ روم: آیت ۳۰)

خدا نے اپنی وحی کے ذریعے سے اور انبیائے کرام علیہم السلام کی وساطت سے نظام فطرت کو اجاگر فرمایا ہے۔ اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ کَمَا اَوْحَیْنَا اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ... (اے رسولؐ) ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور ان سے پچھلے انبیاء کی طرف بھیجی تھی۔ (سورۂ نساء: آیت ۱۶۳)

شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ... اس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستا مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے) کا نوحؑ کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے پیغمبرؐ) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ (سورۂ شوریٰ: آیت ۱۳)

جس دین کو خدا نے انبیائے کرامؑ کی طرف بذریعہ وحی نازل کیا ہے اس دین کا نام اسلام ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ... دین تو اللہ کے نزدیک بس اسلام ہے۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۹)

(۲)— جنات: خدا نے جنات کو بھی انسانوں کی طرح زندگی کی نعمت عطا فرمائی اور ان میں بھی خواہشات نفس کو رکھا اور انہیں بھی نفع و نقصان کی پہچان کے لئے عقل و شعور کی دولت عطا فرمائی۔ اس کا ثبوت آدمؑ و ابلیس کے قصے میں ملتا ہے۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ

۱۔ ہم نے خواہش نفس کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا ہے کہ اس صفت میں جنات بھی انسان کے شریک ہیں۔ اسی لئے انسان اور جنات دونوں کو ایسے ناصح افراد کی شدید ضرورت ہے جو انہیں خدا خوفی کا سبق دیں اور خواہشات کی پیروی سے باز رہنے کی تلقین کریں۔ خدا کی طرف سے مقرر ایسے ہادیوں کو انبیاء اور اوصیاء کہا جاتا ہے۔

عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ... جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا)۔ وہ جنات میں سے تھا۔ اس نے اپنے رب کے حکم سے تجاوز کیا۔ (سورۂ کہف: آیت ۵۰)

اس واقعے کی تفصیل ہمیں سورۂ اعراف کی ان آیات میں دکھائی دیتی ہے:

''ہم ہی نے تم کو (ابتداء میں مٹی سے) پیدا کیا۔ پھر تمہاری صورت بنائی۔ پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا صرف ابلیس نے انکار کیا اور وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ (خدا نے) فرمایا جب میں نے تجھ کو حکم دیا تھا تو کس چیز نے تجھے سجدے سے باز رکھا۔ اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔ فرمایا کہ تو یہاں سے اتر جا۔ تجھے شایاں نہیں کہ یہاں غرور کرے۔ پس نکل جا۔ تو ذلیل ہے۔ اس نے کہا مجھے قیامت تک کی مہلت دے دے۔ فرمایا (اچھا) تجھ کو مہلت دی جاتی ہے۔ ابلیس نے کہا کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہی ہے میں بھی تیرے سیدھے راستے پر (ان کو گمراہ کرنے کے لئے) بیٹھ جاؤں گا۔ پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا اور تو ان کی اکثریت کو شکرگزار نہیں پائے گا۔ فرمایا کہ جا۔ تو راندۂ بارگاہ ہے۔ میں تجھ سے اور ان سب سے جو تیری پیروی کریں گے جہنم کو بھر دوں گا۔'' (آیت ۱۱ تا ۱۸)

یقیناً اس جناتی پیکر کی خواہش نفس تمام خواہشات نفس رکھنے والے جانداروں سے کہیں زیادہ تھی۔

خدا نے عام جنات کے متعلق یہ واضح کیا کہ ان میں بھی خواہش نفس موجود ہے اور وہ اسی خواہش کی تکمیل کے لئے آسمانوں تک جاتے تھے اور بزم اعلیٰ کی گفتگو سنا کرتے تھے اور ان کا یہ سلسلہ ایک طویل عرصے تک جاری رہا۔ جب خدا نے نور نبوت محمدؐ سے دنیا کو منور کیا تو جنات کا آسمانوں میں داخلہ بند کر دیا گیا اور ان کو بھگانے کے لئے شہاب ثاقب مارے جانے لگے۔

حدیث پاک میں ہے کہ جنات بزم اعلیٰ کی باتیں سن کر کاہنوں کو بتایا کرتے تھے اور کاہن ان میں اپنی طرف سے اضافہ کر کے لوگوں کو اذیت اور مصیبت میں ڈالتے تھے۔ خدا نے انسانوں اور جنات کی باہمی شراکت کا یہ نتیجہ بیان فرمایا ہے: فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝ اس سے ان کی مصیبت اور بڑھ گئی۔

خدا نے سورۂ جن میں یہ بات واضح فرمائی ہے کہ انسان اور جنات دونوں اپنی خواہشوں کے قیدی ہیں اسی لئے وہ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ علاوہ ازیں جنات میں مسلم بھی ہیں اور غیر مسلم بھی۔

سورۂ احقاف میں ہے کہ کچھ جنات نے قرآن سنا تو وہ اس سے بیحد متاثر ہوئے اور ایمان لے آئے پھر انہوں نے واپس جا کر اپنی قوم سے کہا کہ خدا نے حضرت موسیٰؑ کے بعد قرآن اتارا ہے۔ انہوں نے اپنی قوم سے یہ مطالبہ بھی کیا کہ وہ بھی ان کی طرح سے ایمان لے آئے۔ سورۂ جن میں ہے کہ بہت سے انسانوں کی طرح بہت سے جنوں کا خیال ہے کہ مرنے کے بعد قبروں سے نہیں اٹھایا جائے گا اور قیامت قائم نہیں ہوگی۔

ان تمام باتوں سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ انسانوں کی طرح جنات بھی عقل وشعور رکھتے ہیں۔ اور جنات انسانوں سے ہم کلام بھی ہوتے ہیں اور ان کی زبان بھی سمجھتے ہیں۔ اگر وہ انسانوں کی زبان سے ناآشنا ہوتے تو وہ قرآن مجید کیسے سمجھ پاتے۔ جنات حضرت سلیمانؑ کے لئے بہت سے کام کیسے انجام دیتے تھے یَعۡمَلُوۡنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِیۡبَ وَ تَمَاثِیۡلَ وَ جِفَانٍ كَالۡجَوَابِ وَ قُدُوۡرٍ رّٰسِیٰتٍ... یہ ان (سلیمانؑ) کے لئے محرابیں، مجسمے، حوض کے برابر پیالے اور زمین میں گڑی ہوئی بڑی بڑی دیگیں بنایا کرتے تھے۔ اور یہ کہ وَمِنَ الشَّیَاطِیۡنِ مَنۡ یَّغُوۡصُوۡنَ لَهٗ وَ یَعۡمَلُوۡنَ عَمَلاً دُوۡنَ ذٰلِكَ... کچھ شیطان، حضرت سلیمانؑ کے لئے غوطہ خوری کرتے تھے اور اس کے علاوہ دوسرے کام بھی انجام دیتے تھے۔ (سورۂ انبیاء: آیت ۸۲)

خدا نے دین اسلام کی ہدایت انسان اور جن دونوں کو فرمائی اور دونوں کی طرف رسول بھیجے۔ انبیاء انسانوں اور جنوں کے لئے مبشرین، منذرین اور معلمین بن کر آئے۔ انہوں نے ان دونوں کو خدائے واحد پر ایمان لانے اور شرک سے بچنے کی تعلیم دی اور انہیں انبیاء وکتب و ملائکہ اور روز آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی اور انہیں روز آخرت کے عذاب سے ڈرایا۔

اور جہاں تک اسلامی احکام کا تعلق ہے تو آداب اجتماعی انسانوں اور جنوں کے لئے یکساں ہیں۔ مثلاً غرباء کی دستگیری کرنا اور ضرورت مند مومنین کی مدد کرنا اور کسی کو ناحق اذیت نہ پہنچانا جیسے احکام انسانوں اور جنوں کے لئے مساوی ہیں۔ اور جہاں تک نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا تعلق ہے تو جنات کے مخصوص حالات کے تحت ان کے احکام ہوں گے کیونکہ شریعت کا اصول بھی ہے کہ اختلاف حالات کی وجہ سے احکام بدل جاتے ہیں مثلاً مرد کے لئے فقہی احکام کچھ ہیں اور عورت کے لئے کچھ۔ تندرست کے احکام الگ ہیں اور بیمار کے احکام الگ۔ مقیم کے احکام الگ ہیں اور مسافر کے احکام الگ۔

خلاصۂ بحث

خدا نے ملائکہ کو الوہیت اور ربوبیت کے کام بجا لانے والے کارکنوں کے طور پر خلق فرمایا ہے جیسا کہ قرآن میں بتایا گیا ہے۔ اسی لئے خدا نے ان کو دوسری مخلوقات سے پہلے پیدا کیا۔ جس وقت خدا نے عرش کو پیدا کیا اس وقت بھی فرشتے حاملین عرش[1] تھے: وَهُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرۡشُهٗ عَلَی الۡمَآءِ... وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں (مرحلوں) میں پیدا کیا

۱۔ یہاں عرش سے خدا کی الوہیت اور ربوبیت کے کارکن فرشتوں کے رہنے کی جگہ مراد ہے جو پانی پر تھی۔ فرشتے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پہلے اسی "عرش" پر رہتے تھے۔ عرش ایک تخت کی مانند کوئی مادی چیز نہیں ہے جو یہ کہا جائے کہ خدا عرش پر تھا اور عرش پانی پر تھا۔ ﴿امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو ایسا سمجھتا ہے کہ خدا عرش پر متمکن ہے وہ اسے "محمول" سمجھتا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ خدا کو جسم سمجھتا ہے جب کہ خدا جسم اور جسمانیت سے پاک ہے﴾۔

اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ (سورۂ ہود: آیت ۷)

اس کارخانہ قدرت میں آسمان اور آسمان میں جتنے بھی فرشتے ہیں جنہیں ہم جانتے ہیں یا نہیں جانتے اور چاند، سورج، ستارے اور کہکشائیں جتنے بھی اجرام فلکی ہیں خواہ ہمارے علم کے ننھے منے جگنو کی پرواز اس افق تک ہو یا نہ ہو نیز زمین اور زمین کی نباتات، معدنیات، آبی ذخائر اور مختلف اقسام کی جتنی بھی گیسیں ہیں خواہ ہم انہیں جانتے ہو یا نہ جانتے ہوں سب کچھ حیوانوں، جنوں اور انسانوں کی ضروریات کے مطابق بنائے گئے ہیں۔

فرشتوں کے بعد خدا نے حیوانات کو پیدا کیا کیونکہ جنوں اور انسانوں کو حیوانات کی ضرورت تھی۔ حیوانات کے بعد خدا نے جنوں کو پیدا کیا اور سب سے آخر میں انسان کو پیدا کیا اور جنات کے مقدم ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ جب تخلیق آدمؑ کے وقت خدا نے فرشتوں کو سجدۂ آدمؑ کا حکم دیا تھا تو سب نے سجدہ کیا تھا لیکن ابلیس نے تکبر کیا تھا اور اس کا تعلق جنات سے تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ قوم جنات انسانوں کی پیدائش سے پہلے عرصہ وجود میں آچکی تھی۔

قرآنی آیات کے گہرے مطالعے کے بعد ہم اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ خدا نے سب سے پہلے فرشتوں کو پھر حیوانوں اور جنوں کو اور آخر میں انسانوں کو پیدا کیا۔ انسان اشرف المخلوقات تھا۔ اسے پہلی تینوں اصناف کی ضرورت تھی اسی لئے خدا نے انسان کو ان تینوں اصناف کے بعد پیدا کیا۔

اور جہاں تک فرشتوں، جنوں اور انسانوں کی ہدایت کا تعلق ہے تو رب العالمین نے تینوں اصناف کو عقل و شعور کی نعمت عطا فرمائی اور پھر انہیں بلاواسطہ اور بالواسطہ دونوں قسم کی تعلیم دی جیسا کہ قصۂ آدمؑ میں ہمیں فرشتوں کا یہ قول دکھائی دیتا ہے: سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا... تو پاک ہے۔ ہم بس اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں علم بخشا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے فرشتوں کو براہ راست تعلیم دی ہے۔ اسی طرح سے حضرت آدمؑ کے متعلق قرآن مجید یہ گواہی دیتا ہے: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا. اور خدا نے آدمؑ کو تمام اسما کی تعلیم دی۔ اور انسان کے متعلق فرمان الٰہی ہے: عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ اس نے انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جنہیں وہ نہیں جانتا تھا۔

خدا فرماتا ہے کہ جنات نے قرآن مجید سنا تھا اور وہ اس سے متاثر ہو کر ایمان لائے تھے۔ حیوانات میں ادراک کا کچھ نہ کچھ حصہ موجود ہے اسی لئے خدا نے انہیں فطری الہام کے ذریعے سے ہدایت دی۔

ان کے علاوہ بے جان اجسام مثلاً سورج، چاند، ستارے اور سیارے شعور و ادراک نہیں رکھتے۔ خدا نے کائنات کے ہر ذرہ کی تسخیری ہدایت عطا فرمائی ہے جس کا تفصیلی ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔

علاوہ ازیں خدا نے انسانوں کے لئے جس دین کی وحی فرمائی ہے اس دین کا نام اسلام ہے اور اسلام کی مکمل بحث آگے آئے گی۔

دین اور اسلام

اسلامی شریعت میں لفظ دین کا اطلاق دو معانی پر کیا گیا ہے:

بدلہ اور جزا: قیامت کے دن کو قرآن مجید نے سورۂ فاتحہ میں یوم الدین یعنی "جزا کے دن" سے تعبیر کیا ہے: مالک یوم الدین ٥ خدا روز جزا کا مالک ہے۔

شریعت اور قانون: قرآن مجید میں اکثر لفظ دین قانون شریعت کی اطاعت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ قصہ حضرت یوسفؑ سے معلوم ہوتا ہے: مَاكَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِىْ دِيْنِ الْمَلِكِ... بادشاہ کے قانون کی رو سے وہ اپنے بھائی کو پکڑ نہیں سکتے تھے۔

ایک دوسرے مقام پر آیا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ..یعنی خدا نے تمہارے لئے (اسی) قانون شریعت کی اطاعت کو پسند فرمایا ہے۔

اسلام اور مسلم

اسلام خداوند تعالیٰ کے حضور سر جھکا دینے اور اُس کی شریعت پر عمل کرنے کا نام ہے۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ یعنی خدا کے آگے سر جھکا دینے کا نام دین ہے۔ (سورۂ آل عمران: آیت۱۹) لہٰذا مسلم وہی ہے جو خدا کی اطاعت کرے اور اس کی شریعتوں کا پابند ہو۔ چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کے زمانے میں اسلام کے معنی خدا کی اطاعت کرنا اور حضرت آدمؑ پر نازل ہونے والے احکام کو ماننا تھا۔ اس دور میں مسلم وہ شخص تھا جو خدا کا مطیع اور حضرت آدمؑ پر نازل ہونے والے احکام کا پابند تھا۔ اس اطاعت گزاری میں حضرت آدمؑ کی اطاعت شامل تھی کیونکہ وہ خدا کے احکام لے کر آئے تھے۔

حضرت نوحؑ کے دور میں خدا کی اطاعت اور حضرت نوحؑ کی شریعت کی پابندی کرنے کا نام اسلام تھا۔ اس دور کے اسلام میں حضرت نوحؑ کو نبی مرسل ماننا اور حضرت آدمؑ کی نبوت کی تصدیق کرنا شامل تھا اور اس پر ایمان لانے والا مسلم تھا۔

حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں خدا کی اطاعت اور حضرت آدمؑ و حضرت نوحؑ کی تصدیق کرنے اور حضرت ابراہیمؑ کی نبوت پر ایمان لانے کا نام اسلام تھا۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں خدا کی اطاعت کرنے، گزشتہ انبیاء پر ایمان لانے اور اس دور کے نبی کی شریعت پر عمل کرنے کا نام اسلام تھا۔

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں خدا کی اطاعت کرنے، سابقہ انبیاء کی تصدیق کرنے اور آنحضرتؐ کی شریعت پر ایمان لانے کا نام اسلام تھا۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں اسلام کے لئے خدا نے زبانی اقرار کی شرط عائد کردی اور مسلمان کے لئے شہادتین اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں) کا زبانی اقرار لازمی قرار دیا گیا۔[1]

اس زبانی اقرار کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ توحید و نبوت کی گواہی دینے والا "ضروریات اسلام" میں سے کسی چیز کا انکار نہ کرے نیز جن انبیائے کرامؑ کی نبوت کی تصریح قرآن مجید میں کی گئی ہے ان میں سے کسی کا انکار نہ کرے۔ اسلام کے ضروری احکام مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے وجوب کا منکر نہ ہو اور جن

☆ جملہ لاالٰہ الا اللہ کوئی Cliche نہیں اور نہ یہ کسی فکر کی تخلیق ہے۔ یہ "وحی ربانی ہے۔" خود خدا نے اپنے نبیؐ سے فرمایا: قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰی اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (سورۂ انبیاء: آیت ۱۰۸) توحید ایک نظری عقیدہ نہیں، یہ عملی اظہار بھی چاہتا ہے صرف خدا کی "ذات" کو ایک ماننا ہی نہیں بلکہ اس کی "بات" کو ماننا بھی توحید کے زمرے میں شامل ہے۔ کلمہ توحید مسلمانوں پر اس طرح طاری ہونا چاہیے کہ ان میں وحدت فکر و عمل پیدا ہوجائے۔ ذرا سوچئے کہ آغاز دعوت کے وقت عربوں کی حالت کیا تھی اور رسول اللہؐ کے وقت واپسیں وہ کہاں پہنچ گئے تھے۔ عقیدۂ توحید سے ان کے دل معمور تھے۔ اپنی زندگیوں میں توحید کے انطباق سے لڑتے جھگڑتے عرب باہم شیر و شکر ہوکر "خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ" کی منہ بولتی تصویر بن گئے تھے۔ وہ جو کبھی دشمن اسلام تھے اسلام کے ایسے شیدا ہوگئے تھے کہ فتح ایران کے موقع پر ایک برہنہ پا مسلمان سپاہی نے اس وقت کی "سپر پاور" کے کمانڈر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا: بُعِثْنَا لِنُخْرِجَ الْعِبَادَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ اِلٰی عِبَادَةِ رَبِّ الْعِبَادِ مِنْ ذُلِّ الْاَدْیَانِ اِلٰی عِزِّ الْاِسْلَامِ۔

جواہر لال نہرو "تاریخ عالم پر ایک نظر" میں صفحہ ۲۲۷ پر لکھتے ہیں: "یہ دیکھ کر واقعی حیرت ہوتی ہے کہ وہ عرب قوم جو صدیوں سے خوابیدہ تھی اور بظاہر دنیا کے واقعات سے اسے کوئی تعلق نہیں تھا یکایک اس طرح جاگ اٹھی اور اس نے ایسے زبردست جوش عمل کا ثبوت دیا کہ ساری دنیا دنگ رہ گئی اور ایک انقلاب برپا ہوگیا۔ چنانچہ عربوں کی یہ داستان کہ وہ ایشیاء، افریقہ اور یورپ میں کس تیزی سے پھیل گئے اور تہذیب و تمدن کے کس اعلیٰ درجہ پر پہنچ گئے تاریخ کے حیرت انگیز کرشموں میں شمار کی جاتی ہے۔ اسلام وہ نئی قوت تھی جس نے عربوں کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر جگا دیا اور ان میں خود اعتمادی و جوش عمل کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔" بقول اقبال

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے؟ فقط اک مسئلہ علم کلام

اگر آج عالم اسلام باطل سے کنارہ کش ہوکر صدق دل سے خدا کی حاکمیت اعلیٰ کو مان لے (یعنی خدا کے سوا کسی طاقت سے نہ ڈرے) اور واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا کے خدائی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے علاقائی اور گروہی مفادات سے بالاتر ہوکر اتحاد فکر و عمل کا مظاہرہ کرے نیز تعلیم، سائنس، ٹیکنالوجی، دفاع، معیشت اور ثقافت کے میدانوں میں اولوالعزمی کے ساتھ قدم بڑھائے تو ایک مرتبہ پھر مسلمان عظمت رفتہ کی تاریخ کو دہرا سکتے ہیں مگر اس کے لئے مسلم حکمرانوں میں ایمانی جرأت اور حرارت کا ہونا اولین شرط ہے۔ لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۳۹)

محرمات پر اتفاق ہے انہیں حرام سمجھتا ہو مثلاً شراب نوشی، سود خوری اور محرموں سے نکاح وغیرہ کو حلال نہ سمجھتا ہو۔ الغرض کوئی شخص اس وقت تک دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوسکتا جب تک شہادتین کے زبانی اقرار کے ساتھ ضروریات دین پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ ضروریات دین سے مراد وہ حقائق ہیں جن پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

مومن اور منافق

اسلام اور ایمان میں فرق ہے اسی لئے مومن اور مسلم میں بھی فرق ہے۔ سورۂ حجرات میں ہے:
قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلٰكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ... بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں۔ ایمان ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔ (سورۂ حجرات: آیت ۱۴)

اسلام کا مطلب ہے: اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ تَصْدِيقٌ بِالْقَلْبِ۔ چنانچہ مومن وہ ہوتا ہے جو زبان سے بھی اسلام کا اظہار کرے اور دل سے بھی اس کی تصدیق کرے۔ اسلام اس کے دل میں کھب جاتا ہے اس لئے وہ اسلام کے عقائد پر دل سے ایمان رکھتا ہے اور خدا کو حاضر و ناظر جان کر اس کے احکام پر خوشی خوشی عمل کرتا ہے۔ اگر اس سے کوئی گناہ ہوجائے تو وہ توبہ کرتا ہے اور خدا سے مغفرت طلب کرتا ہے۔ مسلم اور مومن دونوں پر دنیا میں یکساں حکم جاری ہوگا کیونکہ دونوں ہی قانوناً مسلمان ہیں۔ ان دونوں کا فرق قیامت کے دن ظاہر ہوگا۔

نفاق کے لغوی معنی: اردو کی کہاوت ہے کہ ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور۔ اس سے ملتی جلتی عربی کی کہاوت ہے نَافَقَ الْيَرْبُوْعُ یعنی یربوع نے منافقت کی یا دھوکا دیا۔ یربوع یعنی جنگلی چوہا جس کی اگلی ٹانگیں چھوٹی، پچھلی ٹانگیں بڑی اور دم لمبی ہوتی ہے۔ اس کہاوت کا پس منظر یہ ہے کہ یربوع اپنا بل بناتے وقت اس میں دو سوراخ بناتا ہے۔ ایک سوراخ کھلا رکھتا ہے جب کہ دوسرے سوراخ کو تھوڑی سی مٹی ڈال کر چھپا دیتا ہے۔ جو سوراخ ظاہر ہوتا ہے اسے قاصعاء اور جو سوراخ چھپا ہوتا ہے اور اسے نافقاء کہتے ہیں۔ جب کوئی یربوع پر حملہ آور ہوتا ہے تو وہ اپنا سر چھپے ہوئے سوراخ پر مارتا ہے جس سے سوراخ کھل جاتا ہے اور وہ بھاگ نکلتا ہے۔ اس کے اس عمل کی وجہ سے یہ کہاوت زبان زد عام ہوگئی۔

نفاق کے اصطلاحی معنی: نَافَقَ الرَّجُلُ نِفَاقًا یعنی ایک شخص نے منافقت کی۔ یہ جملہ ایک ایسے شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو اسلام کا اظہار کرے اور ظاہری طور پر احکام اسلام پر عمل کرے لیکن دل میں کفر کو چھپائے ہوئے ہو۔ ایسے شخص کو اسلامی اصطلاح میں منافق کہا جاتا ہے۔

خدا فرماتا ہے: اِذَا جَآئَکَ الْمُنَافِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ لَکَاذِبُوْنَ ○ اِتَّخَذُوْا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً... (اے رسولؐ) جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ خدا کے رسول ہیں اور خدا جانتا ہے کہ آپ خدا کے رسول ہیں اور خدا گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو اپنے لئے ڈھال بنالیا ہے... (سورۂ منافقون: آیت ۱و۲)

مقصد یہ ہے کہ منافقین اپنے نفاق کو قسموں کے دبیز پردوں میں چھپاتے تھے جبکہ خدا نے ان کے نفاق کا پردہ چاک کر کے ان کی حقیقت ظاہر کر دی تھی۔

خدا کا فرمان ہے: اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ یُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَ اِذَا قَامُوْا اِلَی الصَّلٰوةِ قَامُوْا کُسَالٰی یُرَآءُوْنَ النَّاسَ... بے شک منافق خدا کو دھوکا دینا چاہتے ہیں جبکہ خدا ان کو دھوکے میں مبتلا کئے ہوئے ہے اور جب یہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی بے دلی سے کھڑے ہوتے ہیں صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے۔ (سورۂ نساء: آیت ۱۴۲)

تمام شریعتوں کا نام اسلام رہا ہے

قرآن مجید میں امم سابقہ کے دین کو اسلام اور اس دین کے پیروکاروں کو مسلمان کہا گیا ہے۔

حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَمَا سَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ تم نے منہ پھیر لیا ہے تو (کیا) میں نے تم سے کوئی معاوضہ مانگا ہے۔ میرا معاوضہ تو خدا کے ذمے ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ (سورۂ یونس: آیت ۷۲)

حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ارشاد ہے: مَا کَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّ لٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ○ ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ (خدا) کے فرمانبردار مسلم تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۶۷)

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوبؑ کی وصیت کے بارے میں قرآن بتاتا ہے: وَ وَصّٰی بِهَا اِبْرٰهِیْمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ یَا بَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوبؑ نے بھی (اپنے بیٹوں سے یہی کہا) کہ بیٹا! خدا نے تمہارے لئے یہی دین پسند فرمایا ہے مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۳۲)

ایک اور جگہ قرآن فرماتا ہے: وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰهِیْمَ هُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ... اور اس نے تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ (اور تمہارے لئے)

تمہارے باپ ابراہیم کا دین (پسند کیا) اور اس نے پہلے بھی تمہارا نام مسلمان رکھا تھا۔ (سورۂ حج: آیت ۷۸)

قوم لوط کے متعلق ارشاد ہے: فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ وہاں جتنے مومن تھے ان کو ہم نے نکال لیا اور (اس بستی میں) ہم نے ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔ (سورۂ ذاریات: آیت ۳۵و۳۶)

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا تھا: يَا قَوْمِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُسْلِمِينَ ۝ اے قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اگر (دل سے) مسلمان ہو تو اسی پر بھروسا رکھو۔ (سورۂ یونس: آیت ۸۴)

فرعون کے جادوگر جب حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آئے اور فرعون نے انہیں دھمکیاں دیں تو انہوں نے دعا مانگی کہ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ۝ اے ہمارے رب! ہمیں صبر و ثبات عطا فرما اور ہمیں مسلمان کی موت نصیب فرما۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۲۶)

قرآن مجید فرماتا ہے کہ جب فرعون دریائے نیل میں ڈوبنے لگا تو بولا: آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ میں ایمان لاتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں بھی مسلمانوں میں سے ہوتا ہوں۔ (سورۂ یونس: آیت ۹۰)

حضرت سلیمانؑ نے ملکہ بلقیس کو اپنے خط کے سرنامہ میں لکھا: إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ۝ أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ۝ یہ خط ہے سلیمانؑ کی طرف سے۔ یہ شروع کیا جاتا ہے خدا کے نام سے جو رحمٰن ہے رحیم ہے۔ (اما بعد) مجھ سے سرکشی نہ کرو اور مسلمان بن کر میرے پاس چلے آؤ۔ (سورۂ نمل: آیت ۳۰و۳۱)

اسی سورۂ نمل میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ فرماتے ہیں: يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ۝ اے درباری سردارو! تم میں سے کون ایسا ہے جو ملکہ کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کہ وہ لوگ مسلمان بن کر میرے پاس آئیں۔ (آیت: ۳۸)

حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کے متعلق خدا فرماتا ہے: وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ اور جب میں نے حواریوں کی طرف وحی بھیجی کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔ (سورۂ مائدہ: آیت ۱۱۱)

حواریوں کے متعلق قرآن کہتا ہے: فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝ جب عیسیٰؑ نے ان کی طرف سے نافرمانی دیکھی تو کہنے لگے کہ کوئی ہے جو خدا کا طرفدار اور میرا مددگار ہو؟ حواری بولے کہ ہم خدا کے (طرفدار اور آپ کے) مددگار ہیں۔ ہم خدا پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۵۲)

سابقہ امتوں کو صرف قرآنی اصطلاح میں ہی مسلم نہیں کہا گیا بلکہ اسلامی روایات میں بھی انہیں مسلم کہا گیا ہے اور ان کے دین کا نام اسلام بتایا گیا ہے۔ ابن سعد نے اپنی سند سے ابن عباسؓ کے یہ جملے نقل کئے ہیں: وَمَا بَیْنَ نُوْحٍ اِلٰی آدَمَ مِنَ الْآبَاءِ کَانُوْا عَلَی الْاِسْلَامِ حضرت نوحؑ سے لیکر حضرت آدمؑ تک ہمارے سارے آباؤ اجداد اسلام پر تھے۔

اس کے بعد والی روایت میں ہے: کَانَ بَیْنَ آدَمَ وَ نُوْحٍ عَشَرَةُ قُرُوْنٍ کُلُّھُمْ عَلَی الْاِسْلَامِ حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان دس پشتیں گزری ہیں۔ وہ سب کے سب اسلام پر تھے۔

ابن عباسؓ کی روایت یہاں ختم ہوتی ہے کہ کشتی نوحؑ سے اترنے والوں کی نسلیں بڑھتی رہیں یہاں تک کہ ان کی تعداد ایک لاکھ ہوگئی۔ وہ سب کے سب اسلام پر تھے۔[1]

شریعتوں اور ان کے ناموں میں تحریف

یہود و نصاریٰ نے صرف خدا کی شریعت میں ہی تحریف نہیں کی بلکہ انہوں نے خدا کے دین کے نام بھی بدل ڈالے۔ انہوں نے خدا کے پسندیدہ دین "اسلام" کا نام بدل کر یہودیت اور نصرانیت رکھ دیا۔

(۱) یہود کی وجہ تسمیہ: لفظ یہود دراصل یہودا شہر کی طرف منسوب ہے۔ یہ شہر یروشلم کے جنوب مغرب میں جبل صیہون میں واقع تھا اور حضرت داؤدؑ کی سلطنت کا دارالحکومت تھا۔ اسی شہر میں انہوں نے اس چوبی صندوق کیلئے ایک بڑا مکان تعمیر کرایا تھا جو تابوت یہودا (The Ark of Covenant) کہلاتا ہے اور جس میں تورات کی تختیاں اور انبیائے بنی اسرائیل کے تبرکات تھے۔ بنی اسرائیل کے بادشاہ اسی شہر میں مدفون ہوئے۔[2]

(۲) نصاریٰ کی وجہ تسمیہ: لفظ نصرانی ناصرہ شہر کی طرف منسوب ہے۔ یہ شہر فلسطین میں واقع ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا بچپن اسی شہر میں گزرا تھا اس لئے انہیں عیسیٰؑ ناصری[3] کہا جاتا تھا۔ اسی نسبت سے ان کے شاگردوں کو بھی ناصری کہا جانے لگا۔ مسیحی اور مسیحیت بھی محدود الفاظ ہیں کیونکہ اس کی نسبت حضرت مسیحؑ کی طرف ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے مخالفین نے ۴۱ء میں ان کے ماننے والوں کو مسیحی کہا کیونکہ اس طرح وہ ان کی تحقیر کرنا چاہتے تھے۔[4]

(۳) تحریف شریعت: یہود و نصاریٰ کی پوری تاریخ تحریف سے بھری ہوئی ہے۔ ان کی تحریفات اتنی زیادہ ہیں کہ ان پر مستقل کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ سردست ہم صرف عقیدۂ الوہیت و ربوبیت میں تحریف کا جائزہ پیش کرتے ہیں کیونکہ الوہیت و ربوبیت دین کے عقائد و احکام کی اساس ہے۔

۱۔ طبقات ابن سعد، مطبوعہ یورپ، ج ۱، ص ۱۸۔
تاریخ ابن کثیر ج ۱، ص ۱۰۱ پر ابن عباسؓ سے یہ الفاظ منقول ہیں: "دس پشتیں سب کی سب اسلام پر تھیں۔"

۲۔ قاموس کتاب مقدس، قاری۔ مادہ یہود، یہودا اور صیہون۔

۳و۴۔ قاموس کتاب مقدس، مادہ الناصرۃ اور الناصری، المسیح والمسیحی۔

یہود کی تحریف کا نمونہ

ہم نے درج ذیل اقتباسات تورات، سفر تکوین باب دوم کی آٹھویں آیت سے آخری آیت تک لئے ہیں۔ اس کے بعد ہم نے سفر تکوین کا باب سوم مکمل نقل کیا ہے۔

خداوند خدا نے مشرق کی طرف عدن میں ایک باغ لگایا اور انسان کو جسے اس نے بنایا تھا وہاں رکھا ٥ اور خداوند خدا نے ہر درخت کو جو دیکھنے میں خوشنما اور کھانے میں اچھا تھا زمین سے اگایا اور باغ کے بیچ میں حیات کا درخت اور نیک و بد کی پہچان کا درخت بھی لگایا ٥ اور عدن سے ایک دریا باغ کے سیراب کرنے کو نکلا اور وہاں سے چار ندیوں میں تقسیم ہوا ٥ پہلی کا نام فیسون ہے جو حویلہ کی ساری زمین کو جہاں سونا ہوتا ہے گھیرے ہوئے ہے ٥ اور اس زمین کا سونا چوکھا ہے اور وہاں موتی اور سنگ سلیمانی بھی ہیں ٥ اور دوسری ندی کا نام جیحون ہے جو کوش کی ساری زمین کو گھیرے ہوئے ہے ٥ اور تیسری ندی کا نام دجلہ ہے جو اسور کے مشرق کو جاتی ہے اور چوتھی ندی کا نام فرات ہے ٥ اور خداوند خدا نے آدم کو لے کر باغ عدن میں رکھا کہ اس کی باغبانی اور نگہبانی کرے ٥ اور خداوند خدا نے آدم کو حکم دیا اور کہا کہ تو باغ کے ہر درخت کا پھل بے روک ٹوک کھا سکتا ہے لیکن نیک و بد کی پہچان کے درخت کا کبھی نہ کھانا کیونکہ جس روز تو نے اس میں سے کھایا تو مرا ٥ اور خداوند خدا نے کہا کہ آدم کا اکیلا رہنا اچھا نہیں میں اس کے لئے ایک مددگار اس کی مانند بناؤں گا ٥ اور خداوند خدا نے کل دشتی جانور اور ہوا کے کل پرندے مٹی سے بنائے اور ان کو آدم کے پاس لایا کہ دیکھے کہ وہ ان کے کیا نام رکھتا ہے اور آدم نے جب جانور کو جو کہا وہی اس کا نام ٹھہرا ٥ اور آدم نے کل چوپایوں اور ہوا کے پرندوں اور کل دشتی جانوروں کے نام رکھے پر آدم کے لئے کوئی مددگار اس کی مانند نہ ملا ٥ اور خداوند خدا نے آدم پر گہری نیند بھیجی اور وہ سو گیا اس نے اس کی پسلیوں میں سے ایک کو نکال لیا اور اس کی جگہ گوشت بھر دیا ٥ اور خداوند خدا اس پسلی سے جو اس نے آدم میں سے نکالی تھی ایک عورت بنا کر اسے آدم کے پاس لایا ٥ اور آدم نے کہا کہ یہ تو اب میری ہڈیوں میں سے ایک ہڈی اور میرے گوشت میں سے گوشت ہے اس لئے وہ ناری کہلائے گی کیونکہ وہ نر سے نکالی گئی ہے ٥ اس واسطے مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑ دے گا اور اپنی بیوی سے ملا رہے گا اور وہ ایک تن رہے گا ٥ اور آدم اور اس کی بیوی دونوں ننگے تھے اور شرماتے نہ تھے ٥

باب نمبر ۳

اور سانپ کل دشتی جانوروں سے جن کو خداوند خدا نے بنایا تھا اور چالاک تھا اور اس نے عورت سے کہا کہ کیا واقعی خدا نے کہا ہے کہ باغ کے کسی درخت کا پھل نہ کھانا؟ ٥ عورت نے سانپ سے کہا کہ باغ کے درختوں کا پھل تو ہم کھاتے ہیں ٥ پر جو درخت باغ کے بیچ میں ہے اس کے پھل کی بابت خدا نے کہا ہے کہ تم

نہ تو اسے کھانا اور نہ چھونا ورنہ مرجاؤ گے ○ تب سانپ نے عورت سے کہا کہ تم ہرگز نہ مرو گے ○ بلکہ خدا جانتا ہے کہ جس دن تم اسے کھاؤ گے تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی اور تم خدا کی مانند نیک و بد کے جاننے والے بن جاؤ گے ○ عورت نے جو دیکھا کہ وہ درخت کھانے کے لئے اچھا اور آنکھوں کو خوشنما معلوم ہوتا ہے اور عقل بخشنے کے لئے خوب ہے تو اس کے پھل میں سے لیا اور کھایا اور اپنے شوہر کو بھی دیا اور اس نے کھایا ○ تب دونوں کی آنکھیں کھل گئیں اور ان کو معلوم ہوا کہ وہ ننگے ہیں اور انہوں نے انجیر کے پتوں کو سی کر اپنے لئے لنگیاں بنائیں ○ اور انہوں نے خداوند خدا کی آواز جو ٹھنڈے وقت باغ میں پھرتا تھا سنی اور آدم اور اس کی بیوی نے اپنے آپ کو خداوند خدا کے حضور سے باغ کے درختوں میں چھپایا ○ تب خداوند خدا نے آدم کو پکارا اور اس سے کہا کہ تو کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے باغ میں تیری آواز سنی اور میں ڈرا کیونکہ میں ننگا تھا اور میں نے اپنے آپ کو چھپایا ○ اس نے کہا کہ تجھے کس نے بتایا کہ تو ننگا ہے؟ ○ کیا تو نے اس درخت کا پھل کھایا جس کی بابت میں نے تجھ کو حکم دیا تھا کہ اسے نہ کھانا؟ ○ آدم نے کہا کہ جس عورت کو تو نے میرے ساتھ کیا ہے اس نے مجھے اس درخت کا پھل دیا اور میں نے کھایا ○ تب خداوند خدا نے عورت سے کہا کہ تو نے یہ کیا کیا؟ ○ عورت نے کہا کہ سانپ نے مجھ کو بہکایا تو میں نے کھایا ○ اور خداوند خدا نے سانپ سے کہا کہ اس لئے کہ تو نے یہ کیا تو سب چوپایوں اور دشتی جانوروں میں ملعون ٹھہرا۔ تو اپنے پیٹ کے بل چلے گا اور اپنی عمر بھر خاک چاٹے گا ○ اور میں تیرے اور عورت کے درمیان اور تیری نسل اور عورت کی نسل کے درمیان عداوت ڈالوں گا وہ تیرے سر کو کچلے گا اور تو اس کی ایڑی پر کاٹے گا ○ پھر اس نے عورت سے کہا کہ میں تیرے دردِ حمل کو بہت بڑھاؤں گا۔ تو درد کے ساتھ بچے جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا ○ اور آدم سے اس نے کہا کہ چونکہ تو نے اپنی بیوی کی بات مانی اور اس درخت کا پھل کھایا جس کی بابت میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ اسے نہ کھانا اس لئے زمین تیرے سبب سے لعنتی ہوئی۔ مشقت کے ساتھ تو اپنی عمر بھر اس کی پیداوار کھائے گا ○ تو اپنے منہ کے پسینے کی روٹی کھائے گا جب تک زمین میں تو پھر لوٹ نہ جائے اس لئے کہ تو اس سے نکالا گیا ہے کیونکہ تو خاک ہے اور خاک میں پھر لوٹ جائے گا ○ اور آدم نے اپنی بیوی کا نام حوا رکھا اس لئے کہ وہ سب زندوں کی ماں ہے ○ اور خداوند خدا نے آدم اور اس کی بیوی کے واسطے چمڑے کے کرتے بنا کر ان کو پہنائے ○

اور خداوند خدا نے کہا کہ دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا۔ اب کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنا ہاتھ بڑھائے اور حیات کے درخت سے بھی کچھ لے کر کھائے اور ہمیشہ جیتا رہے ○ اس لئے خداوند خدا نے اس کو باغ عدن سے باہر کر دیا تاکہ وہ اس زمین کی جس میں سے وہ لیا گیا تھا کھیتی کرے ○ چنانچہ اس نے آدم کو نکال دیا اور باغ عدن کے مشرق کی طرف کروبیوں اور چوگرد گھومنے والی شعلہ زن تلوار کو رکھا کہ وہ زندگی کے درخت کی راہ کی حفاظت کریں ○

توارت کی یہ تعلیمات کیا کہتی ہیں

تورات کی آیات بتاتی ہیں کہ خدا نے خاکم بدہن جھوٹ بولا تھا۔ اس نے حضرت آدمؑ سے کہا تھا کہ ''اگر تو نے نیک و بد کی پہچان کے درخت کا پھل کھایا تو تو مرجائے گا۔'' جبکہ سانپ نے حوّا کو اصل حقیقت بتادی اور اس نے خدا کے فرمان کو جھوٹا کہا۔ اس کے بعد آدمؑ اور حوا نے اس درخت کا پھل کھایا تو ان کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں معلوم ہوا کہ وہ ننگے ہیں۔ اسی لئے جب خدا ٹھنڈے وقت باغ میں ٹہل رہا تھا تو اس نے ان دونوں کو جنت میں نہ پایا اور پکارا کہ تم کہاں ہو؟

آدمؑ اور حوّا جو کہ درختوں کی آڑ میں شرمندگی کے مارے چھپے ہوئے تھے بولے کہ ہم یہاں درختوں کی آڑ میں چھپے ہوئے ہیں کیونکہ ہم ننگے ہیں اور اس حالت میں تیرے سامنے آنے سے شرمارہے ہیں۔

تب خداوند خدا نے حضرت آدمؑ سے کہا کہ تجھے کس نے بتایا ہے کہ تو ننگا ہے؟

حضرت آدمؑ نے سارا واقعہ خدا کو کہہ سنایا جس کی وجہ سے خدا آدمؑ اور حوّا پر ناراض ہوا اور انہیں سزا کے طور پر جنت سے باہر نکال دیا۔ وہ سانپ پر بھی سخت ناراض ہوا اور اس نے سانپ سے ٹانگیں اور حسن و جمال چھین لیا اور اسے بھی جنت سے نکال دیا۔ آدمؑ اور حوّا کو صرف اس خدشے کی بنا پر جنت سے نکالا گیا کہ ہوسکتا ہے کہ کبھی یہ زندگی کے درخت کا پھل کھالیں تو وہ ہم جیسے ہوجائیں۔ اس کے بعد خدا نے درخت حیات پر فرشتوں اور شعلہ زن تلوار کا سخت پہرہ لگا دیا تاکہ انسان وہاں تک نہ پہنچ سکے۔

تورات نے خدا جل شانہ کا جو خاکہ پیش کیا ہے وہ انتہائی بھیانک ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رب العالمین انتہائی کمزور ہے کیونکہ اسے اپنی مخلوق سے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ اس کے مانند نہ ہوجائے۔ تورات کا خدا انتہائی مکار، دغاباز اور جھوٹا ہے اور اس کا جھوٹ آدمؑ اور حوّا پر کھل گیا۔ علاوہ ازیں وہ انتہائی ظالم بھی ہے کیونکہ اس نے سچ بولنے پر سانپ کو بہت کڑی سزا دی۔

اور مجھے تو تورات کے اس جملے پر انتہائی تعجب ہے:

''اور خداوند خدا نے کہا کہ دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہوگیا۔''

اہل کتاب علماء سے درخواست ہے کہ وہ ہمیں بتائیں کہ کتنے خداوند ہیں کہ انسان ان میں سے ایک کی مانند ہوگیا؟ جس مذہب کی مقدس کتاب اپنے خدا کو جھوٹا، مکار، دغاباز اور ظالم کہتی ہو اس کتاب کے ماننے والوں پر ان باتوں کا کیا اثر ہوگا؟ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ تَعَالٰی عَمَّا يَقُوْلُهُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا

نصاریٰ کی تحریف

سابقہ بیانات کی روشنی میں یہود و نصاریٰ دونوں مشرک ہیں جبکہ عقیدۂ الوہیت و ربوبیت میں نصاریٰ یہود سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں۔ وہ تثلیث کے قائل ہیں۔

نصاریٰ کا عقیدہ تثلیث

نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح خدا کے بیٹے ہیں اور خدا ان کا باپ ہے۔ اور وہ دونوں باپ بیٹا۔ روح القدس کے ساتھ مل کر "ایک" بنتے ہیں۔ (چنانچہ باپ+ بیٹا+ روح القدس (1=1+1+1) مل کر خدا بنتا ہے یعنی تین ایک ہیں اور ایک تین ہے۔ اسی کو وہ Unity In Trinity کہتے ہیں)۔[1]

خدا ان کے متعلق فرماتا ہے: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَاءِيلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا إِلٰهٌ وَاحِدٌ... مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ۝ بلا شبہ وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریمؑ کے بیٹے مسیح خدا ہیں حالانکہ مسیح یہود سے یہ کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل! خدا ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے (اور جان رکھو کہ) جو کوئی خدا کا شریک ٹھہرائے گا خدا اس پر جنت کو حرام کردے گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ بلا شبہ وہ لوگ بھی کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے حالانکہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے... مسیح بن مریمؑ تو صرف (خدا کے) ایک رسول تھے۔ ان سے پہلے بھی کئی رسول گزر چکے تھے اور ان کی والدہ صدیقہ تھیں۔ وہ دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو ہم ان لوگوں کے لئے اپنی آیتیں کس طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں پھر یہ لوگ کہاں بھٹکے جارہے ہیں۔ (سورہ مائدہ: آیت ۷۲ تا ۷۵)

☆ مولانا ابوالکلام آزاد کے مقالات رسول رحمت مرتبہ مولانا غلام رسول مہر صفحہ ۱۲۷ پر ہے کہ "اصحمہ نجاشی کے دربار میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق سوال کیا گیا تو حضرت جعفرؓ نے جواب دیا "وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا کلمہ تھے جو مریم عذراؑ پر القا کیا گیا۔" نجاشی نے یہ سنتے ہی تنکا زمین سے اٹھایا اور کہا: "جو کچھ تم نے بتایا خدا کی قسم! عیسیٰؑ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں۔" حقیقت یہ ہے کہ نجاشی آریوسی مسیحیوں میں سے تھا جو حضرت عیسیٰؑ کی وحدت فطرت کے قائل تھے۔ تثلیث کے قائلوں کی طرح یہ نہیں مانتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ میں دو فطرتیں جمع تھیں۔ ایک عبدیت کی اور دوسری الوہیت کی۔ لہٰذا اس نے مسلمانوں کے عقیدے کی تصدیق کی۔ ﴿آریوس Arius اسکندریہ کا پادری تھا جس نے چوتھی صدی مسیح کے اوائل میں حضرت مسیحؑ کی وحدت فطرت کا عقیدہ پیش کیا یعنی حضرت موصوف کی الوہی فطرت سے انکار کے لئے زمین ہموار کردی تھی۔ مسیحیت کی پہلی مجلس (۳۲۵ء) میں نیقیہ (ایشیائے کوچک) میں منعقد ہوئی تھی جس میں آریوس کے عقیدے کو باطل قرار دیا گیا تاہم اہل حبش نیز مشرقی مسیحیوں اور گاتھوں کی خاصی وسیع جماعتیں مدت تک آریوس کے عقیدے پر قائم رہیں"﴾۔

جس طرح یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا عبد اور رسول مانتے ہیں اسی طرح ایک چھوٹا عیسائی فرقہ Unitarian Christian آج بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا عبد اور رسول مانتا ہے۔

رب العزت کا فرمان ہے: يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝ اے اہل کتاب! اپنے دین (کی بات) میں حد سے نہ بڑھو اور خدا کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو۔ مریمؑ کے بیٹے عیسیٰ مسیحؑ (نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ) خدا کے رسول اور اس کا کلمہ (بشارت) تھے جو اس نے مریمؑ کی طرف القا کیا تھا اور اس کی طرف سے روح تھے۔ تو خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو (کہ خدا) تین ہیں۔ (اس عقیدے سے) باز آجاؤ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے خدا ہی معبود واحد ہے۔ اور اس سے پاک ہے کہ اس کے کوئی اولاد ہو۔ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور خدا ہی کارساز ہونے کے لحاظ سے کافی ہے۔ (سورۂ نساء: آیت ۱۷۱)

خدا نے سچ کہا۔ تحریف کرنے والے جھوٹے ہیں اور خدا ظالموں کے قول سے پاک ہے۔

حقائق یہی ہیں جو ہم نے بیان کئے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خدا کا پسندیدہ دین اسلام ہے اور اسلام کے نام کو چھوڑنا تحریف ہے اور یہودیت اور مسیحیت بلحاظ نام اور بلحاظ شریعت تحریف شدہ ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ صحیح اسلام کیا ہے؟ اور شریعت اسلام کیا ہے؟ یہ ہم آگے بتائیں گے۔

اسلام قرآن کی نگاہ میں

سورۂ روم میں ہے: فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (اے رسولؐ) آپ اپنے رخ کو دین کی طرف رکھیں اور باطل سے کنارہ کش ہو جائیں کہ یہ دین وہ فطرت الٰہی ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی خلقت اور فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی ہے۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

لغوی تشریح

۱۔ حَنِيفًا: حَنَفَ باطل سے کنارا کش ہو کر حق کی طرف آنا۔ اس کی ضد جَنَفَ ہے یعنی حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف جانا۔ اور جو باطل سے منہ موڑ کر حق کا گرویدہ ہو جائے وہ حنیف ہے۔ بالفاظ دیگر وہ مخلص شخص جو خدا کے حکم کے سامنے سرنگوں ہو جائے اور اپنے دین کے احکام کی پابندی کرے۔

۲۔ فَطَرَ: فَطَرَ الْأَمْرَ اس نے ایک امر کا اختراع کیا۔ فَطَرَ اللَّهُ الْعَالَمَ خدا نے کائنات کو بنایا اور اس کے بنانے کے لئے پہلے کا کوئی نمونہ نہ تھا۔

درج بالا آیت سے پیوستہ آیات میں خدا نے کچھ گمراہ گروہوں کا ذکر کیا ہے اور نیک اعمال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: "آپ اپنے رخ کو دین کی طرف رکھیں۔" اور یہ کہ "دین وہی ہے جس کا نام اسلام ہے۔"

آپ ضلالت و گمراہی سے کنارہ کش ہو کر راہ اعتدال کی طرف متوجہ رہیں کیونکہ وہی حق ہے۔ اور دین اسلام کی طرف رخ کرنا انسان کی فطرت کا تقاضا ہے۔ خدا نے دین اسلام کو فطری تقاضوں کے مطابق بنایا ہے اور خدا کی فطرت میں تبدیلی نہیں ہوا کرتی اسی لئے خدا کا دین جو عین فطرت ہے نہیں بدلتا۔ اگر انسان فطرت کے اصولوں پر کاربند رہے تو وہ سیدھے دین پر ہوگا مگر لوگوں کی اکثریت اس سے بے خبر ہے۔

کائنات کے تمام جاندار فطرت کے پابند ہیں اور وہ اپنے فطری الہام کے تحت کام کرتے ہیں۔ مثلاً شہد کی مکھیاں اپنی فطرت کے مطابق قسم قسم کے پھلوں کے بور سے عرق (Nectar) چوستی ہیں اور اس سے شہد بناتی ہیں۔ اگر شہد کی کوئی مکھی اپنی فطرت سے ہٹ کر کسی غلاظت پر بیٹھ جائے اور وہ غلاظت چھتے میں لیجائے تو چھتے کی نگہبان مکھیاں اسے ایسا نہیں کرنے دیتیں اور ملکہ مکھی اس مکھی کو کاٹ کر چھتے سے نیچے پھینک دیتی ہے۔

اسی طرح اگر ایک مرغی پاک غذا کھاتی رہے تو اس کا گوشت کھانا حلال ہے اور اگر وہ اپنی فطرت سے ہٹ کر نجاست خور بن جائے تو اس کا گوشت حرام ہو جاتا ہے۔ اور اس سلسلے میں فقہ کا قانون یہ ہے کہ اسے تین دن تک ڈربے میں بند کر کے پاک غذا کھلائی جائے اور پھر ذبح کیا جائے۔

یقیناً فقہ کا یہ قانون فطرت کے عین مطابق ہے۔ خدا کا حکم اس کی تمام مخلوق کے لئے یکساں ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہر کوئی اپنی اپنی فطرت کے مطابق عمل کرے اور اس عمل سے بچے جو اس کے لئے نقصان دہ ہو۔ انسان چونکہ اس کائنات کا ثمر ہے اس لئے خدا اس سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ نجس اور حرام غذاؤں سے پرہیز کرے اور پاک غذائیں کھائے: يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ... (اے رسولؐ) وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا حلال کیا گیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے لئے تمام پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں۔ (سورۂ مائدہ: آیت ۴)

قرآن رسول اکرمؐ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰاةِ وَالْإِنْجِيْلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ...۝ وہ لوگ جو رسول (اللہ) کی جو نبی امی ہیں پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتے ہیں... (سورۂ اعراف: آیت ۱۵۷)

اسلامی احکام میں انسان کے نفع و نقصان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ناپاک چیزیں اس لئے حرام کی گئی ہیں کیونکہ وہ انسان کے لئے مضر ہیں اور پاک چیزیں اس لئے حلال کی گئی ہیں کیونکہ وہ انسان کیلئے مفید ہیں۔

سورۂ رعد کی آیت ۱۷ میں اسی نکتے کی تائید کی گئی ہے: فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ... جھاگ تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے اور (پانی) جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے زمین میں رہ جاتا ہے۔

اسلام کے ہر حکم میں انسان کا فائدہ مضمر ہے جیسا کہ حج کے احکام میں اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے۔ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالاً وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ... (اے ابراہیم!) لوگوں میں حج کے لئے ندا کر دو۔ لوگ تمہاری طرف دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے۔ ان میں پیادہ پا بھی ہوں گے اور وہ بھی جنہوں نے دبلے پتلے اونٹوں پر دور دراز مقامات سے قطع مسافت کی ہو گی تاکہ اپنے فائدے کے کاموں کے لئے حاضر ہوں۔ (سورۂ حج: آیت ۲۷و۲۸)

اسلام میں غیراللہ کو پکارنا بھی اسی لئے منع ہے کہ یہ بات انسانی شرف کے خلاف ہے جیسا کہ قرآن میں بتایا گیا ہے: يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ... یہ خدا کے سوا اس کو پکارتا ہے جو نہ اسے نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ دے سکتا ہے یہی تو پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ (بلکہ) ایسے شخص کو پکارتا ہے جس کا نقصان فائدے سے زیادہ قریب ہے... (سورۂ حج: آیت ۱۲و۱۳)

خدا کو جو ہمارا رب ہے کسی طور ہمارا نقصان پسند نہیں۔ اسی لئے اگر کسی چیز کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ تھا تو اس نے اسے حرام قرار دیا اور انسانوں کو اس سے بچنے کا حکم دیا: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا... (اے رسولؐ) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ان میں نقصان زیادہ ہیں اور لوگوں کے لئے فائدے کم ہیں لیکن ان کے نقصان فائدوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۱۹)

نفع اور نقصان کا دائرہ جتنا بڑھے گا حلال و حرام کا دائرہ بھی اتنا ہی بڑھے گا۔ انسان اپنے وجود کے ابعاد کے لحاظ سے باقی تمام جانداروں سے افضل ہے۔ ہر انسان ایک جسم عنصری رکھتا ہے اور جسم کے لئے کچھ چیزیں مفید اور کچھ چیزیں مضر ہوتی ہیں۔ جو چیزیں جسم کے لئے مفید ہیں خدا نے انہیں حلال اور جو چیزیں مضر ہیں انہیں حرام کیا ہے۔ یہ حکم کہ پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام ہیں ہر انسان کے لئے ہے خواہ وہ اجتماعی زندگی گزارتا ہو یا جنگلوں اور پہاڑوں میں تن تنہا رہتا ہو۔ دیہات میں رہتا ہو یا شہر میں یا زمین کو چھوڑ کر کسی اور سیارے پر چلا جائے۔ اس کے کھانے پینے کی چیزوں کا معیار ہمیشہ یہی رہے گا کہ پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام ہیں۔

انسان معاشرتی حیوان ہے اور انسانی زندگی کی تکمیل معاشرتی زندگی سے ہوتی ہے۔ پس جو چیزیں معاشرے کے لئے مفید ہیں خدا نے ان کو حلال کیا ہے اور جو چیزیں معاشرے کے لئے نقصان دہ ہیں ان کو حرام

کیا ہے۔ مثلاً خدا نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود اور جوئے کو حرام قرار دیا ہے۔

انسان نفس بھی رکھتا ہے۔ چونکہ زندگی کی ضرورتوں میں سے ایک ضرورت تہذیب نفس ہے اس لئے خدا نے حج کو واجب کیا کیونکہ اس میں تہذیب نفس اور دوسرے فائدے پوشیدہ ہیں۔ اس نے ایسی تمام باتوں کو حرام کیا ہے جو معاشرے کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ اور خدا نے ایسے کاموں کی نشاندہی فرمائی ہے جن میں معاشرے کی بھلائی ہے۔ وہ فرماتا ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ...٥ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ٥ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو... اے ایمان والو خبردار! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں، عورتوں کا مسخرہ کریں ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور اپنے مومن بھائی کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو ایمان لانے کے بعد برا نام دھرنا گناہ ہے اور جو توبہ نہ کرے وہ ظالم ہے۔ اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے احتراز کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں۔ اور خبردار! کسی کے معاملات کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور نہ کسی کی غیبت کیا کرو۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟۔ یقیناً تم کو اس سے تنافر ہوگا۔ اور خدا سے ڈرو بے شک خدا تو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ (سورۂ حجرات: آیت ۱۰ تا ۱۲)

اسلامی شریعت کے تمام احکام ہر جگہ اور ہر زمانے میں انسانی فطرت کے مطابق ہیں اور قرآن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز، روزہ اور زکوٰۃ جیسے احکام صرف ہم امت مرحومہ پر ہی واجب نہیں کئے گئے بلکہ سابقہ امتوں پر بھی فرض رہے ہیں۔ خدا حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کے تذکرے میں فرماتا ہے: وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ٥ ہم نے ان (نبیوں) کو لوگوں کا امام بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کو نیک کام کرنے، نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی کی تھی اور وہ ہماری عبادت کیا کرتے تھے۔ (سورۂ انبیاء: آیت ۷۳)

حضرت عیسیٰؑ نے گہوارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا تھا: وَ اَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَادُمْتُ حَيًّا ٥ جب تک میں زندہ ہوں خدا نے مجھ کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی وصیت کی ہے۔ (سورۂ مریم: آیت ۳۱)

سورۂ مریم میں ارشاد ہے: كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا وہ (اسماعیلؑ)

اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے اور اپنے رب کے ہاں برگزیدہ تھے۔ (آیت ۵۵)

خدا نے ہمیں روزہ رکھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ٥ اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۸۳)

خدا نے ہمیں سود لینے سے منع فرمایا ہے۔ یہ ممانعت صرف ہمارے لئے ہی نہیں، سابقہ امتوں کے لئے بھی سود لینا ممنوع تھا۔ خدا نے بنی اسرائیل کی اخلاقی پستی کا ذکر کرتے ہوئے ان کا یہ جرم بھی بیان کیا ہے: وَأَخْذِهِمُ الرِّبَوٰا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ (ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے) کیونکہ وہ منع کئے جانے کے باوجود سود لیتے تھے۔ (سورۂ نساء: آیت ۱۶۱)

خدا نے انسانی زندگی کے تحفظ کے لئے قصاص کا قانون بنایا مگر یہ قانون صرف ہم پر لاگو نہیں کیا گیا بلکہ ہم سے پہلے بھی یہ قانون لاگو تھا: إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا... ٥ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ... ٥ بیشک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور نور ہے۔ اسی کے مطابق انبیاء جو (خدا کے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں... اور ہم نے تورات میں ان لوگوں کے لئے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا اسی طرح بدلہ ہے۔ (سورۂ مائدہ: آیت ۴۴و۴۵)

الغرض اسلام جو دین فطرت ہے اس کے احکام فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اسلام صرف جوانوں اور بوڑھوں کے لئے احکام بیان نہیں کرتا بلکہ وہ شیرخوار بچوں کو بھی غذائی تحفظ دیتا ہے: وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ٥ مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں۔ یہ (حکم) اس شخص کے لئے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۳۳)

دو برس تک دودھ پلانے کا حکم صرف ہمارے لئے نہیں بلکہ یہ حکم اس وقت سے ہے جب آدمؑ اور حواؑ کے پہلے بچے نے جنم لیا تھا۔ یہ حکم ساری دنیا کے تمام انسانوں کے لئے ہے خواہ وہ کسی بھی مذہب وملت سے تعلق رکھتے ہوں کیونکہ یہ حکم انسانی فطرت کے عین مطابق ہے اور خدا کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں۔ اسی لئے خدا کے دین میں بھی کوئی تبدیلی نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب دین اسلام دین فطرت ہے اور اس کے احکام فطری تقاضوں سے ہم آہنگ ہیں تو انسان ان احکام کی مخالفت کیوں کرتا ہے؟ اس سوال کا جواب اگلی بحث میں آئے گا۔

انسان اور نفس امارہ

ابھی ہم یہ کہہ آئے ہیں کہ تسخیری ہدایت رکھنے والے بعض جاندار کبھی کبھی فطری ڈگر سے ہٹ جاتے ہیں مثلاً خدا نے مرغی کو ادھر ادھر سے دانہ دنکا چگنے کی فطری ہدایت الہام کی ہے مگر وہ اس ہدایت سے انحراف کر کے کبھی کبھار نجاست کھانے لگ جاتی ہے اور نجاست خور مرغی کے لئے شرعی حکم یہ ہے کہ اسے استبراء کرایا جائے یعنی تین دن تک کسی ڈربے میں بند کر کے پاک غذا کھلائی جائے۔

اسی طرح سے زنبور عسل کو خدا نے فطری ہدایت دی ہے کہ قسم قسم کے پھلوں کے بور سے عرق چوسے اور اس سے شہد تیار کرے لیکن کبھی کبھار کچھ مکھیاں فطرت کے برخلاف غلاظت پر جا بیٹھتی ہیں اور جب وہ اپنے ساتھ غلاظت لے کر چھتے میں آتی ہیں تو وہاں پر موجود نگہبان مکھیاں اس کے منہ کی بو سونگھتی ہیں۔ اور جیسے ہی انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ غلاظت لے کر آئی ہیں تو وہ فوراً اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہیں مگر اپنے چھتے کو خراب نہیں ہونے دیتیں۔ دوسرے جانداروں کی طرح سے انسانوں میں بھی ایسے افراد ہوتے ہیں جو نظام فطرت کی مخالفت کرتے ہیں۔ اپنی خواہش نفس کی وجہ سے خدا کی اس ہدایت سے انحراف کرتے ہیں جسے اس نے انبیائے کرام کے ذریعے انسانوں کی فوز و فلاح کے لئے نازل کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے جانداروں کی طرح سے خدا نے انسان کو صرف حیات ہی نہیں نفس بھی عطا فرمایا ہے جس کے وجودی ابعاد کو وہی بہتر جانتا ہے۔ اس نفس کو عقل و شعور کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔ اسی عقل و شعور کی بدولت انسان ایک ذرہ سے لے کر آفتاب تک ہر چیز کو مسخر کئے ہوئے ہے۔ خدا نفس انسانی کے متعلق فرماتا ہے: وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰاهَا ۝ نفس کی قسم اور اس کو سنوارنے والے کی قسم۔ اس نے اس نفس کو (ہر چیز کی) اچھائی اور برائی کا الہام کیا۔ (سورۂ شمس: آیت ۷و۸)

لغوی تشریح

۱۔ نَفْسٌ: عربی زبان میں نفس کے کئی معانی ہیں جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱) جان اور روح جو کہ مایۂ حیات ہے۔ جب جان نکل جاتی ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ عربی کا مقولہ ہے خَرَجَتْ نَفْسُ الْمُحْتَضَرِ یعنی محتضر کی جان نکل گئی۔

(۲) کسی چیز کی ذات اور حقیقت کو بھی نفس کہا جاتا ہے۔ نفس الانسان والجن کا مطلب ہے انسان اور جن کی ذات اور حقیقت۔

(۳) ایک ہی چیز۔ چنانچہ مقام تاکید میں کہا جاتا ہے: جاء نی احمد نفسہ احمد بنفس نفیس میرے پاس آیا۔

(۴) ایک ایسی قوت جو قریباً قریباً دل کی طرح اہم ہے اور پہچان و ادراک کا سرچشمہ ہے۔ اپنے گرد و پیش

کو محسوس کرنے کا تعلق بھی اسی سے ہے۔ وہ قوت نیند کے وقت جسم سے جدا ہوجاتی ہے اور یہ وہی قوت ہے جو انسان کو اچھا برا بتاتی ہے۔ عربی کا مقولہ ہے: اَمَرَتنِی نَفسِی وَ سَوَّلَت لِی نَفسِی فِعلَ السُّوءِ یعنی میرے نفس نے مجھے حکم دیا۔ میرے نفس نے میرے لئے برا سوچا۔[1] اور آیت میں یہی معنی مراد ہیں۔

۲۔ سَوّٰهَا: اس کی تخلیق مکمل کی تا آنکہ وہ کمال کو پہنچ گیا اور اس میں قبول ہدایت کی استعداد پیدا ہوئی۔

۳۔ فَاَلهَمَهَا فُجُورَهَا وَ تَقوٰهَا: یعنی نفس میں ایسا احساس پیدا کیا جو انسان کو اچھے برے کا فرق سمجھاتا ہے۔ عام بول چال میں اسے "ضمیر" کہا جاتا ہے۔ انسانی نفس کے صفات و افعال وہی ہیں جو حیوانی نفس کے ہیں یعنی نفس میں محبت، نفرت، پسندیدگی، ناپسندیدگی، رغبت، خواہش، بغض وغیرہ۔ البتہ نفس انسانی میں اضافی خوبی یہ ہے کہ وہ اچھے برے اور پاک و ناپاک کو پہچان سکتا ہے۔

اور جب کوئی انسان چراغ عقل کی روشنی میں برے کاموں کو پہچان لیتا اور ان کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ جزا کا حقدار بن جاتا ہے اور جب کوئی شخص عقل کی مخالفت کر کے اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے تو وہ سزا کا حقدار بن جاتا ہے۔ ارشاد اقدس الٰہی ہے:

وَاَمَّا مَن خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفسَ عَنِ الهَوٰى ۝ فَاِنَّ الجَنَّةَ هِیَ المَاوٰى ۝

جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا اور نفس کو خواہشوں سے روکتا رہا اس کا ٹھکانا جنت ہے۔ (سورۂ نازعات: آیت ۴۰ و ۴۱) اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوفَ یَلقَونَ غَیًّا ۝ (پھر چند ناخلف لوگوں نے) نماز کو چھوڑ دیا اور خواہشات نفسانی کے پیچھے لگ گئے سو عنقریب ان کو گمراہی کی سزا ملے گی۔ (سورۂ مریم: آیت ۵۹)

نفس کے اندر خیر و شر کو قبول کرنے کی دو متضاد صلاحیتیں موجود ہیں۔ اسی طرح نفس سے باہر بھی دو فریق موجود ہیں۔ ایک فریق ہدایت کی طرف بلاتا ہے اور نفسانی خواہشات چھوڑنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ انبیاء اور ان کے پیرو ہیں۔ اور دوسرا فریق اسے گمراہی اور نفسانی خواہشات پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے اس میں جناتی اور انسانی شیاطین سرفہرست ہیں۔ انسان خود مختار ہے۔ ان دو فریقوں میں سے کسی کو بھی انسان پر کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ ہر فریق اسے صرف دعوت دے سکتا ہے، اسے مجبور نہیں کر سکتا۔ البتہ ہر فریق اپنی دعوت کو مزین کر کے اس کے سامنے پیش کرتا ہے جیسا کہ قصۂ آدمؑ کے ضمن میں بتایا گیا ہے کہ جب خدا نے ابلیس پر لعنت کی اور اسے عالم بالا سے نکلنے کا حکم دیا تو اس نے کہا: رَبِّ بِمَا اَغوَیتَنِی لَاُزَیِّنَنَّ لَهُم فِی الاَرضِ... ۝ پروردگار! جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں کے لئے (گناہوں کو) مزین کر دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا۔ (سورۂ حجر: آیت ۳۹)

۱۔ مفردات راغب اور معجم الفاظ القرآن الکریم۔ لوگوں نے اس چوتھے معنی کی تین اقسام بیان کی ہیں لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ ایک ہی چیز کو خواہ مخواہ تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

خدا نے ہمیں پہلے سے یہ جتا دیا ہے کہ جب قیامت کے دن تمام گنہگار ابلیس کو الزام دیں گے تو وہ کہے گا: اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَ لُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ... ۝ جو وعدہ خدا نے تم سے کیا تھا وہ سچا تھا اور جو وعدہ میں نے تم سے کیا تھا وہ جھوٹا تھا۔ اور میرا تم پر کوئی زور نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ میں نے تم کو گمراہی کی دعوت دی اور تم نے (جلدی سے اور بلا دلیل) اسے مان لیا پس (آج) مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔ (سورۂ ابراہیم آیت ۲۲)

جس طرح انسان ابلیس کے ہاتھوں مجبور نہیں ہے اسی طرح وہ انبیائے کرامؑ کی دعوت اور تبلیغ کے سامنے بھی مجبور نہیں ہے۔ انسان آزاد اور مختار ہے چاہے تو ابلیس کی بات مانے اور چاہے تو انبیائے کرامؑ کی دعوت پر لبیک کہے۔ خدا نے حضرت خاتم الانبیاءؐ سے فرمایا: فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝ (اے رسولؐ) آپ یاد دہانی کراتے رہیں کہ آپ صرف یاد دہانی کرانے والے ہیں۔ آپ ان پر نگران نہیں بنائے گئے۔ (سورۂ غاشیہ: آیت ۲۱و۲۲) اور یہ کہ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ہم نے انسان کو (خیر و شر کے) دونوں راستے دکھا دیے ہیں۔ (سورۂ بلد: آیت ۱۰)

ایک اور ارشاد ہے: اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝ یقیناً ہم نے انسان کو راستا دکھا دیا ہے (اب وہ) خواہ شکرگزار ہو خواہ ناشکرا۔ (سورۂ دہر: آیت ۳)

خدا نے اس مسئلے کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓؤُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ دین (کو قبول کرنے) میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت (صاف طور پر ظاہر اور) گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔ تو جو شخص طاغوت کا انکار کر کے خدا پر ایمان لائے اس نے ایسی مضبوط رسی تھام لی ہے جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں اور خدا (سب کچھ) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے۔ جو مومن ہیں ان کا ولی خدا ہے کہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور جو کافر ہیں ان کے ولی طاغوت ہیں جو انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ یہی لوگ دوزخی ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۵۶و۲۵۷)

انسان اس بات میں آزاد ہے کہ خواہ نیک کام کرے یا برے کام انجام دے۔ البتہ اسے اپنی نیکی اور بدی قیامت کے دن ضرور دکھائی دے گی۔ قرآن کہتا ہے: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔ (سورۂ زلزال: آیت ۷و۸)

خدا نے مذکورہ احکام اگرچہ انسانوں کے لئے بیان کئے ہیں لیکن ان میں جنات بھی ان کے شریک ہیں جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں اور اس کی تفصیل یہ ہے:

شریعت اسلام انس وجن دونوں کیلئے ہے

۱۔ وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَیْکَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ○ قَالُوْا یٰقَوْمَنَا اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ یٰقَوْمَنَا اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ... (اے پیغمبر) ہم نے جنات کے ایک گروہ کو آپ کی طرف متوجہ کیا کہ قرآن سنیں۔ پس جب وہ حاضر ہوئے تو (آپس میں) کہنے لگے کہ خاموش رہو سنو۔ پھر جب (تلاوت قرآن) تمام ہوئی تو وہ سب پلٹ کر اپنی قوم کے پاس گئے تا کہ (ان کو) ڈرائیں۔ کہنے لگے کہ اے قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ یہ کتاب پچھلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور سچا (دین) اور سیدھا راستا بتاتی ہے۔ اے قوم! خدا کی طرف بلانے والے کی آواز پر لبیک کہو اور اس پر ایمان لاؤ ... (سورۂ احقاف: آیت ۲۹ تا ۳۱)

۲۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ○ یَّهْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِکَ بِرَبِّنَا اَحَدًا ○ وَّاَنَّهُ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ○ وَّاَنَّهُ کَانَ یَقُوْلُ سَفِیْهُنَا عَلَی اللّٰهِ شَطَطًا ○ وَّاَنَّا ظَنَنَّا اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا ○ وَّاَنَّهُ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ○ وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا کَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ○ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّ شُهُبًا ○ وَّاَنَّا کُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ○ وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ○ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِکَ کُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ○ وَّاَنَّا ظَنَنَّا اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ○ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤی اٰمَنَّا بِهٖ فَمَنْ یُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ○ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِکَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ○ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَکَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ○ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَی الطَّرِیْقَةِ لَاَسْقَیْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ○ بنام خدائے رحمن و رحیم۔ (اے پیغمبر) کہہ دیجئے کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (اس کتاب کو) سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا جو بھلائی کا راستا بتاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ اور یہ کہ ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے۔ اس کی نہ کوئی بیوی ہے نہ کوئی اولاد۔ اور یہ کہ ہم میں سے بعض ناسمجھ خدا کے بارے میں طرح طرح کی بے ربط باتیں کر رہے ہیں۔ اور ہمارا یہ خیال تھا کہ انسان اور جن خدا کی نسبت جھوٹ نہیں بولتے۔ اور یہ کہ بعض آدمی بعض جنات کی پناہ پکڑا کرتے

تھے (اس سے) ان کی سرکشی اور بڑھ گئی تھی۔ اور یہ کہ ان کا بھی یہی اعتقاد تھا جس طرح تمہارا تھا کہ خدا کسی کو دوبارہ نہیں اٹھائے گا۔ اور یہ کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اس کو سخت قسم کے نگہبانوں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا۔ اور ہم پہلے بعض مقامات پر بیٹھ کر باتیں سن لیا کرتے تھے لیکن اب کوئی سننا چاہے گا تو اپنے لئے شعلوں کو تیار پائے گا۔ اور ہمیں معلوم نہیں کہ اہل زمین کے لئے اس سے کوئی برائی مقصود ہے یا ان کے رب نے ان کی بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔ ہم میں کوئی نیک ہیں اور کوئی اور طرح کے۔ ہمارے مختلف مذہب ہیں۔ اور یہ کہ ہم نے یقین کرلیا ہے کہ ہم زمین میں خدا کو عاجز نہیں کرسکتے اور نہ بھاگ کر اس کو تھکا سکتے ہیں۔ اور جب ہم نے ہدایت (کی کتاب) سنی تو اس پر ایمان لے آئے۔ پس جو اپنے رب پر ایمان لائے گا اس کو نہ نقصان کا خوف ہوگا اور نہ ظلم کا۔ ہم میں سے بعض اسلام لائے اور بعض نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اور جو اسلام لائے وہ رشد و ہدایت کے راستے پر چلے۔ اور جو اسلام نہیں لائے وہ دوزخ کا ایندھن بنے۔ اور (اے پیغمبرؐ) یہ (بھی ان سے کہہ دو) کہ اگر یہ لوگ سیدھے راستے پر رہتے تو ہم ان کے پینے کو بہت سا پانی دیتے۔ (سورۂ جن: آیت ۱تا۱۶)

۳۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُمْ مِنَ الْإِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ○ ... يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنْذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا قَالُوا شَهِدْنَا عَلَى أَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ○ اور جس دن وہ سب (جن و انس) کو جمع کرے گا اور کہے گا اے گروہ جنات! تم نے انسانوں سے بہت (فائدے حاصل کئے) تو جو انسانوں میں ان کے دوست ہوں گے وہ کہیں گے کہ اے پروردگار ہم ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرتے رہے اور (آخر) اس وقت کو پہنچ گئے ہیں جو تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا۔ خدا فرمائے گا (اب) تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے جہاں تم ہمیشہ ہمیشہ (جلتے) رہو گے۔ مگر جو خدا چاہے۔ بے شک تمہارا پروردگار حکمت والا اور علم والا ہے۔۔۔ اے گروہ جن و انس! کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آتے رہے جو ہماری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے اور آج کے دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ (پروردگار) ہمیں اپنے گناہوں کا اقرار ہے۔ ان لوگوں کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا اور انہوں نے خود اپنے خلاف گواہی دی کہ وہ کفر کرتے تھے۔ (سورۂ انعام: آیت ۱۲۸تا۱۳۰)

لغوی تشریح

۱۔ جَدُّ: یہاں جد شان، جلال اور عظمت کے معنی میں آیا ہے۔

۲۔ غَدَقًا: غَدِقَ الْمَاءُ غَدَقًا پانی کی کثرت ہوئی۔ وَهُمْ فِي غَدَقٍ مِنَ الْعَيْشِ وہ بڑے عیش میں بسر کر رہے ہیں یعنی بڑے ناز و نعم میں ہیں۔

تفسیر آیات

حضرت رسول اکرمؐ کی بعثت کے بعد خداوند سبحان نے کچھ جنات کو قرآن سننے کے لئے بھیجا۔ جب وہ آئے تو آنحضرتؐ قرآن پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ خاموش ہوجاؤ تاکہ توجہ کے ساتھ اس کلام کو سنیں۔ جب رسول اکرمؐ تلاوت قرآن ختم کر چکے تو قوم جنات کے افراد اپنی قوم کے پاس گئے اور انہوں نے کہا: اے قوم! ہم نے ایک عجیب کتاب سنی ہے جو حضرت موسیٰؑ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ یہ کتاب سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور حق کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے قوم! خدا کی طرف دعوت دینے والے کی آواز پر لبیک کہو اور اس پر ایمان لے آؤ۔ ہم تو ایمان لاچکے ہیں اور اب ہم آئندہ شرک نہیں کریں گے۔ ہمارا رب اس سے کہیں بلند ہے کہ اس کے کوئی بیوی یا اولاد ہو۔ تمہاری طرح سے بہت سے انسانوں کا گمان بھی یہی تھا کہ وہ کسی کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔

قوم جنات میں ہر طرح کے افراد موجود ہیں۔ ان میں نیک بھی ہیں اور بدکار بھی۔ ان میں مسلمان بھی ہیں اور حق سے انحراف کرنے والے ظالم بھی۔ جو خدا پر ایمان لاچکے ہیں انہیں نہ تو دوزخ کا خوف ہے اور نہ ہی کسی ظلم و زیادتی کا اندیشہ ہے۔ وہ افراد جو ظالم ہیں اور حق سے منحرف ہیں وہ دوزخ کا ایندھن ہیں اور وہ ہمیشہ دوزخ میں جلتے رہیں گے۔

قیامت کے دن خدا تمام انسانوں اور جنوں کو جمع کرے گا۔ اس دن مجرم اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے۔ خدا ان سے کہے گا کہ تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے۔ تم ہمیشہ کے لئے دوزخ میں چلے جاؤ۔ ہاں اگر کسی کے لئے ہماری مشیت کا تقاضا ہوا تو ہم اسے دوزخ سے نجات دیں گے۔ اس دن خدا ان سے کہے گا: اے گروہ جنات! کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آتے رہے جو تمہیں ہماری آیات پڑھ پڑھ کر سناتے تھے اور تمہیں آج کی ملاقات سے باخبر کرتے تھے؟ اس وقت جنات اپنے کفر کا اقرار کریں گے۔

جنات کے ان جملوں (إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ... يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ) سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ جنات کو بھی آسمانی کتابوں کے ذریعے سے ہدایت دی گئی ہے اور جس طرح آسمانی کتابیں انسانوں کے لئے رشد و ہدایت کا منبع ہیں اسی طرح وہ جنات کے لئے بھی ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔ انبیائے کرامؑ کی تبلیغ کے مکلف ہونے میں جنات بھی انسانوں کے شریک ہیں۔

تفسیر روائی

صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے ساتھ تبلیغ کے لئے بازار عکاظ کی طرف روانہ ہوئے اس وقت شیاطین پر آسمان کے راستے بند ہوچکے تھے اور کسی کو وہاں کی خبر نہیں ملتی تھی۔ اگر کوئی وہاں کی بات سننا چاہتا تو اسے شہاب ثاقب مار کر بھگا دیا جاتا تھا۔ چنانچہ جب

شیاطین نے اپنی قوم سے رجوع کیا اور پوچھا کہ کیا ماجرا ہے تو انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے آسمان سے خبریں حاصل کرنے میں رکاوٹ پیدا کردی گئی ہے اور شہاب ثاقب مار کر بھگا دیا جاتا ہے۔

شیاطین نے جنات سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے زمین پر کوئی نیا واقعہ رونما ہوا ہے لہذا تم زمین کے مشرق اور مغرب میں گھوم پھر کر پتا چلاؤ کہ آسمانی خبروں اور تمہارے درمیان رکاوٹ کا سبب کیا ہے؟

چنانچہ ان جنات نے — جو تہامہ گئے ہوئے تھے اور واپس لوٹ رہے تھے — دیکھا کہ رسول اکرمؐ اپنے صحابہ کو نماز فجر پڑھا رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر جنات وہیں رک گئے۔ اس وقت رسول اکرمؐ تلاوت قرآن میں مصروف تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ذرا خاموش رہو تاکہ ہم غور سے یہ کلام سن سکیں۔ خدا کی قسم ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان یہی چیز رکاوٹ لگتی ہے۔

تلاوت قرآن سن کر جنات اپنی قوم کے پاس گئے تو انہوں نے اپنی قوم کو تبلیغ کی اور ان سے کہا کہ ہم نے ایک عجیب کتاب (قرآن) سنی ہے جو حضرت موسیٰؑ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ وہ صحیح راستا دکھاتی ہے لہذا ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں اور ہم آئندہ کسی کو خدا کا شریک نہیں بنائیں گے۔ پھر خدا نے رسول اکرمؐ پر قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ والی آیات نازل فرمائیں۔ آپ کی طرف جنات کی گفتگو کو بطور وحی نازل کیا گیا۔[1]

بحار الانوار میں سورۂ احقاف کی آیت یٰقَوْمَنَا اِنَّا سَمِعْنَا کے ضمن میں یہ روایت مروی ہے:

اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ رسول اکرمؐ مکہ سے بازار عکاظ تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ زید بن حارثہؓ بھی تھے۔ آپ نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی لیکن کسی نے بھی آپ کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ پھر آپ وہاں سے مکہ واپس آنے لگے۔ جب آپ وادیٔ مجنۃ پہنچے تو وہاں نماز تہجد ادا کی۔ وہاں سے جنات کا ایک گروہ گزر رہا تھا۔ جب انہوں آپ کو نماز میں قرآن کی قرأت کرتے سنا تو وہ ٹھٹھک گئے اور ایک دوسرے سے بولے کہ خاموش رہو تاکہ پوری توجہ سے قرآن سن سکیں۔ آنحضرتؐ کی قرأت سن کر وہ اپنی قوم کی طرف دین کے مبلغ بن کر گئے اور کہنے لگے: اے قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو حضرت موسیٰؑ کے بعد اتری ہے۔ وہ سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور حق اور سیدھے راستے کی رہنمائی کرتی ہے۔ اے قوم! خدا کی طرف بلانے والے کی آواز پر تم بھی لبیک کہو اور اس پر ایمان لے آؤ... پھر وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں شریعت اسلام سیکھنے کے لئے حاضر ہوئے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور ایمان لے آئے۔ رسول اکرمؐ نے انہیں اسلام کے احکام سکھائے۔ اس کے بعد خدا نے رسول اکرمؐ پر سورۂ جن نازل فرمایا اور آپ کو ان کی گفتگو سے آگاہ فرمایا۔ رسول اکرمؐ نے ایک جن کو ان کے اوپر حاکم مقرر فرمایا۔[2]

۱۔ صحیح مسلم کتاب الصلاۃ، باب الجہر بالقراۃ، حدیث ۱۴۹، ص ۳۳۱۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر، تفسیر سورۂ جن، ج ۳، ص ۱۳۹

۲۔ بحار الانوار، ج ۶۳، ص ۸۲ بحوالہ تفسیر علی بن ابراہیم قمی، ص ۶۲۳۔

خلاصہ بحث

آسمانی کتابیں بالخصوص "تورات" اور "قرآن" صرف انسانوں کیلئے ہی سرچشمہ ہدایت نہیں بلکہ جنات نے بھی ان سے فیض حاصل کیا اور جنات میں ایسے افراد بھی ہیں جو اپنی قوم کیلئے دین کے مبلغ اور منذر بن کر گئے۔ ان خبردار کرنے والوں نے اپنی قوم کو یہ بتایا کہ خدا کی طرف سے قرآن نامی کتاب نازل ہو چکی ہے جو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ انسانوں کی طرح جنات میں بھی مشرکین کا طبقہ موجود ہے۔ آیات کے سیاق و سباق سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسانوں کی طرح سے جنات بھی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانتے تھے۔ کچھ انسانوں کی طرح کچھ جنات کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ خدا مرنے کے بعد دوبارہ نہیں جلائے گا اور اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے۔

المختصر یہ کہ انسانوں کی طرح جنات میں بھی مسلم اور مومن نیز کافر اور مشرک موجود ہیں۔ جو جنات مومن ہیں وہ قیامت کے دن نجات پائیں گے اور جو کافر ہیں وہ دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ یہ آیات بتاتی ہیں کہ عقائد میں جن اور انس یکساں ہیں۔ دونوں میں خدا رسولؐ اور کتابوں پر ایمان رکھنے والے موجود ہیں۔ دونوں میں مشرک موجود ہیں اور "ابن اللہ" کا عقیدہ رکھنے والے بھی موجود ہیں۔ دونوں میں انبیاء کے دشمن موجود ہیں۔ دونوں میں دوسروں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے والے موجود ہیں۔ قیامت کے دن خدا دونوں سے حساب لے گا اور سزا یا جزا دے گا۔ اور جہاں تک احکام اسلام کا تعلق ہے تو خدا نے ان کے لئے ایسے احکام مقرر کئے ہیں جو ان کی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ واللہ اعلم

مختصر یہ کہ اسلام ہی خدا کا دین ہے اور اسلامی شریعت جن و انس دونوں کے لئے ہے۔ خدا نے اپنے دین اور اپنی شریعت کو انبیائے کرامؑ کے واسطے سے انسانوں تک بھیجا ہے۔ انبیائے کرامؑ کے بعد ان کے اوصیاء نے اس دین کی حفاظت اور تبلیغ کا فرض ادا کیا۔

خدا کے مبلّغ اور عوام کے معلّم

نبی اور نبوت

نبوت کے معنی رفعت اور اونچی شان کے ہیں۔ قرآن مجید میں نبوت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:
مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ...
کسی بشر کو شایاں نہیں کہ خدا تو اسے کتاب اور حکم لگانے کی بصیرت اور نبوت عطا کرے پھر بھی وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میری بندگی کرو... (سورۂ آل عمران: آیت ۷۹)

اس آیت میں نبی کو صاحب کتاب یعنی صاحب علم اور صاحب بصیرت یعنی قوت فیصلہ رکھنے والا بتایا گیا ہے اور نبوت کو ان دونوں کے لئے قسیم بتایا گیا ہے۔

نبوت ایک ایسا خصوصی رتبہ ہے جس میں خداوند عالم نبی کو علم اور اپنا قرب عطا فرماتا ہے جیسا کہ قرآن مجید بتاتا ہے: يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ○
اے اونچی شان والے! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور خدا کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ (سورۂ احزاب: ۴۵۔۴۶)

مقام نبوت کی رفعت بتاتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ
نبی مومنوں کی جانوں پر ان سے بھی زیادہ حق تصرف رکھتے ہیں۔ (سورۂ احزاب: آیت ۶)

نبی کی طرف وحی بھیجی جاتی ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے: اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ ... (اے محمدؐ) ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور ان سے پچھلے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔ (سورۂ نساء: آیت ۱۶۳)

نبی ایک اسلامی اصطلاح ہے۔ نبی وہ ہوتا ہے جس کی خدا کے نزدیک بڑی اونچی شان ہو اور جس کی طرف خدا وحی بھیجتا ہو۔ خدا انبیاء کو ہدایت کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجتا ہے: كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ... (پہلے سب) لوگ ایک ہی امت تھے۔ (پھر وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے) تو خدا نے نبیوں کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب بھی نازل کی...

(سورۂ بقرہ: آیت ۲۱۳) یہ ضرور ہے کہ کتابیں نبیوں پر ہی نازل کی گئیں لیکن اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ہر نبی صاحب کتاب ہے۔ خدا نے بعض نبیوں کو بعض نبیوں پر فضیلت دی ہے۔ وہ فرماتا ہے: وَ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض نبیوں پر فضیلت دی ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۵۵)

پھر خدا نے نبیوں میں سے رسولوں کا انتخاب کیا۔ جس کی کچھ وضاحت ذیل میں دی جاتی ہے۔

رسول اور رسالت

حامل رسالت کو رسول کہا جاتا ہے۔ رسالت خدا کی طرف سے انسانی ہدایت کا وسیلہ ہے اور رسول، خدا اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ وہ خدا کے خاص پیغام کا حامل ہوتا ہے۔ خدا کو جس قوم کی ہدایت مقصود ہوتی ہے انہی میں سے وہ اپنے رسول کا انتخاب کرتا ہے اور ہر قوم کا رسول ان کا ہم زبان ہوتا ہے۔ خدا فرماتا ہے: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ... ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ اپنی قوم کی زبان بولتا تھا تاکہ وہ اپنی قوم کو خدا کا پیغام صاف صاف پہنچا دے... (سورۂ ابراہیم: آیت ۴)

خدا نے ہر نبی کو اس کی اپنی قوم میں مبعوث کیا جیسا کہ ارشاد ہے: وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا... اور قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا... (سورۂ اعراف: آیت ۶۵ اور سورۂ ہود: آیت ۵۰)

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا... اور قوم ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا... (سورۂ اعراف: آیت ۷۳۔ سورۂ ہود: آیت ۶۱۔ سورۂ نمل: آیت ۴۵)

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا... اور قوم مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا... (سورۂ اعراف: آیت ۸۵۔ سورۂ ہود: آیت ۸۴۔ سورۂ عنکبوت: آیت ۳۶)

اور اس کی حکمت بالکل مبرہن ہے۔ خدا نے ہر نبی کو اس کی اپنی قوم میں اس لئے مبعوث کیا کہ اس کی قوم والے تبلیغ دین میں اس کی مدد کریں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شعیبؑ کے مخالفین نے ان سے کہا تھا: وَ لَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ... اگر تمہارا کنبہ قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے... (سورۂ ہود: آیت ۹۱)

رب دو جہاں نے رسولوں کو بھیجنے کے دو مقاصد بیان کئے ہیں:

۱۔ لوگوں کو ہدایت کی نعمت نصیب ہو۔
۲۔ لوگ خدا کو اپنی گمراہی کا الزام نہ دے سکیں کہ اس نے کسی کو ان کی ہدایت کے لئے بھیجا ہی نہیں تھا۔

خدا نے رسولوں کو بھیجنے کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ... (ہم نے) رسولوں کو خوشخبری دینے والے اور عذاب سے خبردار کرنے والے بنا کر بھیجا تاکہ رسولوں کے بعد لوگ خدا کے سامنے کوئی حجت پیش نہ کر سکیں... (سورۂ انبیاء: آیت ۱۶۵)

خداوند تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا... اور ہم جب تک کسی رسول کو نہ بھیج دیں اس وقت تک ہم عذاب نہیں دیتے۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۱۵)

رسولوں کے آنے کے بعد ہی قوموں کی تقدیر کا فیصلہ کیا جاتا ہے: وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ہر امت کی طرف رسول بھیجا گیا۔ جب ان کا رسول آتا ہے تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کردیا جاتا ہے اور ان پر کچھ ظلم نہیں کیا جاتا۔ (سورۂ یونس: آیت ۴۷)

رسولوں کی نافرمانی کرنے والی قومیں دنیا و آخرت کے عذاب کی مستحق قرار پاتی ہیں۔ خدا فرعون اور اس سے پچھلی اقوام کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو خدا نے ان کو بڑا سخت پکڑا۔ (سورۂ حاقہ: آیت ۱۰)

رسول کی نافرمانی فرد واحد کی نافرمانی نہیں ہوتی بلکہ براہ راست خدا کی نافرمانی ہوتی ہے: وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا... جو کوئی خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ جلے گا۔ (سورۂ جن: آیت ۲۳)

خدا نے نبیوں میں سے رسولوں کو منتخب کیا اسی لئے رسولوں کی تعداد نبیوں سے بہت کم ہے۔

ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے پوچھا: یا رسول اللہؐ! انبیاء کی تعداد کتنی ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور ان میں سے تین سو پندرہ رسول ہیں۔[۱]

چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ مثلاً حضرت الیسعؑ نبی تھے مگر وہ حضرت موسیٰؑ کے وصی تھے۔ خدا نے کچھ رسولوں کو ایسی شریعت کے ساتھ بھیجا تھا جس میں پچھلی شریعت کے کچھ احکام منسوخ تھے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت میں پچھلی شریعتوں کے چند منسوخ احکام شامل تھے۔ کچھ رسول ایسی شریعت لائے تھے جو پچھلی شریعت کی تجدید و تکمیل کرتی تھی۔ مثلاً حضرت خاتم الانبیاءؐ جو شریعت لائے ہیں وہ شریعت ابراہیمی کی تجدید و تکمیل کرتی ہے: ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا... (اے رسولؐ) ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی کریں جو سیدھا دین ہے۔ (سورۂ نحل: آیت ۱۲۳)

دین و شریعت کا وہ سلسلہ جو حضرت آدمؑ سے شروع ہوا تھا حضرت خاتمؐ پر مکمل ہوگیا جیسا کہ فرمان خداوندی ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا... (اے رسولؐ) آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ (سورۂ مائدہ: آیت ۳)

۱۔ مسند احمد، ج ۵، ص ۲۶۵۔ یہ روایت تفصیل کے ساتھ شیخ صدوق کی کتاب معانی الاخبار، ص ۹۵، خصال صدوق ج ۲، ص ۱۰۴ اور بحار الانوار ج ۱۱، ص ۳۲، حدیث ۲۳ میں مذکور ہے۔ ہم نے یہ روایت مسند احمد سے لی ہے۔

وصی اور وصایت

آیئے اب دیکھیں کہ اوصیاء کون تھے اور ان کی حقیقت کیا تھی؟

کتاب وسنت کی اصطلاح میں وصی اسے کہا جاتا ہے جسے کسی شخص نے وصیت کی ہو کہ میری وفات کے بعد میرا فلاں فلاں کام کرنا۔ اس کے لئے وصیت کرنے والا یہ کہتا ہے کہ" میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد فلاں فلاں کام کرنا'' یا یہ کہ" میں تجھ سے عہد لے رہا ہوں کہ تو میرے بعد ایسا ایسا کرنا۔''

الغرض اس طرح کے الفاظ سے وصایت ثابت ہوجاتی ہے اور وصیت کرنے والا دوسروں کو یہ خبر دیتا ہے کہ میرے بعد فلاں شخص میرا وصی ہے۔ اتنا کہہ دینے سے بھی کہ" فلاں شخص میرے بعد میرا وصی ہے'' وصایت ثابت ہوجاتی ہے۔

نبی کا وصی وہ ہوتا ہے جس کو نبی نے اپنی شریعت اور امت کے امور کی وصیت کی ہو۔

جب ہم اوصیاء کی سرگزشت پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں تاریخ طبری میں ملتا ہے کہ اماں حوا سے ہبۃ اللہ پیدا ہوئے جن کا عبرانی نام شیث ہے۔ حضرت آدم نے شیث کو اپنا وصی بنایا تھا۔ شیث سے انوش ہوئے جب وہ بیمار ہوئے تو انہوں نے انوش کو اپنا وصی بنایا۔ اس کے بعد ان کی وفات ہوگئی۔ انوش سے قینان کے علاوہ بھی بہت سے بیٹے ہوئے مگر قینان نے انوش کو اپنا وصی بنایا۔ قینان کی مہلائیل اور یرد کے سوا دیگر اولادیں ہوئیں مگر قینان نے مہلائیل کو وصی بنایا۔ یرد سے اخنوخ (ادریسؑ) اور دیگر اولادیں ہوئیں مگر یرد نے ادریس کو وصی بنایا۔ ادریس سے متوشلخ اور دوسری اولادیں ہوئیں مگر ادریس نے متوشلخ کو وصی بنایا۔ (علیہم السلام)

ابن سعد نے حضرت ادریس کے بارے میں ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت آدم کے بعد حضرت ادریس پہلے نبی تھے اور ان کا نام اخنوخ بن یرد تھا۔۔ ادریس سے متوشلخ اور دوسری بہت سی اولادیں ہوئیں۔ ادریس نے متوشلخ کو اپنا وصی بنایا تھا۔ متوشلخ سے لمک اور دوسری بہت سی اولادیں ہوئیں۔ متوشلخ نے لمک کو اپنا وصی مقرر کیا تھا اور لمک سے حضرت نوح پیدا ہوئے[1] (علیہم السلام)

مسعودی نے اپنی کتاب" اخبار الزمان'' میں جو کچھ کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے: جب خدا نے حضرت آدم کو موت دینے کا ارادہ کیا تو انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت شیثؑ کو اپنا وصی مقرر کریں اور تمام علوم کے اسرار تعلیم کریں جو خدا نے انہیں عطا کئے ہیں۔ حضرت آدمؑ نے خدا کے فرمان پر عمل کیا۔ اور یہ کہ حضرت شیثؑ نے اپنے بیٹے حضرت قینانؑ کو اپنا وصی مقرر کیا۔ انہوں نے ان کو تمام صحیفوں کی تعلیم دی اور (مختلف مقاصد مثلاً تعمیرات اور زراعت وغیرہ کے لئے) زمین کی تقسیم سکھائی۔ انہیں نماز پڑھنے، زکوۃ دینے، حج کرنے

۱۔ تاریخ طبری، مطبوعہ یورپ، ج ۱، ص ۱۵۳، ۱۶۵، ۱۶۶۔ تاریخ ابن اثیر، ج ۱، ص ۱۹، ۲۰، ودز کر شیثؑ بن آدمؑ۔ طبقات ابن سعد، مطبوعہ یورپ، ج ۱، ص ۱۹۔ تاریخ ابن کثیر، ج ۱، ص ۹۸، ودز کر وصیت آدمؑ برائے شیثؑ۔

اور اولاد قابیل سے جہاد کرنے کا حکم دیا۔ حضرت قینانؑ نے اپنے والد کی وصیت پر عمل کیا۔ وفات کے وقت حضرت قینانؑ کی عمر 720 سال تھی۔ حضرت قینانؑ نے اپنے بیٹے حضرت مہلائیلؑ کو اپنا وصی مقرر کیا اور انہیں وہی وصیت کی جو ان کے والد نے انہیں کی تھی۔ وفات کے وقت حضرت مہلائیلؑ کی عمر 875 سال تھی۔

حضرت مہلائیلؑ نے اپنے بیٹے حضرت بوارڈؑ کو وصی بنایا۔ انہوں نے بھی حضرت بوارڈؑ کو گزشتہ صحیفوں کی تعلیم دی اور (مختلف مقاصد کے لئے) زمین کی تقسیم بندی سکھائی۔ انہوں نے حضرت بوارڈؑ کو سِرُّالمَلَکُوت نامی کتاب پڑھائی جو حضرت مہلائیلؑ نے ان کو پڑھائی تھی۔ اس سے پہلے یہ کتاب مہر شدہ حالت میں نسلاً بعد نسلٍ اوصیاء کے پاس منتقل ہوتی رہی تھی اور کسی نے ان کو کھولا نہ تھا۔

حضرت بوارڈؑ کے بعد حضرت ادریسؑ نبی ہوئے۔ انہوں نے دینی علوم اور کتاب خدا کا اتنا درس حاصل کیا تھا کہ سب ان کو ادریسؑ کہنے لگے۔ خدا نے ان پر تیس صحیفے نازل فرمائے تھے۔ ان سے قبل حضرت آدمؑ پر اکیس اور حضرت شیثؑ پر انتیس صحیفے نازل ہوئے تھے جو سب تسبیح وتہلیل پر مشتمل تھے۔[1]

حضرت بوارڈؑ نے حضرت ادریسؑ کو اپنا وصی مقرر کیا اور انہیں وہی وصیت کی جو ان کے والد نے ان کو کی تھی۔ انہوں نے اپنے تمام علوم حضرت ادریسؑ کو سکھائے اور کتاب سِرُّالمَلَکُوت بھی ان کے سپرد کی۔

حضرت شیثؑ کے بعد وہ صحف حضرت ادریسؑ کے حوالے کیا گیا۔[2]

یعقوبی نے اوصیاء کے واقعات کو تسلسل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ انہوں نے طبری اور ابن اثیر سے زیادہ تفصیل دی ہے اور امر وصیت کے متعلق کچھ دوسرے واقعات بھی تحریر کئے ہیں مثلاً یہ کہ جب حضرت آدمؑ کی وفات کا وقت ہوا تو شیث اپنے بیٹوں اور پوتوں کے ہمراہ اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت آدمؑ نے انہیں خیر و برکت کی دعا دی اور حضرت شیثؑ کو اپنا وصی مقرر کیا۔

یعقوبی لکھتے ہیں کہ حضرت شیثؑ حضرت آدمؑ کے جانشین ہوئے۔ وہ اپنی قوم کو تقویٰ اور نیک اعمال کی تلقین کرتے تھے... اور جب حضرت شیثؑ کی وفات کا وقت آیا تو ان کے بیٹے اور پوتے انوش، قینان، مہلائیل، یرد اور ادریس ان کے پاس آئے۔ ان کے خاندان کی عورتیں اور دیگر اولادیں بھی موجود تھیں۔ حضرت شیثؑ نے انہیں خیر و برکت کی دعا دی اور نصیحت کی کہ وہ قابیل ملعون کی اولاد سے کسی طرح کا تعلق نہ رکھیں۔ انہوں نے انوش کو اپنا وصی مقرر کیا۔

یعقوبی حضرت نوحؑ کے واقعات میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت نوحؑ کی رحلت کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے تینوں بیٹوں سام، حام اور یافث اور ان کی اولاد کو جمع کیا اور انہیں وصیتیں کیں۔ یعقوبی نے سام کے نام حضرت نوحؑ کی وصیت کی تفصیل بیان کی ہے۔ یعقوبی نے تمام بنی اسرائیل کے انبیاء اور اوصیاء علیہم السلام کا

۱۔ مروج الذہب، طبع بیروت، ج ۱، ص ۳۵۔ ۲۔ اخبار الزمان، ص ۷۵۔

تفصیلی تذکرہ کیا ہے جس میں سے ہم نے بقدر ضرورت یہاں نقل کیا ہے۔[1]

حضرت نوحؑ کے زمانے میں اولاد قابیل میں بت پرستی کو رواج ملا۔ حضرت ادریسؑ کو حکم ہوا کہ متوشلخ کو اپنا وصی مقرر کرو کیونکہ میں اس کی نسل سے ایک ایسا نبی پیدا کروں گا جس کے افعال پسندیدہ ہوں گے۔ پھر خدا نے حضرت ادریسؑ کو زندہ آسمانوں میں اٹھالیا اور یوں وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ حضرت ادریسؑ کے بعد لوگوں میں بہت زیادہ اختلافات پیدا ہوگئے۔ ابلیس ملعون نے لوگوں کو یہ کہہ کر گمراہ کیا کہ ادریسؑ کاہن تھے۔ انہوں نے آسمان پر چڑھنے کی کوشش کی تو وہ جل کر مرگئے

حضرت آدمؑ کی اولاد کو جو اُن کے دین پر تھی اس خبر سے شدید صدمہ ہوا۔ ابلیس نے یہ بھی مشہور کر دیا کہ ان کے بڑے بت نے ادریس کو ہلاک کیا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں میں بت پرستی جڑ پکڑنے لگی اور وہ اپنی قربانیاں بتوں کی بھینٹ چڑھانے لگے۔ انہوں نے اپنے بتوں کی خوشنودی کے لئے ایک خاص دن مقرر کیا جس دن وہ جشن مناتے۔ اس جشن میں چھوٹے بڑے سب جوش وخروش سے شریک ہوتے۔

اس وقت ان کے پانچ بت تھے جن کے نام یہ ہیں:

(۱) وَد (۲) سواع (۳) یغوث (۴) یعوق (۵) نسر۔[2]

جب حضرت متوشلخ نے اس دنیا سے مفارقت کی تو انہوں نے حضرت لمکؑ کو اپنا وصی مقرر کیا۔ لمک کے معنی ہیں جمع کرنے والا۔ حضرت متوشلخ نے ان سے عہد لیا اور انبیاء کے صحائف اور حضرت ادریسؑ کی مہر شدہ کتاب ان کے سپرد کی۔ وفات کے وقت حضرت متوشلخ کی عمر 900 سال تھی۔

ایک مرتبہ حضرت لمکؑ نے خواب دیکھا کہ ان کے منہ سے آگ نکل رہی ہے جس نے ساری دنیا کو جلا کر راکھ کر دیا ہے۔ انہوں نے ایک بار یہ خواب بھی دیکھا کہ وہ سمندر کے بیچوں بیچ ایک درخت پر تن تنہا بیٹھے ہیں جہاں آدم ہے نہ آدم زاد۔

حضرت لمکؑ کے فرزند حضرت نوحؑ پچاس برس کے ہوئے تو خدا نے انہیں بت پرست قوم میں مبعوث فرمایا۔ حضرت نوحؑ اولوالعزم رسولوں میں سے تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ کی عمر 2500 سال تھی اور انہوں نے 950 سال تک تبلیغ کی تھی۔ 950 سال کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ حضرت نوحؑ کی شریعت توحید، نماز، روزے، حج اور دشمنان خدا (اولاد قابیل) سے جہاد پر مشتمل تھی۔ آپ نے حلال کا حکم دیا اور حرام سے منع کیا۔ آپ پوری زندگی لوگوں کو خدا کی طرف بلاتے رہے اور عذاب آخرت سے ڈراتے رہے اور لوگوں کو خدا کی نعمتیں یاد دلاتے رہے۔

مسعودی لکھتے ہیں کہ خدا نے حضرت سامؑ کو حکومت عطا فرمائی تھی اور انہیں صحائف انبیاء کا وارث بنایا تھا۔

۱۔ تاریخ یعقوبی، ج ۱، حالات انبیاء۔ ۲۔ ایک اور نسخہ میں صرف وَد، سواع اور نسر کے نام ہیں۔

حضرت نوحؑ نے ان کی اولاد میں ہی وصیت کی تھی۔ حضرت سامؑ کے دوسرے بھائیوں میں وصیت نہیں کی تھی۔[۱]

مسعودی کی کتاب "اخبار الزمان" میں جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہے وصایت کا یہیں تک تذکرہ موجود ہے۔ البتہ مسعودی نے اپنی دوسری کتاب "اثبات الوصیت" میں حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت خاتمؐ تک تمام انبیاء کے اوصیاء کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔

انبیاء و مرسلین کے متعلق یہاں تک تو ہم نے اسلامی کتابوں سے حوالے پیش کیے۔ اب ہم انبیائے کرام اور اوصیاء عظام کے لئے عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

تورات وانجیل میں اوصیاء کے حالات

(۱) "قاموس کتاب مقدس" میں یوشع کے مادہ میں تورات سے یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں:

یوشع بن نون جبل سینا پر حضرت موسیٰؑ کے ساتھ تھے اور انہوں نے حضرت ہارونؑ کے زمانے میں بچھڑے کی پوجا نہیں کی تھی۔

تورات کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

حضرت موسیٰؑ نے خداوند سے کہا کہ ○ خداوند سارے بشر کی روحوں کا خدا کسی آدمی کو اس جماعت پر مقرر کردے ○ جس کی آمد و رفت ان کے روبرو ہو اور وہ ان کو باہر لے جانے اور اندر لے آنے میں ان کا رہبر ہو تاکہ خداوند کی جماعت ان بھیڑوں کی مانند نہ رہے جن کا کوئی چرواہا نہیں ○ خداوند نے موسیٰؑ سے کہا تو نون کے بیٹے یشوع کو لے کر اس پر اپنا ہاتھ رکھ کیونکہ اس شخص میں روح ہے ○ اور اسے الیعزر کاہن اور ساری جماعت کے آگے کھڑا کر کے ان کی آنکھوں کے سامنے اسے وصیت کر ○ اور اپنے رعب داب سے اسے بہرہ ور کردے تاکہ بنی اسرائیل کی ساری جماعت اس کی فرمانبرداری کرے ○ وہ الیعزر کاہن کے سامنے کھڑا ہوا کرے جو اس کی جانب سے خداوند کے حضور اوریم کا حکم دریافت کیا کرے گا۔ اسی کے کہنے سے وہ اور بنی اسرائیل کی ساری جماعت کے لوگ نکلا کریں اور اسی کے کہنے سے لوٹا بھی کریں ○ سو موسیٰؑ نے خداوند کے حکم کے مطابق عمل کیا اور اس نے یشوع کو لے کر اسے الیعزر کاہن اور ساری جماعت کے سامنے کھڑا کیا ○ اور اس نے اپنے ہاتھ اس پر رکھے اور جیسا کہ خداوند نے اس کو حکم دیا تھا اسے وصیت کی ○[۲]

یشوع کی خلافت اور اس کے غزوات کا ذکر سفر یشوع بن نون کے باب ۲۳ میں مذکور ہے۔

(۲) اور داؤدؑ کے مرنے کے دن نزدیک آئے۔ سو اس نے اپنے بیٹے سلیمانؑ کو وصیت کی اور کہا کہ

۱۔ اخبار الزمان، مسعودی، طبع بیروت، ۱۳۸۶ھ ص ۷۵، ۱۰۲۔

۲۔ گنتی، باب ۲۷، آیات ۱۶ تا ۲۳، اردو ترجمہ بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور۔

میں اسی راستے جانے والا ہوں جو سارے جہان کا ہے۔ اس لئے تو مضبوط ہو اور مردانگی دکھا ٥ اور جو موسیٰ کی شریعت میں لکھا ہے اس کے مطابق خداوند خدا کی ہدایت کو مان کر اس کی راہوں پر چل اور اس کے آئین پر اور اس کے فرمانوں اور حکموں اور شہادتوں پر عمل کرتا کہ جو کچھ تو کرے اور جہاں کہیں تو جائے سب میں تجھے کامیابی ہو۔[1]

(۳) تورات میں شمعون پطرس کا نام سمعون آیا ہے جیسا کہ انجیل متی کے دسویں باب میں مرقوم ہے۔

پھر اس نے اپنے بارہ شاگردوں کو پاس بلا کر ان کو ناپاک روحوں پر اختیار بخشا کہ ان کو نکالیں اور ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری کو دور کریں ٥ اور بارہ رسولوں کے نام یہ ہیں: پہلا شمعون جو پطرس کہلاتا ہے... اسی شمعون کے متعلق انجیل یوحنا کے باب ۲۱، آیت ۱۵ تا ۱۸ میں ہے کہ حضرت عیسیٰ نے انہیں اپنا وصی مقرر کیا تھا اور ان سے فرمایا تھا کہ "تم میری بھیڑیں چراؤ"۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ تم میری امت کے نگہبان ہو۔

قاموس کتاب مقدس میں ہے کہ حضرت مسیح نے انہیں کنیسہ کی ہدایت پر مامور کیا تھا۔[2]

تورات کے مطابق حضرت داؤدؑ نے حضرت سلیمانؑ کو اپنا وصی مقرر کیا تھا اور انہیں وصیت کی تھی کہ وہ شریعت موسیٰ پر عمل کریں۔ انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ نے حواری کو اپنا وصی مقرر کیا تھا۔

قرآن مجید میں انبیاءؑ اور اوصیاءؑ کا تذکرہ

قرآن مجید میں ان پچیس انبیاءؑ کے اسمائے گرامی آئے ہیں:

(۱) آدمؑ	(۲) ادریسؑ	(۳) نوحؑ	(۴) ہودؑ	(۵) صالحؑ
(۶) ابراہیمؑ	(۷) اسماعیلؑ	(۸) اسحاقؑ	(۹) یعقوبؑ	(۱۰) یوسفؑ
(۱۱) لوطؑ	(۱۲) شعیبؑ	(۱۳) ایوبؑ	(۱۴) موسیٰؑ	(۱۵) ہارونؑ
(۱۶) یونسؑ	(۱۷) الیاسؑ	(۱۸) الیسعؑ	(۱۹) ذوالکفلؑ	(۲۰) داؤدؑ
(۲۱) سلیمانؑ	(۲۲) زکریاؑ	(۲۳) یحییٰؑ	(۲۴) عیسیٰؑ	(۲۵) محمد ﷺ

ان میں سے کچھ نبیوں نے سابقہ شریعت کی تکمیل کی مثلاً حضرت نوحؑ نے شریعت آدمؑ کی تکمیل کی اور حضرت محمد مصطفیٰؐ نے شریعت ابراہیمؑ کی تکمیل و تجدید کی۔ کچھ نبی ایسے بھی تھے جن کی شریعت سابقہ شریعتوں کی ناسخ تھی جیسا کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفیٰؐ کی شریعتیں سابقہ شریعتوں کی ناسخ تھیں۔ اور کچھ نبی وہ تھے

۱۔ تورات، سفر سلاطین ۱، باب ۲، آیات ۱ تا ۳، اردو ترجمہ بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور۔

۲۔ قاموس کتاب مقدس، مادہ پطرس حواری۔

جو اپنے زمانے کے صاحب شریعت نبی کے وصی اور ان کی شریعت کے محافظ تھے جیسے حضرت یوشع بن نون حضرت موسیٰ کے وصی اور ان کی شریعت کے محافظ تھے۔ نبی اور اس کے وصی کے لئے ضروری ہے کہ وہ صاحب معجزہ ہو تا کہ وہ اپنے دعویٰ کی صداقت میں آسمانی نشانی پیش کر سکے۔

آیت اور معجزہ

لغت میں آیت اس نشانی کو کہا جاتا ہے جو ظاہر ہو تو اس کے ساتھ وہ چیز بھی ظاہر ہو جائے جس کی وہ نشانی ہے۔ اسلامی اصطلاح میں آیت وہ نشانی ہے جو خدا کی یا اس کے اسمائے حسنیٰ کی نشانی ہو۔

ہماری کائنات میں کچھ نشانیاں ایسی ہیں مثلاً اس کے نظام کی ہم آہنگی جو ایک مدبر کائنات "رب" کے وجود کا پتا دیتی ہیں۔ ایسی نشانیاں سنن اللہ فی الکون کہلاتی ہیں۔

۱۔ اَفَلَا يَنظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ○ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ○ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ○ کیا یہ لوگ اونٹوں کو نہیں دیکھتے ہیں کہ کیسے (عجیب) پیدا کئے گئے ہیں اور آسمان کی طرف کہ کیسا بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں۔ (سورۂ غاشیہ: آیت ۱۷ تا ۱۹)

۲۔ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○ خدا نے آسمانوں اور زمین کو بالکل ٹھیک پیدا کیا ہے۔ بیشک اس میں ایمان والوں کے لئے نشانی ہے۔ (سورۂ عنکبوت: آیت ۴۴)

قرآن کریم میں خدا نے کئی چیزوں کی خلقت کا ذکر کیا ہے۔ چونکہ یہ چیزیں اپنے خالق کے وجود کا پتا دیتی ہیں اس لئے انہیں آیات کہا جاتا ہے۔ (خدا کی آیات — آسمان، زمین، سورج، چاند، سیارے، ستارے پہاڑ اور دریا وغیرہ — ساری کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں۔) علاوہ ازیں خدا کی کچھ نشانیاں ایسی بھی ہیں جو بتاتی ہیں کہ وہ اپنی تمام مخلوق کی نشوونما اور بقا و ارتقا کا سامان کرتا رہتا ہے۔ اس طرح کی نشانیوں کی مثال حسب ذیل آیات میں تلاش کی جا سکتی ہے:

۳۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ○ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ○ وہی تو (خدا) ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جسے تم پیتے ہو اور اس سے درخت بھی شاداب ہوتے ہیں جن میں تم اپنے جانوروں کو چراتے ہو۔ اسی پانی سے وہ تمہارے لئے کھیتیاں، زیتون، کھجور، انگور اور طرح طرح کے پھل اگاتا ہے۔ غور کرنے والوں کے لیے اس میں (قدرت خدا کی) نشانی ہے۔ اسی نے تمہارے لئے رات اور دن اور

سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا اور اسی کے حکم سے ستارے بھی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ غور کرنے والوں کے لئے اس میں بھی (قدرت خدا) نشانیاں ہیں۔ اور جو رنگا رنگ چیزیں اس نے زمین میں پیدا کی ہیں (سب تمہارے تابع کردی ہیں) نصیحت پکڑنے والوں کیلئے اس میں بھی نشانی ہے۔ (سورۂ نحل: آیت ۱۰ تا ۱۳)

۴۔ اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡکِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اور کشتیوں میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کے لئے چلتی ہیں اور مینہ جس کو خدا آسمان سے برساتا ہے اور اس سے زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کردیتا ہے اور زمین پر قسم قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں عقل مندوں کے لئے (قدرت خدا کی) نشانیاں ہیں۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۶۴)

تکوین میں تصرف کو بھی آیت اور معجزہ کہا جاتا ہے جو مشیت ایزدی کے ساتھ مربوط ہوتا ہے۔ مثلاً:
وَرَسُوۡلًا اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اَنِّیۡ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِاٰیَةٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ اَنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ کَهَیۡـَٔةِ الطَّیۡرِ... میں (عیسیٰ) بنی اسرائیل کی طرف رسول بن کر آیا ہوں۔ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے یہ نشانی لے کر آیا ہوں کہ تمہارے سامنے مٹی سے ایک پرندہ بناؤں گا... (سورۂ آل عمران: آیت ۴۹)

انبیائے کرامؑ کے خارق عادت افعال کو عرف اسلامی میں معجزہ کہا جاتا ہے۔ اس کو معجزہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ دوسرے انسان اس جیسا کام کرنے سے عاجز ہوتے ہیں۔ معجزہ مخلوق کے طبیعی نظام سے مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰؑ مٹی سے پرندے کی صورت بناتے تھے اور جب اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ بحکم خدا پرندہ بن کر ہوا میں اڑنے لگتا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کا یہ معجزہ سب سے پہلے تو اس بات کی دلیل تھا کہ رب کائنات نے تمام چیزوں کو خواص اور طبیعی نظام عطا کیا ہے اور جب اس کی حکمت کسی چیز کی خاصیت کو سلب کرنا ہوتی ہے تو وہ اس کو سلب بھی کرلیتا ہے۔ مثلاً آگ کی خاصیت جلانا ہے لیکن جب نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا تو خدا نے آگ سے جلانے کی خاصیت سلب کرلی۔

آج بھی ہو جو ابراہیمؑ کا ایماں پیدا آگ کرسکتی ہے انداز گلستاں پیدا

خدا نے ویسے تو کائنات کے لئے ایک طبیعی نظام تشکیل دیا ہے لیکن اگر وہ کبھی اپنے کسی نمائندے کی صداقت کو ظاہر کرنے کے لئے اس میں تبدیلی کرنا چاہے تو وہ اس پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔ مثلاً پرندے کے وجود میں آنے کے لئے ضروری ہے کہ نر و مادہ جفتی ہوں۔ پھر مادہ انڈے دے اور کچھ عرصہ ان کو سینے تاکہ

انڈے سے چوزہ نکلے اور کچھ عرصہ بعد اڑنے کے قابل ہو کر اڑے۔ یہ خدا کا مقرر کردہ طبیعی نظام ہے۔ البتہ اگر خدا حضرت عیسیٰ کی نبوت کی صداقت کو ظاہر کرنے کے لئے ان کے ہاتھ سے بنے مٹی کے پرندے میں جان ڈال دے اور وہ اڑنے لگے تو خدا اس پر قادر ہے۔

انبیائے کرامؑ کے معجزات طبیعی نظام سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ مادہ مختلف حالتوں سے گزر کر آخری حالت میں منتقل ہوتا ہے۔ بعض مسلم فلاسفہ نے کہا ہے کہ انبیائے کرامؑ کے معجزات طبیعی نظام سے ماورا نہیں ہوتے بلکہ مادہ روشنی کی رفتار سے اپنی شکلیں بدل لیتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ فلاسفہ کا یہ نظریہ صحیح نہیں ہے۔ معجزہ طبیعی نظام کی تیز رفتاری کے نتیجے میں ظاہر نہیں ہوتا بلکہ معجزہ سے طبیعی نظام کی نفی ہوتی ہے اور اس سے خدا کی قدرت ثابت ہوتی ہے۔

''معجزہ جادو بھی نہیں ہوتا'' کیونکہ جادو ایک طرح کا تخیل اور فریب نظر (Optical Illusion) ہوتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر آپ کبھی دیکھیں کہ جادوگر نے ایک زندہ سلامت پرندہ نگل لیا ہے یا دیکھیں کہ وہ اونٹنی کے منہ میں داخل ہو کر اس کی دبر سے باہر نکل آیا ہے یا اس نے شیشے کے برتن کو چکنا چور کر کے دوبارہ صحیح حالت پر لوٹا دیا ہے تو اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہوتی کیونکہ اس نے ان کاموں میں سے کوئی بھی کام نہیں کیا ہوتا۔ جادوگر صرف لوگوں کی آنکھوں پر جادو کرتا ہے جس سے انہیں اس قسم کے مناظر نظر آتے ہیں۔ جونہی جادو کا دورانیہ ختم ہوتا ہے نظر بندی کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے اور ہر چیز اپنی اصلی حالت میں دکھائی دینے لگتی ہے۔

''معجزہ چند لمحات کے لئے نہیں ہوتا، وہ مستقل اثر رکھتا ہے۔'' مثلاً دربار فرعون میں حضرت موسیٰ اور جادوگروں کے درمیان مقابلہ ہوا تھا۔ جادوگروں نے اپنی رسیاں زمین پر پھینکیں تو لوگوں کو وہ سانپ بن کر چلتی دکھائی دیں۔ یہاں تک تو جادو تھا۔ اس کے بعد نبوت کا معجزہ شروع ہوا۔ جونہی حضرت موسیٰ نے اپنا عصا زمین پر پھینکا تو وہ سچ مچ کا اژدھا بن گیا اور جادوگروں کے رسی سے بنے سانپوں کو نگل گیا۔

جب جادوگروں نے یہ عجیب ماجرا دیکھا تو اپنے گرو گھنتال سے رجوع کیا۔ وہ بولا کہ صبر کرو، تھوڑی دیر بعد ہماری رسیاں مل جائیں گی لیکن جب کافی دیر گزر گئی اور رسیاں نظر نہ آئیں تو وہ بولا: یہ جادو نہیں بلکہ نبوت کا معجزہ ہے کیونکہ اگر یہ جادو ہوتا تو ہماری رسیاں زمین پر پڑی مل جاتیں۔ جادوگر اپنے فن میں ماہر تھے اس لئے انہیں جادو اور معجزے کا فرق محسوس کرنے میں دیر نہ لگی اور وہ سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں بلکہ خدا جل شانہ کی قدرت کی نشانی ہے۔ چنانچہ وہ اس واقعے سے اتنے متاثر ہوئے کہ فوراً عالمین کے پروردگار پر ایمان لے آئے اور وہیں فرعون کے سامنے بھرے دربار میں رب تعالیٰ کے حضور سجدے میں گر گئے اور کہنے لگے آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ○ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ (سورۂ شعراء: آیت ۴۶-۴۷)

"امر محال میں بھی معجزہ صادر نہیں ہوتا" یعنی جس چیز کو علم منطق میں جمع نقیضین [1] کہا جاتا ہے معجزہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ ایک چیز ایک وقت میں ایک جگہ موجود بھی ہو اور موجود نہ بھی ہو۔

انبیائے کرامؑ کے معجزات اللہ تبارک وتعالیٰ کی وہ نشانیاں ہوتے ہیں جنہیں وہ ان کے ہاتھوں پر جاری کرتا ہے اور تمام جن وانس مل کر بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ مثلاً یہ ہوسکتا ہے کہ ایک طاقتور جن شہر سبا سے ملکہ بلقیس کا تخت ہوا کے دوش پر اٹھا کر حضرت سلیمانؑ کا دربار برخاست ہونے سے پہلے فلسطین میں لے آئے کیونکہ وہ ہوا میں روشنی کی رفتار سے سفر کرتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جن کسی کاہن کو کسی واقعہ کی خبر دے لیکن وہ مٹی سے سچ مچ کا پرندہ بنا کر اڑا نہیں سکتا۔ ایک ہندو جوگی (Yogi) مختلف آسن کی مشق کرکے ایک ٹرین کو چلنے سے روک تو سکتا ہے لیکن پتھر پر عصا مار کر اس سے بارہ چشمے جاری نہیں کرسکتا۔

معجزہ اس وقت تک رونما نہیں ہوسکتا جب تک خدا کا حکم نہ ہو۔ خدا اپنی حکمت بالغہ کے تحت انبیاء کے ہاتھوں پر معجزات اس لئے ظاہر کرتا ہے تاکہ لوگوں کو یقین ہوجائے کہ یہ نبی واقعی خدا کی طرف سے ان کی ہدایت کا سامان لایا ہے۔ یہی حقیقت اس روایت میں بیان کی گئی ہے جو ابن سکیت سے مروی ہے۔ انہوں نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا: فرزند رسولؐ! اس کی کیا وجہ ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰؑ کو عصا اور ید بیضاء کا معجزہ عطا کیا، حضرت عیسیٰؑ کو طب کا اور حضرت محمد مصطفیٰؐ کو زبان وبیان اور خطابت کا؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: جس دور میں حضرت موسیٰؑ مبعوث ہوئے اس وقت ہر طرف جادو کا چرچا تھا اس لئے خدا نے انہیں وہ معجزہ دیا جس کا توڑ جادوگروں کے بس سے باہر تھا، جس نے ان کے جادو کو خاک میں ملا دیا اور ان پر حجت قائم کردی۔ حضرت عیسیٰؑ جس زمانے میں مبعوث ہوئے اس وقت بیماریاں اور جسمانی نقائص عام تھے اور لوگوں کو علاج معالجے کی شدید ضرورت تھی چنانچہ خدا نے انہیں ایسے معجزات عطا کئے جس سے اس زمانے کے سارے اطبا عاجز تھے۔ حضرت عیسیٰؑ نے خدا کے حکم سے کئی مردوں کو زندہ کیا اور پیدائشی اندھوں اور کوڑھیوں کو صحت یاب کیا اور اس طرح اہل زمانہ پر حجت قائم کردی۔ جب آنحضرتؐ مبعوث ہوئے اس زمانے میں عرب میں خطابت اور زبان و بیان کا دور دورہ تھا۔ (راوی کہتا ہے کہ شاید امامؑ نے شعر وسخن بھی فرمایا تھا) یہی وجہ ہوئی کہ انہوں نے خدا کی طرف سے ایسے مواعظ پیش کئے کہ اہل عرب دنگ رہ گئے،

☆ ضد Antinomy اور نقیض Antithesis تقابل اربعہ کا موضوع ہے۔ ضد اور نقیض کے معنی میں ایک لطیف فرق ہے۔ نقیض زیادہ تر "اشیا" میں اور ضد اشیا کی "صفات" میں ہوتی ہے۔ نقیض اسے کہتے ہیں جو نہ تو ایک ہی وقت میں ایک ہی جہت سے جمع ہوسکے اور نہ ہی معدوم ہوسکے مثلاً زندگی اور موت۔ ضد اسے کہتے ہیں کہ دو "وجود" ایک ساتھ جمع تو نہیں ہوسکتے مگر معدوم ہوسکتے ہیں مثلاً سردی اور گرمی، حق اور باطل، علم اور جہل وغیرہ۔

ان کی فصاحت و بلاغت کا بازار سرد پڑ گیا اور اس طرح لوگوں پر حجت[1] قائم ہوگئی۔

ابن سکیت نے کہا: بخدا میں نے آج تک ایسا مدلل جواب نہیں سنا۔ پھر انہوں نے پوچھا:

فَمَا الْحُجَّةُ عَلَى الْخَلْقِ الْيَوْمَ ؟ قال: فقال عليه السلام العقل، يُعْرِفُ بِهِ الصَّادِقُ عَلَى اللهِ فَيُصَدِّقُهُ وَالْكَاذِبُ عَلَى اللهِ فَيُكَذِّبُهُ قال: فقال ابن سكيت: هٰذَا وَاللهِ الْجَوَاب

(جب ہمارے درمیان خدا کی ظاہری حجت یعنی پیغمبر اکرمؐ موجود نہیں ہیں تو) مخلوق پر آج کیا چیز حجت ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: آج عقل (باطنی) حجت ہے۔ عقل پہچانے کہ خدا پر سچ کون بول رہا ہے اور اس کی تصدیق کرے اور عقل پہچانے کہ خدا پر جھوٹ کون بول رہا ہے اور اس کی تکذیب کرے۔

ابن سکیت نے کہا: خدا کی قسم! یہ ہے جواب۔[2]

انبیائے کرامؑ کے معجزات طبیعی نظام سے الگ نوعیت کے ہوتے تھے اسی لئے انبیاءؑ کی امتیں ان سے معجزہ طلب کیا کرتی تھیں جیسا کہ خدا نے قوم ثمود کے متعلق بیان کیا کہ انہوں نے حضرت صالحؑ سے کہا:

مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَأْتِ بِآيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ○ قَالَ هٰذِهِ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ○ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ○ تم تو ہماری ہی طرح ایک بشر ہو۔ اگر تم سچے ہو تو کوئی نشانی پیش کرو۔ صالحؑ نے کہا (دیکھو) یہ اونٹنی ہے۔ ایک دن اس کی پانی پینے کی باری ہے اور ایک معین دن تمہاری باری ہے۔ خبردار اسے کوئی تکلیف نہ دینا ورنہ تم کو سخت عذاب آ پکڑے گا۔

☆ حضرت آیت اللہ خوئی رحمہ اللہ البیان فی تفسیر القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

قطعی اور واضح دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ خداوند عالم انسانوں کے لئے احکام نازل فرماتا ہے کیونکہ انسان اپنے ارتقا اور دین و دنیا میں فوز و فلاح کے لئے ان احکام کے محتاج ہیں۔ اگر خداوند عالم انسانوں کو اپنے احکام کی بجا آوری کا مکلف نہ کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یا تو انہیں احکام کی ضرورت نہیں یا پھر وہ خود ان کی ضرورت سے بے خبر ہے۔ پس ضروری ہے کہ خداوند عالم اپنے بندوں کے لئے احکام نازل فرمائے اور یہ بھی ضروری ہے کہ انسانوں ہی میں سے کوئی شخص ایسا ہو جو یہ احکام لوگوں تک پہنچائے اور ان احکام کی ضروری وضاحت کرے" تا کہ جسے برباد ہونا ہو وہ حق کی حجت تمام ہو جانے کے بعد برباد ہو اور جسے زندگی پانا ہو وہ ہدایت کی حجت تمام ہونے کے بعد زندگی پائے۔" (سورۂ انفال: آیت ۴۲)

معجزے کا کسی مدعی نبوت کی صداقت کی دلیل ہونا اس امر پر موقوف ہے کہ پہلے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس بات کا فیصلہ عقل کرتی ہے کہ کون سی بات صحیح اور اچھی ہے اور کون سی بات بری اور غلط ہے لیکن اشاعرہ (ابو الحسن اشعری۔ ۲۶۰ھ۔ ۳۳۰ھ کے ماننے والے اہلسنت والجماعت) اس بات کو نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک عقل ایسا کرنے کی مجاز نہیں ہے لہٰذا ان کے قول کی بنا پر نبوت کی تصدیق کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ تاہم معجزہ نبوت کی تصدیق کی دلیل اسی وقت بن سکتا ہے جب یہ مان لیا جائے کہ کسی جھوٹے مدعی سے نبوت کا ظہور عقلاً ممکن نہیں۔ اگر عقل یہ فیصلہ نہیں کر سکتی تو صادق اور کاذب میں تمیز کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۱۱، ص ۷۰، باب علة المعجزة وانه لم خص الله كل نبي بمعجزة خاصة، بحوالہ علل الشرائع، ص ۵۲۔

(سورۂ شعراء: آیت ۱۵۴ تا ۱۵۶) نبی معجزہ پیش کرتے تھے لیکن عام طور پر معجزے کے بعد بھی ان کی امتیں اپنی ہٹ پر قائم رہتی تھیں اور خداوند عالم کی ربوبیت اور اپنے نبی کی بعثت پر ایمان نہیں لاتی تھیں جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے: فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نَادِمِيْنَ ○ پھر ان لوگوں نے اس (اونٹنی) کے پیر کاٹ دیئے اور بعد میں شرمندہ ہوئے۔ (سورۂ شعراء: آیت ۱۵۷)

اللہ تعالٰی کا یہ قانون ہے کہ جس قوم نے نبی سے معجزہ طلب کیا اور معجزے کے بعد ایمان نہیں لائی اس قوم پر اس کا عذاب نازل ہوا جیسا کہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے: فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِيْنَ ○ سو ان کو عذاب نے آ پکڑا۔ بے شک اس میں نشانی ہے۔ اور ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں تھی۔ (سورۂ شعراء: آیت ۱۵۸)

معجزہ حکمت الٰہی کے تقاضے کی مقدار میں ظاہر ہوتا ہے اور صرف اتنا ہی معجزہ دکھایا جاتا ہے جس سے رسول کے دعوے کی سچائی کا اظہار ہوتا ہو اور لوگوں کے لئے خدا اور رسول پر ایمان لانے کی راہ ہموار ہوتی ہو۔ لوگوں کے بے سروپا مطالبات پر ہر وقت معجزے نہیں دکھائے جاتے خاص کر جب لوگ ایمان لانے کے خواہشمند نہ ہوں اور معجزات کا مطالبہ کریں تو خدا معجزہ ظاہر نہیں کرتا۔

علاوہ ازیں امر محال میں بھی معجزہ ظاہر نہیں ہوتا جیسا کہ قریش نے آنحضرتؐ سے بعض بیجا مطالبات کئے تھے۔ خدا نے اپنے حبیبؐ کو کئی معجزے عطا فرمائے تھے لیکن ان کا سب سے بڑا اور دائمی معجزہ قرآن مجید ہے۔ چیلنج کے باوجود کسی میں یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ قرآن کی مانند کوئی ایک سورہ ہی بنا کر پیش کرتا۔ یہ چیلنج صرف آنحضرتؐ کی حیات طیبہ تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ آج بھی موجود ہے اور صدیاں گزرنے کے باوجود آج تک کوئی قرآن کا جواب پیش نہیں کر سکا۔ بارىعالی کا ارشاد ہے: وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ○ اور اگر تم کو اس کتاب (کے کلام خدا ہونے) میں کچھ شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو (لیکن) اگر تم ایسا نہ کر سکو اور تم ایسا ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے (اور جو) کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۳و۲۴)

قریش کے بے جا مطالبات کو قرآن نے یوں بیان فرمایا ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ○ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ○ وَقَالُوْا

لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْبُوْعًا٥ اَوْتَکُوْنَ لَکَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْھٰرَ خِلٰلَھَا تَفْجِیْرًا ٥ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ کَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا کِسَفًا اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ قَبِیْلًا ٥ اَوْ یَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا... ٥ قُلْ لَّوْکَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِکَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَکًا رَّسُوْلًا ٥ قُلْ کَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا بَیْنِیْ وَ بَیْنَکُمْ اِنَّهٗ کَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا٥

(اے رسولؐ) کہہ دیجئے کہ اگر انسان اور جنات سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کا مثل لے آئیں تو بھی نہیں لاسکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔ اور ہم نے قرآن میں سب باتیں طرح طرح سے بیان کر دی ہیں مگر اکثر لوگوں نے اسے قبول نہیں کیا اور ہر بات سے انکار کردیا۔ اور کہنے لگے کہ ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ (عجیب وغریب باتیں نہ دکھاؤ یعنی یا تو) ہمارے لئے زمین سے چشمہ جاری کر دو۔ یا تمہارا کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو جس کے درمیان تم نہریں جاری کر دو۔ یا جیسا کہ تم کہا کرتے ہو ہم پر آسمان کے ٹکڑے لا گراؤ۔ یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ۔ یا تمہارے پاس سونے کا گھر ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے جب تک کہ کوئی کتاب نہ لاؤ جسے ہم پڑھ بھی لیں۔ (اے رسولؐ) کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار پاک ہے۔ میں تو صرف ایک پیغام پہنچانے والا انسان ہوں۔ ... آپ کہہ دیجئے اگر زمین میں فرشتے ہوتے کہ اس میں چلتے پھرتے اور آرام کرتے (یعنی بستے) تو ہم ان کے پاس فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے۔ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا ہی گواہ کافی ہے وہی اپنے بندوں سے خبردار (اور ان کو) دیکھنے والا ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۸۸تا۹۶)

خدا نے مشرکین مکہ کو قرآن کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور فرمایا کہ قرآن ہمارا بہت بڑا معجزہ ہے اگر تم میں جرأت ہے تو اپنے ساتھ جنات کو بھی شامل کرلو اور اس کی مثال لاؤ۔ پھر خدا نے اس چیلنج کے جواب کے متعلق بھی پہلے سے پیشگوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ تم ایسا ہرگز نہیں کرسکو گے۔

قارئین کرام! قرآن مجید کا یہ چیلنج آج بھی قائم ہے اور رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ اسلام دشمن قوتیں مسلمانوں پر جنگ تو مسلط کرسکتی ہیں اور بارود تو برسا سکتی ہیں لیکن اپنے تمام تر وسائل کے باوجود قرآن کی ایک سورت کی مثال لانے سے عاجز ہیں۔

جب قرآن نے قریش کو یہ چیلنج دیا اور وہ اس چیلنج کا کوئی جواب نہ لاسکے تو انہوں نے رسول اکرمؐ سے بے سروپا معجزات کا مطالبہ کیا۔ مثلاً کہا کہ اگر آپ نبی ہیں تو مکہ کے موسم اور یہاں کی آب وہوا کو تبدیل کردیں۔ یا آپ کے پاس ایک سونے کا ایک گھر ہو۔ یا آپ خدا اور فرشتوں کو ہمارے روبرو لائیں۔ یا آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں مگر ہم آپ کے چڑھنے پر اس وقت تک یقین نہیں کریں گے جب تک

آسمان سے لکھی ہوئی ایک کتاب ہمارے پاس نہ لے آئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کفار مکہ نے امر محال کا مطالبہ کیا تھا۔ مثلاً ان کا مطالبہ تھا کہ آپ اگر ہمیں مسلمان دیکھنا چاہتے ہیں تو خدا اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آئیں اور یہ چیز محال ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے ایک مطالبہ یہ کیا کہ آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے ایک کتاب لائیں۔ سابقہ مطالبے کی طرح سے ان کا یہ مطالبہ بھی لغو تھا کیونکہ آسمان سے کتاب لانا انبیاء کا کام نہیں ہے بلکہ یہ فرشتوں کا کام ہے اور یہ مطالبہ بعثت انبیاء کے متعلق سنت الٰہی کے خلاف ہے۔

اہل مکہ نے اس بات پر تعجب کیا کہ ایک انسان بھلا رسول کیونکر ہو سکتا ہے۔ خدا نے انہیں جواب دیا کہ زمین پر انسان بس رہے ہیں چنانچہ ان کی ہدایت کے لئے کسی انسان کو ہی رسول بنانے کی ضرورت ہے تاکہ لوگ اس سے مانوس رہیں اور اس کی پیروی کر سکیں۔ (لفظ انسان، انس اور مانوس سے ہے)۔

الغرض کفار مکہ کے مذکورہ تمام مطالبات حکمت الٰہی کے خلاف تھے۔ مثلاً انہوں نے کہا کہ آپ ہم پر آسمان سے عذاب نازل کرا دیں۔ یا آپ کے پاس ایک سونے کا گھر ہونا چاہئے۔ اس طرح کے مطالبات یقیناً لغو اور بے فائدہ تھے۔ اسی لئے خدا نے اپنے رسول سے فرمایا کہ وہ ان کے جواب میں کہیں سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ میرا رب پاک ہے۔ میں تو ایک بشر ہوں جسے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۹۳) چنانچہ یہ تمام مطالبات پورے کرنا میرے بس میں نہیں ہیں۔

ہماری اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حکمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ اس کا بھیجا ہوا رسول لوگوں کے سامنے کوئی نہ کوئی ایسی نشانی پیش کرے جس سے لوگوں کو یہ اطمینان ہو جائے کہ وہ واقعی خدا کا نمائندہ ہے۔ معجزے کے ذریعے سے لوگوں پر اتمام حجت ہو سکے۔ اس کے بعد انسان چاہیں تو ایمان لائیں اور دونوں جہاں کی سعادت حاصل کریں اور اگر چاہیں تو کفر کر کے آخرت کا عذاب مول لیں۔

حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ نے خدا کی طرف سے معجزات پیش کئے۔ جادوگر ایمان لے آئے لیکن فرعون اور اس کے درباریوں نے انکار کیا جس کی وجہ سے انہیں غرقابی کی ذلت اٹھانا پڑی۔

معجزے کے علاوہ خدا جنہیں اپنی طرف سے دین کا ہادی مقرر کرتا ہے خواہ وہ انبیاء ہوں یا اوصیاء انہیں کچھ ایسی صفات عطا کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔

خدائی مبلغین کے اوصاف

اللہ تعالیٰ نے جب سجدۂ آدمؑ سے انکار کے بعد ابلیس کو بزم ملکوت سے نکالا اور اس پر لعنت کی تو اس وقت خدا اور ابلیس کے درمیان کچھ گفتگو ہوئی جس میں ابلیس نے یہ بات تسلیم کی کہ اس کو خدا کے مخلص بندوں پر کوئی قابو نہیں ہوگا۔ خدا نے اس واقعے کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

۱۔ قَالَ رَبِّ بِمَا اَغْوَيْتَنِىْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ○ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَىَّ مُسْتَقِيْمٌ ○ اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِيْنَ ○ اس نے کہا کہ پروردگارا جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں کے لئے (گناہوں کو) آراستہ کر دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا۔ ہاں ان میں سے جو تیرے مخلص بندے ہیں (ان پر قابو چلنا مشکل ہے)۔ ارشاد ہوا کہ یہی میرا سیدھا راستا ہے۔ جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تجھے کچھ قابو نہیں (کہ ان کو بہکا سکے) ہاں بدراہوں میں سے جو تیرے پیچھے چل پڑے۔ (سورۂ حجر: آیت ۳۹ تا ۴۲)

(مذکورہ بالا آیات میں شیطان نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ خدا کے مخلص بندوں پر اسے کوئی قابو نہیں ہوگا۔ خدا نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ اس کے خاص بندوں پر اسے کوئی قابو نہیں ہوگا)۔

خدا ہمیشہ اپنے مخلص بندوں کو شیطان کے جال میں پھنسنے سے بچا لیتا ہے۔ اس کے لئے حضرت یوسفؑ اور زلیخا کا قصہ ایک مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ○ زلیخا نے ارادہ کیا اور یوسفؑ نے بھی ارادہ کیا۔ اگر یوسفؑ اپنے رب کی برہان دیکھ نہ چکے ہوتے تو ارادہ پورا کر بیٹھتے۔ یہ انتظام ہم نے اس لئے کیا کہ ان کو برائی (یعنی قتل) اور بے حیائی سے روک دیں۔ بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے۔ (سورۂ یوسف: آیت ۲۴)

اب سوال یہ ہے کہ خدا اپنے دین کے امام اور رہبر کو معصوم کیوں رکھتا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا دین کی امامت اور قیادت کبھی ظالموں کے ہاتھ میں نہیں دیتا جبکہ ہر گنہگار ظالم ہوتا ہے۔

اس بات کا ثبوت وہ گفتگو ہے جو حضرت ابراہیمؑ اور پروردگار کے درمیان اس وقت ہوئی جب پروردگار نے حضرت ابراہیمؑ کو خلعت امامت سے سرفراز فرمایا: وَاِذِ ابْتَلٰی اِبْرَاهِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمَاتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیمؑ کو آزمایا تو وہ ان میں پورے اترے۔ خدا نے کہا کہ میں تم کو لوگوں کا امام بنا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میری اولاد میں سے بھی (امام بنانا)۔ ارشاد ہوا کہ ہمارا یہ عہدہ ظالموں کیلئے نہیں۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۲۴) [☆]

خدا کی سنت ہے کہ وہ معصوم بندوں اور اس کے حکم سے ہدایت کرنے والوں کو دین کی سیادت اور قیادت بخشتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَیْنَا اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ۝ ہم نے ان (نبیوں) کو لوگوں کا امام بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کو نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے کی وحی کی اور وہ ہماری عبادت کیا کرتے تھے۔ (سورۂ انبیاء: آیت ۷۳)

سورۂ انبیاء میں خدا نے نوح، ابراہیم، لوط، اسماعیل، ایوب، ذوالکفل، یونس، موسیٰ، ہارون، داؤد، سلیمان، زکریا، یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلے کا حسین نکتہ یہ ہے کہ اس سورہ میں خدا نے جتنے نبیوں، رسولوں اور ان کے وزیروں اور وصیوں کو امام بنانے کا اعلان کیا ہے وہ سب کے سب معصوم تھے کیونکہ امامت کے لئے پہلی شرط ہی یہ ہے کہ امام ظالم اور گنہگار نہ ہو۔

خدا نے امام کو خلیفة اللہ فی الارض کے لقب سے یاد فرمایا ہے: یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ... اے داؤدؑ! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ مقرر کیا ہے... (سورۂ ص: آیت ۲۶)

حضرت آدمؑ کو بھی خدا نے خلیفہ فرمایا ہے: وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنا رہا ہوں۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۳۰)

لغوی تشریح

۱۔ اَغْوَیْتَنِیْ، لَاُغْوِیَنَّهُمْ، غَاوِیْنَ: غَوٰی فَهُوَ غَاوٍ یعنی وہ گمراہی میں منہمک ہوگیا۔ اَغْوَاهُ یعنی اس نے اسے گمراہ کیا۔ ابلیس نے خدا سے اَغْوَیْتَنِیْ کے الفاظ کہے تھے کیونکہ خدا نے اس سے کہا تھا:
وَاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ چنانچہ ابلیس نے کہا کہ تو نے مجھ پر لعنت کر کے میری گمراہی کا سامان فراہم کیا حالانکہ خدا کسی کو گمراہ نہیں کرتا بلکہ فاسق اپنی ہی بدبختی کی وجہ سے گمراہ ہوتے ہیں

☆ عباسی خلیفہ مامون رشید کے دربار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے سورۂ بقرہ کی اسی آیت وَاِذِ ابْتَلٰی اِبْرَاهِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمَاتٍ فَاَتَمَّهُنَّ سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ امامت کا عہدہ جلیلہ قیامت تک ظالموں پر حرام ہے۔

جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَّ يَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ... خدا بہت سوں کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے اور وہی گمراہ ہوتے ہیں جو فاسق ہیں۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۶)

۲۔ لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ: میں ان کے برے اعمال کو مزین کر کے ان کے سامنے پیش کروں گا۔ خدا نے فرمایا:

(۱) زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ شیطان نے ان لوگوں کی نظروں میں ان کے اعمال کو سجا کر پیش کیا۔ (سورۂ انفال: آیت ۴۸، سورۂ نحل: آیت ۶۳، سورۂ عنکبوت: آیت ۳۸)

(۲) زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ان کے برے اعمال ان کیلئے مزین کر دیے گئے۔ (سورۂ توبہ: آیت ۳۷)

۳۔ الْمُخْلَصِينَ: خدا کے وہ خاص بندے جنہیں اس نے اپنے لئے چن لیا ہے اور یہ چناؤ دو طرفہ ہے۔ پہلے مرحلے پر بندوں نے خدا کو چنا اور صرف اسی سے لو لگائی۔ اس کے بعد خدا نے انہیں اپنی محبت کے لئے چن لیا اور ان کے دلوں کو اپنی محبت کا ظرف بنا دیا اور ان کے دلوں میں غیر خدا کی گنجائش تک نہ رکھی۔

۴۔ اِبْتَلٰى: بَلَاهُ بَلَاءً وَ اِبْتَلَاهُ اِبْتِلَاءً اس کی آزمائش کی اور خیر و شر اور نعمت و نقمت سے آزمایا۔

۵۔ بِكَلِمَاتٍ: اس سے حضرت ابراہیمؑ کی وہ آزمائش مراد ہے جس میں وہ اپنی پوری زندگی مبتلا رہے۔ مثلاً دیار شرک میں علم توحید کو بلند کرنا، آتش نمرود میں کود پڑنا، خدا کی راہ میں ہجرت کرنا، معصوم بیٹے کو اس کی ماں سمیت بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑنا اور عشق الٰہی میں اپنے بیٹے کو قربانی کے لئے پیش کرنا وغیرہ

۶۔ فَأَتَمَّهُنَّ: آزمائش میں پورا اترنا۔ بتمام و کمال پورا کرنا۔

۷۔ جَاعِلُكَ: جعل خلق کرنے، ایجاد کرنے، فیصلہ کرنے، قانون بنانے، مقرر کرنے اور بنا دینے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس آیت میں آخری معنی مراد ہے۔

۸۔ إِمَامًا: وہ شخص جس کے قول و فعل کی لوگ اقتدا کریں۔ پیشوا۔ رہبر۔

۹۔ الظَّالِمِينَ: ظلم یعنی وضع الشیء فی غیر موضعہ یعنی کسی چیز کا بے محل ہونا۔ حق سے تجاوز کرنا۔ ظلم کی تین قسمیں ہیں:

(۱) انسان اور اس کے رب کے درمیان ظلم۔ بدترین ظلم شرک اور کفر ہے جیسا کہ حضرت لقمان نے اپنے فرزند سے فرمایا تھا: إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝ یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ (سورۂ لقمان: آیت ۱۳)

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِآيَاتِ اللَّهِ... خدا کی نشانیوں کو جھٹلانے والے سے بڑا ظالم بھلا کون ہے؟ (سورۂ انعام: آیت ۱۵۷)

(۲) انسانوں کا انسانوں اور دوسرے جانداروں پر ظلم کرنا۔ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ... الزام تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ (سورۂ شوریٰ: آیت ۴۲)

(۳) انسان کا اپنے آپ پر ظلم کرنا۔ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذَالِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ... اور جو ایسا کرے گا وہ خود اپنے نفس پر ظلم کرے گا۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۳۱) وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ... اور جو خدا کی حدود سے تجاوز کرے گا وہ اپنے پر ظلم کرے گا۔ (سورۂ طلاق: آیت ۱)

ظلم کی ہر صورت اپنے نفس پر ظلم میں شامل ہے اور جس شخص نے بھی اپنی زندگی میں کسی طرح کا ظلم کیا ہو وہ ظالم ہے۔

۱۰۔ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا: هَمَّ بِالْاَمْرِ یعنی کام کا ارادہ کیا لیکن وہ کام نہ کرسکا۔

۱۱۔ رَاٰ: رَاٰ بِالْعَيْنِ آنکھ سے دیکھا۔ رَاٰ بِالْقَلْبِ دل سے دیکھنا یعنی کسی چیز کا ادراک کرنا۔

۱۲۔ اَلْبُرْهَانُ: مضبوط ترین دلیل، اور واضح نشانی۔ حضرت یوسفؑ نے خدا کی مضبوط نشانیاں دیکھی تھیں۔

تاویل آیات (واللہ اعلم)

ابلیس نے رب الارباب سے کہا کہ چونکہ تو نے مجھ پر لعنت کی ہے اور مجھے اپنی رحمت سے دور کردیا ہے اس لئے میں بھی دنیا میں رہ کر لوگوں کے لئے ان کے برے اعمال کو آراستہ و پیراستہ کر کے پیش کروں گا اور واقعی ابلیس نے ایسا ہی کیا جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے:

۱۔ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ خدا کی قسم! ہم نے تم سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے تو شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال کو آراستہ کردیا اور وہی آج بھی ان کا دوست ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ (سورۂ نحل: آیت ۶۳)

۲۔ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ... اور جب شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لئے مزین کردیا تھا اور کہا تھا کہ آج کوئی تم پر فتح نہیں پاسکتا... (سورۂ انفال: آیت ۴۸)

۳۔ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ○ میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کی قوم خدا کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال انہیں آراستہ کر دکھائے ہیں اور انہیں صحیح راستے سے روک رکھا ہے پس وہ ہدایت کے راستے پر نہیں آتے۔ (سورۂ نمل: آیت ۲۴)

ابلیس نے خدا سے کہا تھا کہ میں برے اعمال کو لوگوں کی نظروں میں خوبصورت بنا کر پیش کروں گا اور تمام لوگوں کو گمراہ کروں گا البتہ تیرے ان بندوں پر میرا زور نہیں چلے گا جنہیں تو نے چن لیا ہے۔

خدا نے اس کے جواب میں فرمایا: واقعی میرے مخلص بندوں پر تجھے کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ تیری پیروی وہی کریں گے جو گمراہی میں منہمک ہوں گے۔

خدا نے اپنے مخلص بندوں کی مثال کے عنوان سے حضرت یوسفؑ کے واقعے کو پیش کیا ہے:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ...

ایک اکیلے گھر میں جہاں عزیز مصر کی بیوی زلیخا اور حضرت یوسفؑ کے سوا اور کوئی موجود نہیں تھا زلیخا نے حضرت یوسفؑ کے ساتھ برائی کا قصد کیا تو حضرت یوسفؑ اگر ان حالات میں اپنے رب کی برہان کا مشاہدہ نہ کرتے تو زلیخا کو قتل کر دیتے یا اس کی خواہش کی تکمیل کرتے کیونکہ زلیخا بھی حسن و رعنائی کا پیکر تھی اور حضرت یوسفؑ بھی بے مثل حسن خداداد کے مالک تھے۔ نیز یہ کہ حضرت یوسفؑ نوخیز جوان اور غیر شادی شدہ تھے اور بند کمرے کا ماحول بھی برائی کے لئے سازگار تھا مگر اس کے باوجود حضرت یوسفؑ سے کوئی غلطی سرزد نہ ہوئی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے رب کی برہان یعنی "مضبوط نشانیاں" دیکھ چکے تھے۔ وہ خدا کے چنیدہ بندے اور جماعت مخلصین کے فرد تھے اس لئے خدا نے انہیں برائی سے محفوظ رکھا۔

وہ برہان کیا تھی جسے حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا تھا؟ انہوں نے یقین کی حالت میں ایک شخص کے اچھے عمل اور ایک شخص کے برے عمل کے "نتیجے" کو دیکھا تھا۔

خلفائے الٰہی کی عصمت نیز عمل کی تاثیر و بقا

انبیائے کرامؑ کی عصمت کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے پہلے ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اعمال کی برکت یا نحوست اپنے ساتھ زمان و مکان کو بھی متاثر کرتی ہے۔ انسانی اعمال کے اثرات صرف آخرت تک ہی محدود نہیں بلکہ اس دنیا میں بھی ان کے کچھ نہ کچھ اثرات ضرور مرتب ہوتے ہیں۔

ارشاد پروردگار ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ... رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن (شروع شروع) نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور جس میں ہدایت کی واضح نشانیاں ہیں اور جو حق و باطل کو الگ الگ کرنے والا ہے۔ جو شخص اس مہینے میں موجود ہو اسے چاہئے کہ روزے رکھے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۸۵)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ٥ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ٥ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ٥ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ٥ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ٥ بنام خدائے رحمٰن و رحیم۔ بیشک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس شب میں فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم

سے تمام امور کو لے کر نازل ہوتے ہیں۔ یہ رات طلوع فجر تک سلامتی ہی سلامتی ہے۔

خدا نے ماہ رمضان کی ایک رات میں حضرت خاتم الانبیاءؐ پر قرآن حکیم کا نزول شروع کیا تھا۔ چنانچہ وہ رات شب قدر بن گئی اور ہر سال اس رات میں ملائکہ اور روح، خدا کا امر لے کر اترتے ہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ وہ رات اتنی مبارک ہے کہ اس کی برکت نے پورے مہینے کو مبارک بنادیا۔

اسی طرح نسخ کی بحث میں ہم یہ بتائیں گے کہ حضرت آدمؑ کے عہد سے ہی جمعہ بابرکت دن ہے کیونکہ اس دن خدا نے حضرت آدمؑ پر اپنی برکتیں نازل کی تھیں۔

روز عرفہ کی عصر بڑی بابرکت ہے کیونکہ اس میں خدا اہل منیٰ کے گناہ معاف کر دیتا ہے کیونکہ اسی وقت حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی تھی۔ اسی برکت کے اثر سے عرفات، مشعر الحرام اور منیٰ کی سرزمین نیز ذی الحجہ کی ۹/اور ۱۰/تاریخ متبرک بن گئی اور قیامت تک یہ مقامات اور یہ اوقات متبرک رہیں گے۔

جس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ کی دیواریں بلند کی تھیں خدا کو ان کا یہ مخلصانہ عمل اتنا پسند آیا کہ ان کے قدموں کے نشان اس پتھر پر ہمیشہ کے لئے باقی رہ گئے اور اس پتھر کا نام مقام ابراہیمؑ ہو گیا۔ خدا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم مقام ابراہیمؑ پر نماز ادا کریں۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى. اور مقام ابراہیمؑ کو مصلّٰی بناؤ۔

یہاں تک آپ نے برکت کی مثالیں ملاحظہ فرمائیں کہ نزول قرآن کی وجہ سے ایک شب، شب قدر بنی اور اس ایک شب کی وجہ سے پورا مہینہ مبارک قرار پایا۔

روز عرفہ کی عصر میں حضرت آدمؑ پر برکت نازل ہوئی اور خدا نے ان کی مغفرت فرمائی۔ اس ایک واقعے کی وجہ سے ذی الحجہ کی ۹/اور ۱۰/تاریخ متبرک بن گئیں اور وہ برکت صرف زمان و مکان تک محدود نہ رہی بلکہ اس نے زمین اور علاقے کو بھی متبرک بنادیا۔ اسی برکت کے اثر سے عرفات، مشعر الحرام اور منیٰ بھی متبرک بن گئے۔ حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کا اثر یہ ہوا کہ ان کے نقوش قدم پتھر پر ثبت ہو گئے اور مقام ابراہیمؑ مسلمانوں کے لئے مصلّٰی قرار پایا۔

اب اعمال کی نحوست کے نمونے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

جس طرح سے برکت زمان و مکان کو متاثر کرتی ہے اسی طرح سے نحوست بھی متاثر کرتی ہے جیسا کہ حدیث و سیرت کی کتابوں میں موجود حسب ذیل واقعات اس کی تائید کرتے ہیں۔

۹ھ میں غزوۂ تبوک کے لئے جاتے وقت جب رسول اکرمؐ کا گزر ملک شام میں دیار ثمود (مدائن) سے ہوا تو کچھ صحابہ نے وہاں سے پانی کی مشکیں بھریں۔ اتنے میں رسول اکرمؐ نے یہ منادی کرائی کہ نہ یہاں کا پانی پیا جائے اور نہ اس پانی سے وضو کیا جائے۔ یہ اعلان سن کر صحابہ نے اپنی مشکوں سے پانی انڈیل دیا۔

کچھ صحابہ نے آنحضرتؐ سے کہا کہ ہم نے تو اس پانی سے آٹا خمیر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: وہ آٹا اونٹوں کو کھلا دو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وہی عذاب آئے جو حضرت صالحؑ کی قوم (ثمود) پر آیا تھا۔ خود حضور اکرمؐ اس مقام سے گزرے تو روئے انور پر پردہ ڈال لیا [1] اور سواری کو تیز چلایا تاکہ جلد گزر جائیں۔ (رسول اکرمؐ کا دستور تھا کہ جن مقامات میں مجرم قومیں غضب الٰہی کا نشانہ بن چکی تھیں وہاں سے تیزی سے گزر جاتے تھے)۔ آپ کو دیکھ کر صحابہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ رسول اکرمؐ نے اس موقع پر فرمایا: لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ الَّذِينَ ظَلَمُوا إِلَّا وَأَنتُمْ بَاكُونَ جب بھی تم ظالموں کی اجڑی ہوئی بستی سے گزرو تو روتے ہوئے گزرا کرو۔ ان ہی اجاڑ بیابان گھروں میں سے کسی صحابی کو ایک انگوٹھی ملی۔ وہ اسے لے کر آپ کے پاس آیا۔ آپ نے انگوٹھی کو دیکھنا پسند نہ کیا اور اپنا روئے انور پھیر لیا اور ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اسے پھینک دو چنانچہ آپ کے صحابی نے اسی وقت وہ انگوٹھی پھینک دی۔

امام علیؑ کے دور میں بھی اس طرح کا ایک واقعہ پیش آیا تھا جیسا کہ نصر بن مزاحم نے اپنی کتاب وقعۃ الصفین میں اپنی سند سے یہ روایت نقل کی ہے۔

مخنف بن مسلیم امام علیؑ کے ساتھ سفر میں تھا۔ آپ کا گزر بابل سے ہوا۔ امام علیؑ نے فرمایا: بابل میں زمین کا ایسا طبقہ بھی ہے جسے خدا نے دھنسا دیا تھا لہٰذا تم اپنی سواری کو تیزی سے بھگاؤ تاکہ ہم عصر کی نماز اس کی حدود سے کہیں باہر ادا کریں۔ اس کے بعد امام علیؑ نے اپنی سواری کو تیزی سے دوڑایا اور آپ کو دیکھ کر آپ کے ساتھیوں نے بھی اپنی سواریوں کو تیز دوڑایا۔ جب آپ نے صراۃ کو عبور کیا تو سواری سے اترے اور لوگوں کو عصر کی نماز پڑھائی۔

ایک دوسری روایت میں راوی سے یہ الفاظ منقول ہیں: ہم نے امیرالمومنینؑ کے ساتھ صراۃ کے پل کو عصر کے وقت عبور کیا۔ حضرت نے ہم سے فرمایا: یہ عذاب والی زمین ہے۔ کسی نبی اور نبی کے وصی کے لئے اس زمین پر نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ برکت بھی متعدی ہے اور نحوست بھی متعدی ہے۔ برکت بھی زمان و مکان کو متاثر کرتی ہے اور نحوست بھی زمان و مکان کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ [2]

۱۔ معجم البلدان، مادہ حجر۔ سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۱۶۳، در واقعات غزوۂ تبوک۔ مغازی واقدی ص ۱۰۰۶۔۱۰۰۸، امتاع الاسماع، ص ۳۵۲۔ مسند احمد، ج ۲، ص ۹، ۵۸، ۶۶، ۷۲، ۷۴، ۹۱، ۹۶، ۱۱۳، ۱۳۷، ج ۳، ص ۲۹۶۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۶۱ اور ۹۹، ذکر غزوۂ تبوک و تفسیر سورۂ حجر۔ صحیح مسلم، کتاب الزھد، حدیث ۳۹ اور ۴۰۔

☆ عرفات سے منیٰ جاتے ہوئے وادی محسّر میں تیزی سے اسی لئے گزرا جاتا ہے کہ یہاں "اصحاب فیل" پر عذاب ہوا تھا۔

نیک اعمال کے اثرات دنیا میں دائمی برکت کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اور آخرت میں جنت عدن کی نعمات کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔ جبکہ برے اعمال کے اثرات دنیا میں دنیاوی ذلت اور آخرت میں مجسم ہو کر ابدی عذاب اور دائمی جہنم کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

خدا کے نیک بندے اعمال کے ان اثرات اور تجسیم سے واقف ہوتے ہیں اسی لئے وہ برے اعمال سے کنارہ کش رہتے ہیں اور نیک اعمال بجالاتے ہیں۔ یہی طرز فکر خدا کی وہ برہان ہے جو خدا اپنے نیک بندوں کو عطا کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ نفس امارہ کی خواہشات پر خدا کی رضا کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی برہان کے اثر سے وہ گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں جبکہ دوسرے انسان اپنے آپ کو قعر مذلت میں گرا دیتے ہیں۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ دو شخص ایک پرخطر راستے پر سفر کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک بینا اور دوسرا نابینا ہے۔ بینا پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا ہے اور قدم قدم پر نابینا کو بھی تنبیہ کرتا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو گہری کھائیوں میں گرنے سے بچائے۔

اسی طرح سے انبیائے کرامؑ کے پاس رب کی برہان ہوتی ہے۔ وہ نیک اور بد اعمال کے انجام اور اثرات سے بخوبی واقف ہوتے ہیں اور دوسرے انسانوں کو بھی قدم قدم پر خبردار کرتے رہتے ہیں۔ اس بات کو یوں سمجھیں کہ ایک قافلہ کسی صحرا میں سفر کر رہا ہو اور پیاس نے انہیں بے حال کر دیا ہو۔ اتفاق سے انہیں صحرا میں ایک تالاب دکھائی دے اور سب لوگ اس تالاب کی طرف لپکیں لیکن قافلے میں ایک شخص کے پاس خوردبین موجود ہو اور وہ اس خوردبین سے پانی کو دیکھ کر اہل قافلہ کو آگاہ کرے کہ اس پانی میں مہلک بیماریوں کے جراثیم دکھائی دیتے ہیں اس لئے اسے نہ پیو البتہ اگر تمہیں یہی پانی پینا ہے تو پہلے اسے جراثیم سے پاک کرو پھر پیو۔

اس مثال کے تحت ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا کے مخلص بندوں کے پاس برہان رب کی خوردبین ہوتی ہے اور وہ نیک و بد اعمال کے اثرات سے واقف ہوتے ہیں۔ وہ اس راز سے واقف ہوتے ہیں کہ برے اعمال دنیا میں ذلت کا سبب ہیں اور یہی برے اعمال مجسم ہو کر عذاب آخرت کا سبب بنتے ہیں۔ اسی لئے وہ برے اعمال سے بچتے ہیں۔

حضرت یوسفؑ نے خدا کی اسی برہان کو دیکھا تھا اس لئے انہوں نے اپنی نفسانی خواہشات کو پس پشت ڈال کر خوف خدا کو ترجیح دی تھی۔

بعض صف اول کے علماء نے عصمت انبیاء کے خلاف قرآن مجید کی چند آیات سے استشہاد کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان سے قرآن مجید کی ان ”آیات متشابہات“ کی تاویل میں غلطی ہوئی ہے۔ اس غلطی کی بنیاد وہ روایات ہیں جن میں انبیاء علیہم السلام کی عصمت کو معرض خطر میں ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس طرح کی روایات بہت زیادہ ہیں لیکن ہم یہاں صرف دو روایات پیش کرتے ہیں۔

اوریا کی بیوہ سے حضرت داؤدؑ کے نکاح کا افسانہ
زینبؓ سے آنحضرتؐ کے نکاح کی ساختہ روایات

یہاں ہم اوریا کی بیوہ بت سبع سے حضرت داؤدؑ اور حضرت زید بن حارثہؓ کی مطلقہ حضرت زینب بنت جحشؓ سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح کی روایات پر بحث کریں گے۔

قرآن مجید حضرت داؤدؑ کے نکاح کے سلسلے میں فرماتا ہے: اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَاالْاَیْدِ اِنَّهٗ اَوَّابٌ ○ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ ○ وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَةً کُلٌّ لَّهٗ اَوَّابٌ ○ وَشَدَدْنَا مُلْکَهٗ وَ آتَیْنَاهُ الْحِکْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ ○ وَ هَلْ اَتَاکَ نَبَؤُا الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ○ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰی دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ خَصْمَانِ بَغٰی بَعْضُنَا عَلٰی بَعْضٍ فَاحْکُمْ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَ اهْدِنَا اِلٰی سَوَآءِ الصِّرَاطِ ○ اِنَّ هٰذَا اَخِیْ لَهٗ تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَکْفِلْنِیْهَا وَ عَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ○ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَکَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِکَ اِلٰی نِعَاجِهٖ وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاکِعًا وَّ اَنَابَ ○ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِکَ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ○ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ... (اے رسولؐ) آپ ان لوگوں کی باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے داؤدؑ کو یاد کیجئے جو صاحب قوت تھے اور بے شک ہم سے رجوع کرنے والے تھے۔ ہم نے ان کے لئے پہاڑوں کو مسخر کردیا تھا کہ وہ بھی صبح وشام ان کے ساتھ پروردگار کی تسبیح کیا کریں اور ہم نے پرندوں کو ان کے گرد جمع کردیا تھا جو سب ان کے تابع تھے۔ اور ہم نے ان کے ملک کو مضبوط بنایا تھا اور انہیں حکمت اور صحیح فیصلہ کرنے کی قوت بخشی تھی۔ اور کیا آپ کے پاس ان جھگڑا کرنے والوں کی خبر آئی ہے جو دیوار پھاند کر (داؤدؑ کے) محل میں آگئے تھے۔ جب وہ داؤدؑ کے پاس آئے تو ان کو دیکھ کر داؤدؑ گھبرا گئے۔ انہوں نے کہا کہ آپ ڈریں نہیں ہم دونوں ایک مقدمہ لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر ظلم کیا ہے۔ لہٰذا آپ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ کردیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے گا۔ اور ہمیں سیدھا راستا دکھائیے گا۔ یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ یہ کہتا ہے کہ یہ دنبی بھی میرے حوالے کردو اور وہ مجھ سے اس معاملے میں سخت کلامی کرتا ہے۔ داؤدؑ نے کہا کہ یہ جو تیری دنبی مانگتا ہے تا کہ اپنی دنبیوں میں ملالے بے شک تجھ پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شریک ایک دوسرے پر ظلم ہی کیا کرتے ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ اور داؤدؑ کو یہ یقین ہوگیا کہ (اس واقعے سے) ہم نے ان کو آزمایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر پڑے۔ اور انہوں نے ہم سے رجوع کیا تو ہم نے ان کو معاف کردیا۔ اور بے شک

ان کے لئے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے۔ اے داؤدؑ! ہم نے تم کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے چنانچہ تم لوگوں کے مابین انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو۔ (سورۂ ص: آیت ۱۷ تا ۲۶)

مکتب خلفاء کی تاویل

مذکورہ آیات کے پس منظر کے متعلق مکتب خلفاء میں بہت سی روایات مروی ہیں جن میں سے ہم یہاں صرف تین روایات پیش کر کے علم اسماء الرجال کے تحت ان کے راویوں کا جائزہ لیں گے۔

ا۔ وہب بن منبہ کی روایت

طبری نے ان آیات کی تاویل میں یہ روایت نقل کی ہے:

''وہب کہتا ہے'' کہ جب بنی اسرائیل نے حضرت داؤدؑ کی حکومت کو مکمل طور پر تسلیم کر لیا تو خدا نے ان پر زبور نازل کی اور انہیں زرہ بنانا سکھائی۔ خدا نے ان کے ہاتھ پر لوہے کو نرم کیا اور پہاڑوں اور پرندوں کو حکم دیا کہ وہ ان کے ساتھ تسبیح کیا کریں۔ وہ انتہائی خوش گلو تھے۔ جب وہ خوبصورت آواز کے ساتھ زبور پڑھتے تو جنگلی جانور بھی ان کی آواز سے متاثر ہو کر ان کے قریب آجاتے تھے اور وہ ان کی گردنوں سے ان کو پکڑ لیا کرتے تھے۔ حضرت داؤدؑ کی آواز کے زیر و بم کو دیکھ کر شیاطین نے ساز اور بربط ایجاد کئے۔ وہ ہمیشہ عبادت میں مصروف رہتے اور احکام الٰہی کے مطابق لوگوں میں فیصلے کیا کرتے تھے۔ وہ بڑے عبادت گزار اور خوف الٰہی میں گریہ کرنے والے نبی تھے۔ پھر وہ ایک عورت کے فتنے میں مبتلا ہوئے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ انہوں نے اپنے لئے ایک محراب بنوائی تھی جہاں بیٹھ کر وہ خلوت میں زبور کی تلاوت کرتے اور نماز پڑھتے تھے۔ اس محراب کے نیچے بنی اسرائیل کے اس شخص کا گھر تھا جس کی بیوی کے فتنے میں وہ مبتلا ہوئے۔

ایک دن حضرت داؤدؑ اپنی محراب میں داخل ہوئے تو انہوں نے کہا کہ آج کوئی شخص میری محراب میں قدم نہ رکھے۔ آج میں پورا دن خلوت میں بسر کرنا چاہتا ہوں۔ آپ محراب میں داخل ہوئے اور زبور کھول کر پڑھنے لگے۔ محراب میں ایک روشندان تھا جس میں سے اس شخص کے گھر کا اندرونی منظر دکھائی دیتا تھا۔ چنانچہ آپ زبور پڑھنے میں مصروف تھے کہ ایک سنہری کبوتری آکر روشندان میں بیٹھ گئی۔ آپ نے اسے دیکھا تو وہ آپ کو بہت بھلی معلوم ہوئی۔ آپ نے دل میں سوچا کہ میں تو تلاوت میں مصروف ہوں مجھے اس کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے چنانچہ آپ سر جھکا کر زبور پڑھنے لگے۔ لیکن وہ کبوتری آپ کو آزمانے کے لئے روشندان سے نیچے اتری اور آپ کے قریب آکر گری۔ آپ اسے پکڑنے کے لئے اٹھے تو اڑ کر دوبارہ روشندان میں بیٹھ گئی۔ آپ اسے پکڑنے کے لئے روشندان کی طرف بڑھے مگر کبوتری وہاں سے اڑ کر ہمسائے کے گھر میں چلی

گئی۔ آپ نے اسے دیکھنے کے لئے ہمسائے کے صحن میں جھانکا تو وہاں (اوریا بن حنانیا کی) بیوی نہا رہی تھی۔ وہ اتنی حسین تھی کہ اس کے حسن کو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

"اہل کتاب خیال کرتے ہیں" کہ اس عورت نے بھی دیکھ لیا کہ حضرت داؤدؑ کی نظریں اس پر پڑ رہی ہیں چنانچہ اس نے اپنے جسم کو چھپانے کے لئے اپنے بال بکھرا کر اپنے جسم پر ڈالے۔ حضرت داؤدؑ کو اس کی یہ ادا بھا گئی۔ حضرت داؤدؑ واپس محراب میں آ گئے مگر وہ عورت آپ کے ذہن پر حاوی ہو گئی۔ چنانچہ حضرت داؤدؑ کو دل پر قابو نہ رہا اور انہوں نے اس عورت کو حاصل کرنے کے لئے اس کے شوہر کو محاذ جنگ پر بھیج دیا اور سالار لشکر کو حکم دیا جیسا "اہل کتاب خیال کرتے ہیں" کہ وہ اس عورت کے شوہر کو ہراول دستے میں رکھے۔ آخرکار جو کچھ حضرت داؤدؑ چاہتے تھے وہی ہوا اور اس کا شوہر مارا گیا۔ اس وقت حضرت داؤدؑ کے حرم میں ننانوے بیویاں تھیں اور اس شخص کے مرنے کے بعد حضرت داؤدؑ نے اس کی بیوہ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ آخرکار نکاح ہو گیا۔ خدا نے انہیں متوجہ کرنے کے لئے دو فرشتوں کو ان کے پاس انسانی شکل میں بھیجا۔ حضرت داؤدؑ محراب میں بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے دو آدمیوں کو دیکھا جو ان کے سر پر کھڑے ہیں۔ انہیں اچانک اپنے پاس پا کر وہ خوفزدہ ہوئے اور ان سے بولے کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ آپ خوفزدہ مت ہوں۔ ہم آپ کے پاس ایک قضیے کا فیصلہ کرانے آئے ہیں۔ **فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ**... آپ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے گا۔ پھر جو فرشتہ اوریا کی وکالت کے لئے آیا تھا اس نے کہا: **إِنَّ هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا**... یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں جبکہ میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ یہ کہتا ہے کہ اسے بھی میرے حوالے کر دو ... اور یہ شخص مجھ سے طاقتور بھی ہے۔ اسی لئے اس نے اپنی دنبیوں کے ہوتے ہوئے میری دنبی پر بھی قبضہ کر لیا ہے۔ اس نے میرے پاس کچھ باقی نہیں چھوڑا۔ یہ سن کر حضرت داؤدؑ نے فریق ثانی سے کہا: اگر اس کا بیان سچ ثابت ہوا تو میں کلہاڑا لے کر تمہارے سر پر ماروں گا۔ پھر حضرت داؤدؑ کو خیال ہوا کہ یہ سب کچھ ان کو سمجھانے کے لئے تھا۔ ایک اور ننانوے بھیڑیں مقصود نہیں تھیں بلکہ اس سے ان کی ننانوے بیویاں اور اوریا کی ایک بیوی مراد ہے۔ اس خیال کے آتے ہی حضرت داؤدؑ سجدے میں گر پڑے۔ وہ توبہ کرتے رہے اور روتے رہے۔ اور انہوں نے مسلسل چالیس دن تک روزے رکھے۔ اس دوران انہوں نے نہ کچھ کھایا اور نہ پیا۔ آنسوؤں کے سبب ان کے چہرے کے نیچے سبزہ اگ آیا۔ آخرکار خدا نے ان کی توبہ قبول کر لی۔

اور "اہل کتاب خیال کرتے ہیں" کہ حضرت داؤدؑ نے کہا: اے پروردگار! مجھ سے عورت کے متعلق جو خطا ہوئی ہے وہ تو تو نے بخش دی مگر مظلوم مقتول کے خون کا کیا بنے گا؟ جیسا کہ "اہل کتاب خیال کرتے ہیں" خدا نے ان سے کہا: اے داؤدؑ! تیرا رب اس کے خون کو بھی ضائع نہیں کرے گا بلکہ اس سے کہے گا کہ وہ تجھے اپنا

خون معاف کر دے اور وہ معاف کر دے گا۔ حضرت داؤدؑ کی خطا معاف ہوگئی لیکن قدرت نے ان کی یہ خطا ان کے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر نقش کردی۔ وہ جب بھی اس ہاتھ سے کھانا کھاتے یا پانی پیتے تو انہیں اپنی خطا لکھی ہوئی دکھائی دیتی تو وہ رونے لگ جاتے۔ اور جب وہ لوگوں کو وعظ کرتے تو اپنی ہتھیلی کھول کر ان کو دکھاتے تا کہ لوگ ان کی غلطی کے نقش کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔[1] (وہب کی روایت یہاں ختم ہوئی)

۲۔ حسن بصری کی روایت

طبری اور سیوطی نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں حسن بصری سے یہ واقعہ یوں نقل کیا ہے:

حضرت داؤدؑ نے اپنے اوقات کار کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ ایک دن وہ اپنی بیویوں کے ساتھ گزارتے، ایک دن عبادت میں اور ایک دن بنی اسرائیل کے ساتھ رہتے اور ان کے قضیے فیصل کرتے تھے۔ آپ انہیں نصیحت کرتے اور وہ بھی آپ کو نصیحت کرتے تھے۔ آپ انہیں رلاتے اور وہ بھی آپ کو رلاتے تھے۔ ایک دن جو کہ بنی اسرائیل کے لئے مخصوص تھا آپ نے ان سے کہا کہ تم مجھے کوئی نصیحت کرو۔ انہوں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ کیا کبھی کسی انسان کا پورا دن اس حالت میں بھی گزر سکتا ہے جس میں اس نے گناہ نہ کیا ہو؟ اس وقت حضرت داؤدؑ نے اپنے دل میں یہ بات ٹھان لی کہ وہ گناہ کئے بغیر پورا دن بسر کر سکتے ہیں۔ جب ان کی عبادت کا دن آیا تو انہوں نے محل کے تمام دروازے بند کرا دیئے اور حکم دیا کہ کوئی ان کے پاس نہ آئے۔ پھر آپ تورات پر جھک گئے۔ آپ تورات پڑھ رہے تھے کہ ایک سنہری کبوتری آپ کے سامنے آ کر گری جو انتہائی خوبصورت تھی۔ آپ اسے پکڑنے کے لئے اٹھے تو وہ تھوڑا سا اُڑی اور کچھ دور فاصلے پر جا بیٹھی۔ وہ اتنا بھی نہ اُڑی کہ آپ اس سے مایوس ہو جاتے۔ آپ اس کو پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ پھر وہ کبوتری ایک ایسی عورت کے اوپر سایہ فگن ہوئی جو نہا رہی تھی۔ حضرت داؤدؑ اس کی خلقت اور حسن سے بہت متاثر ہوئے۔ جب عورت نے حضرت داؤدؑ کا سایہ زمین پر دیکھا تو اس نے بال کھول کر اپنا بدن چھپایا۔ اس کی یہ ادا حضرت داؤدؑ کو بھا گئی اور آپ دل ہار گئے۔ پھر آپ نے اس کے شوہر کو اپنے ایک لشکر کا سالار مقرر کیا اور اسے خط لکھا کہ فلاں فلاں محاذ پر جاؤ۔ اور آپ یہ چاہتے تھے کہ وہ وہاں سے واپس نہ آئے۔ اس نے حضرت داؤدؑ کے حکم پر عمل کیا اور جنگ میں مارا گیا۔ اس کے مرنے کے بعد حضرت داؤدؑ نے اس کی بیوہ کو نکاح کا پیغام بھیجا اور اس سے نکاح کر لیا۔[2] (حسن بصری کی روایت یہاں ختم ہوئی)۔

۱۔ تفسیر طبری، پارہ ۲۳، ص ۹۵، طبع دار المعرفۃ بیروت۔

۲۔ تفسیر طبری، پارہ ۲۳، ص ۹۶، طبع دار المعرفۃ بیروت۔ تفسیر در منثور سیوطی، ج ۵، ص ۱۴۸۔ متن طبری سے لیا گیا ہے۔

۳۔ یزید رقاشی کی روایت

طبری اور سیوطی — جو دونوں ہم مشرب ہیں — نے یزید رقاشی سے اس آیت کے سلسلے میں ایک روایت نقل کی جس کا ماحصل یہ ہے۔

یزید رقاشی کہتا ہے کہ میں نے انس بن مالک سے اور انہوں نے حضرت رسول اکرمؐ سے سنا کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: جب حضرت داؤدؑ نے عورت کو دیکھا تو انہوں نے سالار لشکر سے کہا کہ جب تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تو تم فلاں شخص کو تابوت کے آگے رکھنا۔ اس وقت دستور یہ تھا کہ اگر کوئی شخص تابوت کے آگے ہوتا تو یا وہ قتل ہو جاتا تھا یا لشکر ہار جاتا تھا۔ حضرت داؤدؑ کے فرمان کے نتیجے میں وہ شخص مارا گیا اور حضرت داؤدؑ نے اس کی بیوہ سے شادی کر لی۔ اسی لئے دو فرشتے ان پر نازل ہوئے۔ پھر حضرت داؤدؑ نے سجدہ کیا اور چالیس راتوں تک مسلسل سجدے میں پڑے رہے یہاں تک کہ ان کے آنسوؤں کی وجہ سے زمین پر گھاس اگ آئی اور وہ اتنی بڑی ہوگئی کہ حضرت داؤدؑ کے سر سے بھی اونچی ہوگئی اور زمین ان کی پیشانی کو کھانے لگی۔ اس عالم میں حضرت داؤدؑ مسلسل سجدے میں یہی کہتے رہے: پروردگار! داؤدؑ سے مشرق و مغرب کے فاصلے سے بھی بڑی خطا ہوئی ہے۔ اگر تو نے داؤدؑ کی کمزوری پر رحم نہ کھایا اور اس کے گناہوں کو معاف نہ کیا تو اس کا ایک گناہ ایسا ہے جو زبان زد عوام ہو جائے گا اور ایک داستان بن جائے گا۔

چالیس راتوں کے بعد جبرئیلؑ آئے اور کہا: اے داؤدؑ! خدا نے تم کو معاف کر دیا ہے۔

حضرت داؤدؑ نے کہا: میں جانتا ہوں کہ میں نے جو ارادہ کیا تھا میرا رب اسے معاف کرنے پر قدرت رکھتا ہے لیکن مجھے یہ بھی علم ہے کہ وہ عادل ہے اور عدل کے تقاضوں سے انحراف نہیں کرتا۔ اس وقت کیا ہوگا جب فلاں شخص قیامت کے دن خدا کی عدالت میں کہے گا کہ خدایا! داؤدؑ سے میرے خون کا حساب لے۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا: یہ تو میں نے خدا سے نہیں پوچھا البتہ اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو تو میں ضرور پوچھوں گا۔ حضرت داؤدؑ نے کہا: ہاں! حضرت جبرئیلؑ پرواز کر گئے اور حضرت داؤدؑ سجدے میں گر گئے اور جب تک خدا کو منظور تھا سجدے میں پڑے رہے۔ پھر جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا: اے داؤدؑ! جو بات پوچھنے کے لئے تم نے مجھے بھیجا تھا میں نے خدا سے وہ بات پوچھی تو خدا نے کہا کہ داؤدؑ سے کہہ دو کہ خدا تم دونوں کو قیامت کے دن جمع کرے گا اور اس سے کہے گا کہ تیرا جو خون داؤدؑ کے ذمہ ہے اسے معاف کر دے۔ وہ کہے گا کہ خدایا! تو خود ہی مالک و مختار ہے۔ خدا اس سے کہے گا کہ اس کے بدلے میں تو جنت میں جو چاہے میں تجھے عطا کرتا ہوں اور تو اس کا جو بھی معاوضہ مانگے میں دینے کو تیار ہوں۔[1] (یزید رقاشی کی روایت یہاں ختم ہوئی)۔

۱۔ تفسیر طبری، پارہ ۲۳، ص ۹۶، طبع دار المعرفۃ بیروت۔ تفسیر در منثور سیوطی، ج ۵، ص ۱۴۸، متن ہم نے طبری سے لیا ہے۔

مذکورہ روایات کی اسناد کا جائزہ

۱۔ وہب بن منبہ: وہب نے ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ ان کے والد اہل فارس کے ان افراد کی اولاد سے تھے جن کو شاہ ایران کسریٰ نے یمن بھیجا تھا۔ طبقات ابن سعد کے مطابق وہب نے کہا کہ میں نے ۹۲ آسمانی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ ان میں سے ۷۲ کتابیں گرجوں اور لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہیں جبکہ ۲۰ کتابیں ایسی ہیں جن کے متعلق بہت کم لوگوں کو علم ہے۔ ڈاکٹر جواد علی نے لکھا ہے کہ وہب کو اصلاً ونسلاً یہودی کہا گیا ہے۔ وہب کو یہ زعم تھا کہ اس نے یونانی، سریانی، حمیری اور دیگر قدیم کتابیں پڑھ رکھی ہیں۔ کشف الظنون میں ہے کہ قصص الانبیاء نامی کتاب اسی وہب بن منبہ کی تالیف ہے۔[1]

۲۔ حسن بصری: ان کی کنیت ابوسعید تھی۔ ان کے والد زید بن ثابت انصاریؓ کے آزاد کردہ تھے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے آٹھویں سال پیدا ہوئے۔ بصرہ میں زندگی گزاری اور ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ بڑے فصیح اللسان تھے۔ عوام اور عمائدین سلطنت کی نظر میں قابل احترام تھے اور بصرہ میں مکتب خلفاء کے پیروکاروں کے امام تھے۔[2]

حسن بصری کے نظریات کے متعلق ابن سعد کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بصری جبر وقدر کے قائل تھے اور اس کے لئے مناظرے کیا کرتے تھے۔ پھر انہوں نے ان نظریات سے رجوع کرلیا تھا اور وہ حجاج ثقفی جیسے سفاک شخص کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ حسن بصری بہت زیادہ تدلیس سے کام لیتے تھے۔ جب وہ کسی راوی کے حوالے سے عن فلان کہتے ہیں تو ان کی روایت میں ضعف ہوتا ہے خصوصاً ان اسناد کے متعلق جن سے انہوں نے حدیث نہیں سنی۔ مثلاً ابوہریرہ اور ان جیسے دیگر صحابہ۔ علمائے محدثین نے ابوہریرہ سے حسن بصری کی بیان کردہ روایات کو مقطوع قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔[3]

حسن بصری کے حالات میں طبقات ابن سعد میں علی بن زید کہتے ہیں کہ میں نے حسن کو حدیث سنائی۔ پھر میں نے دیکھا کہ حسن وہی حدیث بیان کررہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے یہ حدیث کس سے سنی تو کہنے لگے کہ مجھے یاد نہیں۔ میں نے کہا کہ یہ حدیث میں نے ہی آپ سے بیان کی تھی۔

ایک مرتبہ حسن بصری سے پوچھا گیا کہ آپ جو فتویٰ دیتے ہیں کیا وہ سنی ہوئی احادیث پر مبنی ہوتا ہے یا آپ اپنی رائے سے فتویٰ دیتے ہیں؟ حسن نے کہا کہ نہیں! خدا کی قسم! ہمارا ہر فتویٰ حدیث پر مبنی نہیں ہوتا لیکن ہماری رائے لوگوں کی قائم کردہ رائے سے بہتر ہوتی ہے۔[4]

۱۔ طبقات، ج ۵، ص ۳۹۵، طبع یورپ۔ کشف الظنون (۱۳۲۸) اور جواد علی کی تاریخ العرب قبل الاسلام، ج ۱، ص ۳۲۔

۲۔ وفیات الاعیان، ابن خلکان، ج ۱، ص ۳۵۴، طبع اول۔ طبقات ابن سعد، طبع یورپ، ج ۷، ق ۱، ص ۱۲۰۔

۳۔ میزان الاعتدال، ج ۱، ص ۵۲۷، حالات نمبر ۱۹۸۶۔

۴۔ دونوں روایات طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۱۲۰ پر مرقوم ہیں۔ طبع یورپ میں ج ۷، ق ۱، ص ۱۲۰ پر یہ روایات مذکور ہیں۔

معتزلی مذہب کا بانی واصل بن عطا متوفی ۱۳۱ھ اور مشہور زندیق اور بے دین ابن ابی العوجا بھی حسن کے شاگرد تھے۔ ابن ابی العوجا سے پوچھا گیا کہ آخر تو نے اپنے ساتھی کے مذہب کو چھوڑ کر وہ نظریات کیوں اپنائے جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے تو اس نے کہا کہ میرا ساتھی کبھی کچھ کہتا تھا اور کبھی کچھ۔ وہ کبھی جبر کی اور کبھی قدر کی تبلیغ کرتا تھا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ آج تک کسی ایک نظریے پر قائم نہیں رہا۔ ۱۵۵ھ میں حاکم کوفہ نے زندیقی کے جرم میں ابن ابی العوجا کے قتل کا حکم دیا تھا۔ اس نے قتل ہوتے وقت کہا تھا:

تم مجھے قتل تو کر رہے ہو لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ میں اپنی طرف سے چار ہزار احادیث گھڑ کر تمہارے دین میں داخل کر چکا ہوں جن میں میں نے خدا کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا ہے۔ میں نے تم سے افطار کے دن روزہ رکھوایا ہے اور روزے کے دن افطار کرایا ہے۔[1]

۳۔ یزید بن ابان رقاشی: بصرہ کا یہ قصہ گو محدث بہت زیادہ رونے کے لئے مشہور تھا اور زاھد البکاء کہلاتا تھا مگر درایت اور فہم دین سے عاری تھا۔ مزی نے **تھذیب الکمال** اور ابن حجر نے **تھذیب التھذیب** میں اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

رقاشی بڑا زاہد تھا۔ وہ اکثر بھوکا پیاسا رہا کرتا تھا جس سے اس کا بدن کمزور اور رنگ متغیر ہو گیا تھا۔ وہ خدا ترسی میں خود بھی رویا کرتا اور اپنے ساتھیوں کو بھی رلایا کرتا مثلاً کہا کرتا کہ آؤ پیاس کے دن ٹھنڈے پانی پر رولیں۔ اور یہ کہ دن کے وقت ٹھنڈے پانی پر سلام ہو۔ الغرض وہ ایسے کام کرتا تھا جو نہ تو رسول اکرم بجالائے تھے اور نہ آپ نے ان کے کرنے کا حکم دیا تھا۔ عملی طور پر اس کی زندگی اس آیت کی نفی کرتی تھی **قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ...** (اے رسولؐ) کہہ دیجئے کہ زینت کی اور کھانے پینے کی جو پاک چیزیں خدا نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں ان کو حرام کس نے کیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لئے ہیں۔

طبقات ابن سعد (ج ۷، ق ۲، ص ۱۳، طبع یورپ) میں ہے کہ وہ ضعیف اور قدری تھا۔

رقاشی کی روایات کی قدر و قیمت سے متعلق محدثین نے شعبہ سے یہ باتیں نقل کی ہیں:

۱۔ رقاشی کی روایت بیان کرنے سے راہزنی کرنا زیادہ بہتر ہے۔

۲۔ رقاشی کی روایت بیان کرنے سے زنا کرنا زیادہ بہتر ہے۔

محدثین نے کہا ہے کہ وہ منکر الحدیث اور متروک الحدیث ہے۔ اس کی حدیث نہیں لکھنی چاہئیں۔ ابوحاتم نے کہا ہے کہ وہ گریہ کرنے والا واعظ تھا۔ اس نے انس بن مالک سے بہت سی احادیث

۱۔ واصل بن عطا کے حالات زندگی ابن خلکان کی وفیات الاعیان میں اور ابن ابی العوجا کے حالات زندگی ہماری کتاب ماۃ و خمسون صحابی مختلق، ج ۱، ص ۱۹۲، طبع صیدا میں دیکھیں۔

روایت کی ہیں جو محل نظر ہیں۔ اس کی حدیثیں ضعیف ہیں۔ [1]

☆ ایک شخص نے حضرت امیر المومنینؑ سے من گھڑت اور متعارض حدیثوں کے متعلق دریافت کیا جو (عام طور سے) لوگوں کے ہاتھوں میں پائی جاتی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ لوگوں کے ہاتھوں میں حق اور باطل، سچ اور جھوٹ، ناسخ اور منسوخ، عام اور خاص، واضح اور مبہم، صحیح اور غلط سب ہی کچھ ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں آپ پر بہتان لگائے گئے یہاں تک کہ آپ کو کھڑے ہو کر خطبہ میں کہنا پڑا کہ "جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر بہتان باندھے گا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔"

تمہارے پاس چار طرح کے لوگ حدیث لانے والے ہیں کہ جن کا پانچواں نہیں: ایک تو وہ جس کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ، وہ ایمان کی نمائش کرتا ہے اور مسلمانوں کی سی وضع قطع بنا لیتا ہے، نہ گناہ کرنے سے گھبراتا ہے اور نہ کسی افتاد میں پڑنے سے جھجکتا ہے، وہ جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھتا ہے، اگر لوگوں کو پتہ چل جاتا کہ یہ منافق اور جھوٹا ہے، تو اس سے نہ کوئی حدیث قبول کرتے اور نہ اس کی بات کی تصدیق کرتے لیکن وہ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی ہے، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا بھی ہے اور ان سے حدیثیں بھی سنی ہیں اور آپ سے تحصیل علم بھی کی ہے۔ چنانچہ وہ (بے سوچے سمجھے) اس بات کو قبول کر لیتے ہیں...

اور دوسرا شخص وہ ہے جس نے (تھوڑا بہت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا لیکن جوں کا توں اسے یاد نہ رکھ سکا اور اس میں اسے سہو ہو گیا۔ یہ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا، یہی کچھ اس کے دسترس میں ہے اسے ہی دوسروں سے بیان کرتا ہے اور اسی پر خود بھی عمل کرتا ہے اور کہتا بھی یہی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔ اگر مسلمانوں کو یہ خبر ہو جاتی کہ اس کی یادداشت میں بھول چوک ہو گئی ہے تو وہ اس کی بات کو نہ مانتے اور اگر خود بھی اسے اس کا علم ہو جاتا تو اسے چھوڑ دیتا۔

تیسرا شخص وہ ہے کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے سنا کہ آپ نے ایک چیز کے بجالانے کا حکم دیا ہے پھر آپ نے اس سے روک دیا لیکن یہ اسے معلوم نہ ہو سکا یا یوں کہ اس نے پیغمبرؐ کو ایک چیز سے منع کرتے ہوئے سنا پھر آپ نے اس کی اجازت دے دی لیکن اس کے علم میں یہ چیز نہ آ سکی۔ اس نے (قول) منسوخ کو یاد رکھا اور (حدیث) ناسخ کو محفوظ نہ رکھ سکا۔ اگر اسے خود معلوم ہو جاتا کہ یہ منسوخ ہے تو وہ اسے چھوڑ دیتا اور مسلمانوں کو بھی اگر اس کے منسوخ ہو جانے کی خبر ہوتی تو وہ بھی اسے نظر انداز کر دیتے۔

اور چوتھا شخص وہ ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ نہیں باندھتا۔ وہ خوف خدا اور عظمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش نظر کذب سے نفرت کرتا ہے، اس کی یادداشت میں غلطی واقع نہیں ہوتی بلکہ جس طرح سنا اسی طرح اسے یاد رکھا اور اسی طرح اسے بیان کیا، نہ اس میں کچھ بڑھایا، نہ اس میں کچھ گھٹایا۔ حدیث ناسخ کو یاد رکھا تو اس پر عمل بھی کیا، حدیث منسوخ کو بھی اپنی نظر میں رکھا اور اس سے اجتناب برتا، وہ اس حدیث کو بھی جانتا ہے جس کا دائرہ محدود ہے اور اسے بھی جو ہمہ گیر اور سب کو شامل ہے اور ہر حدیث کو اس کے محل و مقام پر رکھتا ہے اور یوں ہی واضح اور مبہم حدیثوں کو پہچانتا ہے۔

کبھی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام دو رخ لیے ہوتا تھا، کچھ کلام وہ جو کسی وقت یا افراد سے مخصوص ہوتا تھا اور کچھ وہ جو تمام اوقات اور تمام افراد کو شامل ہوتا تھا اور ایسے افراد بھی سن لیا کرتے تھے کہ جو کچھ ہی نہ سکتے تھے کہ اللہ نے اس سے کیا مراد لیا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس سے مقصد کیا ہے۔ تو یہ سننے والے اسے سن تو لیتے تھے اور کچھ اس کا مفہوم بھی قرار دے لیتے تھے مگر اس کے حقیقی معنی اور مقصد اور وجہ سے ناواقف ہوتے تھے اور نہ اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سب ایسے تھے کہ جنہیں آپ سے سوال کرنے کی ہمت ہو، بلکہ وہ تو یہ چاہا کرتے تھے کہ کوئی صحرائی بدو یا پردیسی آ جائے اور وہ کچھ پوچھے تو یہ بھی سن لیں مگر میرے سامنے سے کوئی چیز نہ گزرتی تھی مگر یہ کہ میں اس کے متعلق پوچھتا تھا اور پھر اسے یاد رکھتا تھا۔ یہ ہیں لوگوں کے احادیث و روایات میں اختلاف کے وجوہ و اسباب۔ (نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۱۰، بحوالہ اصول کافی، تحف العقول، احتجاج الاسماع)

تھذیب التھذیب جلد ۱۱، صفحہ ۳۰۹ تا ۳۱۱ پر لکھا ہے کہ ابن حبان کے مطابق رقاشی خدا کے نیک بندوں میں سے تھا اور ان لوگوں میں سے تھا جو خوف خدا میں رات کو رویا کرتے ہیں لیکن وہ شوق عبادت کے سبب حفظ حدیث سے غافل رہا۔ اس کی حالت یہ تھی کہ وہ حسن بصری کی گفتگو کو انس بن مالک کی طرف منسوب کرکے اس کی روایت رسول اکرمؐ سے کرتا تھا۔ تعجب کے حصول کے علاوہ اس سے روایت بیان کرنا حلال نہیں ہے۔ یزید بن ابان رقاشی نے ۱۲۰ھ سے پہلے وفات پائی۔

وہب کی روایت کا جائزہ

وہب کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن حضرت داوٗد علیہ السلام تنہائی میں زبور پڑھ رہے تھے کہ ایک سنہری کبوتری ان کے آگے آ کر گری۔ آپ اسے پکڑنے کیلئے اٹھے لیکن وہ اڑ کر تھوڑی دور آگے جا کر بیٹھ گئی۔ آپ اسے پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے گئے یہاں تک کہ روشندان سے آپ کی نظر اوریا کی بیوی پر پڑی جو اس وقت نہا رہی تھی۔ حضرت داوٗدؑ اس کے حسن صبیح کو دیکھ کر متاثر ہوئے۔ اوریا کی بیوی کو جونہی یہ محسوس ہوا کہ حضرت داوٗدؑ کی نظر اس پر پڑ رہی ہے تو اس نے اپنا بدن اپنے بالوں سے چھپایا۔ اس کی یہ ادا حضرت داوٗدؑ کو بھا گئی۔ اس کے بعد انہوں نے اس کے شوہر کو محاذ جنگ پر بھیج دیا جہاں وہ مارا گیا۔ پھر آپ نے اس کی بیوہ سے شادی کرلی۔ خدا نے ان کو اس خطا پر متوجہ کرنے کے لئے ان کے پاس دو فرشتوں کو ان کی محراب میں بھیجا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

اس روایت کا عجیب پہلو یہ ہے کہ کہیں "وہب کہتا ہے" اور کہیں "اہل کتاب خیال کرتے ہیں" آیا ہے وہب اہل کتاب کا حوالہ دے کر خود بری الذمہ ہوگیا ہے۔ جب ہم تورات کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ سموئیل دوم کے گیارہویں باب میں لکھا ہے کہ جب حضرت داوٗدؑ نے اوریا کی بیوی کو دیکھا تو آپ دل ہار گئے۔ چنانچہ آپ نے اس کو اپنے محل میں بلایا اور نعوذ باللہ اس سے زنا کیا اور وہ حاملہ ہوگئی۔ سفر سموئیل باب ۱۱ اور باب ۱۲ کے لئے صفحہ ۳۶۱ پر ضمیمہ نمبر ۲ دیکھیں۔

جب ہم وہب کی روایت اور سموئیل دوم کے گیارہویں باب کا تقابلی مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہب کی روایت میں کچھ باتیں سفر سموئیل سے اخذ کی گئی ہیں اور کچھ باتیں شاید دوسری اسرائیلی کتاب سے لی گئی ہیں۔ وہب اہل کتاب کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتا تھا اور اس پر فخر کرتا تھا۔ اس طرح کی روایات کو اسرائیلی روایات یا اسرائیلیات کہا جاتا ہے۔

حسن بصری کی روایت کا جائزہ

حسن بصری کی روایت میں بھی وہی وہب والی باتیں کہی گئی ہیں البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ حسن بصری نے ابتداء میں یہ کہا ہے کہ حضرت داؤدؑ نے اپنے اوقات کار کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔

ہمیں نہیں معلوم کہ مذکورہ بالا جملہ حسن بصری کے زور تخیل کا نتیجہ ہے یا کسی اسرائیلی روایت سے یہ جملہ نقل کیا گیا ہے۔ حقیقت کچھ بھی ہو حسن نے اس روایت کی سند کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے اس کو بطور "مرسل روایت" بیان کیا ہے۔ اگر حسن یہ کہتے کہ میں نے یہ روایت وہب یا اسرائیلی روایات کے کسی اور راوی سے سنی ہے تو محققین کو آسانی ہوتی اور وہ کہہ سکتے کہ یہ اسرائیلی روایت ہے لیکن حسن نے روایت کو مرسل انداز میں بیان کر کے شبہات کو جنم دیا ہے۔ لوگوں نے حسن کی روایت کو اس لئے زیادہ اہمیت دی ہے کیونکہ وہ عقائد میں مکتب خلافت کے امام الائمہ تھے۔ اسی لئے ان کی روایت نے اسلامی عقائد پر منفی اثرات مرتب کئے۔

مکتب خلفاء کے اکثر رواۃ کی سب سے بڑی مشکل یہی ہے کہ وہ اسرائیلیات کو کسی سند اور اہل کتاب کی نسبت کے بغیر بیان کرتے ہیں۔ اسی لئے لوگوں کو یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ یہ اسلامی روایت ہے جبکہ وہ روایت درحقیقت یہود و نصاریٰ کی تحریف شدہ کتابوں سے ماخوذ ہوتی ہے۔

رقاشی کی روایت کا جائزہ

رقاشی نے اپنے سامعین کو یہ تاثر دیا کہ اس نے یہ روایت رسول اکرمؐ کے صحابی انس سے سنی ہے اور انس نے یہ روایت رسول اکرمؐ سے سنی تھی اور یوں اس نے یہودیوں کی تحریف شدہ روایت کو رسول اکرمؐ اور ان کے صحابی سے منسوب کرنے کی کوشش کی جبکہ محدثین اس کی اس عادت سے بخوبی واقف ہیں کہ وہ حسن بصری کی خودساختہ باتوں کو انس کی طرف نسبت دے کر حدیث رسولؐ میں بدل دیا کرتا تھا۔ یہ کیسا زاہد گریاں تھا جسے رسولؐ اور صحابہ رسول پر جھوٹ بولتے ہوئے جھجک محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اور پھر ہمیں طبری سے لے کر سیوطی تک ایسے مفسرین پر تعجب ہوتا ہے جنہوں نے آنکھیں بند کر کے اسرائیلی روایات کے پرچارکوں کی بیان کردہ روایتوں کو من و عن اپنی تفسیروں میں نقل کیا۔

سچ یہ ہے کہ عالم اسلام میں اسرائیلیات پھیلانے والے صرف یہی تین افراد نہیں تھے بلکہ کچھ صحابہ اور تابعین نے بھی اس میں حصہ ڈالا ہے جن کی نشاندہی ہم نے اپنی کتاب احیائے دین میں ائمہ اہلبیتؑ کا کردار میں کی ہے۔ سردست ہم اسرائیلیات کے چار مبلغین کا ذکر کرتے ہیں:

۱۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص: ایک غزوہ میں اہل کتاب کی کتابوں سے لدے ہوئے دو اونٹ عبداللہ کے ہاتھ لگے تھے۔ اس صحابی نے ان کتابوں سے خوب استفادہ کیا تھا۔ پھر اس نے اہل کتاب کی روایات کو کسی سند کے بغیر مسلمانوں میں پھیلایا۔

۲۔ تمیم داری: اس عیسائی راہب نے عہد رسولؐ میں اسلام قبول کیا تھا۔ یہ شخص حضرت عمرؓ کے عہد میں خطبہ جمعہ سے قبل اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہفتے میں دو دن مسجد نبوی میں قصے بیان کرتا تھا۔

۳۔ کعب الاحبار: کعب الاحبار تابعی تھا۔ وہ حضرت عمرؓ کے عہد میں مسلمان ہوا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں مسلمان علماء کی صف میں شامل ہوا۔

بعدازاں کچھ ایسے افراد منظر عام پر آئے جنہوں نے اہل کتاب کی کچھ روایات اخذ کر کے قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔ ان افراد میں مقاتل بن سلیمان کا نام سرفہرست ہے۔

۴۔ مقاتل بن سلیمان: مقاتل بن سلیمان مروزی ازدی متوفی ۱۵۰ھ مشہور مفسر قرآن ہے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ لوگ تفسیر میں مقاتل بن سلیمان، شعر میں زہیر بن ابی سلمٰی اور کلام میں ابوحنیفہ کے زلہ ربا اور "علمی فرزند" ہیں۔[۱] ہمیں تو حیرت اس بات پر ہے کہ علمائے اسلام نے اسرائیلیات پر کیونکر اعتبار کیا اور ان کو اسلامی مصادر میں نقل کرنے میں سہل انگاری سے کیوں کام لیا۔ (ذرا سوچئے کیا یہ دین و دیانت میں خیانت کے مترادف نہیں)۔

خلاصۂ بحث

وہب بن منبہ نے حضرت داؤد علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے متعلق جھوٹ پر مبنی روایت اہل کتاب کی کتابوں سے نقل کی ہے۔ البتہ اس نے یہ بھلائی ضرور کی ہے کہ اپنی روایت کا سرچشمہ واضح کردیا اور کہا کہ اہل کتاب اس طرح خیال کرتے ہیں۔

اس کے بعد جب امام الائمہ حسن بصری کی باری آئی تو انہوں نے تدلیس سے کام لیا اور روایت کا ماخذ بیان کرنے سے گریز کیا۔ حسن بصری کے بعد یزید رقاشی نے حسن بصری سے سنی ہوئی بے سروپا روایت کو صحابیِ رسول انس بن مالک کی طرف نسبت دے کر اس جھوٹ کو رسول اکرمؐ سے منسوب کیا۔

۱۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۱۶۰، حالات نمبر ۷۱۴۳۔ وفیات الاعیان، ج ۴، ص ۳۴۱، حالات نمبر ۷۰۳۔ تہذیب التہذیب، ج ۱۰، ص ۲۷۹۔ میزان الاعتدال، ج ۴، ص ۱۷۳، حالات نمبر ۸۷۴۱۔

کتب خلفاء میں اس طرح کی تدلیس اور غلط نسبتیں عام ہیں۔ اسرائیلی روایات صرف انس کی طرف ہی منسوب نہیں کی گئیں بلکہ کتب خلفاء کے راویوں نے اسرائیلی روایات ابن عباسؓ کی طرف منسوب کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ (اپنے وقت کے یہ ممتاز علماء صرف ایک ہی گھاٹ کا پانی پیے ہوئے تھے۔ اگر یہ "کوثر" سے اپنی علمی پیاس بجھاتے تو ایسی غلطی نہ کرتے)۔

یوں تدلیس اور غلط اسناد سے مروی تورات کی یہ جھوٹی روایت آہستہ آہستہ قرآن مجید کی تفاسیر میں داخل ہوگئیں اور اس کی وجہ سے سیرت انبیاء کے متعلق مسلمانوں میں غلط طرز فکر پیدا ہوا۔ عجیب بات یہ ہے کہ صرف انبیائے بنی اسرائیل ہی کی آبرو میں خلل نہیں ڈالا گیا بلکہ خواجہ لولاکؐ کی ذات اقدس کو بھی معرض اشتباہ میں ڈالا گیا۔ اس سلسلے میں حضرت زید بن حارثؓ کی مطلقہ جناب زینب بنت جحش اور حضرت سالت پناہ(ص) کے نکاح کے متعلق بھی بے سروپا روایت تراشی گئی لیکن ہم اس جھوٹی روایت کو نقل کرنے سے پہلے اس سلسلے کی صحیح روایت پیش کرتے ہیں۔

رسول اکرمؐ اور حضرت زینبؓ کے نکاح کی صحیح روایت

وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ... (سورۂ احزاب: آیت ۳۷) کی تفسیر میں خازن لکھتے ہیں کہ اس سلسلے کی صحیح ترین روایت وہ ہے جسے سفیان بن عُیینہ نے علی بن زید بن جدعان سے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے امام زین العابدینؑ نے کہا کہ حسن بصری وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ .... کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

میں (راوی) نے کہا: فرزند رسولؐ! حسن کہتا ہے کہ زیدؓ رسول اکرمؐ کے پاس آئے اور بولے کہ یا رسول اللہ! میں زینبؓ کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔ رسول اکرمؐ کو ان کی یہ بات بھلی معلوم ہوئی مگر آپ نے اس سے کہا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس ٹھہرائے رکھو اور اس معاملے میں خدا سے ڈرو۔

یہ سن کر امام زین العابدینؑ نے فرمایا: نہیں۔ ایسا نہیں ہے! بات یہ ہے کہ خدا نے اپنے رسولؐ کو یہ خبر دی تھی کہ زینبؓ عنقریب ان کے حبالۂ نکاح میں آئیں گی۔ اور زیدؓ انہیں طلاق دیدیں گے۔ چنانچہ جب زیدؓ رسول اکرمؐ کے پاس آئے اور بولے کہ یا رسول اللہ! میں زینبؓ کو طلاق دینا چاہتا ہوں تو رسول اکرمؐ نے ان سے فرمایا کہ تم اپنی بیوی کو اپنے پاس ٹھہرائے رکھو۔ اسی لئے خدا نے آنحضرتؐ سے فرمایا کہ "آپ نے زیدؓ سے یہ کیوں کہا کہ تم اپنی بیوی کو اپنے پاس ٹھہرائے رکھو جبکہ میں آپ کو یہ خبر دے چکا ہوں کہ اس کی بیوی عنقریب آپ کی بیوی بننے والی ہے۔

یہ روایت نقل کرنے کے بعد خازن نے لکھا ہے کہ یہ بات انبیائے کرامؑ کے شایان شان نہیں اور ان کے مقام سے میل نہیں کھاتی۔ یہ تلاوت کے بھی عین مطابق ہے... الی آخرہ۔

زینبؓ کی زیدؓ سے شادی اور پھر ان سے طلاق کے بعد رسول اکرمؐ سے نکاح کی تفصیل قرآن مجید کی
حسب ذیل آیات میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد ہم مکتب خلفاء کی روایات بیان کریں گے۔ وَمَا كَانَ
لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ٥ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ
عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ
تَخْشٰىهُ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْۤ اَزْوَاجِ
اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ٥ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ
اللّٰهُ لَهٗ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ٥ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ
اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ٥ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ
وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ٥ کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ
حق نہیں ہے کہ جب خدا اور اس کا رسولؐ کسی امر میں فیصلہ کردیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔
اور جو خدا اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہوگا۔ اور جب آپ اس شخص سے جس
پر خدا نے احسان کیا اور آپ نے بھی احسان کیا یہ کہہ رہے تھے کہ تم اپنی بیوی کو اپنے پاس ٹھہرائے رکھو اور خدا
سے ڈرو اور آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپاتے تھے جس کو خدا ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں سے ڈرتے
تھے حالانکہ خدا اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ پھر جب زیدؓ نے اس عورت سے کوئی حاجت متعلق
نہ رکھی (یعنی طلاق دیدی) تو ہم نے آپ سے اس کا نکاح کردیا تاکہ مومنین کے لئے ان کے منہ بولے بیٹوں
کی بیویوں کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہ رہے جب وہ انہیں چھوڑ دیں۔ اور خدا کا حکم بہرصورت نافذ
ہوکر رہتا ہے۔ نبیؐ پر اس کام میں کچھ تنگی نہیں جو خدا نے ان کے لئے مقرر کردیا ہے۔ اور جو انبیاء پہلے گزر چکے
ہیں ان کے لئے بھی خدا کا یہی دستور رہا ہے۔ اور خدا کا حکم صحیح اندازے کے مطابق مقرر کیا ہوا ہوتا ہے۔ وہ جو
خدا کے پیغام کو (جوں کا توں) پہنچاتے اور اسی سے ڈرتے اور اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور خدا ہی
حساب لینے کے لئے کافی ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں
بلکہ اللہ کے رسول اور سلسلہ انبیاء کے خاتم ہیں اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔ (سورۂ احزاب: آیت ۳۶ تا ۴۰)

مکتب خلفاء کی تاویل

طبری نے وہب بن منبہ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے اپنی پھوپھی کی بیٹی زینبؓ کا نکاح
زید بن حارثہؓ سے کیا تھا۔ ایک دن رسول اکرمؐ کسی کام کے سلسلے میں زیدؓ کے گھر گئے۔ اس وقت زیدؓ کے گھر کے

دروازے پر بالوں سے بنا ہوا ایک پردہ لٹکا ہوا تھا۔ اچانک ہوا کا جھونکا آیا تو وہ پردہ ہٹ گیا۔ اس وقت زینبؓ کھلے سر گھر میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ جونہی رسول اکرمؐ کی نظر ان پر پڑی ان کی محبت آپ کے دل میں گھر کر گئی۔ جونہی ان کی محبت آپ کے دل میں پیدا ہوئی تو دوسرے (یعنی زیدؓ) کے دل میں ان کے لئے نفرت پیدا ہو گئی۔

اس کے بعد زیدؓ حضورؐ کے پاس آئے اور کہا: یا رسول اللہؐ! میں اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔

رسول اللہؐ نے پوچھا: کیوں میاں؟ تمہیں ان سے کیا تکلیف ہے؟

زیدؓ نے کہا: بخدا! مجھے ان سے کوئی تکلیف نہیں۔ میں نے ان میں بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا۔[1]

بعینہٖ اس مفہوم کی ایک اور روایت حسن بصری سے بھی مروی ہے۔ ہم اس روایت کو روایات اہلبیتؑ کے ضمن میں پیش کریں گے۔

مذکورہ روایت وہب بن منبہ اور حسن بصری دونوں سے مروی ہے جن کا تعارف گزر چکا ہے۔ چنانچہ یہاں ہم صرف اس بات کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ دونوں حضرات رحلت رسولؐ کے طویل عرصے کے بعد پیدا ہوئے تھے لیکن دونوں کسی سند اور واسطے کے بغیر رسول اکرمؐ کے متعلق روایت نقل کیا کرتے تھے۔ جب تک وہ اپنی روایت کی سند بیان نہ کریں اس وقت تک ان کی روایت بے ارزش ہے۔

اس روایت کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ رسول اکرمؐ نے جب اچانک حضرت زینبؓ کو بے حجاب دیکھا تو آپ دل ہار گئے۔ آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کسی طریقے سے زیدؓ انہیں طلاق دیدیں تو آپ ان سے شادی کر لیں مگر آپ نے اپنی خواہش کو دل ہی میں رہنے دیا۔

جن لوگوں نے یہ روایت تخلیق کی ہے شاید ان کو معلوم ہی نہیں تھا کہ حضرت زینبؓ حضرت رسول اکرمؐ کی پھوپھی کی بیٹی تھیں اور یہ کہ آیت حجاب بھی رسول اکرمؐ اور زینبؓ کی شادی کے بہت عرصہ بعد نازل ہوئی تھی۔ رسول اکرمؐ، زیدؓ کے حبالۂ عقد میں آنے سے قبل زینبؓ کو کئی بار دیکھ چکے تھے مگر اس کے باوجود روایت سازوں نے رسول اکرمؐ پر افترا باندھ کر آپ کو حسن پرست ثابت کرنے اور منصب نبوت پر چھینٹے ڈالنے کی جسارت کی جبکہ صحیح روایت یہ ہے۔

حضرت زیدؓ کی سرگزشت

زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی ابھی چھوٹے تھے کہ ان کے قبیلے پر مخالف قبیلے نے حملہ کیا اور یہ ان کے ہاتھوں قید ہو کر ان کے غلام بن گئے۔ قید کرنے والوں نے ان کو بیچ دیا۔ ان کی خوش نصیبی تھی کہ حضرت خدیجہؑ نے ان کو خرید لیا اور رسول اکرمؐ کو بخش دیا۔ اس وقت زیدؓ کی عمر آٹھ برس تھی اور ابھی رسول اکرمؐ نے نبوت کا

[1] تفسیر طبری، پارہ ۲۲، ص ۱۰، طبع دارالمعرفۃ، بیروت۔

اعلان نہیں کیا تھا۔ زیدؓ، رسول اکرمؐ کے زیر سایہ پرورش پانے لگے۔ کسی طرح سے زیدؓ کے خاندان کو پتا چلا کہ زیدؓ مکہ میں محمدؐ بن عبد اللہ بن عبد المطلب کے پاس ہیں۔ چنانچہ ان کے والد اور چچا ان کو واپس لینے کے لئے مکہ آئے اور انہوں نے آنحضرتؐ سے عرض کی: اے فرزند عبد المطلب! اے فرزند ہاشم! اے سید القوم کے فرزند! ہم اپنے بیٹے کے سلسلے میں حاضر ہوئے ہیں۔ ہمارا بیٹا اس وقت آپ کا غلام ہے۔ آپ ہم پر احسان فرمائیں اور اس کا فدیہ لے کر اسے آزاد کردیں تاکہ ہم اسے اپنے ساتھ وطن واپس لے جائیں۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: تمہارے بیٹے کا کیا نام ہے؟

انہوں نے کہا: زید بن حارثہؓ ہے۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: اس کے علاوہ تمہاری کوئی دوسری خواہش ہو تو وہ بھی بیان کرو۔

انہوں نے کہا: نہیں۔ ہماری بس یہی ایک خواہش ہے۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: اس کو بلا لیتے ہیں اور چناؤ کا حق دیتے ہیں۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو تم شوق سے اسے لے جاؤ اور اگر وہ میرے پاس رہنا چاہے تو میں اس کو تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔

انہوں نے کہا: آپ نے نہ صرف انصاف بلکہ ہم پر احسان بھی کیا ہے۔

رسول اکرمؐ نے زیدؓ کو آواز دی۔ جب وہ آئے تو آپ نے پوچھا: کیا تم ان لوگوں کو جانتے ہو؟

زیدؓ نے کہا: جی ہاں! یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا ہیں۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: تم مجھے بھی جانتے ہو اور میرا جو سلوک برتاؤ تم سے ہے اسے بھی جانتے ہو۔ اب تم کو اختیار ہے چاہو تو یہاں میرے پاس رہو اور چاہو تو ان کے ساتھ چلے جاؤ۔

زیدؓ نے کہا: میں ان کے ساتھ جانا نہیں چاہتا۔ میں آپ پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔ آپ میرے لئے باپ اور چچا کی جگہ ہیں۔

یہ سن کر ان کے والد اور چچا نے کہا: زید! تجھ پر افسوس ہے کہ تو آزادی پر غلامی کو اور اپنے باپ اور خاندان پر محمدؐ کو ترجیح دے رہا ہے۔

زیدؓ نے کہا: ہاں! انہوں نے مجھے اتنے پیار سے رکھا ہے کہ میں ان پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

جب رسول اکرمؐ نے زیدؓ کی یہ محبت دیکھی تو آپ اسے اپنے ساتھ لے کر صحن کعبہ میں تشریف لائے اور فرمایا: اے لوگو! گواہ رہنا آج سے زیدؓ میرا بیٹا ہے۔ یہ میری میراث پائے گا اور میں اس کی میراث پاؤں گا۔

جب زیدؓ کے والد اور چچا نے رسول اکرمؐ کا یہ اعلان سنا تو دونوں بڑے اطمینان سے واپس چلے گئے۔

اس اعلان کے بعد زیدؓ رسول اکرمؐ کی طرف منسوب ہوگئے اور انہیں زیدؓ بن محمدؐ[1] کہا جانے لگا۔

۱۔ اُسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج ۲، ص ۲۲۳۔

جب زیدؓ جوان ہوئے تو آنحضرتؐ نے ان کی شادی اپنی خادمہ برہ سوداء حبشی سے کردی۔ زیدؓ سے پہلے اس حبشی خاتون کی شادی ایک حبشی غلام سے ہوئی تھی جس سے ایک لڑکا ایمن پیدا ہوا تھا۔ اسی نسبت سے ان کی کنیت ام ایمنؓ تھی۔ مکہ میں ام ایمنؓ سے اسامہ بن زیدؓ پیدا ہوئے۔[1]

حضرت زیدؓ کا حضرت زینبؓ سے نکاح

ہجرت مدینہ کے بعد امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی زینبؓ بنت جحش کے لئے کئی اصحاب نے خواستگاری کی۔ انہوں نے اپنے بھائی کو رسول اکرمؐ سے مشورے کے لئے بھیجا۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا: وہ بھلا اس سے نکاح کیوں نہیں کرلیتی جو اسے کتاب خدا اور سنت رسولؐ کی تعلیم دے۔

زینبؓ نے پوچھا: اس سے آپ کی مراد کون ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: زیدؓ۔

یہ سن کر وہ ناراض ہوگئیں اور کہنے لگیں کہ آپ اپنی پھوپھی کی بیٹی کو اپنے آزاد کردہ غلام سے بیاہنا چاہتے ہیں۔ میں اس سے نکاح نہیں کروں گی۔ میں حسب نسب میں اس سے کہیں بہتر ہوں۔ اس وقت خدا نے یہ آیت نازل فرمائی: ''کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب خدا اور اس کا رسولؐ کسی امر میں فیصلہ کردیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔ اور جو خدا اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہوگا۔'' زینبؓ بنت جحش نے یہ آیت سنی تو آنحضرتؐ کے فرمان پر سر تسلیم خم کردیا چنانچہ آپ نے زید بن حارثہؓ سے ان کی شادی کردی۔

شادی کے بعد زینبؓ کی باتیں زیدؓ کے لئے باعث آزار تھیں چنانچہ زیدؓ ان کے اس رویے سے نالاں رہتے تھے۔ وہ ان کے اس رویے کی رسول اکرمؐ سے شکایت کیا کرتے تھے اور انہیں طلاق دینا چاہتے تھے لیکن ہر بار رسول اکرمؐ زیدؓ کو سمجھاتے تھے کہ میاں خدا کا خوف کرو اور اپنے ارادے سے باز رہو۔ پھر خدا کی مشیت کا تقاضا ہوا کہ زینبؓ کا نکاح رسول اکرمؐ سے کرادیا جائے تاکہ اسلام میں متبنّیٰ کا وہ حق نہ سمجھا جائے جو صلبی بیٹوں کا ہے۔ چونکہ خدا کو ایک بڑی اصلاح مقصود تھی اس لئے اس نے آپ کو وحی غیر متلو کے ذریعے اس امر سے آگاہ کردیا۔

ادھر رسول اکرمؐ کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ اگر آپ نے زینبؓ سے نکاح کرلیا تو لوگ باتیں بنائیں گے کہ محمدؐ کیسا نبی ہے جو اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرتا ہے۔ اس لئے آپ زیدؓ کو سمجھاتے رہتے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس ٹھہرائے رکھو اور خدا سے ڈرتے رہو۔ لیکن زیدؓ نے جو اپنی بیوی کے رویے سے تنگ تھے ان کو طلاق دیدی۔ جب زینبؓ کی عدت پوری ہوگئی تو سورۂ احزاب کی چار آیات بیک وقت اتریں جن میں زیدؓ اور زینبؓ کی

1۔ اُسد الغابہ، ج ۷، ص ۳۰۳۔ استیعاب، ص ۷۶۵، حالات نمبر ۲۔ اصابہ، ج ۴، ص ۴۱۵، حالات نمبر ۱۱۳۵ دیکھیں۔

ناچاقی کا تذکرہ کیا گیا اور متبنیٰ گیری کی رسم کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہوا: فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ...

خدا نے متبنیٰ گیری کی رسم کو ہمیشہ کے لئے ختم کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ○ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ.... خدا نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا نہیں بنایا۔ یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں۔ جبکہ خدا حق بات کہتا ہے اور وہی سیدھا راستا دکھاتا ہے۔ (اے ایمان والو!) تم منہ بولے بیٹوں کو ان کے (اصلی) باپوں کے ناموں سے پکارو کہ خدا کے نزدیک یہی بات درست ہے۔ اگر تم کو ان کے باپوں کے نام معلوم نہ ہوں تو دین میں وہ تمہارے بھائی اور دوست ہیں... (سورۂ احزاب: آیت ۴و۵)

حضرت داؤدؑ اور حضرت رسول اکرمؐ کے متعلق قرآنی آیات کی تفسیر کے لئے جب مسلمانوں نے جھوٹی روایات کا سہارا لیا تو عصمت انبیاءؑ کا مقام مجروح ہو گیا۔

اب ہم کچھ مزید آیات پیش کرتے ہیں جن کی تاویل میں لوگوں کو مغالطہ ہوا جس سے عصمت انبیاء میں خلل پڑا۔ اور لطف یہ ہے کہ ان آیات سے استدلال کرنے والوں کے پاس کوئی روایت بھی موجود نہیں ہے۔

عصمت انبیاء سے متعلق آیات کی غلط تاویلات

۱۔ حضرت آدمؑ کی طرف لفظ عصیان کی نسبت دی گئی ہے جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے: وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ○ چونکہ آدمؑ نے اپنے رب کے حکم کے خلاف کیا تھا اس لئے ان کا آرام ختم ہو گیا۔ (سورۂ طہٰ: آیت ۱۲۱)

۲۔ حضرت ابراہیمؑ کی بت شکنی کا واقعہ قرآن مجید میں اس طرح بیان ہوا ہے: فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ○ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ○ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ○ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ○ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ○ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ○ پھر (ابراہیمؑ نے) ان (بتوں) کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا مگر ایک بڑے (بت) کو نہ توڑا تاکہ لوگ اس کی طرف رجوع کریں۔ (بتوں کا یہ حشر دیکھ کر) ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ برتاؤ کس نے کیا ہے؟ وہ تو یقیناً کوئی ظالم ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایک جوان کو ان کو برا بھلا کہتے سنا ہے اس کا نام ابراہیمؑ ہے۔ وہ بولے کہ اسے لوگوں کے سامنے لے آؤ تاکہ وہ گواہ رہیں۔ (جب ابراہیمؑ آئے تو بت پرستوں نے) کہا ابراہیمؑ ہمارے معبودوں کے

ساتھ یہ برتاؤ تم نے کیا ہے؟ (ابراہیمؑ نے) کہا بلکہ یہ ان کے بڑے (بت) نے کیا ہے۔ اگر یہ بول سکتے ہیں تو ان ہی سے پوچھ دیکھو۔ انہوں نے اپنے دل میں سوچا تو آپس میں کہنے لگے یقیناً تم ہی لوگ ظالم ہو۔ پھر (شرمندہ ہوکر) سر جھکا لئے (اور کہنے لگے) تم جانتے ہو کہ یہ بول نہیں سکتے۔ (سورۂ انبیاء: آیت ۵۸ تا ۶۵)

پہلی آیت سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت آدمؑ نے خدا کی نافرمانی کی اور وہ گمراہ ہو گئے۔ دوسری آیت سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے بت پرستوں سے یہ کہہ کر کہ یہ بت میں نے نہیں بلکہ بڑے بت نے توڑے ہیں جھوٹ بولا تھا۔

۳۔ حضرت یوسفؑ کے سلسلے میں قرآن مجید کہتا ہے: فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ۝ قَالُوا وَ أَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقِدُونَ ۝ قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ۝ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ۝ قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ كَاذِبِينَ ۝ قَالُوا جَزَاؤُهُ مَنْ وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝ فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِعَاءِ أَخِيهِ كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ وَ فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۝ قَالُوا إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلُ فَأَسَرَّهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ قَالَ أَنْتُمْ شَرٌّ مَكَانًا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ۝ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝ اس کے بعد جب یوسفؑ نے ان کا سامان تیار کر دیا تو اپنے بھائی کے تھیلے میں آبخورا رکھ دیا۔ پھر (جب وہ آبادی سے باہر نکل گئے تو بادشاہ کا) ایک نوکر پکارا کہ اے قافلے والو! تم چور ہو۔ وہ ان کی طرف مڑ کر کہنے لگے کہ تمہاری کیا چیز گم ہوگئی ہے؟ وہ بولے کہ بادشاہ کا آبخورا گم ہوگیا ہے اور جو شخص اس کو لے آئے اس کو ایک اونٹ کا بار غلہ انعام میں ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ خدا کی قسم تم کو معلوم ہے کہ ہم (اس) ملک میں اس لئے نہیں آئے کہ خرابی کریں اور نہ ہم چور ہیں۔ نوکروں نے کہا کہ اگر تم جھوٹے نکلے (یعنی چوری ثابت ہوئی) تو اس کی سزا کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے تھیلے میں وہ آبخورا ملے وہی اس کا بدل قرار دیا جائے۔ ہم ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر (یوسفؑ نے) اپنے بھائی کے تھیلے سے پہلے ان کے تھیلوں کو دیکھنا شروع کیا۔ پھر اپنے بھائی کے تھیلے میں سے آبخورا برآمد کرلیا۔ اور اس طرح ہم نے یوسفؑ کے لئے تدبیر کی (ورنہ) بادشاہ کے قانون کی رو سے وہ مشیت خدا کے سوا اپنے بھائی کو اپنے پاس نہیں روک سکتے تھے۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کردیتے ہیں اور ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے۔ (برادران یوسف نے) کہا کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو (کچھ عجب نہیں کیونکہ) اس سے پہلے اس کے ایک بھائی نے بھی چوری کی تھی۔ یوسفؑ نے اس بات کو اپنے دل میں چھپالیا اور ان پر ظاہر نہ ہونے دیا اور کہا

کہ تم بڑے بدقماش ہو۔ اور جو تم بیان کرتے ہو خدا اسے خوب جانتا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اے عزیز! اس کے والد بہت بوڑھے ہیں (اور اس سے بہت پیار کرتے ہیں) تو (اس کو چھوڑ دیجئے اور) اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ احسان کرنے والے ہیں (سورۂ یوسف: آیت ۷۰ تا ۷۸)

۴۔ حضرت یونسؑ کے متعلق قرآن مجید کہتا ہے: وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اور ذوالنون کو یاد کرو جب وہ (اپنی قوم سے ناراض ہو کر) غصے میں چل دیئے اور اپنے تئیں سوچا کہ ہم ان کا رزق تنگ نہیں کریں گے۔ پھر اندھیرے میں پکارنے لگے کہ اے خدا! تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تو پاک ہے اور بے شک میں قصوروار ہوں۔ تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان کو غم سے نجات دی اور ہم مومنوں کو اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔ (سورۂ انبیاء: آیت ۸۷ و ۸۸)

اس آیت میں اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ سے بعض علماء نے یہ سمجھا ہے کہ حضرت یونسؑ نے یہ خیال کیا تھا کہ خدا کو ان پر قابو حاصل نہیں ہے۔ یہ سوچ ان کو قصوروار ٹھہراتی ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۝ لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَیَهْدِیَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۝ وَّیَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا ۝ (اے رسولؐ) بے شک ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کی ہے تاکہ خدا (اہل مکہ کی طرف سے) آپ پر لگنے والے اگلے پچھلے الزام ختم کر دے اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کو سیدھے راستے کی ہدایت دیدے اور زبردست طریقے سے آپ کی مدد کرے۔ (سورۂ فتح: آیت ۱ تا ۳)

اکثر علماء اور مترجمین نے لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ کا یہ ترجمہ کیا ہے "تاکہ خدا آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دے" اور یوں انہوں نے بزعم خویش یہ استدلال کیا ہے کہ نبی اکرمؐ سے بھی گناہ سرزد ہوتے تھے۔ البتہ خدا نے انہیں معافی دیدی تھی۔ ع بخدا دیوانہ و بمصطفیٰؐ ہشیار باش!

قرآن میں اس طرح کی کچھ اور متشابہ آیات بھی ہیں جن سے بظاہر یہ لگتا ہے کہ نبیوں سے بھی گناہ ہوتے تھے اور وہ من کل الجہات معصوم نہیں تھے البتہ خدا نے انہیں وہ گناہ معاف کر دیئے تھے۔ ہم ان آیات کی تاویل پیش کرنے سے پہلے کچھ کلمات کی تفسیر اور ان آیات کے چیدہ چیدہ الفاظ کی لغوی تشریح پیش کرتے ہیں۔

کچھ کلمات کی تفسیر

۱۔ اوامر و نواہی کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) خدا کے کچھ اوامر و نواہی ایسے ہیں جن کی مخالفت کا اثر صرف دنیاوی زندگی تک محدود ہوتا ہے اور

آخرت میں ان کی کوئی جزا یا سزا نہیں ہوتی۔ مثلاً خدا فرماتا ہے: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا کھاؤ اور پیو لیکن اسراف نہ کرو۔ (سورۂ اعراف: آیت ۳۱)

کسی بھی کام میں حد سے تجاوز کرنے کو اسراف کہتے ہیں۔ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ کھانے پینے میں حد اعتدال سے تجاوز نہ کرو۔ اب اگر کوئی مسلمان اپنی بھوک سے کچھ زیادہ کھالے یا پیاس سے زیادہ پانی پی لے تو اس کا اثر معدے پر ضرور پڑے گا لیکن وہ عذاب آخرت کا مستحق نہیں۔ اس طرح کے امر کو "امر ارشادی" اور اس طرح کی نہی کو "نہی ارشادی" کہا جاتا ہے۔

(۲) کچھ اوامر و نواہی ایسے ہوتے ہیں جن پر عمل کرنا واجب اور ترک کرنا حرام ہوتا ہے۔ ایسے امر و نہی کی مخالفت کی جزا یا سزا صرف دنیا تک ہی محدود نہیں ہوتی بلکہ آخرت میں بھی اس کا حساب دینا پڑے گا۔ ایسے امر کو "امر مولوی" اور ایسی نہی کو "نہی مولوی" کہا جاتا ہے۔

۲۔ ترکِ اولیٰ: وہ انسانی فعل جس کا نہ کرنا کرنے سے بہتر ہو جیسا کہ ہم انبیائے کرامؑ کے افعال کے متعلق قرآن کریم سے اس کے دو موارد پیش کریں گے۔

۳۔ معصیت: عَصَى اَمْرَهٗ يَعْصِيْهِ عِصْيَانًا وَّمَعْصِيَةً وہ اس کی اطاعت سے نکل گیا اور اس نے اس کے حکم پر عمل نہیں کیا۔ اس سے اسم فاعل عَاصٍ اور عَصِيٌّ آتا ہے۔

کلام میں یہ لفظ (امر) کبھی معصیت کے مشتقات کے بعد آتا ہے۔ مثلاً:

(۱) حضرت موسیٰؑ نے اپنے ساتھی (حضرت خضرؑ) سے کہا تھا: سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ○ خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے حکم کے خلاف نہیں کروں گا۔ (سورۂ کہف: آیت ۶۹)

(۲) دوزخ پر مقرر فرشتوں کی فرمانبرداری کے متعلق قرآن کہتا ہے: عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ دوزخ پر تندخو اور سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں۔ خدا ان کو جو حکم دیتا ہے وہ اس کے خلاف نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔ (سورۂ تحریم: آیت ۶)

جب مفہوم واضح ہو تو لفظ امر بیان نہیں کیا جاتا مثلاً:

وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى اور بعض اوقات عصی فعل کا مفعول بیان نہیں کیا جاتا مثلاً فَكَذَّبَ وَعَصٰى اس (فرعون) نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔ (سورۂ نازعات: آیت ۲۱)

۴۔ اَلذَّنْبُ: ذنب ہر عمل کے اس نتیجے کو کہا جاتا ہے جو مستقبل میں ظاہر ہو اور یہ نتیجہ کبھی دنیاوی زندگی تک محدود ہوتا ہے۔ اور انسان کا واسطہ ایسے فرد یا ایسی جماعت سے پڑتا ہے جو اسے نقصان پہنچا سکتے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کے واقعے میں بیان کیا گیا ہے کہ خدا نے انہیں قوم فرعون کی طرف مبعوث کیا تو انہوں نے خدا

سے درخواست کی: وَاِذْ نَادٰی رَبُّکَ مُوْسٰی اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ قَوْمَ فِرْعَوْنَ اَلَا یَتَّقُوْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ ۝ وَ یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ ۝ وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۝ قَالَ کَلَّا فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَآ اِنَّا مَعَکُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ۝ جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا کہ اس ظالم قوم کے پاس جاؤ (یعنی) قوم فرعون کے پاس۔ کیا یہ ڈرتے نہیں۔ انہوں نے کہا یارالہا! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ مجھے جھٹلا نہ دیں۔ میرا دل تنگ ہو رہا ہے اور میری زبان رکتی ہے۔ تو ہارون کو حکم بھیج (کہ میرے ساتھ چلیں) ان لوگوں کا مجھ پر ایک گناہ بھی ہے۔ سو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ مجھے مار ہی نہ ڈالیں۔ ارشاد ہوا کہ ہرگز نہیں تم دونوں ہماری نشانیاں لیکر جاؤ ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں۔ (سورۂ شعراء: آیت ۱۰ تا ۱۵)

آیئے دیکھیں کہ حضرت موسیٰ نے قوم فرعون کا کون سا گناہ کیا تھا جس کے متعلق ان کو ڈر تھا کہ قبطی انہیں اس کی پاداش میں مار ڈالیں گے۔ خدا نے اس واقعے کی تفصیل یوں بیان کی ہے: وَدَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰی حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِیْهَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَکَزَهٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْهِ... وہ (موسیٰ) ایسے وقت شہر میں داخل ہوئے جب لوگ گہری نیند سو رہے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں دو آدمی لڑ رہے تھے۔ ایک تو موسیٰ کی قوم کا تھا اور دوسرا ان کے دشمنوں میں سے۔ تو جو آدمی اُن کی قوم کا تھا اس نے دوسرے آدمی کے مقابلے میں جو دشمنوں میں سے تھا مدد کے لئے پکارا تو موسیٰ نے اس کو مکا مارا اور اس کا کام تمام کردیا۔ وہ کہا کہ یہ کام تو (اغوائے) شیطان سے ہوا اور یقیناً شیطان (انسان کا) دشمن اور صریح گمراہ کرنے والا ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ پروردگار! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ پس تو مجھے بخش دے تو خدا نے ان کو بخش دیا۔ بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ اے پروردگار! تو نے مجھ پر احسان کیا ہے۔ میں (آئندہ) کبھی مجرموں کا مددگار نہیں ہوں گا۔ الغرض صبح کے وقت موسیٰ شہر میں ڈرتے ڈرتے داخل ہوئے کہ دیکھیں (کیا ہوتا ہے) تو ناگہاں وہی آدمی جس نے کل ان سے مدد مانگی تھی پھر ان کو پکار رہا ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ یقیناً تو صریح گمراہی میں ہے۔ جب موسیٰ نے چاہا کہ اس آدمی کو جو ان دونوں کا دشمن تھا پکڑ لیں تو وہ (موسیٰ کی قوم کا آدمی) بول اٹھا کہ اے موسیٰ! جس طرح تم نے کل اس آدمی کو مار ڈالا تھا اسی طرح چاہتے ہو کہ مجھے بھی مار ڈالو۔ تم تو یہی چاہتے ہو کہ ملک میں تشدد کرتے پھرو اور تم اصلاح کرنا نہیں چاہتے۔ اور ادھر ایک شخص شہر کی پرلی طرف سے دوڑتا ہوا آیا اور بولا کہ اے موسیٰ! شہر کے رؤسا تمہارے قتل کی سازش کر رہے ہیں لہٰذا تم یہاں سے نکل جاؤ۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ موسیٰ شہر سے ڈرتے ڈرتے نکل کھڑے ہوئے کہ دیکھیں (کیا ہوتا ہے اور) دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار! مجھے ظالم لوگوں سے بچالے۔ (سورۂ قصص: آیت ۱۵ تا ۲۱)

حضرت موسیٰ نے فرعون کے خاندان کے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا اور اس کے بدلے میں قوم فرعون نے

ان کے قتل کی سازش کی تھی۔ حضرت موسیٰ کے اس فعل کا عوض اسی دنیا تک محدود تھا۔

اوامر مولویہ اور نواہی مولویہ کی خلاف ورزی کا خمیازہ آخرت میں بھگتنا پڑتا ہے۔ اکثر گناہوں کا خمیازہ دنیا اور آخرت دونوں میں بھگتنا پڑتا ہے۔

لغوی تشریح

۱۔ ذَاالْاَیْدِ: آدَ، یَئِیْدُ، اَیْدًا مضبوط اور طاقتور ہوا۔ ذَاالْاَیْدِ طاقت ور۔

۲۔ اَوَّابٌ: اَوَّبَ تَاْوِیْبًا اس نے رجوع کیا۔ اَوَّابٌ بروزن تَوَّابٌ. معصیت چھوڑ کر اور اطاعت اختیار کر کے خدا کی طرف رجوع کرنے والا۔

۳۔ تُشْطِطْ: شَطَطٌ فیصلہ میں ظلم کرنا۔ ناانصافی کرنا۔

۴۔ اَکْفِلْنِیْهَا: کَفَلَهٗ کِفْلًا وَکَفَالَۃً کفالت کرنا اور چرانا۔ اَکْفِلْنِیْهَا یعنی وہ بھیڑ میرے حوالے کردے تاکہ میں اسے چراؤں۔

۵۔ عَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ: گفتگو میں وہ مجھ پر غالب آیا۔ عَزَّهٗ عَازَّهٗ اس پر غالب آیا۔

۶۔ اَلْخُلَطَاءُ: اس کی واحد خَلِیْطٌ ہے یعنی دوست، ہمسایہ اور شریک۔

۷۔ ظَنٌّ: کسی علامت کو دیکھ کر کسی چیز کا گمان کرنا۔ کبھی ظن یقین کے درجے پر بھی پہنچ جاتا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ یعنی داؤدؑ کو یقین ہوگیا کہ ہم نے ان کا امتحان لیا ہے۔ کبھی ظن مرتبہ گمان سے بھی نیچے وہم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ حضرت یونسؑ کے متعلق آیا ہے: فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ یعنی ان کو وہم (شبہ) ہوا کہ ہم ان پر رزق تنگ نہیں کریں گے۔

۸۔ فَتَنّٰهُ: فِتْنَۃٌ امتحان۔ آزمائش۔

۹۔ خَرَّ: بلندی سے نیچے گرا۔ خَرَّ رَاکِعًا رکوع کے لئے جھکا۔

۱۰۔ اَنَابَ: نَابَ اِلَی الشَّیْءِ نَوْبًا وَّ نَوْبَۃً ایک کے بعد دوبارہ اس نے کسی چیز کی طرف رجوع کیا۔ اَنَابَ الْعَبْدُ اِلَی اللّٰهِ. بندے نے خدا کی طرف رجوع کیا اور تمام مشکلات میں خدا پر بھروسا کیا۔ حضرت ابراہیمؑ کو منیب کہا گیا ہے کیونکہ وہ تمام امور میں خدا کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔

۱۱۔ فَغَفَرْنَا وَلْیَغْفِرْ: غَفَرَهٗ مَغْفِرَۃً غُفْرًا وَغُفْرَانًا اس نے اس پر پردہ ڈالا اور اسے چھپا دیا۔ اس سے اسم فاعل غَافِرٌ اور غَفُوْرٌ آتا ہے۔ اور بطور مبالغہ غَفَّارٌ بھی آتا ہے۔ جس چیز پر آپ پردہ ڈالتے اور اسے چھپاتے ہیں اس کے لئے عربی زبان میں غَفَرْتَهٗ آتا ہے یعنی آپ نے اس پر پردہ ڈالا اور چھپا دیا۔ جنگ میں استعمال ہونے والی خود کو مِغْفَرٌ اسی لئے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ سر اور گردن کو چھپا دیتی ہے۔ غَفَرَاللّٰهُ ذُنُوْبَهٗ کا مطلب ہے خدا نے اس کے گناہ چھپا دیے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ

گناہ کی وجہ سے جو دنیا و آخرت میں اثرات مرتب ہونے تھے خدا نے وہ تمام اثرات مٹا دیئے۔

۱۲۔ لَزُلْفٰی: زَلَفَ اِلَیْہِ زَلْفًا وَ زُلْفٰی وَازْدَلَفَ اس کے قریب ہوا۔ زُلْفَۃٌ یعنی قریب ہونا۔

۱۳۔ مَآب: آبَ یَؤُوْبُ اَوْبًا وَ اِیَابًا وَمَآبًا یعنی لوٹ آیا۔ لفظ مآب لوٹنے کے اسم زمان و مکان کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے رسالت مآب۔ عزت مآب۔ غفران مآب۔

۱۴۔ خَلِیْفَۃً: اس لفظ کی تشریح گزر چکی ہے۔ ہمارے سابقہ بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ خلیفۃ اللہ فی الارض سے مطلق نوع انسان مراد نہیں ہے بلکہ لوگوں کی رہنمائی اور ان کے مابین فیصلوں کے لئے خدا کی طرف سے مقرر کردہ پیشوا مراد ہیں جیسا کہ حضرت داؤدؑ کے سلسلے میں آیا ہے: یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ۔۔

۱۵۔ اَلْخِیَرَۃُ: خَارَ الشَّیْءَ عَلٰی غَیْرِہٖ خِیَرَۃً وَّخِیْرَۃً وَخَیْرًا ایک چیز کو دوسری چیز سے افضل قرار دینا۔

۱۶۔ وَطَرًا: وَطَرٌ وہ ضرورت جس کے لئے انسان کو اہتمام کرنا پڑے۔ جب اس کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے تو کہا جاتا ہے: قَضٰی وَطَرَہٗ

۱۷۔ اَدْعِیَآئِھِمْ: اَلْاَدْعِیَآءُ۔ اس کی واحد الدَّعِیُّ ہے یعنی وہ شخص جو کسی کی طرف منسوب ہو لیکن اس کے نطفے سے نہ ہو۔ لے پالک اس کا واضح ترین مصداق ہے۔

۱۸۔ سُنَّۃُ اللّٰہِ: وہ نظام جو خدا نے اپنی مخلوق کے لئے مقرر کیا ہے۔ سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا یعنی خدا کے وہ احکام اور شریعت جو خاتم الانبیاءؐ سے پہلے دوسرے انبیاءؑ پر نازل ہوئے۔

۱۹۔ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا: قَدَّرَ اللّٰہُ الْاَمْرَ بِمَقْدِرَۃٍ یعنی خدا نے اس امر کی تدبیر کی اور اس کو نافذ کرنے کا ارادہ کیا۔ قَدَرَ اللّٰہُ الرِّزْقَ یعنی خدا نے رزق تنگ کردیا۔

۲۰۔ جُذٰذًا: جَذَّ الشَّیْءَ جَذًّا اس نے چیز کو قطع کیا۔ جَذَّہٗ یعنی اس نے کسی چیز کو کاٹا یا توڑا۔ جُذَاذٌ یعنی کٹی ہوئی یا ٹوٹی ہوئی چیز۔

۲۱۔ فَتٰی: نوجوان۔ بھرپور جوان جو عالم شباب میں قدم رکھے۔ (جیسے لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ یعنی نہیں کوئی جوان مگر علیؑ) غلام اور کنیز کو بھی شفقت سے فتی کہا جاتا ہے۔

۲۲۔ نُکِسُوْا: نَکَسَ رَاْسَہٗ وَنَکَّسَ عَلٰی رَاْسِہٖ عاجزی اور فروتنی سے سر جھکا لیا۔

۲۳۔ اَلسِّقَایَۃَ: آبخورا۔ پانی کا کوزہ یا غلہ ناپنے کا پیمانہ

۲۴۔ اَلْعِیْرُ: لوگوں کا وہ گروہ جس کے پاس لدا ہوا سامان موجود ہو۔ مردوں اور اونٹوں کے قافلے کے لئے بھی یہی ایک لفظ "عِیْرٌ" بولا جاتا ہے۔

۲۵۔ صُوَاعَ: یہاں اس لفظ سے بادشاہ کا مرصع آبخورا مراد ہے۔

۲۶۔ زَعِیْمٌ: زعم یزعمُ زعماً و زعامۃً ضامن اور کفیل بنا۔ اس سے اسم فاعل "زعیم" ہے۔

تاویل آیات

ہم بعض آیات کی تاویل کی ابتداء لغوی معنی سے کریں گے۔ پھر ائمۂ اہلبیت علیہم السلام کی احادیث کی روشنی میں ان کی تاویل پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

۱۔ حضرت ابراہیمؑ کی بت شکنی: جب مشرکین نے حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا کہ کیا ہمارے بتوں کا یہ حشر تم نے کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا تھا: بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَاسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ○

حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول جھوٹ نہیں بلکہ توریہ تھا کیونکہ آپ نے شرط عائد کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "اگر یہ بول سکتے ہیں تو ان ہی سے پوچھ دیکھو۔"

چونکہ ان کے سارے بت بول نہیں سکتے تھے اس لئے یہ کارروائی بڑے بت کی نہیں تھی۔

اس انداز تکلم سے حضرت ابراہیمؑ نے مشرکین کو غفلت سے جگانے کی کوشش کی اور آپ اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے۔ کیونکہ بت پرست شرمندہ ہوکر کہنے لگے "تم جانتے ہو کہ یہ بول نہیں سکتے۔"

۲۔ حضرت یوسفؑ کی بھائیوں سے گفتگو: حضرت یوسفؑ کے چوب داروں نے ان کے حکم سے یہ منادی کی تھی کہ "اے قافلے والو! تم چور ہو۔" حضرت یوسفؑ کا یہ حکم جھوٹ پر مبنی نہیں تھا۔ حضرت کے حکم کا مقصد یہ تھا کہ "انہوں نے یوسفؑ کو اُن کے باپ سے چرایا تھا۔" جہاں تک مرصع آبخورے کی بات ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے انبار خانہ کے منشی نے نَفْقِدُ (گم ہوگیا ہے) کہا تھا۔ جھوٹ تو تب ہوتا جب وہ سُرِقَ (چوری ہوگیا ہے) کہتا۔ یہ کلام بھی توریہ پر مبنی تھا جیسا کہ ہمارے بیان سے واضح ہو چکا ہے۔

۳۔ ذنب رسول اکرمؐ کا مفہوم: خدا نے اپنے رسولؐ سے فرمایا: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ○ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ○ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ○ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ... (سورۂ فتح: آیت ۱۔۴)

لغوی تشریح

۱۔ فَتَحْنَا: اس آیت میں فتح سے مراد "صلح حدیبیہ"[1] ہے۔ خدا نے اس معاہدے کو فتح سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں قریش کی قوت پاش پاش ہوگئی اور اس معاہدے کی وجہ سے وہ آنحضرتؐ

☆ فتح کا لغوی اطلاق دراصل مشکلوں، بندشوں اور رکاوٹوں کے دور ہو جانے پر ہوتا ہے جیسا کہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے: الفتح: ازالة الاغلاق والاشکال۔ بندشوں کے دور ہونے اور مشکلوں کے چھٹ جانے میں کھل جانے کا مفہوم پنہاں ہے۔

[1] حدیبیہ وہی مقام ہے جسے آج کل شمیسی کہتے ہیں۔ جدہ کی طرف سے مکہ مکرمہ جائیں تو یہ عین حد حرم پر واقع ہے۔ مقام وہی ہے صرف نام بدل گیا ہے۔ مکہ مکرمہ سے اس کا فاصلہ بائیس تیئیس کلو میٹر ہے۔

کے خلاف چڑھائی کرنے سے باز آ گئے اور پھر تھوڑے ہی عرصے بعد مکہ فتح ہو گیا۔

۲۔ لِیَغْفِرَ: غفر چھپا دینا۔

۳۔ ذَنْبِکَ: راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ ذنب یعنی کسی چیز کی دم پکڑنا۔ مثلاً اَذْنَبْتُهُ کے معنی ہیں میں نے اس کی دم پکڑی۔ یہ لفظ ہر ایسے فعل کے لئے بولا جاتا ہے جس کا انجام بخیر نہ ہو۔ کسی چیز کی دم پکڑنے کے عمل کو مدنظر رکھ کر گناہ کو بھی ذَنْبٌ کہا جاتا ہے۔ ذَنْبٌ کی جمع ذُنُوبٌ ہے۔

آیات کی لغوی تاویل

صلح حدیبیہ کی شرائط بہت سے مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہیں تھیں۔ بقول واقدی حضرت عمرؓ نے جوش کے عالم میں رسول اکرمؐ سے پوچھا: یا رسول اللہؐ! کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟

رسول اکرمؐ نے فرمایا: کیوں نہیں۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا: پھر آپ ذلت آمیز شرائط کیوں تسلیم کر رہے ہیں؟۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں اس کے حکم کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کروں گا اور وہ بھی مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

اس کے باوجود حضرت عمرؓ، رسول اکرمؐ کے ساتھ جسارت آمیز گفتگو کرتے رہے۔ پھر انہوں نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ سے ملاقات کی اور ان سے بھی اس سلسلے میں بات کی مگر ان دونوں نے اُن سے اتفاق نہیں کیا۔ اس واقعے کے بعد حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ اس دن میرے دل میں رسالت کے بارے میں شک پیدا ہوا تھا اور میں نے رسول اکرمؐ سے ایسے تلخ سوالات کئے تھے جیسے بعد میں کبھی نہیں کئے۔[۱] صلح حدیبیہ کے بعد خدا نے سورۂ فتح نازل فرمائی جس میں رسول اکرمؐ اور مسلمانوں کو یہ بتایا گیا تھا کہ یہ "صلح" درحقیقت رسول اکرمؐ اور مسلمانوں کی "فتح" ہے۔

مشرکین مکہ کی نظر میں رسول اکرمؐ نے — تیرہ برس تک "مکہ میں" توحید کی دعوت دے کر اور ان کے معبودوں کا انکار کر کے — جرم اور گناہ کیا تھا۔ "ہجرت" کے بعد جنگ بدر کے مقتولین کا قتل اہل مکہ کی نظر میں رسول اکرمؐ کا ایک اور سنگین گناہ تھا۔

سورۂ فتح کی ابتدائی آیت بتاتی ہے کہ خدا نے اس صلح کے ذریعے اپنے حبیبؐ کے وہ تمام اگلے پچھلے گناہ ڈھانپ دیئے ہیں — جو مشرکین مکہ کی نظر میں آپ کے گناہ تھے یعنی تبلیغ اور جہاد — کیونکہ اب وہ لوگ

۱۔ مغازی واقدی ج ۱، صفحہ ۶۰۶ و ۶۰۷۔ اس مفہوم سے ملتی جلتی روایت صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۂ فتح، باب قولہ اذ یبایعونک تحت الشجرۃ، ج ۳، ص ۱۲۷ میں بھی ہے۔

ان باتوں کا تذکرہ کرنا چھوڑ دیں گے جن کو وہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ سمجھتے تھے۔ اس صلح کی وجہ سے ان باتوں پر پردہ پڑ چکا ہے۔ آیت میں رسول اکرمؐ کے ذمے کسی حقیقی گناہ کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ اس تبلیغ و جہاد کا تذکرہ ہے جسے مشرکین مکہ گناہ سمجھتے تھے۔ اور ایسے ہی جملے حضرت موسیٰؑ نے اپنے متعلق کہے تھے: وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ یعنی میں ان کی نظر میں مجرم ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے مار ہی نہ ڈالیں۔

جس طرح سے حضرت موسیٰؑ کا قتل قبطیوں کی نظر میں ان کا گناہ تھا اسی طرح سے حضرت محمد مصطفیٰؐ کی دعوت اور ان کا جہاد اہل مکہ کی نظر میں گناہ تھا۔

لغوی تاویل کی اتنی ہی بحث کافی ہے۔ اب ہم وارثان قرآن کی زبان مبارک سے ادا شدہ تاویل نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

تاویل آیات بزبان وارثان قرآن

شیخ صدوق رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ ایک مرتبہ مامون رشید نے امام علی رضاؑ سے مباحثہ کے لئے مسلمان، یہودی، عیسائی، مجوسی اور ستارہ پرست علماء کو اپنے دربار میں مدعو کیا۔ مسلمانوں میں سے علی بن جہم کو بلایا گیا تھا۔ وہ حرف آشنا امام علی رضاؑ سے جو تاویل قرآن سے آشنا تھے عصمت انبیاء کے موضوع پر مباحثہ کا آغاز کرتے ہوئے بولا:

فرزند رسولؐ! عصمت انبیاء کے متعلق آپ کا کیا عقیدہ ہے؟

امام علی رضاؑ نے فرمایا: ہم انبیاء علیہم السلام کو معصوم مانتے ہیں۔

علی بن جہم نے کہا: پھر ان آیات کا کیا مطلب ہے؟

(۱) وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى

(۲) وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ

(۳) لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا

(۴) وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ اور

(۵) وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ

"وارث قرآن" امام علی رضاؑ نے "قاری قرآن" علی بن جہم سے فرمایا: تف ہے تم پر۔ تم کو زیبا نہیں کہ انبیاء سے غلط باتیں منسوب کرو۔ خدا سے ڈرو اور اپنی رائے سے قرآن کی تاویل نہ کرو کیونکہ خدا نے کہا ہے: وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۷)

(۱) وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى کی حقیقت یہ ہے کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو زمین پر اپنی حجت اور

خلیفہ بنایا تھا۔ انہیں جنت میں رہنے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا تھا۔ اور یہ کہ ان سے جو معصیت ہوئی وہ جنت میں ہوئی تاکہ مقدرات الٰہی کی تکمیل ہو سکے۔ جب وہ زمین پر خدا کے خلیفہ ہوئے تو انہوں نے کوئی معصیت نہیں کی۔ چنانچہ خدا نے ان کو منتخب فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ... (سورۂ آل عمران: آیت ۳۳)

(۲) وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت یونسؑ کو یہ خیال گزرا کہ خدا ان پر رزق تنگ نہیں کرے گا۔ کیا تم نے خدائے عزوجل کا یہ ارشاد نہیں سنا وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ جب خدا انسان کو آزماتا ہے تو اس پر رزق تنگ کر دیتا ہے۔ (سورۂ فجر: آیت ۱۶) اور اگر حضرت یونسؑ یہ خیال کرتے کہ خدا کو ان پر قابو حاصل نہیں تو وہ نبی کی بجائے کافر ہو جاتے۔

(۳) لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا کی حقیقت یہ ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسفؑ کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کر لیا تھا اور حضرت یوسفؑ نے بھی یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اگر زلیخا نے ان کو مجبور کیا تو وہ اسے قتل کر دیں گے۔ خدا نے ان پر احسان کیا اور ان کو قتل اور بدکاری دونوں سے بچا لیا۔ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ یعنی ہم نے اپنی تدبیر سے ان کے لئے برائی کا رخ موڑ دیا۔ اس آیت میں اَلسُّوْٓءَ سے مراد قتل اور وَالْفَحْشَآءَ سے مراد زنا ہے۔

پھر امام علی رضاؑ نے علی بن جہم سے پوچھا کہ حضرت داؤدؑ کے متعلق تم لوگ کیا کہتے ہو؟

علی بن جہم بولا: کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت داؤدؑ محراب میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ابلیس ایک خوبصورت پرندے کی شکل میں نمودار ہوا۔ حضرت داؤدؑ نے نماز توڑ دی اور اسے پکڑنے بھاگے۔ وہ پرندہ ایک گھر کی طرف گیا۔ آپ بھی اس کے پیچھے پیچھے گئے۔ وہ اڑ کر چھت پر جا بیٹھا۔ آپ اس کو پکڑنے کے لئے چھت پر چڑھے۔ پھر وہ چھت سے اڑ کر اوریا کے گھر کے صحن میں جا بیٹھا۔ حضرت داؤدؑ نے جو ادھر دیکھا تو دیکھا کہ اوریا کی بیوی نہا رہی ہے۔ اس عورت کو دیکھ کر آپ دل ہار بیٹھے۔ اس وقت اوریا محاذ جنگ پر گیا ہوا تھا۔ حضرت داؤدؑ نے سالار لشکر کو لکھا کہ اوریا کو لشکر کے آگے آگے رکھو۔ سالار لشکر نے حکم کی تعمیل کی مگر اوریا کو اس جہاد میں فتح اور مشرکین کو شکست ہوئی۔ یہ بات حضرت داؤدؑ کو گراں گزری۔ انہوں نے سالار لشکر کو دوبارہ لکھا کہ تم اوریا کو تابوت کے آگے رکھو۔ اب کی بار اوریا قتل ہو گیا۔ اوریا کے قتل کے بعد حضرت داؤدؑ نے اس کی بیوہ سے نکاح کر لیا۔

علی بن جہم کا یہ جواب سن کر امام علی رضاؑ نے اپنا ہاتھ ماتھے پر مارا اور فرمایا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پھر آپ نے فرمایا: تم نے کہا کہ حضرت داؤدؑ نماز چھوڑ کر ایک پرندے کو پکڑنے کے لئے بھاگے۔ تم نے اس فسانے میں خدا کے نبی کی نماز کی توہین کی ہے۔ پھر تم نے خدا کے نبی پر یہ الزام لگایا کہ وہ دوسرے کی بیوی کو دل دے بیٹھے۔ پھر تم نے خدا کے نبی پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے ایک مومن کے قتل کی سازش کی۔

علی بن جہم نے کہا: فرزند رسولؐ! پھر آپ بتائیں کہ حضرت داؤدؑ نے کون سی خطا کی تھی؟

امام علی رضاؑ نے فرمایا: ایک بار حضرت داؤدؑ کو یہ گمان گزرا کہ وہ خلق میں سب سے بڑے عالم ہیں چنانچہ خدا نے ان کے پاس دو فرشتوں کو انسانی صورت میں بھیجا جو دیوار پھاند کر ان کی محراب میں آ گئے۔ ان میں سے ایک نے آپ کے سامنے استغاثہ پیش کیا کہ **خَصْمَانِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ** ... جیسے ہی مدعی کا بیان تمام ہوا حضرت داؤدؑ نے فریق ثانی کا موقف سنے بغیر فوراً یہ فیصلہ سنا دیا: **لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ** اس نے تمہاری دنبی مانگ کر تم پر ظلم کیا ہے۔

انصاف کرنے کا یہ طریقہ درست نہیں تھا۔ درست طریقہ یہ تھا کہ آپ مدعی سے گواہ طلب کرتے اور فریق ثانی کا موقف بھی سنتے۔ بس یہ بات تھی۔ تم نے حضرت داؤدؑ سے جو افسانہ منسوب کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیا اس قضیے کے بیان کے آخر میں تمہیں یہ آیت دکھائی نہیں دیتی **يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ**... اے داؤدؑ! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ آپ لوگوں کے مابین انصاف سے فیصلہ کیا کریں۔

علی بن جہم نے کہا: فرزند رسولؐ! پھر اوریا کی بیوہ کا کیا قصہ ہے؟

امام علی رضاؑ نے فرمایا: حضرت داؤدؑ کے زمانے میں یہ دستور تھا کہ جس عورت کا شوہر مر جاتا یا قتل ہو جاتا اس کی بیوہ عقد ثانی نہیں کرتی تھی۔ اوریا کی موت کے بعد خدا نے بیوگان سے نکاح کی ترغیب دینے کے لئے حضرت داؤدؑ کو حکم دیا کہ وہ اس دستور کا خاتمہ کریں اور اوریا کی بیوہ سے نکاح کریں۔ چنانچہ اس سماج سے حضرت داؤدؑ نے اس دستور کو ختم کرنے کے لئے اوریا کی بیوہ سے نکاح کیا۔ حضرت داؤدؑ کا یہ عمل لوگوں کو ناگوار گزرا... الحدیث۔[1]

حضرت داؤدؑ کے متعلق اس افسانے کے ضمن میں حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: اگر میرے پاس ایسا شخص لایا جائے جو یہ کہتا ہو کہ حضرت داؤدؑ نے اوریا کی بیوی سے نکاح کیا تھا تو میں اس پر دو حدیں جاری کروں گا۔ ایک عصمت نبوت کو پامال کرنے کی حد اور دوسری قذف کی حد۔[2]

حضرت امیر المومنینؑ کے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ جس نے حضرت داؤد علیہ السلام اور اوریا کی بیوی کا افسانہ بیان کیا جیسا کہ افسانہ خواں بیان کرتے ہیں تو میں اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا۔

ایک اور روایت میں حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: یہ انبیائے کرام پر بہتان تراشی کی سزا ہے۔[3]

امام جعفر صادقؑ سے بھی پہلی روایت جیسی ایک روایت ملتی ہے۔

۱۔ بحار الانوار، ج ۱۱، ص ۷۳۔ بحوالہ امالی، شیخ صدوق، ص ۵۵، جدید ایڈیشن، ص ۹۰۔ عیون الاخبار، ج ۱، ص ۱۹۳۔

۲۔ تفسیر مجمع البیان۔ تفسیر نور الثقلین، تنزیہ الانبیاء از سید مرتضیٰ علم الہدیٰ، ص ۹۲۔

۳۔ تفسیر خازن، ج ۴، ص ۳۵۔ تفسیر کبیر رازی، ج ۲۵، ص ۱۹۲۔ تفسیر نور الثقلین، ج ۴، ص ۴۳۶۔

ایک اور روایت میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ حضرت داؤدؑ کے زمانے میں بیوہ عورتیں عقد ثانی نہیں کرتی تھیں۔ جب اوریا قتل ہوا اور اس کی بیوہ کی عدت پوری ہوئی تو حضرت داؤدؑ نے اس سے نکاح کیا۔ لوگوں کو ان کا یہ عمل ناگوار گزرا۔[۱]

تفسیر قمی کی روایت کا جواب

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ تفسیر قمی جو شیعہ تفسیر ہے اس میں بھی یہ روایت موجود ہے کہ:

''ایک مرتبہ حضرت داؤدؑ اپنی محراب میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک پرندہ ان کے سامنے آ گرا حضرت داؤدؑ کو وہ پرندہ بہت بھلا معلوم ہوا۔ آپ کو نماز یاد نہ رہی اور آپ اسے پکڑنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ پرندہ اڑ کر حضرت داؤدؑ اور اوریا کی مشترکہ دیوار پر جا بیٹھا۔ حضرت داؤدؑ پرندے کو پکڑنے کے لئے دیوار پر چڑھے تو آپ کو دوسری طرف ایک عورت نظر آئی جو نہا رہی تھی۔ جب عورت نے حضرت داؤدؑ کا سایہ دیکھا تو اس نے بال کھول کر اپنا بدن ڈھانپنے کی کوشش کی۔ حضرت داؤدؑ اس کو دیکھتے ہی دل ہار گئے۔ پھر آپ اپنی محراب میں واپس آ گئے۔ اس کا شوہر اوریا جہاد پر گیا ہوا تھا۔ حضرت داؤدؑ نے سالار لشکر کو لکھا کہ وہ فلاں فلاں جگہ جائیں اور اپنے اور دشمنوں کے درمیان تابوت رکھیں اور اوریا کو تابوت کے آگے رکھیں۔ چنانچہ سالار لشکر نے آپ کے حکم کی تعمیل میں اوریا کو تابوت کے آگے رکھا جس کے نتیجے میں اوریا قتل ہو گیا اور حضرت داؤدؑ نے اس کی بیوہ سے نکاح کر لیا۔''[۲]

اس کے جواب میں عرض ہے کہ اس روایت کے راوی نے کتب خلفا کی بیان کردہ متعدد روایات کو جمع کیا ہے۔ اس نے اپنے خیال سے متاثر ہو کر کچھ باتوں کا اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔ پھر اس نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے۔ اور اب ہم یہاں سند روایت سے تعرض کئے بغیر متن روایت کا جائزہ لیتے ہیں۔

(۱) امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ جب دو متعارض احادیث وارد ہوں تو اہلسنت کی روایات کو چھوڑ دو۔[۳]

(۲) امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ کے متعلق تراشی گئی روایت کا اہلبیتؑ نبوت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ راوی نے کہا: حضرت داؤدؑ اور اوریا کی بیوی کے بارے میں لوگ جو کہتے ہیں اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: اہلسنت کے لوگ یہ بات کہتے ہیں۔[۴]

۱۔ بحار الانوار، ج ۱۴، ص ۲۳۔ تفسیر نور الثقلین، ج ۴، ص ۳۴۶۔ بحوالہ عیون الاخبار۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۱۴، ص ۲۰۔ بحوالہ تفسیر علی بن ابراہیم قمی، ص ۵۶۲۔ کتاب الاسرائیلیات و الرھا فی کتب التفسیر، ص ۲۳۳، طبع بیروت، پہلا ایڈیشن۔

۳۔ معالم المدرستین، ج ۳، ص ۳۲۵، پانچواں ایڈیشن۔

۴۔ بحار الانوار، ج ۱۴، ص ۲۶۔

اس حدیث میں امام جعفر صادق نے واضح فرمایا ہے کہ مذکورہ قصے کا تعلق جمہور سے ہے یعنی کتب خلفاء سے وابستہ افراد اس قصے کے راوی ہیں اور وہی اس پر اعتقاد بھی رکھتے ہیں۔

اس طرح کی روایات کا نام ہم نے **روایات منتقلہ** رکھا ہے یعنی ایسی روایات جو کتب خلفاء سے منتقل ہو کر کتب اہلبیتؑ میں در آئی ہیں۔[1]

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق مذکورہ افسانے کا جب ہم کتب خلفاء کی کتب تاریخ و تفسیر سے ماخذ تلاش کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات دکھائی دیتی ہے کہ اس روایت کے راویوں نے اس قصے کی نسبت رسول اکرمؐ کی طرف نہیں دی اور یہ نہیں کہا کہ رسول اکرمؐ نے ایسا ایسا فرمایا ہے۔

زیادہ سے زیادہ اس سلسلے کی صرف ایک روایت ایسی ملتی ہے جس میں اس واقعے کی نسبت رسول اکرمؐ کی طرف بیان کی گئی ہے۔ اس کے متعلق ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ سیوطی نے اس روایت کو یزید رقاشی کی سند سے انس بن مالک اور رسول اکرمؐ سے نقل کیا ہے۔ یزید رقاشی کے متعلق ہم پہلے بتا چکے ہیں۔

جہاں تک حضرت زید بن حارثؓ اور حضرت زینبؓ کے نکاح کا مسئلہ ہے تو زیدؓ کے نکاح میں بھی مصلحت تھی۔ اور جب رسول اکرمؐ نے ان کی مطلقہ سے نکاح کیا تو اس میں بھی مصلحت تھی۔

رسول اکرمؐ نے حضرت زینب بنت جحش سے حضرت زیدؓ کا نکاح اس لئے کیا تھا کہ قریش اپنے آپ کو حسب نسب میں دوسروں سے برتر سمجھتے تھے۔ حضرت رسول اکرمؐ نے حضرت زیدؓ کا حضرت زینبؓ سے نکاح کر کے دنیا کو یہ سبق دیا کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ حسب نسب کی وجہ سے کسی کو کسی پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ اور جب حضرت زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دی تو رسول اکرمؐ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کر کے متبنیٰ گیری کی قدیم رسم کو ختم کر دیا اور آپ کی ذات بابرکات سے یہ اصلاح شروع ہوئی۔

اگر حضرت داؤدؑ اوریا کی بیوہ "بت سبع" سے عقد کر کے رسم جاہلیت کو اسلامی قانون سے نہ بدلتے تو بنی اسرائیل کی بیوہ عورتیں ہمیشہ عقد ثانی سے محروم رہتیں۔ اسی طرح سے اگر رسول اکرمؐ حضرت زیدؓ کی مطلقہ سے عقد نہ کرتے اور متبنیٰ گیری کی رسم کو ختم نہ کرتے تو قیامت تک یہ رسم جاری رہتی۔

الغرض دونوں انبیاءؑ نے اپنے اپنے کردار سے جاہلیت کے قانون کو ختم کیا اور اس کی جگہ اسلامی قانون متعارف کرایا۔ رسول اکرمؐ نے دور جاہلیت میں جاری سود کے قانون کو ختم کیا اور دور جاہلیت میں بہائے گئے خون کا انتقام لینے کے قانون کو ختم کیا اور اسلامی قانون کو جاری کیا۔ حجۃ الوداع کے دن رسول اکرمؐ نے فرمایا تھا:

"میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلبؓ کے سود کو ختم کرتا ہوں۔" (نیز) "میں اپنے چچا زاد ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون معاف کرتا ہوں۔"[2]

---

1. تفصیل کے لئے دیکھیں القرآن الکریم و روایات المدرستین جلد دوم۔
2. سیرت ابن ہشام، ج ۴، ص ۲۷۵، طبع مصر ۱۳۵۶ھ۔ درذکر خطبہ حجۃ الوداع۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی اوریا کی بیوہ سے شادی اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب زید بن حارثہ کی مطلقہ سے شادی کی اصل حقیقت یہی تھی جو ہم نے بیان کی ہے لیکن ہم نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اسرائیلی روایات مختلف ذرائع سے اسلامی مصادر میں شامل ہو چکی ہیں جن کی وجہ سے حق کا چہرہ دھندلا گیا ہے اور تحقیق کرنے والوں کے لئے حق و صداقت تک رسائی مشکل ہو گئی ہے۔ مذکورہ روایات کی وجہ سے حق کو باطل اور باطل کو حق بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی۔ انبیاء کے خلاف زبان درازی پر مبنی روایات پھیلانے میں اموی حکمرانوں مثلاً یزید بن معاویہ ☆ اور مروانی حکمرانوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ وہ انتہائی عیاش لوگ تھے۔ انہوں نے اپنی عیاشی کو جواز فراہم کرنے کے لئے انبیائے کرامؑ کی کردار کشی کی کوشش کی تا کہ کوئی مسلمان انہیں ٹوک نہ سکے اور اگر کسی مسلمان کو غیرت ملی سے یہ مجال ہو جائے تو ان افسانوں کے ذریعے اس کا منہ بند کر دیا جائے۔

بہ مصطفیٰؐ بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

اقبالؔ

☆ یعقوبی اور بعض دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ جس سال معاویہ نے یزید کو بلاد روم کی فتح کے لئے بھیجا تھا اسلامی لشکر ''غذقذونہ'' پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ وہاں عیسائیوں کی ایک خانقاہ تھی جس کا نام ''دیر مران'' تھا۔ یزید اس خانقاہ میں ام کلثوم نامی ایک عورت کے ساتھ داد عیش دیتا تھا۔ اسی دوران میں چیچک کی وبا پھوٹ پڑی اور مسلمان لشکری خزاں دیدہ پتوں کی طرح مرنے لگے۔ ہر چند لوگوں نے اصرار کیا کہ یہاں سے جلد از جلد کوچ کرنا چاہیے لیکن یزید نے کسی کی بات پر کان نہیں دھرا بلکہ کچھ شعر کہے جن کا مطلب یہ تھا کہ جب تک ام کلثوم میری آغوش میں ہے مجھے کسی کی پروا نہیں، کچھ بھی ہوا کرے مجھے کیا غم۔

یزید سے شراب کی تعریف میں بھی بیہودہ اشعار منقول ہیں۔ یزید کو عیاشی اور خوش گزرانی کے سوا کسی چیز سے سروکار نہ تھا۔ وہ اپنا بیشتر وقت عیسائیوں کی خانقاہوں میں گزارتا تھا جو اس زمانے میں پانچویں کالم کا درجہ رکھتی تھیں۔ لہو و لعب میں اسے اس درجہ مشغولی تھی کہ خود معاویہ نے اسے سرزنش کی تھی۔ قلقشندی نے صبح الاعشیٰ (جلد ۲ صفحہ ۳۸۷) میں نقل کیا ہے کہ جب بار بار یہ اطلاع ملی کہ یزید عیش و عشرت میں پڑا ہوا ہے تو معاویہ نے اسے لکھا:

''میرے کانوں تک جو تیرے متعلق خبروں کے مشتاق رہتے ہیں واضح طور پر ایسی خبریں پہنچی ہیں جو مایوس کن ہیں اور جن سے صدمہ ہوا۔ سنا ہے تو نے معیوب روش اختیار کر لی ہے اور فضائل و مکارم کے حصول کی جگہ غلط کاریوں میں مبتلا ہو گیا ہے۔ کاش تو جب ہوا تھا تب ہی نہ ہوتا۔'' اس خط سے یزید کی سیرت و کردار پر خاطر خواہ روشنی پڑتی ہے۔

نبیوں اور ان کی امتوں کے معرکے

آسمانی شریعتوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے مقابلے میں آنے والے ظالم و جابر اور سرکش افراد کے نظریات کا محور "خلاقیت" نہیں "ربوبیت" تھی۔

انبیائے کرامؑ کی مخاطب اقوام کی اکثریت یہ مانتی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام موجودات کا خالق ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ خالق کائنات کو کسی دوسرے نام سے پکارتے ہوں مثلاً یہود اللہ کو یہودہ کہتے ہیں۔

دنیا کی اکثر اقوام کی طرح مشرکین عرب بھی اللہ تعالیٰ کو ہی ارض و سماء کا خالق سمجھتے تھے جیسا کہ قرآن ان کے متعلق بتاتا ہے: وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ○ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ یقیناً یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ (سورۂ لقمان: آیت ۲۵) وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ○ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ یقیناً یہی کہیں گے کہ انہیں غالب اور علیم نے پیدا کیا ہے۔ (سورۂ زخرف: آیت ۹) وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَأَنّٰى يُؤْفَكُونَ ○ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ خود انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو وہ یقیناً یہ کہیں گے کہ اللہ نے۔ تو پھر یہ کہاں بہکے جا رہے ہیں؟ (سورۂ زخرف: آیت ۸۷)

ہم اپنی بحث کا آغاز حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے معرکے سے کرتے ہیں کیونکہ اس معرکہ سے مختلف مطالب واضح ہوتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا معرکہ

قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر حضرت موسیٰؑ اور ان کے دور کے طاغوت فرعون کا ذکر کیا گیا ہے اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب موسیٰؑ نے دربار میں پہنچ کر فرعون کو دعوت اسلام دی اور انہوں نے اس کے مطالبے پر عصا اور ید بیضاء کے معجزات بھی دکھائے تو فرعون نے عمائدین مصر کا اجلاس بلایا اور ان سے کہا: أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں۔ (سورۂ نازعات: آیت ۲۴)

فرعون کا مقصد یہ تھا کہ مثلاً جب ایک مرغی کے لئے کسی "رب" کی ضرورت ہے جو اس کا مالک ہو اور اسے پالے یعنی دانہ ڈالے اور پانی پلائے تو اس طرح کی تمام خصوصیات اس (فرعون) میں بھی ہیں۔

اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَ ھٰذِہِ الْاَنْھٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ... کیا مصر کی حکومت میری نہیں ہے اور کیا (نیل کی) یہ نہریں جو میرے (حکم کے تحت) بہہ رہی ہیں میری نہیں ہیں۔ (سورۂ زخرف: آیت ۵۱)

فرعون نے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ ملک مصر کی تمام چیزیں اس کے کنٹرول میں تھیں۔ اسے یہ زعم تھا کہ لوگوں کا آب و دانہ اس کے کنٹرول میں ہے۔ وہ جب چاہے لوگوں کا پانی کاٹ دے اور روزی بند کر دے چنانچہ لوگوں کی زندگی کے فیصلے کرنے کا حق اس کا ہے۔ لوگ اپنے مقدمے فیصل کرانے اسی طاغوت[1] کے پاس جاتے تھے۔ اس کے دماغ میں یہ خناس سما گیا تھا کہ وہ لوگوں کا "رب" ہے لہٰذا اس کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ دین یعنی قانون ہے چنانچہ لوگوں کو اس کا حکم کو ماننا چاہیے خواہ وہ یہ حکم دے کہ بنی اسرائیل قبطیوں کی خدمت کریں اور خواہ یہ حکم دے کہ بنی اسرائیل کے نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کر دیا جائے اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیا جائے۔ کسی کو اس کے اس ظلم کے آگے لب کشائی کا حق نہیں۔ فرعون نے کبھی الوہیت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اس نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ میں نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے۔[2] وہ یہی کہتا تھا کہ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی یعنی میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں۔ میری مرضی کے بغیر پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ میرے حکم کے بغیر کوئی سانس نہیں لے سکتا۔ حکم میرا ہے۔ فیصلہ میرا ہے۔ اختیار میرا ہے۔ اس لئے میرے دین و قانون اور میرے نظام کو مانو۔[3]

اب دیکھیں اس کے دعویٰ ربوبیت کے مقابلے میں حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی حضرت ہارونؑ کیا پیغام لائے تھے۔ خدا نے ان دونوں بھائیوں سے خطاب کرتے ہوئے ان کی رسالت کا مقصد واضح کر دیا تھا۔ اِذْھَبَا اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی... ○ فَاْتِیٰہُ فَقُوْلَا اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّکَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَلَا تُعَذِّبْھُمْ قَدْ جِئْنٰکَ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکَ... تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ یقیناً وہ سرکش ہو چکا ہے... تم جا کر اس سے کہو

☆ طاغوت کے معنی ہیں وہ خودسر جو اپنی حد سے تجاوز کر جائے۔ مستبد اور ڈکٹیٹر کے الفاظ جو یونانی فلاسفر اور علمائے عمرانیات نے ایجاد کئے ہیں اور اب بھی استعمال ہوتے ہیں ان سے یہ لفظ زیادہ جامع ہے کیونکہ مستبد جس کے معنی ہیں خودسر حاکم، تو ممکن ہے کہ وہ خود اپنے ہی اوپر حکومت کرتا ہو اور اپنی ہی خواہشات کو دبا کر رکھتا ہو۔ مگر طاغوت وہ خودسر اور سرکش ہے جو تمام معاشرتی حدود سے تجاوز کر جائے اور سب کے حقوق پامال کرے۔ اس کی نفسانی اور شہوانی خواہشات اس قدر حد سے بڑھ جائیں کہ وہ تمام حدوں کو توڑ ڈالے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ طاغوت سے مراد بت ہے۔ یہ درست ہے کہ بت بھی طاغوت کا ایک مصداق ہے لیکن یہ معنی نفسِ لغت کے لحاظ سے کچھ زیادہ صحیح نہیں، نہ عام طور پر یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ سورۂ نساء کی ساٹھویں آیت میں ارشاد باری ہے: یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ یعنی یہ لوگ اپنے مقدمے طاغوت کے پاس لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اس کو نہ مانیں۔ اگر طاغوت سے مراد بت ہو تو کوئی اپنا مقدمہ فیصلے کے لئے بت کے پاس نہیں لے جاتا۔ معلوم ہوا کہ اس سے مراد بت نہیں۔ (گفتار عاشورا مطبوعہ جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان میں آیت اللہ محمود طالقانی کی تقریر سے اقتباس)۔

☆ تفسیر میزان (فارسی) ج ۸، ص ۳۱۷ پر علامہ طباطبائیؒ "فرعون کا کیا مسلک تھا" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں: فرعون دہریہ اور وجود صانع کا منکر تھا۔ وہ "ستاروں" کو اس جہان آب و گل کا مدبر مانتا تھا اور خود کو لوگوں کا مدبر اور مربی کہتا تھا۔

☆ آج کے سرمایہ دار ممالک جو چھوٹے ملکوں کو Subjugate کر رہے ہیں اور دنیا کا 80% سے زائد سرمایہ رکھنے والی ملٹی نیشنل کمپنیاں منڈیوں کو Capture کرنے کے لئے جو World Order نافذ کرنا چاہتی ہیں وہ فرعونیت کا ہی اظہار ہے۔

کہ بلاشبہ ہم دونوں تیرے رب کے پیغامبر ہیں۔ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ روانہ کر اور انہیں آزار نہ دے۔ ہم تیرے رب کی طرف سے تیرے پاس نشانی لے کر آئے ہیں... (سورۂ طٰہٰ: آیت ۴۳ و ۴۷)

ان آیات میں لفظ ربّ دو دفعہ آیا ہے گویا رب جلیل نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ سے یہ فرمایا: اے موسیٰؑ و ہارونؑ! تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اسے جا کر یہ بتاؤ کہ جس رب نے تجھے پیدا کیا ہے اور جو تیرا روزی رساں ہے ہم اسی کے حکم سے تجھے یہ سمجھانے آئے ہیں کہ تو نے جو ربوبیت کا دعویٰ کر رکھا ہے وہ سراسر غلط ہے۔ ہم اپنے دعویٰ کی صداقت کے لئے اپنے رب کی طرف سے نشانی بھی لائے ہیں۔

فرعون نے خدا کی نشانیاں دیکھیں۔ اس کے بعد اس نے حضرت موسیٰؑ سے مباحثہ کرتے ہوئے کہا: اگر تم دونوں میری ربوبیت کو نہیں مانتے اور سمجھتے ہو کہ میرے سوا کوئی اور رب بھی ہے اور ہمیں نظام حیات اسی سے لینا چاہئے تو مجھے بتاؤ تو سہی کہ وہ رب کون ہے؟ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يَا مُوْسٰى ۝ اے موسیٰؑ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۴۹)

یہ سن کر حضرت موسیٰؑ نے فرمایا: رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ۝ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو مناسب خلقت عطا کی ہے۔ پھر ہدایت بھی دی ہے۔ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۵۰) یعنی ہمارا رب وہ ہے جس نے چیزوں کو بنانے کے بعد سرگرداں نہیں چھوڑا بلکہ ان کی بقا اور ارتقا کی راہ بھی معین کر دی ہے۔ اسی فطری ہدایت کو خدا نے سورۂ اعلیٰ میں فَسَوّٰی (قبول ہدایت کی استعداد) سے تعبیر فرمایا ہے۔ وَالَّذِیْ قَدَّرَ یعنی "وہی خدا ہے جس نے زندگی کے پیمانے مقرر کیے ہیں۔" فَهَدٰی یعنی "اسی خدا نے ہر چیز کو اس کی فطرت اور ماحول کے مطابق ہدایت دی ہے۔" اسی نے چاند سورج کو "تسخیری" ہدایت دی ہے چیونٹی اور ہاتھی کو "فطری" ہدایت دی ہے اور انسان کو انبیاء کے ذریعے "شریعتی" ہدایت سے بہرہ مند فرمایا ہے۔

جب حضرت موسیٰؑ نے اپنے رب کا جامع تعارف پیش کیا تو فرعون نے اپنا بھرم رکھنے کے لئے حضرت موسیٰؑ کے استدلال میں شبہ پیدا کرتے ہوئے کہا: فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی ۝ پھر ان لوگوں کا کیا ہوگا جو پہلے گزر چکے ہیں؟ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۵۱) دراصل فرعون کا اعتراض یہ ہے کہ اے موسیٰؑ! اگر تمہاری بات سچی ہے کہ رب وہی ہے جو انبیاء کے ذریعے لوگوں کے لئے "قانون اور دین" نازل کرتا ہے تو تم تو اب رسول بن کر آئے ہو۔ تم سے پچھلی قوموں کا کیا ہوگا؟ ان کے پاس تمہارے رب کے کون سے رسول آئے تھے؟

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَی ۝ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَکَ لَکُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی ۝ کُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَکُمْ...

حضرت موسیٰؑ نے کہا! ان باتوں کا علم میرے رب کے پاس اس کی کتاب میں محفوظ ہے۔ وہ نہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو گہوارا بنایا اور اس میں تمہارے لئے راستے بنائے۔ اور اس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس سے انواع و اقسام کے نباتات کے جوڑے اگائے کہ تم بھی کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو بھی چراؤ۔ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۵۲-۵۴)

اپنے استدلال کے اختتام پر حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے اس دعوے کی "کیا مصر کی حکومت میری نہیں ہے اور کیا (نیل کی) یہ نہریں جو میرے (محل کے) نیچے بہہ رہی ہیں میری نہیں ہیں۔" پرزور تردید کی۔

آپ نے نے فرمایا اے لوگو! فرعون کے دعوے سے دھوکا نہ کھاؤ۔ یہ تمہارا رب نہیں ہے۔ تمہارا رب وہ ہے جس نے زمین کا فرش بچھایا اور اسے تمہارے لئے گہوارا بنایا اور اس میں چلنے کے لئے راستے مقرر کئے۔ پوری زمین بشمول ملک مصر بلا شرکت غیرے اسی خداوند تعالیٰ کی ہے جو خود لاشریک ہے۔ فرعون کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ مصر کے دریا اس کے حکم سے بہہ رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا آسمان سے بارش برساتا ہے جس کے پانی سے سب دریا بہتے ہیں۔ نیل بھی باقی دریاؤں کی طرح سے ایک دریا ہے۔ اگر بالفرض نیل فرعون کے دم قدم سے بہتا ہے تو باقی دریا کس کے حکم سے بہہ رہے ہیں؟ خدا ہی اس پانی کے ذریعے زمین سے نباتات اگاتا ہے جس سے انسان اور حیوان دونوں مستفید ہو رہے ہیں۔

الغرض حضرت موسیٰؑ نے تبلیغ کا حق ادا کیا اور فرعون کے سامنے آیات تکوین اور اپنی نبوت کے معجزات پیش کئے: وَلَقَدْ اَرَیْنَاهُ آیَاتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَ اَبٰی ○ اور ہم نے فرعون کو اپنی تمام نشانیاں دکھائیں مگر اس نے انہیں جھٹلایا اور انکار کیا۔ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۵۶)

پھر اس نے لوگوں کو دھوکا دینے اور اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے کے لئے کہا: اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَا مُوْسٰی ○ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَا اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ○ (اے موسیٰؑ!) کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ اپنے جادو کے زور سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دو۔ ہم بھی تمہارے مقابلے میں ایسا ہی جادو لائیں گے۔ پس ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کرلو کہ نہ تو ہم اس کے خلاف کریں اور نہ تم۔ اور (یہ مقابلہ) کھلے میدان میں ہو۔ (سورۂ طٰہٰ آیت ۵۷و۵۸)

فرعون نے اس طرح حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کو یہ پیغام دیا کہ تم لوگ یہاں ہمارے بعد آکر آباد ہوئے ہو اور ہم فرزند زمین ہیں۔ یہ زمین صدیوں سے ہماری اور ہمارے بزرگوں کی جاگیر ہے۔ اب تم ہمیں ہماری آبائی سرزمین سے بیدخل کر کے اس پر قبضہ کرنا چاہتے ہو۔ فرعون نے جہاں ان الفاظ سے بنی اسرائیل کو ان کی ہجرت کا طعنہ دیا وہاں اس نے عمائدین قوم کے جذبات کو بھی حضرت موسیٰؑ کے خلاف ابھارنے کی کوشش کی۔ پھر اس نے عصا اور ید بیضاء کے معجزات کے متعلق کہا کہ ہم ان سے ذرہ برابر بھی متاثر نہیں ہیں کیونکہ یہ ایک جادو ہے اور ہم اس کا توڑ جادو سے پیش کر کے تمہیں لاجواب کر دیں گے۔

اس زمین میں جادو عام تھا اور فرعون کو ماننے والے بہت سے لوگ جادو جانتے تھے۔ جادو نظر اور احساس کا فریب ہوتا ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ جس طرح خدا نے حضرت ابراہیمؑ کے لئے آگ کو گلزار کیا تھا اسی طرح اس نے حضرت موسیٰؑ کو بھی معجزے عطا کئے تھے لیکن لوگوں کی اکثریت حق و باطل اور تخیل اور حقیقت کا فرق سمجھ نہیں پاتی۔

فرعون لوگوں کے اس مزاج کو سمجھتا تھا اس لئے اس نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ تم مقابلے کے لئے ایک دن مقرر کرلو تا کہ اہل شہر جادوگروں کے شعبدوں اور تمہارے معجزے کو دیکھ کر خود فیصلہ کریں کہ تمہارے معجزے کی کیا حقیقت ہے۔ہم چاہتے ہیں کہ یہ مقابلہ کھلے میدان میں ہوتا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کو دیکھیں
قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَ اَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ○ (موسیٰؑ نے) کہا کہ زینت کا دن طے کیا جاتا ہے۔ لوگ اس دن چاشت کے وقت جمع ہو جائیں۔ (سورۂ طہٰ: آیت ۵۹) حضرت موسیٰؑ نے مقابلے کیلئے یوم زینت یعنی عید کا دن چنا کیونکہ اس دن عام تعطیل ہوتی تھی اور بڑے بڑے میدانوں میں لوگ جشن مناتے تھے۔
فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ○ یہ سن کر فرعون چلا گیا اور شعبدہ بازی کا سامان جمع کر کے پھر آیا۔ (سورۂ طہٰ: آیت ۶۰)

خدا نے سورۂ شعراء میں بھی حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی گفتگو کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے:
فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَا اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ... قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ○ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ○ قَالَ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ○ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ○ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے نمائندے ہیں ...فرعون نے کہا کہ عالمین کا رب کون ہے؟ موسیٰؑ نے کہا کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے ان سب کا مالک بشرطیکہ تم اس کا یقین کرو۔ فرعون اپنے درباریوں سے بولا کہ کیا تم اس کی یہ (عجیب) باتیں سن رہے ہو؟ موسیٰؑ نے کہا کہ وہ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے باپ دادا کا بھی رب ہے۔ (فرعون نے) کہا کہ یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے پاگل ہے۔ (مگر) موسیٰؑ (رکے نہیں بلکہ) بولے کہ وہ مشرق و مغرب اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سب کا رب ہے بشرطیکہ تم غور کرو۔ (سورۂ شعراء آیت ۱۶ اور ۲۳ تا ۲۸)

اس کے بعد فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے معجزہ طلب کیا۔ آپ نے اس کے سامنے عصا اور ید بیضاء کا معجزہ پیش کیا۔ اس کے بعد کی سرگزشت قرآن مجید نے یوں بیان فرمائی ہے:
قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ○ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ○ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ○ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ○ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ○ وَّ قِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ○ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ○ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ○ قَالَ نَعَمْ وَ اِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ○ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ○ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَ عِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ○ فرعون نے اپنے گرد بیٹھے سرداروں سے کہا، یہ شخص یقیناً ایک ماہر جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ تم کو اپنے جادو (کے زور) سے تمہارے ملک سے نکال دے۔ بتاؤ تمہاری رائے کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ

اس کو اور اس کے بھائی کو روک لیجئے اور شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے کہ سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لے آئیں جب جادوگر متعین دن مقررہ جگہ پر جمع ہو گئے تو لوگوں سے کہا گیا کہ تم سب بھی جمع ہو جاؤ، شاید کہ ہم جادوگروں کے دین پر ہی رہ جائیں اگر وہ غالب رہے۔ جب جادوگر میدان میں آئے تو فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب رہے تو ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا؟ فرعون نے کہا ہاں اور تم مقربوں میں بھی داخل کر لئے جاؤ گے۔ موسیٰ نے ان سے کہا کہ پھینکو جو تمہیں پھینکنا ہے تو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینک دیں اور کہنے لگے کہ فرعون کے اقبال کی قسم! ہم ہی غالب رہیں گے۔ (سورۂ شعراء: آیت ۳۴ تا ۴۴)[1]

اس واقعے کا مزید تسلسل سورۂ اعراف میں یوں بیان ہوا ہے:

...فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَ جَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ○ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ○ .... وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ○ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ○ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ○ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ○ ...جب انہوں نے (جادو کی چیزیں) پھینکیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور لاٹھیوں اور رسیوں کے سانپ بنا بنا کر انہیں خوفزدہ کر دیا اور بہت بڑا جادو دکھایا۔ اور (اس وقت) ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ اب تم بھی اپنا عصا پھینکو۔ وہ فوراً (اژدہا بن کر) جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپوں کو نگل جائے... اور یہ کیفیت دیکھ کر سب جادوگر سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم عالمین کے رب پر ایمان لے آئے ہیں جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ فرعون نے (بگڑ کر) کہا کہ تم میری اجازت کے بغیر ایمان لائے؟ یہ مکر ہے جو تم نے مل کر شہر میں کیا ہے تاکہ اہل شہر کو یہاں سے نکال دو۔ سو عنقریب تم کو اس کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ میں پہلے مختلف سمتوں سے تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا پھر تم سب کو سولی چڑھا دوں گا۔ وہ بولے کہ ہم تو اپنے رب کی طرف پلٹ آئے ہیں۔ اور تو اس لئے برہم ہے کہ جب ہمارے رب کی نشانیاں ہمارے پاس آگئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! ہمارے لئے صبر و استقامت کے دہانے کھول دے اور ہمیں مسلمان کی موت نصیب فرما۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۱۶ تا ۱۲۶)

سورۂ مبارکہ شعراء میں آگے فرعون کا یہ جملہ بھی نقل ہوا ہے اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ یہی تمہارا استاد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔

☆ سورۂ شعراء میں ہے کہ فرعون نے اپنے گرد بیٹھے سرداروں سے کہا... اور سورۂ اعراف کی آیت ۱۰۹-۱۱۲ میں ہے کہ "قوم فرعون کے امراء نے فرعون سے کہا کہ یہ شخص یقیناً ایک ماہر جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ آپ کو آپ کے ملک سے نکال دے تو آپ کا کیا حکم ہے؟" ان دونوں مکالمات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون اور فرعون کی قوم کے امراء ایک ہی راگ الاپ رہے تھے کہ حضرت موسیٰ ایک جادوگر ہیں جو جادو کے زور سے ان کو ان کی سرزمین سے بے دخل کر دینا چاہتے ہیں۔

حضرت موسیٰ اور فرعون کے مکالموں میں لفظ رب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے کیونکہ فرعون نے رب اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ فرعون کے اس دعوے کی قلعی کھولنے کے لئے رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو نبی بنا کر بھیجا اور ان سے فرمایا کہ فرعون رب بن بیٹھا ہے اور تم اس کے پاس جا کر اسے یہ پیغام پہنچاؤ: اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّکَ... یعنی ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں اور اس سے کہو: جِئْنٰکَ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکَ... یعنی ہم تیرے رب کی طرف سے تیرے پاس نشانی بھی لائے ہیں۔

اور جب خدا کے فرمان کے مطابق حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ نے اسے حق تعالیٰ کا پیغام پہنچایا تو اس نے کہا: فَمَنْ رَّبُّکُمَا یٰمُوْسٰی اے موسیٰ اگر میں تمہارا رب نہیں ہوں تو تم دونوں کا رب کون ہے؟ حضرت موسیٰ نے جواب دیا: رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ٥ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو خلق کیا اور پھر اسے ہدایت بخشی۔ اس کے بعد جب فرعون نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو پچھلوں کا کیا بنے گا؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا: عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ... اس کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ اور رب کی شان ربوبیت یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے زمین کو گہوارا بنایا ہے۔ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا۔

اس واقعے کو قرآن مجید میں ایک اور مقام پر یوں بیان کیا گیا ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ سے فرمایا کہ دیکھو جب تم فرعون کے پاس جاؤ تو اس سے کہو: اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی ہم دونوں رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں۔ فرعون نے کہا: وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ میرے سوا عالمین کا رب کون ہے؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا: رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا... وہ آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے۔ اور رَبُّکُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ وہ تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا رب ہے۔ اور یہ کہ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَیْنَهُمَا... وہ مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے۔

جب حضرت موسیٰ کا عصا اژدہا بن کر جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپوں کو نگل گیا تو جادوگر سجدے میں گر گئے اور بولے:... اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥ رَبِّ مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ٥ ہم رب العالمین پر ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ اور جب فرعون نے انہیں دھمکی دی کہ وہ ان کے ہاتھ پاؤں مختلف سمتوں سے کاٹ کر انہیں سولی دیدے گا تو جادوگروں نے قوت ایمان کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: لَا ضَیْرَ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ٥ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ ٥ ہمیں کچھ پروا نہیں کیونکہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ اور تو ہم کو اس بات کی سزا دے گا کہ جب ہمارے رب کی نشانیاں ہمارے پاس آگئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! ہمارے لئے صبر و ثبات کے دہانے کھول دے اور ہمیں مسلمان کی موت نصیب فرما۔

قرآن مجید نے اس واقعے کو کئی جگہ دہرایا ہے جس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ نے کئی بار عقیدہ ربوبیت پر فرعون سے مباحثہ کیا۔ جس طرح قوم فرعون پر کبھی طوفان کا عذاب آیا، کبھی ٹڈی دل کا، کبھی جوؤں کا، کبھی مینڈکوں کا اور کبھی خون کا عذاب آیا اسی طرح فرعون کے ساتھ دونوں بھائیوں کا مباحثہ بھی کئی بار ہوا اور ان تمام مباحثوں کا بنیادی نکتہ ربوبیت کا عقیدہ ہی تھا۔ دونوں رسولوں یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ نے بار بار فرعون سے یہی کہا کہ ہمارا تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ وہ مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے۔ ہمارا رب سابقہ امتوں کا رب ہے اور ہمارا رب تمہارے آباؤ اجداد کا رب ہے۔ الغرض دونوں بھائیوں نے اس نکتے کو بار بار واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ ہی سب کا رب ہے۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر اسے اس کی فطرت کے مطابق ہدایت بخشی۔

حضرت موسیٰ کے مقابلے پر آنے والے جادوگر اپنے فن کے ماہر تھے۔ وہ جادو کی باریکیوں کو بخوبی جانتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ جونہی لوگوں کی نظر بندی کے لمحات ختم ہوں گے ان کی رسیاں اور لاٹھیاں دوبارہ اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئیں گی۔ جب حضرت موسیٰ کا عصا اژدہا بن کر رسیوں سے بنے سانپوں کو نگل گیا تو پہلے پہل جادوگر سمجھے کہ یہ بھی ہماری طرح کا شعبدہ ہے لیکن جب کافی دیر گزر گئی اور ان کی رسیاں دوبارہ ظاہر نہ ہوئیں تو انہیں یقین ہوگیا کہ وہ جسے جادو سمجھ رہے تھے وہ جادو نہیں بلکہ نبوت کا معجزہ ہے۔ معجزہ دیکھ کر ان کو یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگی کہ یہ کام انسان کے بس سے باہر ہے۔ رب العالمین کی قدرت کے بغیر یہ وقوع پذیر نہیں ہوسکتا اس لئے وہ فوراً سجدے میں گر گئے اور کہنے لگے کہ ہم دونوں جہان کے پروردگار پر ایمان لائے جو کہ موسیٰ اور ہارونؑ کا رب ہے اور اسی نے ان کو رسول بنا کر لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا جہاد توحید

حضرت موسیٰ سے قبل حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو توحید الٰہی کی دعوت دی تھی۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنی قوم سے جو جہاد کیا تھا خدا نے اس جہاد کے ایک ایک گوشے کو واضح کیا ہے اور اس کا تذکرہ سورۂ انبیاء سورۂ شعراء اور سورۂ صافات میں کیا ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح انہوں نے مشرکین کے غلط عقائد کا ابطال کیا تھا۔ جب ان کی قوم تبلیغ کے باوجود بت پرستی سے باز نہ آئی تو انہوں نے کلدان کے بتخانے میں بتوں کو توڑا اور عملی طور پر ان لوگوں کو سمجھایا کہ اگر ان کے بتوں میں ذرا سی بھی قوت ہوتی تو وہ اپنا دفاع کرتے۔ اور جو بت خود اپنا دفاع نہیں کرسکتے وہ بھلا دوسروں کا کیا دفاع کریں گے؟

قرآن مجید بتاتا ہے کہ مشرکین ان پر سخت برہم ہوئے۔ انہوں نے بت شکنی کے جرم میں حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا مگر خدا نے آگ کو ان کے لئے گلزار بنا دیا۔ اس موضوع پر ہم توحید ربوبیت کے

زیرعنوان مزید گفتگو کریں گے۔ یہاں ہم صرف یہ ایک آیت نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں: قَالُوْا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰاِبْرٰهِيْمُ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ٥ (مشرکین نے) کہا: اے ابراہیمؑ! ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ برتاؤ تم نے کیا ہے؟ (ابراہیمؑ نے) کہا بلکہ یہ ان کے بڑے (بت) نے کیا ہے۔ اگر یہ بول سکتے ہیں تو ان ہی سے پوچھ دیکھو۔

بالفاظ دیگر حضرت ابراہیمؑ نے جھوٹ نہیں بولا تھا بلکہ شرطیہ جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ اگر یہ بول سکتے ہیں تو پھر یہ ساری کارروائی بڑے بت کی ہے۔ اگر یہ نہیں بول سکتے تو پھر یہ بڑے بت کی کارستانی نہیں ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں کچھ لوگ چاند، سورج اور ستاروں کی بھی پوجا کیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان اجرام کو پوجنے والوں سے بھی مباحثے کئے۔ البتہ قرآن مجید میں خدا نے یہ نہیں بتایا کہ وہ لوگ کس لحاظ سے ان اجرام کو اپنا رب مانتے تھے۔ مشرکین کے حالات میں ہمیں یہ بھی دکھائی دیتا ہے کہ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو رب اور الٰہ کے معنی میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ جبکہ انبیاء و مرسلین نے مشرکین سے توحید عبادت اور توحید ربوبیت دونوں موضوع پر مباحثے کئے تھے۔ قرآن اجرام فلکی کے پجاریوں اور حضرت ابراہیمؑ کے مباحثے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ٥ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ٥ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ٥ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ٥ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ٥ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ٥ اور ہم نے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کے ملکوت دکھلائے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ پس جب رات آئی اور ان کو (آسمان میں) ایک تارا نظر پڑا تو کہنے لگے یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ غائب ہو گیا تو کہنے لگے کہ مجھے غائب ہو جانے والے پسند نہیں پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہنے لگے یہ میرا رب ہے؟ لیکن جب وہ بھی چھپ گیا تو بول اٹھے کہ اگر میرا رب میری ہدایت نہ کرے تو میں گمراہوں میں سے ہو جاؤں گا۔ پھر جب انہوں نے چمکتے ہوئے سورج کو دیکھا تو کہنے لگے یہ میرا رب ہے؟ یہ ان میں سب سے بڑا ہے لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے اے قوم! تم جن چیزوں کو خدا کا شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔ میں تو اس ذات کی طرف متوجہ ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے۔ میں خدا کے آگے سرنگوں ہوں اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ اور جب ان کی قوم ان سے بحث کرنے لگی تو انہوں نے کہا کہ تم مجھ سے خدا کے بارے میں (کیا) بحث کرتے ہو، اس نے تو مجھے ہدایت دی ہے اور جن چیزوں کو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے بالکل نہیں ڈرتا مگر یہ کہ میرا رب کوئی بات چاہے کیونکہ

اس کا علم ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کیا یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی؟ (سورۃ انعام: آیت ۷۵ تا ۸۰)

واضح رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ پرستوں سے ان کی سی زبان میں گفتگو کی تھی۔

مجھے زبان محبت میں بات کرنا ہے

میں چاہتا ہوں مخاطب بھی ہم زباں ہوتا

وہ ان کے "ہم زبان" ہو کر بات کر رہے تھے تاکہ اپنی بات ان کے دل میں اتار سکیں۔ ان کا ھذا ربی کہنا استفہامیہ تھا یعنی "کیا یہ میرا رب ہے؟" آپ کا یہ جملہ اسی طرح توریہ اور استفہام پر مبنی تھا جس طرح بت پرستوں کے ساتھ آپ کی گفتگو توریہ اور استفہام پر مبنی تھی۔

تربیت اجسام کے متعلق حضرت ابراہیمؑ کا جہاد

قدیم زمانے میں بہت سے لوگوں کا عقیدہ تھا کہ ستارے ہماری دنیا پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ☆

☆ نجوم ایک قدیم علم ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک نجوم ریاضی (Astronomy) اور دوسرا نجوم احکامی (Astrology)۔ تقریباً چار ہزار سال قبل شہر فرات (غالباً بابل) میں قدیم کلدانی تہذیب کے باشندے Astronomy جانتے تھے۔ وہ لوگ چاند گرہن، سورج گرہن اور موسم (بارش، آندھی وغیرہ) کے لئے سائنٹیفک حساب کتاب کے ذریعے پیشین گوئیاں کیا کرتے تھے۔ کلدانی (Chaldeans) شمس و قمر اور زہرہ کی پرستش کرتے تھے اس لئے بدقسمتی سے Astronomy کا حساب کرتے کرتے یہ ستارہ پرست لوگ Astrology یعنی نجوم اور کہانت میں مبتلا ہو گئے۔ اس دور کے کاہن اور منجم بادشاہ کی سلامتی کے لئے، ملک کی خوشحالی کے لئے اور اپنی قوم کا مستقبل جاننے کے لئے Astrology سے کام لینے لگے۔ ان کے بعد Assyrians آئے جنہوں نے اس علم کو مزید ترقی دی اور رفتہ رفتہ یہ علم مصر و یونان سے ہوتا ہوا دنیا بھر میں پھیل گیا اور یوں علم نجوم عام ہو گیا۔ بعض ماہرین کہتے ہیں کہ ہندوستان اس علم کی جنم بھومی ہے لیکن ایسا ماننے والے شاذ ہیں۔

کلدانی نجومیوں کی پیشین گوئی پر حضرت ابراہیمؑ کی ولادت کے خوف سے نمرود نے ہزاروں بے گناہ بچوں کے خون سے ہولی کھیلی مگر حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے۔ اسی طرح فرعون کے درباری نجومیوں کی پیشین گوئی کے سبب فرعون نے بنی اسرائیل کے معصوم لڑکوں کا قتل عام کیا مگر حضرت موسیٰؑ پیدا ہوئے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ یَفْعَلُ مَا یَشَاۗءُ وَلَا یَفْعَلُ مَا یَشَاۗءُ غَیْرُہٗ

قرآن مجید نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ (ع) اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ (ع) کا خصوصی تذکرہ کیا ہے کیونکہ خدا کے ان دونوں اولوالعزم پیغمبروں نے زمین پر ربوبیت کا دعویٰ کرنے والے طاغوتوں اور ان کی قوموں کو توحید کا سبق پڑھایا تھا اور زبردست جہاد کیا تھا۔ بے شک کائنات میں خالق کائنات کی ذات ہی مؤثر حقیقی ہے اور خدا جو چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ نجومی اگر کسی بات سے آگاہ کر بھی دے تو وہ آنے والی مصیبت کے دن کو نہ دور کر سکتا ہے نہ راحت کے دن کو قریب لا سکتا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ ستارے اور سیارے نیز سورج کی شعاعیں اور چاند کی کرنیں فصلوں کے اگنے، پھلوں کے پکنے، مدّ و جزر کے بننے اور صحرا میں قافلوں اور دریا میں جہازوں کو راستہ بتانے میں مددگار ہوتے ہیں لیکن منجم یہ جو کہتے ہیں کہ ستارے فرد اور قوم کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں یہ ایک مہمل بات ہے۔ ہمیں اس بات سے انکار نہیں ہے کہ نجوم ایک علم ہے اور حساب کتاب کے ذریعے پیشین گوئیاں کی جا سکتی ہیں مگر یہ کوئی اسلامی علم نہیں ہے اور رسولؐ اور اہلبیت رسولؐ نے بھی اس علم کو پذیرائی نہیں بخشی۔

انسان اور حیوان کی حالت، بارش کے ہونے یا نہ ہونے، خوش بختی و بدبختی، خوشحالی و بدحالی، صحت و بیماری، اموات کی کثرت یا قلت اور افراد میں محبت و نفرت کا تعلق بھی ستاروں کی چال سے ہے۔ اسی سبب یہ لوگ کچھ مخصوص دنوں میں ستاروں کی عبادت کرتے تھے۔ وہ ان کیلئے خوشبودار دھونیاں جلاتے اور (اشلوک اور بھجن کی طرز پر) دعائیہ گیت گاتے تھے۔ وہ ستاروں سے اپنے لئے خیر و برکت مانگا کرتے تھے۔

جس طرح شراب ایک "شے ہے" مگر اس کا پینا منع ہے اسی طرح نجوم بھی ایک "علم ہے" مگر اس علم پر عمل کرنا منع ہے۔ قرآن کا فرمان ہے کہ شراب نہ پیو کیونکہ اس کے شخصی اور سماجی نقصانات بہت زیادہ اور فائدے کم ہیں اور وارث قرآن حضرت امام جعفر صادقؑ کا فرمان ہے۔ هُوَ عِلْمٌ قَلَّتْ مَنَافِعُهُ وَكَثُرَتْ مَضَرَّاتُهُ وہ (نجوم) ایسا علم ہے جس کے فائدے کم اور نقصانات زیادہ ہیں۔ (بحار الانوار، جلد ۵۸، ص ۲۲۳)

امام جعفر صادقؑ کے مشہور صحابی زرارہؒ کے بھائی عبدالملک بن اعین علم نجوم کے مطابق عمل کرتے تھے۔ مثلاً جب صبح کے وقت گھر سے نکلتے تو دیکھتے کہ "قمر در عقرب" ہے اور اگر باہر جائیں گے تو ایسا ہو جائے گا ویسا ہو جائے گا۔ چنانچہ ایک دن وہ امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ فرزند رسولؐ! میں نجوم میں "مبتلا" ہو گیا ہوں۔ میں کتابوں سے طالع دیکھے بغیر کسی کام کا فیصلہ نہیں کرسکتا۔ امام علیہ السلام نے تعجب کے ساتھ پوچھا کیا تم ان کتابوں پر عمل کرتے ہو؟

عبدالملک نے کہا: جی ہاں۔

امامؑ نے فرمایا: جاؤ! ان سب کتابوں کو جلادو۔ (وسائل الشیعہ، جلد ۸) مگر ہم محبان اہلبیتؑ شوق سے نجوم کی کتابیں پڑھتے ہیں اور کوائف و مراتب سیارگان جاننے کے لئے جنتریاں خریدتے ہیں حتیٰ کہ زائچے، نقش اور لوح بنواتے ہیں اور ان چیزوں کو ائمہ معصومینؑ سے غلط طور پر منسوب بتاتے ہیں۔ جمعۃ المبارک کو حضرت آدمؑ سے حضرت خاتمؐ تک سب شریعتوں میں ایک بابرکت دن قرار دیا گیا ہے لیکن یہ جنتریاں مرتب کرنے والے غلط طور پر اس مبارک دن کو بھی نحس اور نحس اکبر لکھتے ہیں۔ شروع شروع میں ہندو اپنے جنتر منتر اور ٹونے ٹوٹکے جنتریوں میں چھاپتے تھے۔ آج بھی نورانی دنیا اور روحانی دنیا چھاپنے والے اہلبیتؑ کے غیر ہیں اور وہی اس سلسلے کو فروغ دینے والے ہیں۔ معلوم نہیں مذہب اہلبیتؑ کے ماننے والوں نے جنتریاں شائع کرنا کب شروع کیں؟

اَللّٰهُمَّ اَخْرِجْنَا مِنْ ظُلُمَاتِ الْوَهْمِ وَاَكْرِمْنَا بِنُوْرِ الْفَهْمِ۔

نجومیوں کی مذمت میں حضرت علیؑ نہج البلاغہ خطبہ ۷۹ میں اور امام جعفر صادقؑ بحار الانوار جلد ۵۸ ص ۲۲۶ میں فرماتے ہیں:
اَلْمُنَجِّمُ كَالْكَاهِنِ، وَالْكَاهِنُ كَالسَّاحِرِ، وَالسَّاحِرُ كَالْكَافِرِ، وَالْكَافِرُ فِي النَّارِ۔ یعنی نجومی ... جہنمی ہیں۔

جب میثم تمارؒ نے موسم حج میں ابن عباسؓ کو مولا علیؑ کی سکھائی ہوئی تفسیر قرآن لکھواتے ہوئے یہ کہا کہ عنقریب مجھے سولی دی جائے گی اور میری سولی کی لکڑی سب سے چھوٹی ہوگی تو ابن عباسؓ سخت برہم ہو گئے۔ وہ یہ کہہ کر ان کی لکھوائی ہوئی تفسیر کو پھاڑنے لگے کہ میثمؒ! تم کاہن کب سے ہو گئے؟ میثمؒ نے ان سے کہا کہ یہ خبر میرے مولا نے مجھے دی ہے۔ میں نے جو کچھ کہا ہے اگر ایسا نہ ہو تو پھر تم یہ تفسیر پھاڑ دینا۔ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ جس بات کو کہانت سمجھ رہے تھے اس کا تعلق انباء الغیب سے تھا۔ غیب کی ایسی خبریں کاہنوں کی پیشین گوئیوں سے قطعاً مختلف چیز ہے۔

پس نظام شمسی کے مطالعے اور مشاہدے کے لئے Astronomy سیکھنے میں اسلامی نقطہ نگاہ سے کوئی حرج نہیں ہے لیکن Astrology سیکھنا اور اس پر عمل کرنا تعلیمات اہلبیتؑ کی رو سے ممنوع اور مذموم ہے۔

ایک عرصہ قبل مجھے ایک قلمی مخطوطہ پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا جو کہ سکاکی التوفی ۶۲۶ھ کی طرف منسوب تھا۔ اس میں ستاروں کے اسرار اور دعائیہ گیت تھے۔ ان گیتوں میں زہرہ و مریخ اور دوسرے ستاروں سے خطاب بھی تھا جن میں انہیں رَبّ کہا گیا تھا اور ان سے مرادیں مانگی گئی تھیں۔ البتہ میرے خیال میں اس نسخہ کو سکاکی سے منسوب کرنا صحیح نہیں ہے۔

ابن ندیم نے اپنی کتاب الفہرست میں صابئہ کے کچھ فرقوں کا ذکر کیا ہے جو ستاروں کی عبادت کرتے تھے اور ان ہی مرادیں مانگتے تھے۔[1]

حضرت ابراہیمؑ نے ایسے ہی ستارہ پرستوں سے مباحثہ کیا تھا اور انہیں اپنی مشاہداتی دلیل سے لاجواب کر دیا تھا۔ آپ نے جب ستارے کو طلوع کرتے ہوئے دیکھا تو ستارہ پرستوں سے فرمایا: اچھا یہ میرا رب ہے؟ ستارہ پرستوں نے بھی یقیناً تصدیق کی ہوگی کہ ہاں! یہی ہمارا اور تمہارا رب ہے۔ اور جب ستارہ ڈوب گیا تو آپ نے کہا لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

آپ کے استدلال کا مقصد یہ تھا کہ اگر یہ ستارہ خدا ہوتا تو کبھی نہ ڈوبتا۔ اس کا ابھرنا اور ڈوبنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اپنی گردش میں اپنی مرضی کا مالک نہیں بلکہ کوئی اور ہے جس کے بنائے ہوئے نظام کے تحت یہ ابھرتا اور ڈوبتا ہے۔ آپ کی اس زبردست دلیل نے ستارہ پرستوں کو خاموش کر دیا اور ان میں مزید بحث کا یارا نہ رہا۔

ستارہ پرستوں کی دلیل توڑنے کے بعد حضرت خلیلؑ نے لوگوں کو مالک حقیقی کی طرف متوجہ کیا اور فرمایا: إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ میں تو اس ذات کی طرف متوجہ ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ میں خدا کے آگے سرنگوں ہوں اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

متقن نظام رب کے متعلق حضرت ابراہیمؑ کا جہاد

قرآن مجید کہتا ہے: أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ... کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو اس (غرور کے) سبب سے کہ خدا نے اس کو سلطنت دی تھی ابراہیمؑ سے حجت کر رہا تھا۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ اس نے کہا کہ جلا اور مار تو میں بھی سکتا ہوں۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ خدا تو سورج کو مشرق

۱۔ الفہرست، ص ۳۸۶ تا ۳۹۰۔

سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا۔ (یہ دلیل سن کر) کافر بھونچکا رہ گیا۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۵۸)

حیات و موت کے متعلق حضرت ابراہیمؑ نے وہی منطق پیش کی جو خدا نے سورۂ اعلیٰ میں پیش کی ہے۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی ٥ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ٥ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی وَالَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ٥ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی ٥ بنام خدائے رحمٰن و رحیم۔ (اے پیغمبرؐ) اپنے رب کے نام کی تسبیح کرو جو حواس و قیاس سے ماورا ہے۔ جس نے (انسان کو) بنایا اور بالکل ٹھیک بنایا۔ اور جس نے (اس کا) اندازہ ٹھہرایا۔ پھر (اس کو) سیدھا راستا دکھایا۔ اور جس نے گھاس اگائی۔ پھر اس کو سیاہ رنگ کا کوڑا کردیا۔ (سورۂ اعلیٰ: آیت ۱تا۵) "پیدا ہونا" صرف گھاس کے لئے مخصوص نہیں ہے ساری مخلوق اس قانون قدرت کی پابند ہے۔ جس طرح سے گھاس اُگتی ہے اور کچھ دن بہار دکھلا کر مرجھا جاتی ہے اسی طرح سے ہر مخلوق پیدا ہوکر پہلے جوبن دکھاتی ہے پھر اپنی مقررہ میعاد پوری کرکے ختم ہو جاتی ہے۔ ہر موجود کو زندگی اور موت دینے والے کو "رب" کہا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا استدلال نہایت واضح اور محکم تھا لیکن نمرود نے اس معاملے کو غتر بود کر دیا۔ وہ بولا اے ابراہیمؑ تم کہتے ہو کہ رب وہ ہے جو زندگی بخشے اور موت دے۔ تمہاری اس دلیل کے مطابق تو میں خود رب ہوں۔ پھر اس نے اپنی ربوبیت کا اظہار کرنے کے لئے سزائے موت پانے والے قیدی کو آزاد کردیا اور ایک راہ گیر کو پکڑ کر قتل کروادیا اور بولا: دیکھو اے جوان! جسے موت ہوئی تھی اسے میں نے زندگی بخش دی اور جسے مہلت حیات ملی ہوئی تھی اسے میں نے موت دیدی۔ لہٰذا اس دلیل کے تحت تم مجھے اپنا رب تسلیم کرو۔

اس طرح نمرود نے حاضرین کو کنفیوز کرنا چاہا۔ اس نے اثبات ربوبیت کے لئے جب یہ مغالطہ آمیز دلیل پیش کی تو حضرت ابراہیمؑ نے اس سے حیات و موت کے موضوع پر مزید بحث کرنا مناسب نہ جانا۔ چنانچہ آپ نے پہلے سے بھی زیادہ ٹھوس دلیل پیش کرتے ہوئے کہا: اِنَّ اللّٰہَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ... خدا وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ اگر تو خدا ہے تو اس کو مغرب سے نکال کر دکھا حضرت ابراہیمؑ کی یہ دلیل اتنی وزنی تھی کہ طاغوت لاجواب ہوکر رہ گیا۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کا اپنے اپنے دور میں ایسے طاغوتوں سے واسطہ پڑا جو ربوبیت کے دعویدار تھے اور سمجھتے تھے کہ انہیں انسانوں کے لئے نظام حیات تشکیل دینے کا حق حاصل ہے۔ دونوں طاغوتوں کے دعوے قریباً قریباً یکساں تھے اور خدا کی مرضی کے نمائندوں کا جواب بھی قریباً قریباً یکساں تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ دونوں نے یہ پیغام دیا کہ انسانوں کے پروردگار نے ان کیلئے ایک نظام حیات مقرر کیا ہے۔ وہ تمام موجودات کا رب ہے اور تمام موجودات کو اسی نے زندگی کی نعمت سے مالامال کیا ہے۔ پھر اسی نے ان کی بقا و ارتقا کا بھی انتظام کیا ہے۔ اس نے ہر جاندار کی فطرت میں یہ شعور ودیعت کیا ہے کہ کس طرح اپنی نسل بڑھائے۔ جو رب موجودات کو زندگی بخشتا ہے وہی انہیں موت سے بھی ہمکنار کرتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے مشرکین سے فرمایا تھا: فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝ یقیناً وہ (بت) میرے دشمن ہیں مگر (خدائے) رب العالمین (میرا دوست ہے) جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری ہدایت کرتا ہے۔ (سورۂ شعراء: آیت ۷۷و۷۸)

حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے فرمایا تھا: رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو مناسب خلقت بخشی اور پھر اس کے لئے ہدایت کا سامان کیا۔ (سورہ طٰہٰ: آیت ۵۰)

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے جوابات میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ربوبیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا تھا: وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۝ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ (میرا رب) وہ ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے۔ وہ مجھے موت دے گا پھر زندہ کرے گا اور اسی سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف کردے گا۔ (سورۂ شعراء: آیت ۷۹تا۸۲)

انبیائے کرام نے اپنی اپنی قوم سے توحید خداوندی کے متعلق عظیم الشان مباحثے کئے اور قرآن مجید میں ان کے مباحثوں اور دلیلوں کا تذکرہ موجود ہے۔ ہر نبی نے اپنی قوم کی فکری رہنمائی کی اور اس قوم کے عقائد و نظریات کو مدنظر رکھ کر خدا کی الوہیت اور ربوبیت کی وضاحت کی۔ انبیائے کرامؑ کے دلائل کے حسین موتی پورے قرآن میں جا بجا بکھرے نظر آتے ہیں۔ البتہ قرآن مجید تاریخ کی کتاب نہیں کہ اس میں واقعات کو تسلسل سے بیان کیا گیا ہو۔

انبیائے کرامؑ نے زیادہ تر مباحثے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے موضوع پر کئے تھے اور انہوں نے اپنے الہامی پیغامات میں یہ بتایا تھا کہ رب العالمین ہی تمام انسانوں کا رب ہے اور اسی نے تمام جانداروں کے لئے ایک نظام زندگی تشکیل دیا ہے۔ اس نے اپنے منتخب نمائندوں کو جو دین دے کر دنیا میں بھیجا ہے اس کا نام ہر دور میں اسلام رہا ہے۔ تمام انبیائے کرامؑ دین اسلام ہی کی دعوت دیتے رہے ہیں۔

اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تمام انبیاء ایک ہی دین کے مبلغ تھے تو پھر شریعتیں منسوخ کیوں ہوتی رہیں؟ اس کا جواب ہم انشاء اللہ اگلے باب میں پیش کریں گے۔

شریعتوں کا منسوخ ہونا

اب ہم آسمانی شریعتوں کا اجمالی جائزہ پیش کرتے ہیں جس سے قرآن مجید اور اسلامی مصادر کی رو سے ان شریعتوں کی منسوخی کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ اس بحث کی قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ اور حضرت شعیبؑ کہ جن کی قومیں نابود ہو کر نسیاً منسیا ہو چکی ہیں ہم ان کے متعلق بحث نہیں کریں گے۔

ہماری بحث حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلوات اللہ علیہم اجمعین کے متعلق ہوگی کیونکہ ان انبیاء کی شریعتیں ان کے بعد بھی باقی رہیں۔ انبیائے کرامؑ کے زمانے کی ترتیب کے لحاظ سے ہم ان کی شریعتوں کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

حضرت آدمؑ کی شریعت

حضرت رسول اکرمؐ فرماتے ہیں: يَوْمُ الْجُمُعَةِ سَيِّدُ الْأَيَّامِ وَأَعْظَمُهَا عِنْدَاللهِ ۔ خَلَقَ اللهُ فِيهِ آدَمَ وَفِيهِ أَدْخَلَ الْجَنَّةَ ، وَأَهْبَطَ فِيهِ إِلَى الْأَرْضِ[1] وَأَنْزَلَ مَعَهُ الْحَجَرَ الْأَسْوَدَ[2] جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار اور خدا کے نزدیک سب سے بڑا دن ہے۔ خدا نے اسی دن آدمؑ کو پیدا کیا، اسی دن ان کو جنت میں داخل کیا، اسی دن ان کو زمین پر اتارا اور ان کے ساتھ حجر اسود کو بھی اتارا۔

دوسری روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں: خَلَقَ اللهُ الْأَنْبِيَاءَ وَالْأَئِمَّةَ - أَوْصِيَاءَ - يَوْمَ الْجُمُعَةِ[3] اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور ائمہ - یعنی اوصیاء - کو جمعہ کے دن پیدا کیا۔

صحیح روایات میں آیا ہے کہ جبرئیلؑ حضرت آدمؑ کو حجاز لے گئے اور ان کو حج کے مناسک سکھائے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ بیت اللہ کے مقام پر ایک بادل نے سایہ کیا۔ وہاں جبرئیلؑ نے حضرت آدمؑ سے سات مرتبہ طواف کرایا۔ بعدازاں وہ ان کو لے کر صفا اور مروہ آئے جہاں سات بار سعی کرائی۔

۱۔ طبقات ابن سعد جلد ۱، ص ۸، مطبوعہ یورپ مسند احمد جلد ۲، ص ۲۳۲۔

☆ صحیح مسلم میں یہ حدیث یوں آئی ہے: خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ بہترین دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے روز جمعہ ہے کہ اس روز آدم پیدا ہوئے اور اسی روز جنت میں داخل کیے گئے تھے۔

۲۔ اخبار مکہ، ازرقی (متوفی ۲۲۳ھ) ص ۳۱، مطبوعہ مدینہ ۱۳۷۵ھ۔

۳۔ مادۂ جمعہ ۔ سفینۃ البحار۔

پھر ان کو ۹ ذی الحجہ کو عرفات لے گئے جہاں انہوں نے عصر کے وقت تک اپنے رب سے گڑگڑا کر دعا مانگی۔ رب کریم نے ان کی توبہ قبول کی اور صبح ہونے تک حضرت آدمؑ مناجات میں مصروف رہے۔ پھر حضرت جبرئیلؑ ۱۰ ذی الحجہ کی صبح ان کو منٰی لے آئے اور قبولیت توبہ کی علامت کے طور پر ان کا سر مونڈا۔ پھر ان کو وہاں سے دوبارہ مکہ لے گئے اور وہاں بیت اللہ کے مقام کے گرد سات مرتبہ طواف کرایا۔ اس کے بعد حضرت آدمؑ نے رضائے الٰہی کے لئے نماز پڑھی۔ اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ ان کو صفا و مروہ لے گئے اور وہاں سات مرتبہ سعی کروائی۔ حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا کی توبہ قبول کرنے کے بعد ان کی ملاقات کرائی اور پھر خدا نے حضرت آدمؑ کو اپنا نبی چن لیا۔[1]

حضرت نوحؑ کی شریعت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ○ ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کے پاس بھیجا کہ پیشتر اس کے کہ ان پر دردناک عذاب نازل ہو اپنی قوم کو ڈراؤ۔ انہوں نے کہا کہ اے قوم! میں تم کو صاف صاف سمجھائے دیتا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرو، اس سے ڈرو اور میری بات مانو (سورۂ نوح: آیت ۱۔۳)

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ○ انہوں نے کہا کہ اپنے خداؤں کو نہ چھوڑنا اور ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر سے کبھی منہ نہ موڑنا۔ (سورۂ نوح: آیت ۲۳)

سورۂ شوریٰ کی آیت ۱۳ ہمارے موضوع سے زیادہ متعلق ہے: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ اس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستا مقرر کیا ہے جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا اور جس کی وحی (اے پیغمبرؐ) ہم نے آپ کی طرف کی ہے اور جس کا حکم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

لغوی تشریح

۱۔ وَدّ، سُوَاع، يَغُوْث، يَعُوْق اور نَسْر: علامہ مجلسی نے امام صادقؑ سے بحارالانوار میں، ابن کلبی نے کتاب الاصنام میں اور بخاری نے صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں درج بالا آیت کے ذیل میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ ہم بحارالانوار سے نقل کر رہے ہیں:

۱۔ طبقات ابن سعد جلد ۱، ق ۱، ص ۱۲، ۱۵، ۲۶ مطبوعہ یورپ۔ مسند احمد جلد ۵، ص ۱۷۸۔ ۲۶۵۔ مسند طیالسی ج ۴۷۹۔ بحار الانوار ج ۱۱، ص ۱۶۷۔ ۱۹۷ نیز حضرت آدمؑ کے حج کے ضمن میں کچھ اختلاف کے ساتھ متعدد روایات مروی ہیں۔

ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر یہ پانچوں اپنے زمانے کے مشہور عابد اور خدا پرست لوگ تھے۔ جب یہ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کی قوم کو ان کی موت کا بہت افسوس ہوا۔ ابلیس ملعون ان کے پاس گیا اور بولا: غم نہ کرو میں تمہیں ان کی مورتیاں بنا دیتا ہوں۔ جب تم ان مورتیوں کو دیکھو گے تو تمہارا غم بھی ہلکا ہوجائے گا اور تمہیں عبادت کی ترغیب بھی ملتی رہے گی۔ چنانچہ اس نے ان کے لئے پانچ مورتیاں بنائیں۔ وہ لوگ ان مورتیوں کو دیکھ کر خوش ہوئے اور اللہ کی عبادت کرتے رہے۔ جب سردی اور گرمی میں شدت پیدا ہوئی تو لوگوں نے ان مورتیوں کے لئے گھر بنائے۔ پہلی نسل تو بدستور اللہ کی عبادت کرتی رہی لیکن جب دوسری نسل آئی تو اس نے ان مورتیوں کو پوجنا شروع کر دیا کیونکہ انہیں یہ غلط فہمی ہوئی تھی کہ ان کے آباؤاجداد ان مورتیوں کو پوجتے تھے اور یوں بت پرستی کا رواج ہوا جسے اللہ تعالیٰ نے سورۂ نوحؑ میں اس طرح بیان کیا ہے:

...وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا...[1]

۲۔ وَصَّى الرَّجُلُ غَيْرَهُ يُوْصِيْهِ بِاَنْ يَّفْعَلَ كَذَا: ایک شخص نے دوسرے کو وصیت کی کہ وہ اس کی طرف سے فلاں کام کرے کیونکہ اس میں اس کام کے کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ وَصَّى اللّٰهُ بِكَذَا یعنی خدا نے فلاں کام کی وصیت کی گویا خدا نے فلاں کام کا حکم دیا اور اس کی ادائیگی بندوں پر فرض کی۔[2]

مختصر تفسیر آیات

ابتدائی آیات بتاتی ہیں کہ خدا نے حضرت نوحؑ کو رسول بنا کر بھیجا تھا تاکہ وہ اپنی قوم کو خدا کے عذاب سے ڈرائیں۔ چنانچہ حضرت نوحؑ نے فرمایا: اے قوم! میں تم کو خدا کے عذاب سے خبردار کرتا ہوں اور اس کا یہ پیغام پہنچاتا ہوں کہ خدا سے ڈرو، اس کی عبادت کرو اور اس کے جن اوامر ونواہی کا میں حکم دیتا ہوں ان میں میری اطاعت کرو۔ حضرت نوحؑ کی قوم نے ان کی دعوت مسترد کر دی اور ایک دوسرے سے کہا کہ خبردار! اپنے بتوں کی پوجا کبھی نہ چھوڑنا۔

بعد کی آیات بتاتی ہیں کہ دین اور شریعت کا سلسلہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہی وہ دین ہے جس کی وصیت ہم نے حضرت نوحؑ کو کی تھی اور اسی دین اور شریعت کی وصیت ہم نے نبی خاتمؐ پر کی ہے اور ان کے علاوہ اسی دین کی وصیت ہم نے حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو کی تھی اور ہم نے مذکورہ تمام رسولوں سے یہ کہہ دیا تھا کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔[3]

۱۔ بحار الانوار ج ۳، ص ۲۴۸۔ ۲۵۲۔ صحیح بخاری ج ۳، ص ۱۳۹ در تفسیر سورۂ نوح۔

۲۔ معجم الفاظ القرآن الکریم مادۃ وصیٰ۔

۳۔ تفسیر تبیان ج ۲، ص ۵۵۳ اور تفسیر مجمع البیان ج ۹، ص ۲۲ میں اس آیت کی تفسیر دیکھئے۔

اس کے علاوہ حسب ذیل آیات بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتی ہیں:

سَلَامٌ عَلٰی نُوۡحٍ فِی الۡعٰلَمِیۡنَ ۞ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۞ اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۞ ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا الۡاٰخَرِیۡنَ ۞ وَاِنَّ مِنۡ شِیۡعَتِهٖ لَاِبۡرٰهِیۡمَ ۞ اِذۡ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ ۞ ساری خدائی میں نوحؑ پر سلام۔ نیکوکاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کردیا۔ یقیناً ابراہیمؑ ان کے پیروکاروں میں سے تھے۔ جب وہ اپنے رب کی بارگاہ میں قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہوئے۔ (سورۂ صافات: آیت ۷۹ تا ۸۴)

شِیۡعَتِهٖ: شِیْعَةُ الرَّجُلِ: اَتْبَاعُهٗ وَ اَنْصَارُهٗ[1] وَالشِّیْعَةُ: اَلْجَمَاعَةُ الثَّابِتَةُ لِرَئِیْسِ لَهُمْ[2] کسی شخص کے پیروکاروں اور مددگاروں کو اس کے شیعہ کہا جاتا ہے۔ شیعہ اس جماعت کو کہتے ہیں جو اپنے حاکم کی اطاعت پر ثابت قدم ہو اور آیت میں شِیۡعَتِهٖ میں ضمیر "ہ" کا مرجع حضرت نوحؑ ہیں۔ مقصد آیت یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ دین نوحؑ کے پیروکار تھے۔[3]

حضرت ابراہیمؑ کی شریعت

یہاں ہم موضوع سے متعلق چند آیات پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

۱۔ وَاِذۡ بَوَّاۡنَا لِاِبۡرٰهِیۡمَ مَکَانَ الۡبَیۡتِ اَنۡ لَّا تُشۡرِکۡ بِیۡ شَیۡـًٔا وَّ طَهِّرۡ بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ وَالۡقَآئِمِیۡنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ ۞ وَاَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ ۞ لِّیَشۡهَدُوۡا مَنَافِعَ لَهُمۡ وَیَذۡکُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ فِیۡۤ اَیَّامٍ مَّعۡلُوۡمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمۡ مِّنۡۢ بَهِیۡمَةِ الۡاَنۡعَامِ... جب ہم نے ابراہیمؑ کے لئے بیت اللہ کی جگہ مہیا کی (تو ان سے فرمایا) کسی چیز کو میرا شریک نہ بنانا اور طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو پاک صاف رکھنا۔ (اے ابراہیمؑ!) لوگوں میں حج کے لئے ندا کردو۔ لوگ تمہاری طرف دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے ان میں پیادہ پا بھی ہوں گے اور وہ بھی جنہوں نے دبلے پتلے اونٹوں پر دور دراز مقامات سے قطع مسافت کی ہوگی تا کہ اپنے فائدے کے کاموں کے لئے حاضر ہوں اور قربانی کے معین دنوں میں چوپایوں پر جو خدا نے ان کو دیئے ہیں (ذبح کرتے وقت) خدا کا نام لیں۔ (سورۂ حج: آیت ۲۶ تا ۲۸)

۲۔ وَاِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَیۡتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمۡنًا وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّی وَعَهِدۡنَاۤ اِلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ اَنۡ طَهِّرَا بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ وَالۡعٰکِفِیۡنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ ۞ ... وَاِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ

۱۔ لسان العرب مادہ شیع۔

۲۔ تفسیر التبیان ج ۲ ص ۳۹۲ مطبوعہ الحجر پریس، ایران ۱۳۶۵ھ۔

۳۔ تفسیر التبیان، تفسیر مجمع البیان، تفسیر الطبری، تفسیر ابن کثیر اور تفسیر در منثور سیوطی۔

الْبَیْتِ وَ اِسْمَاعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ٥ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ٥ جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ بنایا اور (حکم دیا کہ) مقام ابراہیمؑ کو نماز کی جگہ بناؤ اور ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ سے عہد لیا کہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو پاک صاف رکھو گے ... اور جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ خانہ کعبہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے (تو دعا کئے جاتے تھے کہ) اے ہمارے رب! ہماری یہ خدمت قبول فرما بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری اولاد[☆] میں سے ایک امت کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا اور ہمیں عبادت کے طور طریقے بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما۔ بے شک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۲۵۔ ۱۲۷ و ۱۲۸)

۳۔ وَقَالُوْا کُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلٰی اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِیَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی وَمَا اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ٥ (یہود و نصاریٰ) کہتے ہیں کہ تم بھی یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تا کہ ہدایت پاسکو۔ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ نہیں بلکہ ہم دین ابراہیمؑ پر ہیں جو باطل سے کنارہ کش ہو کر خدائے واحد کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ اے مسلمانو! کہدو کہ ہم خدا پر اور جو کتاب ہم پر اتری ہے اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ پر اترے ہیں اور جو کتابیں موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو عطا ہوئیں ان پر اور جو دیگر پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان سب پر ایمان لائے۔ ہم پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (خدائے واحد) کے فرمانبردار ہیں۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۳۵ و ۱۳۶)

۴۔ مَا کَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّ لٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ٥ ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے اور نہ ہی نصرانی تھے بلکہ باطل سے کنارہ کش ہو کر خدائے واحد کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۶۷)

۵۔ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ٥ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے کہ دین ابراہیمؑ کی پیروی کرو جو باطل سے کنارہ کش ہو کر خدائے واحد کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۹۵)

۶۔ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (اے رسولؐ) کہہ دیجئے کہ میرے رب نے مجھے صحیح دین بتا دیا ہے جو ایک مضبوط دین ہے (یعنی)

☆ علماء کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ علی نبینا وعلیہما السلام کی ذریت میں اُمَّةً مُّسْلِمَةً سے مراد محمدؐ و آل محمدؐ ہیں۔

باطل سے کنارہ کش ہونے والے ابراہیمؑ کا دین۔ اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ (سورۂ انعام: آیت ۱۶۲)

۷۔ ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ ابراہیمؑ کے دین حنیف کی پیروی کریں اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ (سورۂ نحل: آیت ۱۲۳)

لغوی تشریح

۱۔ بوّأنا: بوّأتُ المنزلَ لفلانٍ یعنی میں نے اس کے لئے مکان مہیا کیا۔ بوّأتُهُ فیه یعنی میں نے اسے مکان میں رہائش دلائی۔ بوّأتُهُ منزلاً میں نے اسے گھر میں ٹھہرایا۔

۲۔ اَذِّن بالشّیءِ تأذیناً: اس نے ایک چیز کا بار بار اعلان کیا۔ اذان "تاذین" سے اسم مصدر ہے جیسا کہ سلام "تسلیم" سے اسم مصدر ہے۔

۳۔ رِجالاً: رَجِلَ یَرجَلُ رَجلاً فهو رَجِلٌ وَ رَاجِلٌ پیدل چلنے والا۔ راہ گیر۔ اس کی جمع رِجالٌ ہے۔

۴۔ البهیمة: چار ٹانگیں رکھنے والا جانور۔

۵۔ ضامر: جَمَلٌ ضامرٌ وَ ناقةٌ ضامرةٌ وَ ضامرٌ کم گوشت رکھنے والا دبلا پتلا اونٹ یا اونٹنی۔

۶۔ فجّ: ایک پہاڑ میں موجود درہ یا دو پہاڑوں کے درمیان وسیع راستہ۔

۷۔ مثابة: لوگوں کے پلٹنے کا مقام۔ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ اور جب ہم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ بنایا یعنی جہاں حاجی جوق در جوق ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہتے ہیں۔ مثابة کا مطلب ثواب کا مقام بھی ہے۔ اس صورت میں آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ جب ہم نے خانۂ کعبہ کو حج وعمرہ کی وجہ سے ثواب کا مقام اور جائے امن قرار دیا۔

۸۔ مناسکنا: النُّسُک عبادت۔ نَسَکَ نَسْکاً اس نے شوق و ذوق سے اللہ کی عبادت کی۔ نسک ہر وہ عمل ہے جس سے خدا کا تقرب تلاش کیا جاتا ہو۔ مثلاً حج میں قربانی کرنا، ذبح ہونے والے جانور کو نسیکہ کہا جاتا ہے اور مقام عبادت کو منسک کہا جاتا ہے اور موسم حج اور اعمال حج نیز عرفات، مشعر اور منیٰ جیسے مقامات کو مناسک کہا جاتا ہے۔

۹۔ مقام ابراهیم: خانۂ کعبہ کے سامنے ایک پتھر جس پر حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کے نشان ثبت ہیں۔

۱۰۔ حنیفاً: الحَنَف یعنی گمراہی چھوڑ کر ہدایت کی طرف مائل ہونا۔ الجَنَف یعنی ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کرنا۔ حنیفیت یعنی شریعت ابراہیمؑ۔

۱۱۔ قیماً: القَیِّمُ وَالقَیِّمُ سیدھا اور مضبوط جس میں کوئی کجی نہ ہو۔

۱۲۔ ملّة: دین، خواہ حق ہو یا باطل۔ جب اس کی اضافت اللہ تعالیٰ، انبیاء اور مسلمانوں کی طرف ہو تو اس سے دین حق مراد ہوتا ہے۔

مختصر تفسیر آیات

اے پیغمبرؐ! آپ اس وقت کو یاد کریں جب ہم نے ابراہیمؑ کو ایک گھر بنانے کی ذمہ داری سونپی۔ اور جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ دونوں بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو اپنے رب سے یہ دعا بھی کیے جا رہے تھے کہ اے ہمارے رب! ہماری یہ خدمت قبول فرما اور ہمیں اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری ذریت میں بھی ایک فرمانبردار امت کا سلسلہ قائم فرما اور ہمیں حج کے مناسک تعلیم فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی۔

پھر حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے لخت جگر حضرت اسماعیلؑ کو اللہ کی راہ میں ذبح کر رہے ہیں۔ اور نبی کا خواب بھی وحی الٰہی کی ایک قسم ہوتا ہے۔ حضرت اسماعیلؑ اس وقت تک کام کاج کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور وہ اپنے والد کے ساتھ بیت اللہ کی تعمیر میں حصہ لے چکے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کے سامنے اپنا خواب بیان کیا تو سعادت مند بیٹے نے کہا: یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ بابا جان! آپ کو جو حکم ملا ہے اس پر عمل کیجیے۔ اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ الغرض باپ بیٹا دونوں حکم الٰہی کے سامنے تسلیم ہوگئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے نور چشم کو ذبح کرنے کے لئے زمین پر لٹایا اور اس کے گلے پر چھری چلائی تو قدرت کی ندا آئی "اے ابراہیمؑ! تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔" اور فرمایا یہ ہے اس خواب کی تعبیر جو تم نے دیکھا تھا۔ ہم تمہارے بیٹے کو ذبح کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ تمہیں آزما رہے تھے اور اللہ نے فدیہ کے طور پر ایک دنبہ بھیج دیا جسے حضرت ابراہیمؑ نے منیٰ میں ذبح کیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو حج کے لئے بلائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ بھی بتایا کہ قیامت تک لوگ ان کی پکار پر اکناف عالم سے پیدل اور سواریوں پر آتے رہیں گے اور حج کی سعادت حاصل کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ بیت اللہ لوگوں کے جمع ہونے، ثواب حاصل کرنے اور امن پانے کا مقام ہے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ مقام ابراہیمؑ کو اپنے لئے مصلیٰ قرار دیں۔ علاوہ ازیں دوسری آیات میں رب دو جہاں نے فرمایا کہ ابراہیمؑ باطل سے کنارہ کش تھے اور وہ خدا کے مخلص بندے اور سچے فرمانبردار تھے۔ وہ نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی اور نہ ہی مشرکوں میں سے تھے۔ اس سلسلے میں اہل کتاب الٹی کچھ خیالات ظاہر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیاءؐ کو بالخصوص اور ان کی امت کو بالعموم دین ابراہیمؑ کی پیروی کا حکم دیا۔

خدا نے رسول اکرمؐ سے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے مجھے صحیح دین بتا دیا ہے۔ وہ ایک جامع دین ہے۔ باطل سے کنارہ کش ہونے والے ابراہیمؑ کا دین — یعنی شرک کے مقابل دین اسلام۔

خدا نے رسول اکرمؐ کو جو کہ دعائے خلیل کا ثمر ہیں ان کے جد نامدار کے دین پر کاربند رہنے کا حکم دیا جس کا واضح ترین مظہر مناسک حج ہیں اور یہ وہی مناسک ہیں جو خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو تعلیم فرمائے تھے۔

خلاصہ بحث

حضرت آدمؑ کے زمانے میں جمعہ مبارک دن تھا اور حضرت خاتمؐ نے بھی اپنی امت کے لئے جمعہ کو مبارک دن قرار دیا۔ حضرت آدمؑ اور حضرت ابراہیمؑ نے حج کیا تھا اور حضرت خاتمؐ نے بھی حج کیا اور اپنی امت کو بھی حج کا حکم دیا۔ اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔

خدا نے رسول اکرمؐ کے لئے وہی شریعت منتخب کی جس کی وصیت اس نے حضرت نوحؑ کو کی تھی۔ اور حضرت ابراہیمؑ شریعت میں حضرت نوحؑ کے پیرو تھے اور خدا نے رسول اکرمؐ کو شریعت ابراہیمؑ کی پیروی کا حکم دیا تھا۔ بنا بریں ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسول اکرمؐ حضرت ابراہیمؑ کے دین قیم پر کاربند تھے اور حضرت ابراہیمؑ حضرت نوحؑ کے پیرو تھے اور حضرت نوحؑ حضرت آدمؑ کے پیرو تھے اور یوں تمام انبیاء ایک ہی سلسلے کی کڑی تھے۔

نام احمدؐ نام جملہ انبیاء ست

چونکہ صد آمد ، نود ہم پیش ما ست

حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت خاتمؐ تک شریعتوں میں کوئی اختلاف نہیں تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر نئی آنے والی شریعت سابقہ شریعت کی تجدید کرتی تھی اور کبھی کبھی سابقہ شریعت کی تکمیل کرتی تھی۔ آنحضرتؐ کی شریعت تمام شریعتوں کی جامع ہے۔ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ حضرت آدمؑ نے حج کیا تھا اور حضرت خلیلؑ نے بھی حج کیا تھا۔ البتہ اتنا فرق ضرور تھا کہ حضرت آدمؑ کے وقت خانہ کعبہ تعمیر نہیں ہوا تھا جبکہ حضرت خلیلؑ نے کعبہ شریف کو تعمیر کیا اور پھر اس کا حج کیا۔ حضرت خاتم الانبیاءؐ نے اپنے دور میں مناسک حج کی تکمیل کی۔ آپ نے احرام کے لئے حکم خدا سے میقات مقرر فرمائے اور مقام ابراہیمؑ کو مصلّٰی قرار دیا اور تمام مناسک حج کی وضاحت فرمائی۔

خدا نے حضرت آدمؑ پر اس دور کے تقاضوں کے مطابق شریعت نازل فرمائی۔ ان کی شریعت کے احکام زراعت اور دودھ دینے والے جانوروں تک ہی محدود تھے کیونکہ انسانیت کے آغاز پر انسان صرف ان ہی دو چیزوں سے استفادہ کرنے کے قابل تھا۔ ایک عرصہ بعد جب حضرت نوحؑ کا زمانہ آیا تو اس وقت اولاد آدم اطراف و اکناف میں پھیل چکی تھی اور اس نے بہت سے شہر بسا لئے تھے۔ لہٰذا اس دور میں ایسی شریعت کی ضرورت تھی جو تجارت اور اجتماعی رہن سہن کے مسائل کا حل پیش کر سکے چنانچہ خدا نے حضرت نوحؑ پر ایسی شریعت نازل کی جو اس زمانے کے مسائل کا حل پیش کرتی تھی۔ خدا نے اجتماعی مسائل کے لئے ویسی ہی شریعت حضرت نوحؑ پر نازل کی تھی جیسی حضرت محمد مصطفیٰؐ پر نازل ہوئی تھی۔

قوموں کی تاریخ کا یہ المیہ رہا ہے کہ اپنے انبیاء کے بعد وہ انحرافات کا شکار ہوتی رہی ہیں۔ حضرت آدمؑ نے اپنی اولاد کو خالص توحید کی تعلیم دی تھی لیکن حضرت نوحؑ کا زمانہ آنے تک نسل آدم توحید کو چھوڑ کر بت پرستی میں مبتلا ہوگئی تھی جس کی وجہ سے حضرت نوحؑ کو ازسرنو توحید کی دعوت دینی پڑی اور لوگوں کو شرک وبت پرستی سے روکنا پڑا۔ حضرت نوحؑ کی طرح سے حضرت خلیلؑ اور حضرت خاتم الانبیاءؐ کو بھی توحید کی تعلیم دینے کے لئے بہت زیادہ جدوجہد کرنی پڑی۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت خاتم الانبیاءؐ تبلیغ کے ابتدائی دنوں میں مکہ کے بازاروں اور چوکوں میں کھڑے ہوکر یہ آواز بلند کرتے تھے: اَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا اے لوگو! لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کروتا کہ دین ودنیا دونوں میں فلاح پاسکو۔

کچھ قوموں میں طاغوت نے ربوبیت کا دعویٰ کیا تھا جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں نمرود کوس لمن الملک بجا رہا تھا اور حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں فرعون اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کا ڈنکا بجا رہا تھا۔ حضرت خلیلؑ اور حضرت کلیمؑ کو ان دونوں طاغوتوں کی ربوبیت کی نفی کرنے اور خدائے واحد کی ربوبیت کا پرچار کرنے میں بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا اور بڑی سخت جدوجہد کرنا پڑی۔

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں نمرود نے ربوبیت کا دعویٰ کیا تو حضرت ابراہیمؑ نے اس سے فرمایا: ''میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔''

اور جب حضرت موسیٰؑ فرعون کے سامنے گئے تو انہوں نے اس کے دعویٰ ربوبیت کو پائے حقارت سے ٹھکرادیا اور فرمایا: رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو مناسب خلقت دی پھر اسے ہدایت بخشی۔

حضرت موسیٰؑ کے قول کی ترجمانی قرآن میں ان الفاظ سے کی گئی ہے: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی ۝ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۝ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی ۝ وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ۝ فَجَعَلَہٗ غُثَآءً اَحْوٰی ۝ (اے رسولؐ) اپنے رب کے نام کی تسبیح کیجئے جو حواس وقیاس سے ماوراء ہے۔ جس نے (انسان کو) بنایا اور بالکل ٹھیک بنایا۔ اور جس نے (اس کا) اندازہ ٹھہرایا۔ پھر (اس کو) سیدھا راستا دکھایا۔ اور جس نے چارہ اگایا۔ پھر اس کو سیاہ رنگ کا کوڑا کردیا۔ (سورۂ اعلیٰ: آیت ۱تا۵) اور فرمایا: اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۝ بے شک تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ (سورۂ اعراف: آیت ۵۴)

انبیائے کرامؑ کی مخاطب اقوام یا تو عقیدۂ توحید سے منحرف ہوتی رہیں یا پھر ان میں سے کچھ قومیں اعمال میں احکام اسلام سے منحرف ہوئیں جیسا کہ حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کی قومیں اپنی بداعمالیوں میں گرفتار ہوئی تھیں۔

جب ہم قرآن مجید اور احادیث نبوی اور انبیائے کرامؑ کے آثار اور اسلامی مصادر میں ان کے حالات پڑھتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہر آنے والے نبی نے جانے والے نبی کی شریعت کا ازسرنو احیاء کیا اور امت کی تحریفات کو دور کر کے سابقہ نبی کی شریعت کو اس کی اصل شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کیا اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم اپنے اصول عقائد کے اظہار کے لئے کہیں: آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ اے مسلمانو! کہو کہ ہم خدا پر اور جو کتاب ہم پر اتری ہے اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ پر اترے ہیں اور جو کتابیں موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو عطا ہوئیں ان پر اور جو دیگر پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان سب پر ایمان لائے۔ ہم پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (خدائے واحد) کے فرمانبردار ہیں۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۳۶)

اب یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ جب تمام انبیاء کی شریعتیں ایک تھیں تو پھر خدا نے کچھ شریعتوں کو منسوخ کیوں کیا اور ان کی جگہ شریعت کے نئے احکام کیوں نازل فرمائے؟ جبکہ نسخ کا ثبوت قرآن مجید میں موجود ہے: مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا اس کے حکم کو بدل دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور آیت بھیج دیتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۰۶)

علاوہ ازیں اس مقام پر سوال کرنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ جب شریعتیں ایک تھیں تو پھر ان میں تبدیلی کا کیا مقصد تھا؟ جبکہ تبدیلی کا تذکرہ قرآن حکیم کی اس آیت میں موجود ہے: وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت کو بدل دیتے ہیں اور اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا نازل کر رہا ہے۔ کافر کہتے ہیں کہ (اے محمدؐ) تم تو یونہی اپنی طرف سے بنا لاتے ہو جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی اکثریت کو علم ہی نہیں۔ (سورۂ نحل: آیت ۱۰۱)

اس سوال کا جواب ہم آگے پیش کریں گے اور اس سوال کے جواب کے لئے لفظ نسخ اور لفظ آیۃ پر تفصیلی بحث کریں گے کیونکہ اس کے بغیر اس سوال کا جواب دینا ممکن نہیں ہے۔

نسخ اور اصطلاحات کا مفہوم

(۱) **لغت** میں بعد والی چیز کا پہلی چیز کو ہٹا دینا نسخ کہلاتا ہے۔ کہتے ہیں ازالۃ شیء بشیء یعقبہ جب دھوپ سائے کو ہٹا دیتی ہے تو کہتے ہیں نسخت الشمس الظلّ۔

اسلامی اصطلاح میں ایک شریعت کے احکام کا دوسری شریعت کے احکام کی وجہ سے منسوخ ہونا نسخ کہلاتا ہے۔ سابقہ شریعتوں کے کچھ احکام شریعت محمدؐ کے احکام سے منسوخ ہوئے۔ نیز نسخ کی ایک خاص قسم یہ بھی ہے کہ ایک وقتی اور عارضی حکم کو ابدی حکم کے ساتھ منسوخ کر دیا جائے مثلاً ہجرت کے بعد رسول اکرمؐ نے عقد مؤاخات کے ذریعے مہاجرین وانصار کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا تھا اور دو بھائیوں میں وراثت بھی جاری رہی تھی لیکن فتح مکہ کے بعد وراثت کی یہ روایت ختم کر کے حقیقی رشتہ داروں تک محدود کر دی گئی۔[۱]

(۲) **آیت** کا لفظ اسلامی اصطلاح میں تین معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۱۔ قرآن مجید میں انبیائے کرامؑ کے معجزات کو "آیت" کہا گیا ہے جیسا کہ رب العزت کا فرمان ہے:
وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوٓءٍ فِي تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ۝ اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر نکالو بے عیب سفید نکلے گا۔ (یہ دو معجزے شامل ہیں) ان نو معجزوں میں جو فرعون اور اس کی قوم کے لئے دیئے گئے ہیں۔ (سورۂ نمل: آیت ۱۲)

۲۔ قرآن مجید کے ایک جملے کو بھی آیت اور آیات کہا گیا ہے مثلاً سورۂ یوسف، سورۂ رعد، سورۂ یونس اور سورۂ نمل کی پہلی آیت کے یہ الفاظ ہیں: الٓر ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ... یہ کتاب کی آیات ہیں۔

۳۔ قرآن مجید کی ایک فصل کو بھی جس میں شریعت کے کسی حکم کو بیان کیا گیا ہو آیت کہتے ہیں۔ لفظ آیت پر تفصیلی بحث کے لئے القرآن الکریم و روایات المدرستین کی جلد اول میں باب اصطلاحات دیکھئے۔

علاوہ ازیں قرآن مجید کے مدلول ومقصود کو بھی آیت کہا گیا ہے اور نسخ کا تعلق اسی مدلول سے ہوتا ہے قرآن مجید کے جن الفاظ میں وہ حکم بیان ہوا ہے وہ الفاظ منسوخ نہیں ہوتے اور جب الفاظ مشترک المعنی ہوتے

۱۔ تفسیر طبری، ج ۱۰ ص ۳۶، تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۳۲۸ اور تفسیر در منثور، ج ۳، ص ۲۰۷ میں سورۂ انفال کی آیت ۷۲ اور ۷۵ کی تفسیر دیکھئے۔

ہیں تو پھر مقصود کلام کو متعین کرنے کے لئے قرینہ مدنظر رکھا جاتا ہے۔

یہ ہے اسلامی اصطلاح میں لفظ "آیت" کا مفہوم۔ اب آیئے آیت نسخ کی تفسیر پر ایک نظر ڈالیں۔

(۱) آیت نسخ

آیت نسخ اور اس کی متعلقہ آیات کو سورۂ بقرہ کی آیات ۴۰ تا ۱۵۲ میں بیان کیا گیا ہے۔ ہم اس موضوع سے متعلق چیدہ چیدہ آیات نقل کرتے ہیں:

يَا بَنِي إِسْرَاءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ○ وَآمِنُوا بِمَا أَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ ○ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ○ ... يَا بَنِي إِسْرَاءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ○ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ○ ... وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ○ اے بنی اسرائیل! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر نازل کی ہیں اور اس عہد کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا اور میں اس عہد کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا اور تم مجھ ہی سے ڈرتے رہو اور ہم نے جو (قرآن) نازل کیا ہے وہ تمہاری تورات کی تصدیق کرتا ہے اس پر ایمان لے آؤ اور اس کے منکر اول نہ بنو اور میری آیتوں کو (تحریف کر کے) معمولی قیمت (منفعت دنیا) پر مت بیچو اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ اور حق کو باطل سے خلط ملط نہ کرو اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ... اے بنی اسرائیل! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر نازل کی ہیں اور یہ کہ میں نے تمہیں سارے جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔ اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی کسی کا بدل نہیں بن سکے گا اور کسی کی سفارش قبول نہیں کی جائے گی اور کسی طرح کا معاوضہ نہیں لیا جائے گا اور کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا... اور جب ہم نے تم لوگوں سے پختہ عہد لیا اور تم پر کوہ طور کو بلند کیا (اور حکم دیا کہ) جو (کتاب) ہم نے تم کو دی ہے اس کو مضبوطی سے پکڑو اور جو اس میں (لکھا) ہے اسے یاد رکھو تاکہ تم متقی بن سکو۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ○ وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَا يُؤْمِنُونَ ○ وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى

الْکَافِرِیْنَ ○ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ اَنْ یَّکْفُرُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْیًا اَنْ یُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ وَلِلْکَافِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ○ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَا اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَیَکْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِیَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ وَلَقَدْ جَآءَکُمْ مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے پیچھے یکے بعد دیگرے رسول بھیجے۔ عیسیٰ بن مریم کو ہم نے واضح معجزے عطا کئے اور روح القدس کے ذریعے ان کی تائید کی۔ تو جب کوئی رسول تمہارے پاس ایسا پیغام لے کر آیا جو تم کو پسند نہیں تھا تو تم سرکش ہو جاتے رہے اور ایک گروہ (انبیاء) کو جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں (نہیں ایسا نہیں) بلکہ خدا نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کر رکھی ہے اور ان میں سے بہت تھوڑے لوگ ایمان لائیں گے۔ اور جب ان کے پاس خدا کی طرف سے کتاب آئی جو اُن کی (آسمانی) کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور وہ اس سے پہلے اسی کو وسیلہ بنا کر دشمنوں پر فتح مانگا کرتے تھے۔ جس (رسول عربیؐ) کو وہ خوب پہچانتے تھے جب ان کے پاس آیا تو وہ اس سے کافر ہو گئے۔ پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔ جس چیز کے بدلے انہوں نے اپنے نفس کو بیچ ڈالا وہ بہت بری ہے یعنی اس ضد سے کہ خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل نازل فرماتا ہے خدا کی نازل کردہ کتاب سے کفر کرنے لگے۔ اس لئے وہ خدا کے غضب بالائے غضب میں مبتلا ہوئے اور کافروں کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا نے جو کتاب نازل کی ہے اس پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں ہم تو صرف اس کتاب کو مانتے ہیں جو ہم پر (پہلے) نازل ہو چکی ہے حالانکہ وہ (سراسر سچی ہے) اور ان کی (آسمانی) کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے اگر تم مومن ہوتے تو اللہ کے نبیوں کو پہلے ہی کیوں (ناحق) قتل کرتے۔ اور موسیٰ تمہارے پاس واضح معجزے لے کر آئے لیکن تم نے ان کے (کوہ طور پر جانے کے) بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

...وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ وَمَا یَکْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ○ ...وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَیْرٌ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ○ مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ○ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ اور ہم نے آپ کو واضح معجزات عطا کئے ہیں اور ان سے انکار وہی کرتے ہیں جو فاسق ہیں ... اگر یہ لوگ ایمان لاتے اور متقی بن جاتے تو خدا کے ہاں سے بہت اچھا صلہ پاتے۔ اے کاش وہ یہ بات سمجھتے ... جو لوگ کافر ہیں خواہ اہل کتاب ہیں

خواہ مشرک ہیں وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی خیر نازل ہو اور خدا تو جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے مخصوص کر لیتا ہے اور خدا بڑے فضل کا مالک ہے۔ ہم جس آیت کا حکم منسوخ یا مؤخر کرا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت بھیج دیتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

...وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○ ... وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ○ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○ ...وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ○ ... يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ○ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ○ بہت سے اہل کتاب حسد کے مارے یہ چاہتے ہیں کہ وہ ایمان لا چکنے کے بعد تم کو پھر کافر بنا دیں حالانکہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے۔ تو تم انہیں معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ خدا اپنا (دوسرا) حکم بھیجے۔ اور خدا ہر چیز پر قادر ہے ... اور وہ کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی جنت میں نہیں جائے ہوگا یہ صرف ان کے خیالی پلاؤ ہیں۔ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ ہاں! جو شخص خدا کے آگے سر جھکا دے اور وہ نیکوکار بھی ہو تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کو (قیامت میں) نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ اور آپ سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ نصاریٰ یہاں تک کہ آپ ان کے دین کی پیروی کر لیں۔ (اے رسولؐ) ان سے کہہ دیجئے کہ خدا کی ہدایت ہی سچی ہدایت ہے اور (اے رسولؐ) اگر آپ علم کے آجانے کے بعد بھی ان کی خواہشات کی پیروی کریں گے تو پھر آپ کو خدا (کی پکڑ) سے بچانے والا کوئی یاور و ناصر نہ ہوگا... اے بنی اسرائیل! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی ہیں اور میں نے تمہیں اہل عالم پر فضیلت بخشی اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی کسی کا بدل نہیں بن سکے گا اور کسی کی سفارش قبول نہیں کی جائے گی اور کسی طرح کا معاوضہ نہیں لیا جائے گا اور کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔

اس مقدمہ کی تمہید کے بعد خدا نے قرآن میں نسخ کے مقام کی نشاندہی کرتے ہوئے تعمیر کعبہ کے متعلق حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی جانفشانی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

(۱) وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ اور جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ بیت اللہ کی بنیادیں

اظہار ہے تھے۔

(۲) وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے ثواب و اجتماع اور امن کا مقام بنایا۔

(۳) وَعَهِدْنَا اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ اِسْمَاعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ وَالْعَاكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ اور ابراہیم اور اسماعیلؑ سے عہد لیا کہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو پاک صاف رکھیں گے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ٥ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ... اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ٥ (اے رسولؐ) ہم آپ کے چہرے کو آسمان کی طرف اٹھتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ ہم ضرور آپ کو اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہوں گے۔ تو آپ اپنے چہرے کو مسجد الحرام کی طرف کر لیا کریں اور (مسلمانو) تم جہاں بھی ہوا کرو (نماز کے وقت) اپنے چہرے اسی سمت پھیر لیا کرو۔ بے شک جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ (نیا قبلہ) درحقیقت ان کے رب کی طرف سے ہے۔ اور جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں خدا اس سے غافل نہیں ہے۔ اور (اے رسولؐ) اگر آپ اہل کتاب کے پاس تمام نشانیاں بھی لے آئیں تب بھی وہ آپ کے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے اور آپ بھی ان کے قبلے کی پیروی کرنے والے نہیں ہیں... جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان (نبی خاتمؐ) کو ایسے ہی پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں مگر ان میں سے ایک گروہ جان بوجھ کر حق کو چھپا رہا ہے۔

خدا نے اہل کتاب کے اس مباحثہ کا تذکرہ کیا ہے جو تحویل قبلہ کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ ہوا تھا:

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ٥ ... وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ٥ عنقریب کچھ احمق لوگ کہیں گے کہ اس قبلے سے انہوں نے کیوں منہ موڑا جس کی طرف پہلے منہ کیا کرتے تھے۔ (اے رسولؐ) کہہ دیجئے کہ مشرق اور مغرب خدا ہی کا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ جس قبلے کی طرف آپ پہلے منہ کیا کرتے تھے ہم نے آپ کو اس سے

اس لئے پھیرا کہ ہم یہ دیکھ لیں کہ کون رسول کی پیروی کرنے والا ہے اور کون الٹے پاؤں پھرنے والا ہے۔ یہ بات (تحویل قبلہ) اگرچہ سخت گراں تھی مگر جن کو خدا نے ہدایت دی ہے (وہ اسے گراں نہیں سمجھتے) اور خدا تمہاری وہ نمازیں (جو تم نے پہلے بیت المقدس کی طرف پڑھی ہیں) ضائع نہیں کرے گا۔ یقیناً خدا لوگوں پر شفیق مہربان ہے۔

(۲) آیت تبدیل

سورۂ نحل میں تبدیلی آیت کا ذکر آیا ہے۔ ہم یہاں اس بحث سے مربوط آیات نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

وَاِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ ... اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَاذِبُوْنَ ۝ ... فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ... وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ...۝ ...ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ...۝ اور جب ہم کوئی آیت کسی آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں۔ اور خدا جو کچھ نازل فرماتا ہے اسے خوب جانتا ہے لیکن (کافر) کہتے ہیں کہ تم تو اپنی طرف سے (جھوٹ) گھڑ لاتے ہو حالانکہ ان کی اکثریت کچھ نہیں جانتی ہے۔ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ اس (قرآن) کو روح القدس تمہارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ لے کر نازل ہوئے ہیں تا کہ یہ (قرآن) مومنوں کو ثبات قدم عطا کرے اور یہ فرمانبرداروں کیلئے ہدایت اور بشارت ہے... یقیناً جھوٹ تو وہی لوگ گھڑتے ہیں جو خدا کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی لوگ جھوٹے ہیں...پس تم خدا کے دیئے ہوئے حلال اور پاک رزق میں سے کھاؤ اور خدا کی نعمتوں کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو اس نے تمہارے لئے مردار اور خون اور سور کا گوشت حرام کر دیا ہے اور اس کو بھی جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے ہاں اگر کوئی شخص (بھوک سے) بے قرار ہو جائے اور وہ گناہ کرنے والا اور حد پار کرنے والا نہ ہو تو خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے اپنی زبان سے یہ مت کہتے پھرا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کیونکہ اس طرح تم خدا پر جھوٹ باندھنے والے بن جاؤ گے اور جو خدا پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پائیں گے...اور جو چیزیں

ہم اس سے پہلے آپ کو بتا چکے ہیں وہ ہم نے یہودیوں پر حرام کردی تھیں ... پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ دین ابراہیم کی پیروی کریں جو بالکل سیدھا دین ہے اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ سنیچر کا دن ان ہی لوگوں (کی آزمائش) کے لئے مقرر کیا گیا تھا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا... (سورۂ نحل: آیت ۱۰۱ تا ۱۲۴)

آیئے دیکھتے ہیں اس سے قبل خدا نے یہودیوں پر کون سی چیزیں حرام کی تھیں:

۱۔ کُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیۡٓ اِسۡرَآءِیۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِیۡلُ عَلٰی نَفۡسِہٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىةُ... توریت کے نازل ہونے سے پہلے بنی اسرائیل کے لئے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں سوا ان کے جو یعقوبؑ نے خود اپنے اوپر حرام کرلی تھیں۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۹۳)

۲۔ وَعَلَى الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا كُلَّ ذِىۡ ظُفُرٍ‌ ۚ وَمِنَ الۡبَقَرِ وَالۡغَنَمِ حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ شُحُوۡمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتۡ ظُهُوۡرُهُمَاۤ اَوِ الۡحَـوَايَاۤ اَوۡ مَا اخۡتَلَطَ بِعَظۡمٍ‌ ؕ ذٰلِكَ جَزَيۡنٰهُمۡ بِبَـغۡيِهِمۡ‌ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ۝ اور ہم نے یہودیوں پر وہ سب جانور حرام کردیے تھے جن کے کھر چرے ہوئے نہیں تھے اور گایوں اور بھیڑوں کی چربی بھی حرام کردی تھی سوائے اس کے جو ان کی پیٹھوں یا آنتوں یا ہڈیوں سے لگی ہوتی ہے۔ ہم نے ان کو یہ ان کی نافرمانی کی سزا دی ہے اور ہم بالکل سچے ہیں۔ (سورۂ انعام: آیت ۱۴۷)

لغوی تشریح

۱۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ:

مقصد یہ ہے کہ توریت میں رسول اکرمؐ کی بعثت اور قرآن کریم کی صداقت کے متعلق جو کچھ لکھا ہوا ہے رسول اکرمؐ اس کی تصدیق کرنے والے ہیں جیسا کہ توریت کے سفر تثنیہ کے باب ۳۳ میں مذکور ہے۔ اس وقت ہمارے پیش نظر توریت کا عربی نسخہ ہے جو کہ رچرڈ واٹسن نے ۱۸۳۱ء میں لندن سے شائع کیا تھا۔ اس کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

الاصحاح الثالث والثلاثون

(۱) فهذه البركة التي بها بارك موسى رجل الله بني اسرائيل قبل موته ۝

(۲) وقال جاء الرب من سينا واشرق لنا من ساعير استعلن من جبل فاران ومعه الوف الاطهار في يمينه سنة من نار ۝

(۳) احب الشعوب جميع الاطهار بيده والذين يقتربون من رجليه يقبلون من تعليمه ۝

(۴) موسى امرنا بسنة: ميراثا لجماعة يعقوب ۝

رچرڈ واٹسن ہی نے تورات کا فارسی ترجمہ ۱۸۳۹ء میں لندن سے شائع کیا تھا۔ اس میں لکھا ہے:

باب سی وسوم

(۱) واینست دعای خیر کہ موسیٰ مرد خدا قبل از مردن بر بنی اسرائیل خواند۔

(۲) وگفت کہ خداوند از سینای برآمد و از سعیر نمودار گشت و از کوہ فاران نور افشان شد و با دہ ہزار مقربان ورود نمود و از دست راستش شریعتی آتشین برای ایشان رسید۔

(۳) بلکہ قبائل را دوست داشت وہمگی مقدسانش در قبضہ تو مستند و مقربان پای تو بودہ تعلیم ترا خواہند پذیرفت

(۴) موسیٰ ما را بشریعت امر کرد کہ میراث جماعت بنی یعقوب باشد۔

اس عبارت کا انگریزی ترجمہ آکسفرڈ یونیورسٹی پریس لندن کی شائع کردہ تورات میں یوں ہے:

CHAPTER 33

(1) And this *is* the blessing , wherewith Moses the man of God blessed the children of Israel before his death.

(2) And he said , the LORD came from Sinai , and rose up from Seir unto them : he shined forth 'from mount Paran , and 'he came with ten thousands of saints: from his right hand *went* 'a fiery law for them.

(3) Yea , 'he loved the people: all his saints *are* in thy hand: and they 'sat down at thy feet; *every one* shall 'receive of thy words.

(4) 'Moses commanded us a law, '*even* the inheritance of the congregation of Jacob.

فارسی اور انگریزی نسخوں کا ترجمہ یہ ہے:

(۱) یہ وہ دعائے خیر ہے جو مرد خدا موسیٰؑ نے اپنی وفات سے قبل بنی اسرائیل کو دی تھی۔

(۲) اور اس نے کہا: خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے اٹھا اور کوہ فاران سے چمکا۔ اور وہ دس ہزار مقربین کو ساتھ لے کر آیا اور اس کے دائیں ہاتھ میں ان کے لئے آتشیں شریعت تھی۔

(۳) وہ قبائل کو عزیز رکھتا ہے اور اس کے تمام مقدس افراد تیرے ہاتھ میں ہیں وہ تیرے قدموں میں بیٹھ کر تیری تعلیمات کو قبول کرتے ہیں۔

(۴) موسیٰؑ نے ہمیں اس شریعت کا حکم دیا ہے جو اولاد یعقوبؑ کی جماعت کی میراث ہے۔

اس نص میں بھی بتایا گیا ہے کہ کوہ فاران پر خدا کا نور چمکا اور وہ دس ہزار افراد کی جماعت کو لے کر آیا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پہلی وحی غار حرا میں نازل ہوئی تھی جو کوہ فاران کا ایک غار ہے۔ اور یہ کہ

رسول اکرم فاران (Paran) یعنی مکہ کو فتح کرنے کیلئے دس ہزار صحابہ کرام کے ساتھ مکہ تشریف لے گئے تھے۔
اس طرح حضرت موسیٰؑ کی پیشگوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔

الغرض اہل کتاب نے ان بشارتوں کو چھپانے کی مقدور بھر کوششیں کی ہیں جن کا تعلق حضرت خاتم الانبیاءؐ کی بعثت سے ہے۔ اس کی تفصیلی بحث کے لئے ہماری کتاب مائة و خمسون صحابی مختلق جلد دوم کی پانچویں تمہیدی بحث ملاحظہ فرمائیں۔

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ کی تفسیر کا نتیجہ:

تورات کے سفر تثنیہ باب ۳۳ کی مذکورہ چار آیات کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی وفات سے قبل بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ خدا نے تورات کو جبل سینا پر اور انجیل کو کوہ سعیر پر اور قرآن کو کوہ فاران (مکہ) پر نازل فرمایا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰؑ نے رسول اکرمؐ کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''وہ دس ہزار پاکباز افراد کے ساتھ فاران آئے گا۔'' اور حضرت موسیٰؑ کی یہ پیشگوئی یوں پوری ہوئی کہ آپ فتح مکہ کے وقت دس ہزار صحابہ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تھے۔

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا تھا: ''اس کے ہاتھ میں آتشیں شریعت ہوگی۔'' یعنی اس کی شریعت میں جہاد واجب ہوگا۔

پھر حضرت موسیٰؑ نے فرمایا تھا: ''اس کی امت اس کی تعلیمات پر پورا پورا عمل کرے گی۔'' ان الفاظ سے حضرت موسیٰؑ نے دراصل اپنی امت کی نافرمانیوں پر شدید تنقید کی ہے۔ اس طرح آپ یہ فرمانا چاہتے تھے کہ وہ تم جیسے لوگ نہیں ہوں گے۔ وہ تمہاری طرح سے بچھڑے کی پوجا نہیں کریں گے اور وہ تمہاری طرح سے بات بات پر اپنے نبی پر تنقید نہیں کریں گے۔

ا۔ برا ہو اس اندھے تعصب کا کہ جب یہود و نصاریٰ نے دیکھا کہ دس ہزار افراد کی پیشگوئی حرف بحرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منطبق ہوتی ہے تو انہوں نے اس میں تحریف کردی جس کا مقصد حضرت موسیٰؑ کی پیشگوئی کو چھپانا ہے۔ اردو ترجمہ میں جو بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور سے شائع ہوا ہے اس نص کا ترجمہ یوں ہے:

ب ۳۳

(۱) اور مرد خدا موسیٰؑ نے جو دعائے خیر دے کر اپنی وفات سے پہلے بنی اسرائیل کو برکت دی وہ یہ ہے۔

(۲) اور اس نے کہا: خداوند سینا سے آیا۔ اور سعیر سے ان پر آشکار ہوا۔ وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا۔ اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشیں شریعت تھی۔

(۳) وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے۔ اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں میں بیٹھے ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہوگا۔

(۴) موسیٰؑ نے ہم کو شریعت اور یعقوبؑ کی جماعت کے لئے میراث دی۔ (مترجم عفی عنہ)

پھر حضرت موسیٰ نے صاف الفاظ میں فرمایا: اس کی شریعت تمام قبائل کے لئے ہوگی جبکہ حضرت موسیٰ کی شریعت صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی۔

توراۃ و انجیل میں حضرت خاتم الانبیاءؐ کا ذکر موجود تھا لیکن یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ نے تحریف کرکے اس کے معانی و مطالب کو بدل دیا مگر اس کے باوجود رسول اکرمؐ کے متعلق آیات آج بھی موجود ہیں اور رسول اکرمؐ کے عہد میں بھی موجود تھیں۔ اور اگر ہم ان تمام آیات کو جمع کرنا چاہیں تو بات بہت لمبی ہو جائے گی اس لئے ہم یہاں صرف اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ رسول اکرمؐ کے دور کے اہل کتاب آنحضرتؐ کے شمائل و خصائل سے بخوبی واقف تھے اور وہ ان شمائل و خصائل کی وجہ سے دل ہی دل میں کہتے تھے کہ جس رسول کی بشارت توراۃ و انجیل میں دیگئی ہے وہ رسول یہی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان (نبی خاتمؐ) کو ایسے ہی پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں مگر ان میں سے ایک گروہ حق کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے۔"

۲۔ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ: حق کو چھپانے کے لئے اس میں باطل کی آمیزش نہ کرو۔ اور حق کے ساتھ باطل کو ملا کر اسے مشکوک نہ بناؤ۔

۳۔ عَدْلٌ: یعنی فدیہ۔

۴۔ قَفَّيْنَا: ایک دوسرے کے بعد لگاتار آنا۔

۵۔ غُلْفٌ: اغلف کی جمع۔ اغلف اس چیز کو کہا جاتا ہے جو غلاف میں بند ہو۔

۶۔ يَسْتَفْتِحُونَ: یعنی جب وہ دشمنوں سے لڑتے تھے تو ان کا نام لے کر فتح طلب کرتے تھے اور خدا کی بارگاہ میں ان کو شفیع قرار دے کر کامیابی کی دعا مانگا کرتے تھے۔

۷۔ نُنْسِهَا نَنْسَؤُهَا کا مخفف ہے۔ نسأ الشیء، الامر وانساہ کے معانی مؤخر کرنے کے ہیں اور آیت کا معنی ہے کہ "ہم جس آیت کے احکام کو منسوخ کرتے ہیں یا اس کے حکم کو مؤخر کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی دوسری آیت لے آتے ہیں۔

اس مسئلہ کی مزید وضاحت اور اس میں مضمر حکمت کو ہم آگے بیان کریں گے۔

اس آیت میں نُنْسِهَا سے ہرگز یہ مراد نہیں ہے کہ "جب ہم کسی آیت کو فراموش کرا دیتے ہیں" یا ذہن سے مٹا دیتے ہیں جیسا کہ بعض (مترجمین اور) مفسرین نے یہ معنی کیے ہیں۔[1]

۸۔ هَادُوا وَ هُودًا: هَادَ فَهُوَ هَائِدٌ یعنی وہ یہودی بنا۔ اس سے اسم فاعل ھائد ہے اور اس کی جمع ھوداً ہے جیسے عائد و عوداً اور نازل و نزلاً۔

۹۔ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ: میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ میں نے

۱۔ تفسیر قرطبی اور تفسیر طبری میں سعد بن ابی وقاص کی روایت ملاحظہ فرمایئے۔

تمہیں اس وقت کی معاصر اقوام (یعنی مصر کے قبطیوں اور شام کے عمالقہ) پر فضیلت دی تھی۔

۱۰۔ شَطْرَ: شطر الشیٔ کا ایک معنی کسی شے کی جہت ہے اور یہاں یہی معنی مراد ہے۔

۱۱۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ: مقصد آیت یہ ہے کہ تم نے اب تک بیت المقدس کی طرف منہ کرکے جو نمازیں پڑھی ہیں خدا انہیں ضائع نہیں کرے گا۔ البتہ اب تمہارے لئے حکم یہ ہے کہ تم کعبۃ اللہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھو۔

۱۲۔ بَدَّلْنَا: بدل الشیء بالشیء وبدل شیئا مکان شیء آخر۔ ایک چیز کی جگہ دوسری چیز رکھ دی۔ "بدل" اور "عوض" کے معنی میں ایک لطیف فرق ہے۔ عوض کسی چیز کی قیمت کے لئے بولا جاتا ہے۔ مثلاً هذا الدرهم عوض من خاتمک یہ درہم آپ کی انگوٹھی کا "عوض" ہے جبکہ "بدل" معاوضہ کے بجائے اس کے قائم مقام کے لئے بولا جاتا ہے۔

۱۳۔ رُوْحُ الْقُدُسِ: وہ فرشتہ جو خدا کی طرف سے رسول اکرمؐ پر قرآن، اس کی تفسیر اور احکام لیکر نازل ہوتا تھا۔ (یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام)

۱۴۔ ذِيْ ظُفُرٍ: لغت میں ظُفُرٌ انسان وغیرہ کے ناخن کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور یہاں مقصود ہر وہ حیوان ہے جس کا کھر چرا ہوا نہ ہو جیسے اونٹ، شتر مرغ اور بطخ وغیرہ۔ واللہ اعلم۔

۱۵۔ اَلْحَوَايَا: آنتیں۔

۱۶۔ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ: اختلط الشیء بالشیء. ایک چیز کا دوسری چیز سے مخلوط ہوجانا۔ اور یہاں وہ چربی مراد ہے جو ہڈیوں پر لگی ہوتی ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ آیت تبدیل میں جو کہ سورۂ نحل کی آیات کے مجموعہ میں موجود ہے خدا فرماتا ہے کہ جب ہم ایک آیت کو دوسری آیت میں تبدیل کرتے ہیں یعنی جب ہم سابقہ شریعت کے احکام کو قرآن کے احکام سے تبدیل کرتے ہیں تو وہ رسول اکرمؐ سے کہتے ہیں کہ تم افترا کر رہے ہو حالانکہ ان کی اکثریت حقیقت نہیں جانتی۔ اے رسولؐ! آپ کہہ دیجئے کہ آپ اللہ پر جھوٹ نہیں باندھتے بلکہ آپ کے پاس اللہ کا فرشتہ قرآن لے کر آتا ہے تاکہ مومنین کو راہ ایمان پر ثابت قدم رکھے اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن مسلمانوں کے لئے ہدایت اور بشارت کا باعث ہو۔ آپ افترا پرداز نہیں ہیں۔ افترا تو وہ کرتے ہیں جو خدا کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے۔ یعنی مشرکین خود جھوٹے اور مفتری ہیں۔

اس کے بعد خدا مقام نزاع کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جو پاک رزق خدا نے تم کو دیا ہے

اس میں سے کھاؤ۔ مثلاً اونٹ کا گوشت اور حلال جانوروں کی چربی وغیرہ۔ یہ چیزیں بنی اسرائیل کے لئے حرام تھیں مگر تمہارے لئے حلال ہیں۔ خدا نے تم پر اونٹ اور اس کی چربی کو حرام نہیں کیا بلکہ اس نے تو تمہارے کھانے کے لئے مردار، خون، سور کا گوشت اور ہر اس جانور کا گوشت حرام کیا ہے جس پر ذبح کرتے وقت لات، منات، عزیٰ اور دیگر بتوں کا نام لیا گیا ہو۔

البتہ اگر تم بھوک سے بے قرار ہو جاؤ تو جان بچانے کی حد تک ان کو کھا سکتے ہو۔ بس تمہارے لئے یہ چیزیں حرام ہیں۔ اس کے علاوہ اور چیزوں کے متعلق زبان سے یہ نہ کہتے پھرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کیونکہ سورۂ انعام کی آیات ۱۳۸ تا ۱۴۰ میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ یہ تو مشرکوں کا کام ہے۔ جہاں تک سورۂ انعام کی آیت ۱۴۶ کا تعلق ہے تو یہ بتایا جا چکا ہے کہ خدا نے صرف بنی اسرائیل کے لئے اونٹ اور چربی کو حرام کیا تھا۔ اے رسولؐ! ہم نے آپ کو وحی بھیجی ہے کہ حلال اور حرام کے معاملے میں آپ یہود کی بجائے دین ابراہیمؑ کی پیروی کریں۔ دین ابراہیمؑ میں یہ چیزیں حلال تھیں اور اس کے علاوہ جمعہ کا دن دین ابراہیمؑ میں چھٹی کا دن تھا لیکن یہود کے لئے ہم نے سنیچر (یوم السبت = Sabbath) کو چھٹی کا دن قرار دیا تھا اور اس دن ان پر کام کاج کرنا حرام تھا جیسا کہ سورۂ اعراف کی آیت ۱۶۳ میں بتایا گیا ہے۔

تبدیل آیت سے یہاں تورات کے بعض احکام کی قرآن مجید کے بعض احکام سے تبدیلی مراد ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ حکم دیا گیا ہے کہ معاملات و احکامات کے لئے دین ابراہیمؑ کو اصل سند کی حیثیت حاصل ہے۔ اور آیت کے ان الفاظ سے ہمارے اخذ کردہ مفہوم کی تائید ہوتی ہے: **وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ**... اور جب ہم کوئی آیت کسی آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں۔ اور خدا جو کچھ نازل کرتا ہے اسے خوب جانتا ہے لیکن (کافر) کہتے ہیں کہ تم تو اپنی طرف سے (جھوٹ) گھڑ لاتے ہو حالانکہ ان کی اکثریت کچھ نہیں جانتی۔ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ اس (قرآن) کو روح القدس تمہارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ لے کر نازل ہوئے ہیں۔

آیت دوم میں نَزَّلَهٗ کے الفاظ ہیں۔ اس میں ضمیر ۂ لفظ "آیة" کے مفہوم "حکم" کی طرف ہے۔ اگر اس ضمیر کا اشارہ لفظ "آیة" کی طرف ہوتا تو آیت یوں ہوتی: **قل نزلها روح القدس** اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تبدیلی سے مراد احکام میں تبدیلی ہے۔ ایک آیت کی دوسری آیت سے تبدیلی مراد نہیں ہے۔

۲۔ آیت نسخ سورۂ بقرہ میں ہے جو مدنی سورہ ہے اور اس کے ساتھ والی آیات میں خدا فرماتا ہے: اے بنی اسرائیل! خدا کے احسان کو یاد کرو جب اس نے نزول تورات کے وقت تم سے عہد لیا تھا کہ تم اس عہد کو نبھاؤ گے۔ اور اس نے تم سے کہا تھا کہ جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے تم اس پر مضبوطی سے کاربند رہنا اور جو کچھ اس تورات میں موجود ہے تم اس پر عمل کرنا۔ اور اس میں خاتم الانبیاءؐ کی بعثت کی بشارت بھی موجود ہے اور اگر تم

نے اس پر عمل کیا اور خاتم الانبیاءؐ پر ایمان لائے تو خدا بھی تم سے کئے ہوئے وعدے پورے کرے گا اور دنیا و آخرت میں تم پر اپنی نعمتوں کی بارش کرے گا۔ ہم نے جو کچھ خاتم الانبیاءؐ پر نازل کیا ہے تم اس پر ایمان لاؤ کیونکہ جس طرح سے تمہاری کتاب ہمارے آخری رسول کی تصدیق کرتی ہے اسی طرح سے ہمارا یہ آخری رسول بھی تمہاری کتاب کی تصدیق کرتا ہے لہٰذا تم جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ اور حق کو باطل کا لباس نہ پہناؤ کیونکہ تم سچ کو جانتے ہو۔ خدا نے حضرت موسیٰؑ کو کتاب عطا کی اور ان کے بعد پے در پے رسول بھیجے جن میں سے ایک رسول عیسیٰؑ بن مریم تھے جن کی تائید واضح دلائل اور روح القدس سے کرائی گئی تھی۔ ہماری ان نعمتوں کے باوجود تمہاری یہی روش رہی کہ جب بھی کوئی رسول تمہارے پاس ایسے احکام لے کر آیا جو تم کو ناپسند تھے تو تم نے تکبر کیا اور ہمارے رسولوں کے ایک گروہ کو تم نے ناحق قتل کیا۔ اور بطور قوم تم اتنے گر گئے کہ تم نے یہ تک کہہ دیا کہ ہمارے دلوں پر پردے آچکے ہیں اس لئے ہم ان احکام کے ادراک سے قاصر ہیں۔ اور تمہاری بدنصیبی کی انتہا یہ ہے کہ جب خدا کی طرف سے قرآن آیا تو اگرچہ وہ تمہاری کتاب کی بہت سی باتوں کی تصدیق کرتا تھا پھر بھی تم نے اس کا انکار کیا اور حامل قرآن رسول کو جھٹلایا حالانکہ اس سے قبل جب بھی تمہارا دشمنوں سے مقابلہ ہوا تو تم نے ان کو وسیلہ بنا کر خدا سے فتح وظفر کی دعا مانگی تھی۔ اس کے باوجود ان کی آمد کے ساتھ تم نے ان کا انکار کیا ہے جبکہ تمہاری توارت پکار پکار کر تم کو بتا رہی تھی کہ نبی موعود یہی ہیں اور تم ان کو ان کے شمائل و خصائل سے بخوبی پہچانتے ہو مگر اس کے باوجود تم نے ان کا اور ان پر نازل ہونے والی وحی کا انکار کیا ہے۔ اور جان لو کہ تم نے ان کا انکار کر کے خود اپنا ہی نقصان کیا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ تم کو ان سے کیا پرخاش ہے۔ یہی نا کہ وہ اسحاقؑ کی بجائے اسماعیلؑ کی اولاد سے کیوں ہیں۔ اس میں بھلا ضد کی کیا بات ہے نبوت تو خدا کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا کرے۔ اس کے لئے اولاد یعقوبؑ میں سے ہونا ضروری نہیں ہے۔ تم نے ان کا انکار کر کے خدا کے غضب کو دعوت دی ہے اور کافروں کے لئے بڑا رسوا کن عذاب ہے۔

اور جب یہودیوں سے کہا جاتا ہے کہ تم ان باتوں پر ایمان لے آؤ جو خاتم الانبیاءؐ پر نازل ہوئی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم بھلا ان پر کیوں ایمان لائیں؟ ہم تو صرف ان باتوں پر ایمان لائیں گے جو خاندان یعقوبؑ کے انبیاءؑ پر نازل ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ کسی اور پر کچھ پیغام خدا نازل ہوا ہے تو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ یہودیوں کا یہ طرز عمل ان کی بدبختی کی دلیل ہے کیونکہ قرآن مجید ان کی کتاب کی مخالفت کے لئے نہیں بلکہ ان کی تصدیق کرنے کے لئے آیا ہے۔ اور رسول خاتمؐ کی بعثت سے ان کی کتاب کی بشارت پوری ہوئی ہے۔

اے رسولؐ! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے کو مومن سمجھتے ہو تو بتاؤ کہ تمہارے بزرگوں نے انبیائے کرام کو قتل کیوں کیا تھا؟ اور تمہارا یہ کہنا بھی بالکل غلط ہے کہ تم بنی اسرائیل کے انبیاءؑ پر ہی ایمان رکھتے ہو۔ اگر تمہارا یہ دعویٰ سچا ہے تو پھر تم نے موسیٰؑ کے اتنے معجزات دیکھ کر گوسالہ کو اپنا معبود کیوں بنا لیا تھا۔

یاد رکھو! جس طرح اس نے حضرت موسیٰ پر آیات بینات نازل کی تھیں اسی طرح اس نے حضرت محمد مصطفیٰؐ پر بھی آیات بینات نازل کی ہیں جن کا انکار فاسق ہی کر سکتے ہیں۔ اگر یہود ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو خدا ان کو اس کا اجر ضرور دیتا لیکن مکہ کے مشرک ہوں یا مدینہ کے اہل کتاب یہ دونوں گروہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم پر آسمانی کتاب اور بھلائی نازل ہو۔ ان لوگوں کا یہ حسد بالکل بے جا ہے۔ کسی گروہ کو خیر اور بھلائی کے لئے مخصوص کرنا خدا کا اپنا فعل ہے۔ وہ جسے چاہے اپنی رحمت اور بھلائی کے لئے مخصوص کردے۔ اسے اس کا مکمل اختیار حاصل ہے۔ خدا جن آیات کو منسوخ کرتا ہے یا جن کے احکام کو بدل دیتا ہے تو ان سے بہتر یا ان جیسے احکام وقتی طور پر عطا کرتا ہے۔ بے شک خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

بہت سے اہل کتاب دل سے اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح سے تمہیں خاتم الانبیاء کا منکر بنا کر اپنے جیسا کافر بنالیں۔ ان لوگوں کو صرف اس بات سے چڑ ہے کہ نبوت کا سلسلہ ان کی امت سے باہر کیوں چلا گیا ہے۔ تمہارے یہ بدخواہ حق اور حقیقت کو پہچان کر بھی اس کی مخالفت پر کمربستہ ہیں اور کہتے ہیں کہ جنت میں صرف یہود یا نصاریٰ ہی جائیں گے اور تم لوگ اسلام لاکر جنت میں کبھی داخل نہ ہو سکو گے۔

آپ ان سے پوچھیں کہ تمہارے پاس اس دعوے کی کوئی دلیل ہے تو پیش کرو۔ جنت اسلام لانے والوں کا گھر ہے۔ جو بھی اسلام لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو خدا اس کو ضرور اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

یہود و نصاریٰ تم سے حسد کرتے ہیں اور جب تک تم اپنے دین پر قائم ہو یہ تم سے کبھی راضی نہ ہوں گے البتہ اگر (خدانخواستہ) تم ان کے دین کو اختیار کرلو تو پھر دوسری بات ہے۔

اس کے بعد خدا یہودیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے: اے بنی اسرائیل! میرے ان احسانات کو یاد کرو جو میں نے تم پر کئے ہیں۔ میں نے تم کو تمہاری معاصر اقوام یعنی مصر کے قبطیوں اور شام کے عمالقہ پر فضیلت بخشی تھی۔ تمہیں چاہئے کہ قیامت کے دن کی ہولناکی کو اپنے سامنے رکھو اور اس دن سے ڈرتے رہو۔

ان آیات کے بعد خدا نے تحویل قبلہ کا ذکر کیا ہے جو رسول خداؐ اور یہودیوں میں باعث نزاع بنا تھا۔ خدا نے تحویل قبلہ کے متعلق فرمایا کہ اے رسول! ہم دیکھ رہے تھے کہ ایک عرصے سے آپ کا چہرہ آسمان کی طرف اٹھ رہا تھا اور آپ چاہتے تھے کہ ہم بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کو آپ کا قبلہ مقرر کریں۔ چنانچہ ہم آپ کا رخ اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہوں گے۔ لہٰذا آج سے آپ اور آپ کے پیروکار جہاں کہیں بھی ہوں اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف کرلیا کریں۔

اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ جو آپ سے تحویل قبلہ پر بحث کر رہے ہیں اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ کعبہ کی طرف آپ کا منہ کرنا خدا کے حکم سے ہے لیکن یہ ان کی ہٹ ہے کہ آپ ان کے سامنے جتنے بھی معجزات پیش کریں وہ نہ تو آپ کا حکم مانیں گے اور نہ ہی آپ کے قبلے کو مانیں گے۔ اور ان میں کے

احمق یہ کہیں گے کہ آخر سابقہ قبلے میں کیا خرابی تھی جو آپ نے اس سے منہ موڑ لیا؟ آپ کہہ دیجئے کہ ہم تو خدا کے حکم کے بندے ہیں اور مشرق و مغرب سب سمتیں خدا ہی کے لئے ہیں وہ جسے چاہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرے۔ بیت المقدس سے منہ پھیرنے اور کعبہ شریف کی طرف منہ کرنے میں لوگوں کا امتحان مضمر تھا۔ اس ذریعہ سے خدا نے مدینہ کے لوگوں کا خصوصی امتحان لیا کیونکہ وہ اہل کتاب کے ساتھ میل جول کی وجہ سے بیت المقدس کو خصوصی اہمیت دیتے تھے اور تحویل قبلہ سے ان کے اخلاص کو آزمایا گیا تاکہ خدا دیکھ لے کہ کون خدا کے رسولؐ کا اتباع کرتا ہے اور کون ایڑیوں کے بل پیچھے مڑ جاتا ہے۔ اور جہاں تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی گئی نمازوں کا تعلق ہے تو وہ قبول کر لی گئی ہیں۔ خدا تمہاری ان نمازوں کے اجر و ثواب کو ضائع نہیں کرے گا۔

یہ تھا آیت نسخ کا سیاق و سباق۔ اور اس سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن مجید اپنی ہی آیات کو منسوخ نہیں کرتا بلکہ اس نے تورات کے چند مسائل کو منسوخ کر کے ان سے بہتر حکم مسلمانوں کے لئے پیش کئے ہیں اور اس طویل سیاق و سباق میں صرف تحویل قبلہ ہی نسخ کا واضح ترین مورد ہے۔ اور اسی طرح سے آیت تبدیل میں اونٹ کے گوشت اور چربی کی حلت اور سنیچر کی بجائے جمعہ کو متبرک دن قرار دینے کا ذکر ہے۔ اس میں یہ وضاحت بھی کی گئی ہے کہ اونٹ کے گوشت اور چربی کی حرمت اور سنیچر کے دن کی تعطیل صرف یہود کے لئے مخصوص تھی جب کہ دین ابراہیمؑ میں ایسا نہیں تھا۔ اور اس ضمن میں رسول خداؐ کو یہ تاکید کی گئی کہ آپ اہل کتاب کے خصوصی مسائل کی پیروی کرنے کے بجائے دین ابراہیمؑ کی پیروی کریں۔

راغب اصفہانی نے نسخ آیت کی تفسیر میں انتہائی اہم بات یہ کہی ہے: وکل جملة دالة علی حکم آیة سورة کانت او فصولا او فصلا من سورة ہر وہ جملہ جو کسی حکم پر دلالت کرتا ہو وہ آیت ہے خواہ وہ پوری سورت ہو یا سورت کی کئی فصلیں ہوں یا ایک فصل ہو۔

شریعت موسیٰؑ بنی اسرائیل کیلئے تھی

حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور ان کی شریعت بھی بنی اسرائیل کیلئے مخصوص تھی۔ سفر استثناء کے باب ۳۳ میں ہے کہ" موسیٰ نے ہمیں ایسی شریعت کا حکم دیا ہے جو اولاد یعقوبؑ کے لئے مخصوص ہے۔" حضرت موسیٰ کی تبلیغ کے مخاطب بھی بنی اسرائیل ہی تھے۔ اور قرآن مجید بھی یہی کہتا ہے کہ ان کی نبوت بنی اسرائیل کے لئے مخصوص تھی۔

اس بحث کا آغاز ہم بنی اسرائیل کے واقعات کی ترتیب سے کریں گے اور پھر ان کی شریعت کے منسوخ ہونے پر ایک نظر ڈالیں گے۔

(۱) بنی اسرائیل کو نعمات کی یاددہانی

۱۔ یَا بَنِیْ اِسْرَاءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ ○ ... وَاِذْ نَجَّیْنَاکُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ ○ وَاِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنَاکُمْ وَاَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ اے بنی اسرائیل! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر نازل کی ہیں اور یہ کہ میں نے تمہیں سارے جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی اور (اس احسان کو یاد کرو) جب ہم نے تم کو قوم فرعون سے نجات دلائی تھی جو تم کو ذلت واذیت میں مبتلا رکھتے تھے۔ وہ تمہارے بیٹوں کو تو ذبح کر ڈالتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔ اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی (سخت) آزمائش تھی۔ اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا کو شگافتہ کیا تو تمہیں نجات دی اور تمہارے دیکھتے ہی دیکھتے قوم فرعون کو غرق کر دیا۔ اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا تو تم نے ان کے پیچھے گئو سالہ کو معبود بنا لیا اور تم ظالم تھے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۴۷ ـ ۵۱)

۲۔ وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا کَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ○ اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار اتارا تو وہ ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے جو اپنے بتوں کے گرداگرد (پوجا کیلئے) بیٹھی رہتی تھی۔ انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی ان کے معبود جیسا ایک معبود بنا دو۔ موسیٰ نے کہا کہ تم لوگ تو نرے جاہل ہو۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۳۸)

۳۔ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ ٥... فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِیُّ ٥... فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِیَ ٥... اور سامری نے ان کو گمراہ کر دیا... اسی طرح سامری نے (سونے کے زیور آگ میں) ڈالے اور اس سے ایک بچھڑا بنایا جو گائے کی سی آواز کرنے لگا تو لوگوں نے کہا کہ یہی تمہارا معبود ہے اور یہی موسیٰؑ کا معبود ہے مگر وہ بھول گئے ہیں۔ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۸۵ ۔ ۸۷ ۔ ۸۸)

۴۔ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْٓا اَمْرِیْ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ حَتّٰى یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰى اور ہارونؑ نے ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لوگو اس سے صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے۔ اور تمہارا رب تو رحمٰن ہے تو میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو۔ وہ کہنے لگے کہ جب تک موسیٰؑ ہمارے پاس واپس نہیں آتے ہم (اس کی پوجا) نہیں چھوڑیں گے۔ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۹۰ ۔ ۹۱)

۵۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَیْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ٥ اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم نے گوسالہ کو معبود بنا کر اپنے اوپر (بڑا) ظلم کیا ہے چنانچہ اپنے خالق کی بارگاہ میں توبہ کرو اور اپنے تئیں ہلاک کر ڈالو تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔ پھر تمہارے رب نے تمہاری توبہ قبول کر لی بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۵۴)

(۲) تورات اور اس کے کچھ احکام

۱۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ اور جب ہم نے تم لوگوں سے پختہ عہد لیا اور تم پر کوہ طور کو بلند کیا (اور حکم دیا کہ) جو (کتاب) ہم نے تم کو دی ہے اس کو مضبوطی سے پکڑو اور جو اس میں (لکھا) ہے اسے یاد رکھو تا کہ تم متقی بن سکو۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۶۳)

اس سے ملتا جلتا مفہوم سورۂ بقرہ (آیت ۹۳) اور سورۂ اعراف (آیت ۱۷۱) میں بھی بیان ہوا ہے۔

۲۔ وَاٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ... اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی اور اس کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۲)

۳۔ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ٥ تورات کے نازل ہونے سے پہلے بنی اسرائیل کے لئے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں سوائے ان کے جو یعقوبؑ نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔ (اے رسولؐ) کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ اور اس سے دلیل پیش کرو۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۹۳)

۴۔ وَعَلَى الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا

حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَا اَوِ الْحَوَايَا اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذَالِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَاِنَّا لَصَادِقُوْنَ ○ اور ہم نے یہودیوں پر وہ سب جانور حرام کردیے تھے جن کے کھر چرے ہوئے نہیں تھے اور گایوں اور بھیڑوں کی چربی بھی حرام کردی تھی سوائے اس کے جو ان کی پیٹھوں یا آنتوں یا ہڈیوں سے لگی ہوتی ہے۔ ہم نے ان کو یہ ان کی نافرمانی کی سزا دی ہے اور ہم بالکل سچے ہیں۔ (سورۂ انعام: آیت ۱۴۷)

۵۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ اور جو چیزیں ہم اس سے پہلے آپ کو بتا چکے ہیں وہ ہم نے یہودیوں پر حرام کردی تھیں اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔ (سورۂ نحل: آیت ۱۱۸)

۶۔ يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتَابِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰى اَكْبَرَ مِنْ ذَالِكَ فَقَالُوْا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً ... فَعَفَوْنَا عَنْ ذَالِكَ ... وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ... وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ○ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَآءَ ... وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ○... فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ○ وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (اے رسولؐ) اہل کتاب آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ ان کے لئے آسمان سے ایک کتاب اتار لائیں۔ انہوں نے تو موسیٰ سے اس سے بھی زیادہ سنگین مطالبہ کیا تھا اور کہا تھا کہ ہمیں خدا کو ظاہر بظاہر دکھاؤ ... پھر ہم نے ان سے درگزر کیا... اور ہم نے ان سے عہد لینے کو ان کے سروں پر کوہ طور کو بلند کیا... اور ان سے کہا کہ خبردار سنیچر کو (مچھلیاں پکڑنے کے حکم سے) تجاوز نہ کرنا اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا تھا۔ (لیکن) ان کے عہد کو توڑ دینے اور خدا کی آیتوں سے کفر کرنے اور انبیاء کو قتل کرنے ... اور ان کے کفر کے سبب اور مریم پر بہتان عظیم باندھنے کے سبب۔ الغرض ان یہودیوں کے ظلم کے سبب ہم نے پاک چیزیں جو ان کے لئے حلال تھیں حرام کردیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر لوگوں کو خدا کے راستے سے روکتے تھے۔ اور اس سبب سے بھی کہ منع کرنے کے باوجود وہ سود لیتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے ... (سورۂ نساء: آیت ۱۵۳ تا ۱۶۱)

۷۔ وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ لَا تَاْتِيْهِمْ كَذَالِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○ (اے رسولؐ) ان سے اس شہر کے بارے میں پوچھو جو دریا کنارے واقع تھا اور جس کے باشندے سنیچر کے دن (مچھلیاں نہ پکڑنے) کے حکم کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ (یعنی) سنیچر کے دن جب مچھلیاں سطح آب پر آتی تھیں اور دوسرے دنوں میں نہیں آتی تھیں (تو وہ ان کو شکار کرلیتے) اور حیلہ سے کام لیتے تھے۔ ہم اسی طرح ان لوگوں کو ان کے فسق کے سبب آزمایا کرتے تھے۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۶۳)

اصحاب السبت کا واقعہ سورۂ بقرہ کی آیت ۶۵ اور سورۂ نساء کی آیات ۴۷ اور ۱۵۴ میں بھی آیا ہے۔

۸۔ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ... سنیچر کے دن کی تعظیم صرف ان لوگوں کے لئے قرار دی گئی جو اس میں اختلاف کر رہے تھے۔ (سورہ نحل: آیت ۱۲۴)

(۳) خدا کا انعام اور بنی اسرائیل کی سرکشی

۱۔ وَقَطَّعْنَاهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا وَاَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى اِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهٗ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْئَاتِكُمْ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ○ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ○ اور ہم نے بنی اسرائیل کو الگ الگ کر کے بارہ قبیلے (اور) بڑے گروہ بنا دیئے۔ اور جب موسیٰ سے ان کی قوم نے پانی کا مطالبہ کیا تو ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اپنا عصا پتھر پر مارو۔ انہوں نے عصا مارا تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اس طرح ہر جماعت نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کرلیا۔ اور ہم نے ان (کے سروں) پر بادلوں کا سایہ کئے رکھا اور ان پر من وسلویٰ اتارتے رہے (اور ان سے کہا کہ) ہمارے عطا کردہ پاک رزق کو کھاؤ۔ اور ان لوگوں نے ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنا ہی نقصان کیا۔ اور جب ان سے کہا گیا کہ اس شہر میں داخل ہوجاؤ اور اس میں جہاں سے جی چاہے کھاؤ لیکن (شہر میں) حطہ کہہ کر داخل ہونا اور داخل ہوتے وقت سجدہ کرنا۔ اس سے ہم تمہارے گناہ معاف کردیں گے اور نیک عمل کرنے والوں کا اجر بڑھا دیں گے۔ لیکن جو ان میں ظالم تھے انہوں نے اس لفظ کو جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا بدل کر کچھ اور کہنا شروع کردیا تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا کیونکہ وہ ظلم کرتے تھے۔

(سورۂ اعراف: آیت ۱۶۰ تا ۱۶۲)

۲۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يَا قَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتَاكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِيْنَ ○ يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خَاسِرِيْنَ ○ قَالُوْا يَا مُوْسٰى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دَاخِلُوْنَ ○ قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غَالِبُوْنَ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ قَالُوْا يَا مُوْسٰى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُوْنَ ○ قَالَ رَبِّ لَا اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِيْنَ ○ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي

الْاَرْضِ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِيْنَ ٥ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ اس نے تم میں انبیاء پیدا کئے اور تم میں بادشاہ بنائے اور تمہیں وہ کچھ دیا جو اہل عالم میں سے کسی کو نہیں دیا۔ اے قوم! اس ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ جسے خدا نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور الٹے پاؤں نہ پھرو ورنہ نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ! وہاں تو بڑی طاقتور قوم آباد ہے۔ جب تک وہ وہاں سے نکل نہیں جاتی ہم وہاں داخل نہیں ہوں گے ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائے تو ہم داخل ہو جائیں گے۔ جو لوگ (خدا سے) ڈرتے تھے ان میں سے دو شخص جن پر خدا نے انعام کیا تھا کہنے لگے کہ ان لوگوں پر دروازے کے راستے حملہ کر دو۔ جب تم دروازے میں داخل ہو جاؤ گے تو (ضرور) فتح پاؤ گے اور اللہ پر ہی بھروسا کرو اگر تم مومن ہو۔ انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں ہم ہرگز داخل نہیں ہوں گے۔ آپ اور آپ کا رب جا کر ان سے لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ موسیٰ نے کہا کہ اے پروردگار! میں اپنے اور اپنے بھائی (ہارونؑ) کے سوا کسی پر اختیار نہیں رکھتا لہٰذا ہمارے اور اس فاسق قوم کے درمیان جدائی ڈال دے۔ ارشاد ہوا کہ اب یہ زمین چالیس سال تک ان پر حرام کر دی گئی ہے (کہ وہاں نہ جا سکیں گے بلکہ صحرا) میں بھٹکتے رہیں گے۔ تم اس فاسق قوم کے حال پر افسوس نہ کرو۔ (سورۂ مائدہ: آیت ۲۰ تا ۲۶)

لغوی تشریح

۱۔ اِسْرَاءِيْل: حضرت یعقوبؑ کا لقب۔ ان کے بارہ بیٹوں اور ان کی نسل کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔

۲۔ يَسُوْمُوْنَكُمْ: سَامَ الْاِنْسَانَ يَسُوْمُهٗ ذُلًّا اَوْ خَسْفًا اَوْ هَوَانًا کسی شخص کو ذلیل کرنا یا تکلیف دینا۔

۳۔ يَسْتَحْيُوْنَ: استحیا الاسیر۔ قیدی کو زندہ چھوڑ دیا اور اسے قتل نہ کیا۔

۴۔ يَعْكُفُوْنَ: عکف فی المسجد عکوفا۔ مسجد میں عبادت کے لئے ٹھہرا۔ عکف علیہ یعبدہ۔ وہ اس کی تعظیم کے لئے جھکا اور اس کی عبادت سے سر نہ اٹھایا۔

۵۔ خُوَارٌ: گائے یا بھیڑ بکری کی آواز۔

۶۔ نَبْرَحَ: برح المکان براحاً۔ اس نے جگہ چھوڑ دی۔ لن نبرح ہم نہیں چھوڑیں گے۔

۷۔ فَتَنْتُمْ: اَلْفِتْنَةُ آزمائش۔ جب فتنہ کی نسبت خدا کی طرف ہو تو اس کا مطلب آزمائش ہوتا ہے اور جب شیطان یا انسان کی طرف ہو تو اس کا مطلب بہکانا یا ایذا دینا ہوتا ہے۔ شیطانی فتنہ کے متعلق قرآن کہتا ہے: يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ اے اولاد آدم! کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے۔ (سورۂ اعراف: آیت ۲۷) انسانی فتنہ کے متعلق قرآن کہتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ٥ جن لوگوں نے مومنوں

اور مومنات کو ایذائیں دیں پھر انہوں نے توبہ نہ کی تو ان کو دوزخ کا عذاب بھی ہوگا اور جلنے کا عذاب بھی ہوگا۔ (سورۂ بروج: آیت ۱۰)

۸۔ بَارِئ: خالق۔

۹۔ اَسْبَاط: یہاں اس کے معنی قبائل ہے۔

۱۰۔ فَانْبَجَسَتْ: بَجَسَ وَانْبَجَسَ وَتَبَجَّسَ: پھوٹ پڑا، جاری ہوا۔

۱۱۔ المن والسلوی: کہا گیا ہے کہ من شہد کی طرح کوئی شیریں چیز تھی جبکہ سلویٰ بٹیر سے مشابہ ایک پرندہ ہے جس کا وطن بحرابیض ہے۔ وہ سردیوں میں مصر اور سوڈان کی طرف نقل مکانی کرتا ہے۔[1] بنی اسرائیل پر روزانہ صبح کے وقت من اور شام کے وقت سلویٰ اترتا تھا۔

۱۲۔ حِطَّةٌ: حط اللہ وزرہ خدا اس کے گناہوں کا بوجھ ہلکا کرے۔ حطة مغفرت کا مترادف ہے۔ اور حطة کا مطلب ہے پروردگار! ہمیں گناہوں کے بوجھ سے چھٹکارا عطا فرما۔

۱۳۔ رَفَعْنَا: رفع الشیء فوق الشیء اس نے ایک چیز کو دوسری چیز پر بلند کیا۔

۱۴۔ مِیْثَاقَکُمْ: المیثاق یعنی عہد و پیمان۔

۱۵۔ اَلرِّجْزَ: عذاب۔ رجز الشیطان یعنی شیطان کے وسوسے۔

۱۶۔ یَتِیْهُوْنَ: تاہ تیھا فی الارض راستا بھٹک گیا اور سرگرداں ہوگیا۔

۱۷۔ لَا تَاْسَ: اسی و آسی علیہ آسیً اس نے اس پر افسوس کیا۔ لاتاس غم نہ کرو۔

۱۸۔ تَعْدُوْ: عدا عدوًا و عُدُوًا وعدوانًا وعداءً واعتدیٰ اس نے ظلم کیا اور حق سے تجاوز کیا۔

۱۹۔ مِیْثَاقًا غَلِیْظًا: پختہ عہد و پیمان۔

۲۰۔ الحَوَایَا: آنتیں۔ اس کی واحد حویة ہے۔

۲۱۔ شُرَّعًا: شَرَعَ شَرْعًا قریب ہوا اور ظاہر ہوا۔ اس سے اسم فاعل شارع ہے۔ اس کی جمع شُرَّع ہے۔

۲۲۔ جَعَلَ لَهُمْ: جَعَلَ اس نے قانون بنایا اور فیصلہ کیا۔

تفسیر آیات

خدا نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم ہماری ان بے پایاں نعمتوں کو یاد کرو جو ہم نے تم پر کی ہیں۔ میں نے تم میں انبیاء پیدا کئے اور بادشاہ بنائے اور میں نے تم کو من و سلویٰ جیسی نعمتیں عطا کیں جو اہل عالم میں سے کسی اور کو عطا نہیں کیں۔ خدا نے انہیں فرعون کی غلامی کی ذلت سے نجات بخشی۔ وہ ان کے بیٹوں کو قتل کر دیا

۱۔ المعجم الوسیط مادہ سلویٰ۔

کرتا اور بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیا کرتا تھا۔ خدا نے فرعون اور اس کے لشکر کو سواریوں سمیت دریائے رود میں غرق کردیا اور بنی اسرائیل کے لئے دریا میں راستا بنا دیا۔ خدا کی اتنی نعمتوں کے باوجود بنی اسرائیل جب دریا پار کر کے دوسری طرف پہنچے اور انہوں نے ایک قوم کو دیکھا جو اپنے بتوں کے گرد بیٹھی پوجا پاٹ میں مصروف تھی تو انہوں نے حضرت موسیٰ سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کے لئے بھی ایک ایسا ہی معبود بنا دیں۔ ان کی جہالت کی انتہا یہ تھی کہ حضرت موسیٰ صرف چالیس راتوں کے لئے تورات لینے کوہ طور پر گئے تو انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا کر پوجنا شروع کر دیا۔

بنی اسرائیل بزدلی میں بھی ضرب المثل تھے۔ حضرت موسیٰ نے انہیں حکم دیا کہ اب جب خدا نے ارض مقدس پر ان کی حکومت مقرر کردی ہے تو وہ اس سرزمین میں داخل ہو جائیں۔ مگر وہ اتنے بزدل تھے کہ انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ وہاں تو عمالقہ آباد ہے جو بڑی زبردست قوم ہے اور جب تک وہ وہاں سے نکل نہیں جاتی ہم وہاں داخل نہیں ہوں گے۔ اس وقت قوم موسیٰ میں سے یشوع اور الیسع نے کہا کہ تم قوم عمالقہ سے مت ڈرو۔ جب تم دروازے کے راستے ان پر حملہ کرو گے تو غالب آجاؤ گے مگر بنی اسرائیل اتنے بزدل تھے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ ہم ہرگز نہیں لڑیں گے۔ ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اگر آپ اس شہر کو فتح کرنا چاہتے ہیں تو اپنے رب کو ساتھ لے کر جائیں اور عمالقہ کو وہاں سے نکال باہر کریں۔ جب آپ ان کو شہر سے نکال دیں گے تو ہم آگے بڑھ کر اس پر قبضہ کرلیں گے۔ ان کی بزدلی دیکھ کر حضرت موسیٰ نے بارگاہ احدیت میں عرض کی کہ اے خدا! میرا اپنے اور اپنے بھائی ہارونؑ کے سوا کسی دوسرے پر بس نہیں چلتا۔ میرے اور اس نافرمان قوم کے درمیان جدائی ڈال دے۔

خدا نے فرمایا: ہم نے ان کے لئے ارض مقدس (شام) کو چالیس سال تک کے لئے حرام کر دیا ہے اب وہ یہ تمام عرصہ صحرائے سینا میں بھٹکتے رہیں گے لہٰذا آپ فاسقوں کے حال پر افسوس نہ کیجئے۔

سورۂ اعراف میں خدا ان کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو بارہ قبیلوں میں بانٹ دیا تھا اور جب انہوں نے حضرت موسیٰ سے پانی مانگا تو ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ تم پتھر پر اپنا عصا مارو۔ جب انہوں نے عصا مارا تو پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ ہر قبیلے کا اپنا الگ چشمہ تھا۔ دھوپ سے بچانے کے لئے ہم نے ان پر بادلوں کو سائبان بنائے رکھا اور کھانے کے لئے صبح و شام لذیذ آسمانی غذائیں دیں۔ اور جب وہ طویل سفر سے تھک کر چور ہوگئے تو ہم نے ان سے کہا کہ سامنے ایک شہر موجود ہے تم حملہ کر کے اس پر قبضہ کرلو۔ اور ہاں جب دروازے سے داخل ہونا تو سجدہ کرنا اور حطہ کہنا اس طرح تمہارے گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور نیکوکاروں کے اجر بڑھا دیئے جائیں گے۔ مگر بنی اسرائیل بڑے ظالم تھے۔ وہ حطہ (مغفرت) کی بجائے حنطۃ (گیہوں) کہتے جس کی وجہ سے خدا نے ان پر عذاب نازل کیا۔

اسرائیلی انتہائی کج بحث قوم تھی۔ خدا سورۂ نساء میں ان کی کج بحثی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اے رسولؐ! اہل کتاب آپ سے کہتے ہیں کہ آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے ایک کتاب لے آئیں۔ اے رسولؐ! آپ ان کی ایسی بے سروپا باتوں کی پروا نہ کیجئے۔ یہ تو وہی قوم ہے جس نے موسیٰ سے اس سے کہیں سنگین سوال کیا تھا اور ان سے کہا تھا کہ ہمیں خدا کا دیدار کراؤ۔ ہم نے ان کو اس طرح کی جسارتوں کے باوجود معاف کیا اور کوہ طور کو ان پر بلند کیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ تورات پر عمل کریں۔

حضرت یعقوبؑ کو اونٹ کا گوشت اور دودھ بہت مرغوب تھا۔ ایک مرتبہ جب وہ بیمار ہوئے اور خدا نے ان کو صحت بخشی تو انہوں نے شکرانے کے طور پر اپنی پسندیدہ غذا اور مشروب کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا۔ نیز یہ کہ انہوں نے اونٹ کی پیٹھ سے لگی ہوئی چربی کو چھوڑ کر دوسری چربی بھی اپنے اوپر حرام کرلی تھی۔

حضرت یعقوبؑ خود چربی نہیں کھاتے تھے۔ اس سے معبد کے چراغ روشن کراتے تھے۔[1] خدا نے اصول عقائد کے متعلق ان سے یہ عہد لیا تھا کہ حضرت موسیٰ نے جن دو نبیوں یعنی حضرت عیسیٰ اور حضرت خاتم الانبیاءؐ کی بشارت دی ہے وہ ان پر ایمان لائیں گے۔ اور احکام کے متعلق ان سے یہ پختہ عہد لیا تھا کہ وہ ہفتہ کے دن چھٹی کریں گے اور اس دن کوئی کام نہیں کریں گے۔

بنی اسرائیل نے اپنے رب سے کیے ہوئے پختہ عہد و پیمان کی خلاف ورزی کی اور انہوں نے خدا کی آیات کا انکار کیا اور حضرت مریمؑ کے دامن عصمت پر تہمت کے داغ لگائے اور بہت سے دوسرے ظلم کیے۔ خدا نے ان کی غلط روش کی وجہ سے ان پر کچھ حلال چیزوں کو حرام کردیا تاکہ ان کی آزمائش ہو۔ بنی اسرائیل کے ظلم و عدوان کی داستان فقط یہیں تک محدود نہیں بلکہ انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا کر اس کی پرستش شروع کردی تھی اور یہ کہ وہ پرلے درجے کے سود خور تھے جبکہ انبیاءؑ نے ان کو سود خوری سے منع کیا تھا۔ ان کی ایسی باغیانہ روش کی وجہ سے خدا نے ان پر کچھ پاکیزہ چیزوں کو حرام کردیا تھا۔

بنی اسرائیل کے گناہوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ خدا نے ان کو "یوم سبت" کی تعظیم کا حکم دیا تھا اور کہا تھا کہ اس دن مچھلی کا شکار نہ کریں مگر انہوں نے اس دن کی حرمت کو بھی پامال کیا تھا۔ ان کو آزمانے کے لئے خدا کے حکم سے سنیچر کے دن بہت زیادہ مچھلیاں سطح آب پر آتی تھیں اور ہفتے کے دوسرے دنوں میں نہ آتی تھیں چنانچہ وہ لوگ جو دریا کے کنارے آباد تھے اور ماہی گیری کرتے تھے ایک دن پہلے دریا کے کنارے گڑھے کھود کر ان میں پانی بھر دیتے تھے اور جب مچھلیاں ان میں جمع ہو جاتیں تو نکال لیتے اور کہتے تھے کہ یہ شکار سنیچر کا نہیں بلکہ جمعہ کا ہے۔ ان کے اس حیلہ کے سبب خدا نے ان کو بندر بنا دیا۔

---

[1] سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۶۸، مطبوعہ حجازی، قاہرہ۔

خلاصۂ بحث

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کی معاصر اقوام یعنی مصر کے قبطیوں اور شام کے عمالقہ پر فضیلت بخشی اور ان میں حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ اور حضرت عیسیٰؑ جیسے انبیاء مبعوث فرمائے اور ان میں حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ جیسے بادشاہ پیدا کئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے تورات اور انجیل جیسی کتابیں نازل فرمائیں۔ اور ان سے یہ عہد لیا کہ وہ ان کتابوں کے زندگی بخش احکام پر عمل کریں گے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بادلوں کا سایہ کیا، ان پر من و سلویٰ اتارا اور ان کے لئے بارہ چشمے جاری کئے۔

اللہ تعالیٰ کی اتنی بے پایاں نعمتوں اور مہربانیوں کے باوجود بنی اسرائیل نے آیات الٰہی کا انکار کیا۔ وہ بچھڑے کی پوجا کرتے اور سود کھاتے تھے۔ وہ لوگوں کے اموال کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر جاتے تھے۔ اس لئے ان کو تربیت کی شدید ضرورت تھی اور اسی تربیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے سنیچر کا دن مقرر کیا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ وہ اس دن کی تعظیم کریں اور اس دن کوئی دنیاوی کام نہ کریں کیونکہ یہ دن ان کی اخلاقی اور روحانی تربیت کے لئے مخصوص ہے مگر انہوں نے اس دن کی حرمت کو بھی پامال کیا جس کا واضح ترین نمونہ اصحاب سبت تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے بندروں کی شکل میں مسخ کر دیا تھا۔

ان کو آزمانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر وہی چیزیں حرام کیں جو ایک عرصہ قبل ان کے مورث اعلیٰ حضرت یعقوبؑ نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔ یعنی اونٹ کا گوشت اور چربی۔

دوسری اقوام کے مقابلے کے لئے بنی اسرائیل کو باہمی ربط ضبط کی ضرورت تھی چنانچہ خدا نے ان میں یکسوئی پیدا کرنے کے لئے ایک قبلہ مقرر کیا۔ ابتداء میں وہ قبلہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کا خیمہ تھا۔ پھر ایک طویل عرصے بعد حضرت داؤدؑ نے بیت المقدس میں ہیکل کا سنگ بنیاد رکھا جو حضرت سلیمانؑ کی حکومت کے زمانے میں مکمل ہوا۔ خدا نے بنی اسرائیل کی دینی قیادت کا عہدہ نسل ہارونؑ کے اشراف کو عطا فرمایا اور نسل داؤدؑ میں سے حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ کو اس قوم میں اپنا ہادی بنا کر بھیجا۔

حضرت عیسیٰؑ نے جب اپنے زمانے میں یہ محسوس کیا کہ بعض چیزیں جن کو پہلے مصلحتاً حرام قرار دیا گیا تھا وہ مصلحت اب باقی نہیں رہی تو انہوں نے ان چیزوں کو حلال قرار دیدیا جیسا کہ قرآن کی یہ آیت بتاتی ہے:

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ... وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ... میں بنی اسرائیل کی طرف رسول بن کر آیا ہوں۔ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لے کر آیا ہوں ... اور میں اپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتاب تورات کی تصدیق کرتا ہوں اور میں بعض ایسی چیزیں جو تم پر حرام کی گئی تھیں انہیں تمہارے لئے حلال کرتا ہوں۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۴۹ و ۵۰)

اس بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک جتنے بھی نبی آئے سب کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا اور تورات کے بعض احکام وقتی مصلحت کی وجہ سے نازل ہوئے تھے جیسا کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت، چربی اور دودھ حرام قرار دے لیا تھا بعد میں اسی چیز نے تورات کے ایک حکم کا درجہ حاصل کرلیا تھا۔

حضرت عیسیٰؑ جس دور میں پیدا ہوئے اس دور میں یہ پابندی اور یہ حرمت غیر ضروری ہوچکی تھی اس لئے انہوں نے تورات کے ایک عارضی حکم کو منسوخ کرکے حرمت کو حلت سے بدل دیا مگر اس کے باوجود کچھ عصری مسائل ایسے تھے جن کو حضرت عیسیٰؑ نے منسوخ نہیں کیا تھا۔ جب حضرت خاتم الانبیاء کا زمانہ آیا تو ان احکام کی میعاد ختم ہوگئی اس لئے آپ نے ان مسائل پر سے پابندی ختم ہونے کا اعلان فرمایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ... وہ لوگ جو نبی اُمّی کی پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں جو انہیں نیکیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کیلئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان پر سے (سخت قسم کی شرعی تکالیف کا) بوجھ اور (معاشرتی) زنجیریں اتارتے ہیں جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۵۷)

یہاں تک آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ شریعت موسیٰؑ نے انبیائے سابقین کے کون کون سے احکام کو منسوخ کیا تھا اور پھر حضرت عیسیٰؑ نے شریعت موسیٰؑ کے کون کون سے احکام کو منسوخ کیا۔ اس کے علاوہ نسخ کی ایک اور قسم بھی ہے جو ایک ہی نبی کی شریعت میں واقع ہوتی ہے۔ اس کی وضاحت اگلی بحث میں آرہی ہے۔

ایک ہی شریعت میں ناسخ و منسوخ کی کیفیت

ایک ہی نبی کی شریعت میں ناسخ و منسوخ کی کیفیت بتانے کے لئے ہم حضرت خاتم الانبیاءؐ کی شریعت سے ایک مثال بیان کرتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ ناسخ و منسوخ آیات کا تعلق ایک ہی سورت سے ہے بلکہ دونوں آیات ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔

بہت سے صحابہؓ رسول خداؐ سے سرگوشی میں باتیں کیا کرتے تھے اس لئے حکم آیا کہ جو آنحضرتؐ سے سرگوشی کرنا چاہتا ہے وہ پہلے صدقہ دے، پھر آنحضرتؐ سے سرگوشی کرے لیکن صحابہ نے اس حکم پر عمل نہ کیا اور خدا نے اس حکم کو ہی منسوخ کر دیا۔

ناسخ و منسوخ آیات حسب ذیل ہیں:

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ ءَ اَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَاللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○

اے ایمان والو! جب تم رسولؐ سے راز سرگوشی کرنا چاہو تو پہلے (مسکین کو) کچھ خیرات دے دیا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہت بہتر اور پاکیزگی کی بات ہے اور اگر خیرات تم کو میسر نہ آئے تو خدا بخشنے والا مہربان ہے۔ کیا تم اس حکم سے کہ رسولؐ سے سرگوشی کرنے سے پہلے خیرات دیا کرو ڈر گئے؟ پھر جب تم نے ایسا نہ کیا اور خدا نے تمہیں (یہ حکم) معاف کر دیا تو نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہو۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے باخبر ہے۔ (سورۂ مجادلہ: آیت ۱۲ و ۱۳)

ان آیات کے متعلق تفسیروں میں آیا ہے کہ کچھ صحابہ رسول اکرمؐ سے اپنے خصوصی تعلق کو ظاہر کرنے کے لئے آپ کے ساتھ سرگوشی کیا کرتے تھے اور آنحضرتؐ اپنے خلق عظیم کے سبب انہیں منع نہیں فرماتے تھے۔ اگرچہ ان صحابہ کی یہ روش آنحضرتؐ کے لئے تکلیف کا موجب تھی لیکن آنحضرتؐ اس تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت فرماتے رہے۔ چنانچہ خدا نے حکم دیا کہ جو آنحضرتؐ سے سرگوشی کرنے کا خواہشمند ہو وہ پہلے مسکین کو صدقہ دے اور پھر آپ کے کان میں بات کہے۔ اس حکم کے آنے کے بعد لوگوں کی آنحضرتؐ کے ساتھ سرگوشیاں رک گئیں۔

حضرت امیر المومنین امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے وقت میرے پاس ایک دینار تھا۔ میں نے اس دینار کو بھنایا تو دس درہم ملے جس میں سے ایک درہم صدقہ دے کر حضور اکرمؐ سے سرگوشی کی اور یوں میں نے علیحدہ علیحدہ پورے دس درہم صدقہ دے کر دس مرتبہ آنحضرتؐ سے سرگوشی کی۔ اس کے بعد خدا نے اس حکم کو ہی منسوخ کر دیا اور یوں اس آیت پر عمل کرنا صرف میرے ہی حصے میں آیا۔ میرے علاوہ اس آیت پر کسی اور نے عمل نہیں کیا۔

الغرض یہ کہ اس حکم سے صحابہ کرام کی تربیت کرنا مقصود تھا اور جب وہ مقصد حاصل ہوگیا تو خدا نے اس حکم کو ہی ختم کر دیا۔[1]

خلاصۂ بحث

حضرت آدمؑ کے وقت سے لے کر حضرت ابراہیمؑ کے دور تک جمعہ برکت اور آرام کا دن تھا۔ بعد میں انبیائے بنی اسرائیل یعنی حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں سنیچر کو برکت اور آرام کا دن قرار دیا گیا تھا۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت ابراہیمؑ سے قبل تک تمام انبیاء نے عرفات، مزدلفہ اور منیٰ میں مناسک حج ادا کئے اور انہوں نے بیت اللہ کی جگہ کے گرد سات مرتبہ طواف کیا تھا۔ اور جب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا زمانہ آیا تو انہوں نے بیت اللہ تعمیر کیا اور اس کے بعد اس کا طواف کیا۔

حضرت نوحؑ نے شریعت آدمؑ کی تجدید کی تھی اور انہوں نے خاتم الانبیاءؐ کی شریعت جیسی شریعت پیش کی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

۱۔ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا (اے رسولؐ) اس نے تمہارے دین کی وہی شریعت مقرر کی جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا۔ (سورۂ شوریٰ: آیت ۱۳)

۲۔ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ یعنی بے شک ابراہیمؑ ان (حضرت نوحؑ) کے پیروکاروں میں سے تھے۔ (سورۂ صافات: آیت ۸۳)

۳۔ اِتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا (اے رسولؐ) آپ دین ابراہیمؑ کی پیروی کریں جو سیدھا دین تھا۔ (سورۂ نساء: آیت ۱۲۵ و سورۂ نحل: آیت ۱۲۳)

۴۔ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا (اے رسولؐ) آپ دین ابراہیمؑ کی پیروی کریں جو باطل سے کنارہ کش ہو کر خدائے واحد کے ہو رہے تھے۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۹۵)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کے اصطفاء سے لے کر حضرت خاتم الانبیاءؐ کے اجتباء

۱۔ تفسیر طبری اور دیگر روائی تفاسیر میں اس آیت کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

تک تمام انبیائے کرام کی شریعتیں ایک تھیں۔ البتہ حضرت موسیٰؑ سے لیکر حضرت عیسیٰؑ تک انبیائے بنی اسرائیل کی شریعتوں میں مصلحتاً کچھ احکام تبدیل کئے گئے جس سے بنی اسرائیل کی تربیت کرنا مقصود تھا جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

۱۔ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىٓ إِسْرَاءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَاءِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِۦ بنی اسرائیل کیلئے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں سوا ان کے جو یعقوبؑ نے خود اپنے اوپر حرام کرلی تھیں۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۹۳)

۲۔ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ اور جو چیزیں ہم اس سے پہلے آپ کو بتا چکے ہیں وہ ہم نے یہودیوں پر حرام کردی تھیں۔ (سورۂ نحل: آیت ۱۱۸)

۳۔ إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ سنیچر کا دن ان ہی لوگوں (کی آزمائش) کے لئے مقرر کیا گیا تھا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا۔ (اور وہ بنی اسرائیل تھے)۔ (سورۂ نحل: آیت ۱۲۴)

توراۃ کے سفر استثناء کے باب ۳۳ کی چوتھی آیت میں کہا گیا ہے کہ "حضرت موسیٰؑ اولاد یعقوبؑ (بنی اسرائیل) کے لئے شریعت لے کر آئے تھے۔"

ایک نسخہ میں یہ الفاظ ملتے ہیں کہ "حضرت موسیٰؑ نے ہمیں ایسی سنت کا حکم دیا ہے جو کہ اسرائیلی جماعت کی میراث ہے۔"

ایک اور نسخہ میں سنت کی جگہ شریعت کا لفظ ہے۔

اور اس کی حکمت یہ تھی کہ بنی اسرائیل کی تربیت ہو جو بات بات میں لڑنے جھگڑنے کے عادی تھے اور اپنے انبیاءؑ کی نافرمانی کرتے تھے، ان سے بحث و تکرار کرتے تھے اور سخت ضدی قسم کے لوگ تھے۔ خدا نے جب ان کو فرعون اور فرعونیوں کے ظلم و ستم سے نجات دی اور ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ انہوں نے سامری کے بنائے ہوئے بچھڑے کی پوجا شروع کردی تھی۔ اور جب ان سے کہا گیا کہ تم قوم عمالقہ کے شہر (شام) میں داخل ہو جاؤ فتح تمہارے قدم چومے گی تو انہوں نے کہا کہ اے موسیٰؑ آپ اور آپ کا رب جا کر لڑیں۔ اس طرح کی ہٹ دھرم اور کم ہمت قوم کی تربیت ضروری تھی اس لئے خدا نے ہفتہ میں ایک دن ان کی تہذیب نفس کے لئے مقرر کیا اور اس دن ان کے لئے ہر طرح کا کام کرنا منع تھا۔ اس حکم خدا کی نافرمانی کی پاداش میں ان کو چالیس سال تک صحرائے سینا میں بھٹکنے کی سزا دی گئی۔

اس تصویر کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس دور میں صرف بنی اسرائیل موحد تھے۔ ان کے چاروں طرف مضبوط حکومتیں قائم تھیں جو کافر تھیں۔ چنانچہ ان میں یکجہتی کو فروغ دینے کے لئے ایک قبلہ مقرر کیا گیا تاکہ وہ دوسری قوموں سے ممتاز اور مختلف نظر آئیں۔ پھر ان کو حوصلہ دینے کے لئے آل موسیٰؑ اور آل ہارونؑ کے تبرکات کے صندوق کو بھی متبرک قرار دیا گیا۔ اس کے علاوہ ان کے حالات و واقعات کی مناسبت سے ان کے لئے شرعی احکام نازل کئے گئے۔

جب حضرت عیسیٰ مبعوث ہوئے تو بہت سے احکام کی مصلحتیں بدل گئی تھیں اس لئے ان احکام کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہی تھی چنانچہ حضرت عیسیٰ نے حکم الٰہی کے تحت بعض محرمات کو حلال قرار دیا۔

جب حضرت خاتم الانبیاءؐ مبعوث ہوئے تو اس وقت پوری دنیا میں یہودیوں کی باقاعدہ کہیں کوئی حکومت نہیں تھی اور وہ مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ مگر اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو باقی لوگوں سے نسلاً برتر سمجھتے تھے۔ ان کا یہ رویہ معاشرے کی تعمیر و ترقی بلکہ خود ان کی ترقی میں بھی رکاوٹ ثابت ہو رہا تھا۔

وہ ابھی تک پرانی قدروں کے اسیر تھے اور سنیچر کے دن کی حرمت کے قائل تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ وہ اس دن دنیا جہان کا کوئی کام نہ کریں۔ جبکہ اس وقت کا عرب معاشرہ ان کے اس نظریے کو کسی قیمت پر بھی قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اور اسرائیلی شریعت کے احکام پر عمل کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہو رہا تھا۔

ان ہی ارضی حقائق کو مدنظر رکھ کر اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیاءؐ کے ذریعے سے تورات کی کچھ سخت پابندیوں میں نرمی پیدا کی اور تورات کی بعض حرام کردہ اشیا کو حلال کیا اور شریعت تورات کی بھاری زنجیروں سے انسانوں کو رہائی بخشی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ... ٥ وہ لوگ جو رسول (اللہ) کی جو نبی امی ہیں پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتے ہیں...(سورۂ اعراف: آیت ۱۵۷)

چنانچہ اس عہد سے مخصوص تورات کے معروضی احکام جو معاشرے کے لئے وبال ثابت ہو رہے تھے خدا نے انہیں ختم کر دیا اور دائمی احکام کو قرآن مجید میں بھی باقی رکھا اور ان میں کسی طرح کی تنسیخ و ترمیم نہ فرمائی۔

مثلاً قصاص کا جو حکم تورات میں تھا خدا نے اسے قرآن مجید میں بھی باقی رکھا جیسا کہ فرمان قدرت ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا... ٥ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ...٥ بیشک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور نور ہے۔ اسی کے مطابق انبیاء جو (خدا کے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں ... اور ہم نے تورات میں ان لوگوں کے لئے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا اسی طرح بدلہ ہے لیکن جو شخص بدلہ معاف کر دے وہ اس کے لئے کفارہ ہوگا اور جو خدا کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم نہ دے وہ لوگ ظالم ہیں۔ (سورۂ مائدہ: آیت ۴۴ و ۴۵)

قصاص کا حکم تورات سے پہلے بھی تھا اور تورات میں بھی باقی رہا۔ تورات کے بعد بھی خدا نے اسے منسوخ نہیں کیا کیونکہ یہ زندگی بخش حکم انسانیت کی سلامتی کی ضمانت ہے۔

جب حضرت خاتم الانبیاءؐ نے بحکم خدا تورات کے بعض معروضی احکام کے مقابلے میں ابدی احکام بیان فرمائے تو قریش کو ناگوار ہوا۔ خدا نے ان کی ناگواری کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے:

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ٥ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ٥ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ٥ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ٥ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ٥ اور جب ہم کوئی آیت کسی آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں۔ اور خدا جو کچھ نازل فرماتا ہے اسے خوب جانتا ہے لیکن (کافر) کہتے ہیں کہ تم تو اپنی طرف سے (جھوٹ) گھڑ لاتے ہو حالانکہ ان کی اکثریت کچھ نہیں جانتی ہے۔ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ اس (قرآن) کو روح القدس تمہارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ لے کر نازل ہوئے ہیں تاکہ یہ (قرآن) مومنوں کو ثبات قدم عطا کرے اور یہ فرمانبرداروں کے لئے ہدایت اور بشارت ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) کو ایک شخص سکھا جاتا ہے مگر جس کی طرف (تعلیم کی) نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے۔ یقیناً جھوٹ تو وہی لوگ گھڑتے ہیں جو خدا کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی لوگ جھوٹے ہیں۔ (سورۂ نحل: آیت ۱۰۱ تا ۱۰۵)

آگے چل کر خدا فرماتا ہے:

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا... خدا نے تمہیں جو حلال رزق دیا ہے اسے کھاؤ۔

مثلاً اونٹ کا گوشت اور دوسرے حلال جانوروں کی چربی کھانے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ وہ تمہارے لئے حرام نہیں ہے۔ حرام تو مردار اور خون اور سور کا گوشت ہے۔ اور جس جانور کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو اس کا کھانا حرام ہے۔ اور جو جانور بتوں کی بھینٹ چڑھائے جاتے ہیں ان کا کھانا بھی حرام ہے۔ خدا نے مشرکین مکہ کو حکم دیا کہ وہ حلال و حرام کے متعلق خدا پر بہتان نہ باندھیں۔

وَقَالُوا هَٰذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَن نَّشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ... ٥ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا وَإِن يَكُن مَّيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ ... اور وہ اپنے خیال سے ایسا کہتے ہیں کہ یہ مویشی اور کھیتی مخصوص ہے۔ اسے اس کے سوا جسے ہم چاہیں کوئی نہ کھائے۔ بعض مویشی ایسے ہیں

کہ ان کی پیٹھ پر چڑھنا ممنوع ہے اور بعض ایسے ہیں جن پر (ذبح کرتے وقت) خدا کا نام نہیں لیتے۔ یہ سب خدا پر جھوٹ ہے... اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو بچہ ان مویشیوں کے پیٹ میں ہے وہ خاص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں کو (اس کا) کھانا حرام ہے۔ اور اگر وہ بچہ مرا ہوا ہو تو سب اس میں شریک ہیں۔ عنقریب خدا ان کو ان کے ڈھکوسلوں کی سزا دے گا۔ (سورۂ انعام: آیت ۱۳۸)

حلال اور حرام کے متعلق مشرکین مکہ نے کچھ قوانین بنا رکھے تھے جن کے متعلق حسب ذیل آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ○ (اے رسولؐ) کہہ دیجئے کہ بھلا بتاؤ تو کہ خدا نے تمہیں جو رزق عطا فرمایا ہے اس میں سے تم نے خود بعض کو حرام اور بعض کو حلال (نہیں) ٹھہرا لیا۔ (آپ) ان سے یہ بھی پوچھئے کہ کیا خدا نے تم کو اس بات کی اجازت دی ہے یا تم خدا پر جھوٹ بولتے ہو؟ (سورۂ یونس: آیت ۵۹)

الغرض مشرکین مکہ خود ساختہ حلال وحرام کے متعلق رسول اکرمؐ سے جھگڑتے تھے کیونکہ آپ ان کے خود ساختہ حلال وحرام کی مخالفت کرتے تھے۔ نیز یہ کہ انہوں نے اِدھر اُدھر سے یہ سن رکھا تھا کہ فلاں فلاں چیزیں شریعت موسیٰؑ میں حرام ہیں چنانچہ جب آنحضرتؐ نے شریعت موسیٰؑ کی بعض حرام چیزوں کو حلال کر دیا تو وہ آپ پر اعتراض کرتے کہ آپ کیسے نبی ہیں کہ آپ نے ایک نبی کے احکام منسوخ کر دیئے؟۔

اور جب رسول اکرمؐ نے ہجرت فرمائی تو مدینہ کے یہود نے بھی آپ سے اختلاف کیا کیونکہ آپ نے شریعت موسیٰؑ کے بعض احکام کے منسوخ ہونے کا اعلان کیا تھا۔ خدا نے یہود کے اختلافات کا متعدد آیات میں ذکر فرمایا ہے۔ بطور نمونہ چند آیات پیش خدمت ہیں:

۱۔ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ○ جب کوئی رسول تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آئے جو تمہیں پسند نہیں تھیں تو تم سرکش ہو جاتے رہے اور ایک گروہ انبیاء کو جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۸۷)

۲۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ... جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کتاب خدا نے (اب) اتاری ہے اس پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں کہ جو کتاب ہم پر (پہلے) اتر چکی ہے ہم تو اسی کو مانتے ہیں (یعنی) یہ لوگ اس کے سوا کسی اور (کتاب) کو نہیں مانتے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۹۱)

۳۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا... ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا اس کے حکم کو مؤخر کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور آیت بھیج دیتے ہیں۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۰۶)

۴۔ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ... آپ سے یہود و نصاریٰ کبھی خوش نہ ہوں گے یہاں تک کہ آپ ان کے دین کی پیروی اختیار کرلیں۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۲۰)

بنی اسرائیل کو آنحضرتؐ پر اعتراض تھا کہ آپ نے تورات کے کچھ احکام کے منسوخ ہونے بالخصوص ان کے قبلہ سے رخ موڑنے کا اعلان کیوں کیا؟ یہودیوں کو تحویل قبلہ پر شدید اعتراض تھا۔ جس کے متعلق خدا نے سورۂ بقرہ میں فرمایا کہ ہم نے آپ کا رخ وہاں سے اس لئے موڑا کیونکہ آپ بار بار آسمان کی جانب سر اٹھا کر تحویل قبلہ کی دعائیں مانگتے تھے۔ چنانچہ ہم نے آپ کا رخ بیت المقدس کے بجائے اس قبلہ کی طرف کردیا ہے کیونکہ اس قبلہ کو آپ زیادہ چاہتے ہیں۔ لہٰذا آپ آئندہ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں اور آپ کے پیروکاروں کو بھی یہی نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ بھی خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کریں۔

یہود و نصاریٰ یہ جانتے ہیں کہ تحویل قبلہ حق ہے اور آپ کے مخالفین آیات الٰہی کو دیکھ کر بھی آپ کی پیروی پر آمادہ نہیں ہوں گے۔ اور وہ آپ کے نئے قبلے کی طرف رخ نہیں کریں گے۔

اس مقام پر آیت کے منسوخ ہونے سے مراد اس کا حکم منسوخ ہونا ہے۔ نیز یہ کہ "ایک آیت سے دوسری آیت کی تبدیلی" سے بھی بعض حلال اور حرام چیزوں کے حکم کی تبدیلی ہے۔

لہٰذا یہ کہنا غلط نہیں کہ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ سے مراد یہ ہے کہ جب ہم ایک حکم کو دوسرے حکم سے بدل دیتے ہیں اور مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا سے مراد یہ ہے کہ ہم جس حکم کو منسوخ یا مؤخر کردیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسا حکم نازل کرتے ہیں۔

حکم میں تاخیر کی بہترین مثال کے لئے تحویل قبلہ کو پیش کیا جاسکتا ہے کیونکہ خدا کعبہ شریف کو ابدالآباد کے لئے قبلہ بنانا چاہتا تھا لیکن حضرت موسیٰؑ کے دور میں معروضی حالات کی وجہ سے اس نے بیت المقدس کو قبلہ ہونے کا شرف بخشا اور اس میں بنی اسرائیل کی صلاح و فلاح مضمر تھی۔ بیت المقدس چونکہ خدا کی طرف سے عارضی طور پر قبلہ مقرر ہوا تھا اس لئے خدا نے اس حکم کو منسوخ کر کے کعبہ شریف کو دائمی قبلہ مقرر کردیا۔ اور کعبہ کا قبلہ ہونا کہیں بہتر و برتر ہے۔

اسی طرح ایک آیت کے ذریعے دوسری آیت کو تبدیل کرنے سے مراد ایک حکم کی جگہ دوسرا حکم نازل کرنا ہے۔

جیسا کہ ہم عرض کرچکے ہیں کہ احکام کی دو قسمیں ہیں۔ کچھ احکام معروضی حالات کے لئے ہوتے ہیں اور کچھ احکام دائمی اور ابدی ہوتے ہیں اور معروضی احکام میں تبدیلی اور منسوخی ہوتی رہتی ہے جبکہ ابدی احکام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ انسان ساز احکام دائمی اور ابدی ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَـلۡقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝ (اے رسولؐ) آپ اپنا رخ دین حنیف کی طرف رکھیں۔ یہ دین فطرت الٰہی ہے جس پر لوگوں کو پیدا کیا گیا ہے۔ خدا کی بنائی ہوئی (فطرت) میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (سورۂ روم: آیت ۳۰)

شریعت میں انسانوں کی فطرت کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ مثلاً احکام رضاعت کو دیکھیں کہ وہ فطری تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔ ارشاد اقدس الٰہی ہے: وَالۡوَالِدٰتُ يُرۡضِعۡنَ اَوۡلَادَهُنَّ حَوۡلَيۡنِ كَامِلَيۡنِ لِمَنۡ اَرَادَ اَنۡ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ... مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں۔ یہ (حکم) اس شخص کے لئے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۳۳)

دو سال تک دودھ پلانا ہی نظام فطرت ہے اور یہی حکم الٰہی ہے۔ ہر ماں اپنے بچے کو دو سال تک دودھ پلائے اور یہ حکم تمام ماؤں کے لئے ہے خواہ کوئی ماں پتھر کے زمانے کی ہو یا موجودہ دور کی۔ خواہ دیہاتی ہو یا شہری اور خواہ پہاڑوں میں رہتی ہو یا ریگستانوں میں۔

اللہ تعالیٰ نے بنی آدم پر روزہ فرض کیا، قصاص فرض کیا اور سود حرام کیا۔ مذکورہ احکام ہر دور میں اور ہر شریعت میں برقرار رہے۔ ان میں کوئی نسخ و تبدیلی واقع نہیں ہوئی جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ... ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے۔ (آیت ۱۸۳) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِصَاصُ... اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا گیا۔ (آیت ۱۷۸) وَاَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَيۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا... خدا نے تمہارے لئے سودے کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔ (آیت ۲۷۵)

غرضیکہ انسانی فطرت کے مناسب جتنے بھی احکام تھے ان میں کسی بھی شریعت میں کوئی رد و بدل نہیں کیا گیا۔ ایسے احکام کو قرآن حکیم میں وصی اللہ، یوصیکم اللہ اور کتب اور کتابًا جیسے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ جو احکام کسی قوم کے معروضی حالات کے تحت فرض کئے گئے تھے جب ان کی ضرورت باقی نہ رہی تو نئی شریعت میں انہیں منسوخ کر دیا گیا اور یہ کہ ایسے احکام کی منسوخی کے لئے جدید شریعت کی بھی ضرورت نہیں ہوئی بلکہ ایک ہی نبی کے دور میں سابقہ احکام کو منسوخ کر دیا گیا مثلاً ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ قائم کیا گیا۔ اس رشتے کی بنا پر مہاجر، انصاری کا اور انصاری، مہاجر کا وارث قرار پاتا تھا جیسا کہ ارشاد اقدس الٰہی ہے: اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَهَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَالَّذِيۡنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوۡۤا اُولٰۤـئِكَ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ‌ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ يُهَاجِرُوۡا مَا لَـكُمۡ مِّنۡ وَّلَايَتِهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوۡا... وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ... بے شک جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے

مال وجان سے راہ خدا میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی مدد کی وہ ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی جب تک وہ ہجرت نہ کریں ان کی سرپرستی تمہارے ذمے نہیں ہے... اور جو لوگ کافر ہیں وہ بھی ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ (سورۂ انفال: آیت ۷۲۔۷۳)

اس آیت میں مہاجرین اور انصار کو ایک دوسرے کے "اولیاء" قرار دیا گیا ہے اور اس ولایت میں میراث بھی شامل تھی۔ پھر کچھ عرصے کے بعد جیسے ہی حالات بہتر ہوئے تو مہاجرین اور انصار کی باہمی میراث کو ختم کر دیا گیا اور میراث صرف رشتے داروں کے لئے خاص کر دی گئی۔ چنانچہ اگلی ہی آیت میں اس کی منسوخی کا حکم آیا ہے۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ... خدا کے حکم کی رو سے رشتے دار ایک دوسرے کی میراث پانے کے زیادہ حقدار ہیں۔

یہود چند احکام میں تبدیلی کی وجہ سے سرکار دو عالمؐ پر اعتراض کرتے تھے لیکن خدا نے بتایا کہ یہ ان کے حیلے بہانے ہیں اور جس شریعت کی تقدیس کے وہ گن گاتے ہیں اسی شریعت کے حامل ایک گروہ انبیاء کو انہوں نے قتل کیا تھا اور ایک گروہ انبیاء کو جھٹلایا تھا۔ وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ... اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِىْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝ اور یہ پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں... اور انہوں نے کہا کہ خدا نے ہمیں حکم بھیجا کہ جب تک کوئی پیغمبر ہمارے پاس ایسی قربانی لے کر نہ آئے جس کو آگ آ کر کھا جائے تب تک ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ (اے رسولؐ) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ مجھ سے پہلے کئی پیغمبر تمہارے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے اور وہ معجزہ بھی لائے جو تم کہتے ہو تو پھر اگر سچے ہو تو تم نے ان کو قتل کیوں کیا تھا؟ پھر اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر کھلی ہوئی نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آچکے ہیں اور لوگوں نے ان کو بھی جھٹلایا تھا۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۸۱۔۱۸۴)

تورات میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا تذکرہ بھی تھا اور جب آپ مبعوث ہوئے تو خدا نے قرآن سے تورات کے بعض احکام کی تائید بھی فرمائی مگر اس کے باوجود یہودیوں نے اپنے نسلی تعصب کی وجہ سے نبوت محمدی کا انکار کیا اور قرآن مجید کو جھٹلایا اور کہا کہ ہم تو صرف تورات کے احکامات ہی مانیں گے۔ انجیل اور قرآن سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھلے معجزات دے کر بھیجا ہے اور ایسے معجزات کا انکار صرف فاسق ہی کر سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں ہم نے جو قبلہ تبدیل کیا ہے اس پر انہیں ناک بھوں نہیں چڑھانا چاہیے کیونکہ کعبہ شریف کو قبلہ بنایا جانا کہیں بہتر ہے۔ اور ویسے بھی ہمارا یہ قانون ہے کہ جب بھی ایک حکم کو منسوخ یا موخر کرتے ہیں تو اس سے بہتر حکم جاری کرتے ہیں۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے، وہ جو چاہے کرے۔

بعد ازاں خدا نے اپنے حبیبؐ کو اہل کتاب کے دل کا حال بتاتے ہوئے فرمایا کہ اہل کتاب آپ سے راضی نہیں ہوں گے تاوقتیکہ آپ اپنی شریعت کو چھوڑ کر ان کی شریعت کی پیروی نہ کریں۔

اس بات کو خدا نے سورۂ بنی اسرائیل میں بھی بیان فرمایا ہے۔ ارشاد اقدس الٰہی ہے:

وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِبَنِي إِسْرَاءِيلَ یعنی ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت قرار دیا۔ اور إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ یعنی یقیناً یہ قرآن سب سے زیادہ سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

انسانی اعمال کا بدلہ

دنیا میں انسانی اعمال کا بدلہ

اس دنیا میں فطرت کے قوانین اٹل ہیں۔ آدمی جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ گندم از گندم بروید وجو زجو۔ اس مثال سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ہمارے اچھے برے اعمال کے اثرات اس دنیا میں بھی مرتب ہوتے ہیں۔ بہت سے اچھے اعمال ایسے ہیں جن کا بدلہ آخرت کے علاوہ اس دنیا میں بھی ملتا ہے۔ مثلاً صلہ رحم کے متعلق حدیث رسولؐ ہے کہ صِلَةُ الرَّحِمِ تَزِيْدُ فِى الْعُمْرِ وَتَنفِى الْفَقْرَ یعنی صلہ رحم کرنے سے عمر بڑھتی ہے اور غریبی دور ہوتی ہے۔

ایک اور حدیث شریف ہے کہ صِلَةُ الرَّحِمِ تَزِيْدُ فِى الْعُمْرِ، وَصَدَقَةُ السِّرِّ تُطْفِىءُ غَضَبَ الرَّبِّ، وَاِنَّ قَطِيْعَةَ الرَّحِمِ وَالْيَمِيْنَ الْكَاذِبَةَ لَتَذَرَانِ الدِّيَارَ بَلَاقِعَ مِنْ اَهْلِهَا وَ يُثْقِلَانِ الرَّحِمَ، وَاِنَّ تَثَقُّلَ الرَّحِمِ اِنْقِطَاعُ النَّسْلِ یعنی صلہ رحم کرنے سے عمر بڑھتی ہے اور چھپا کر صدقہ دینے سے خدا کا غضب ٹھنڈا ہوتا ہے۔ قطع رحم کرنا اور جھوٹی قسم کھانا بستے لبتے گھروں اور شہروں کو ویران کر دیتے ہیں اور کوکھ کو اجاڑ دیتے ہیں اور کوکھ کا اجڑنا نسل کا منقطع ہونا ہے۔[1] خدا کے غضب کو ٹھنڈا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے کسی برے عمل کی وجہ سے جانی یا مالی نقصان کا مستحق بن جاتا ہے تو اگر اس حالت میں وہ چھپ کر صدقہ دے تو خدا کی آتش غضب بجھ جاتی ہے اور دنیاوی عذاب ٹل جاتا ہے۔ لفظ بَلَاقِعَ، بَلْقَعٌ کی جمع ہے اور بَلْقَعَة اجاڑ اور ویران زمین کو کہا جاتا ہے۔[2]

اسی مفہوم کو حضرت امیر المومنینؑ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: وَصِلَةُ الرَّحِمِ فَاِنَّهَا مَثْرَاةٌ فِى الْمَالِ مَنْسَاةٌ فِى الْاَجَلِ وَصَدَقَةُ السِّرِّ فَاِنَّهَا تُكَفِّرُ الْخَطِيْئَةَ[3] یعنی صلہ رحم کرنے سے مال بڑھتا ہے اور موت ٹل جاتی ہے اور چھپا کر صدقہ دینے سے خطائیں معاف ہو جاتی ہیں۔ آپ کا ایک اور ارشاد گرامی ہے: وَصِلَةُ الرَّحِمِ مَنْمَاةٌ لِلْعَدَدِ[4] یعنی صلہ رحم کثرت اولاد کا باعث ہے۔

۱۔ مادۂ الرحم، سفینۃ البحار۔
۲۔ مادۂ بلقع، نہایۃ اللغۃ۔
۳۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۰۸۔
۴۔ نہج البلاغہ، حکمت ۲۵۲۔

ہم نے بچشم خود اس حقیقت کا مشاہدہ کیا ہے کہ صلہ رحم (رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک) کرنے والوں کو خدا نے رزق اور اولاد کی کثرت سے نوازا ہے اور قطع رحم (رشتے داروں کے ساتھ بدسلوکی) کرنے والوں کو رزق اور اولاد کی کمی کا منہ دیکھنا پڑا ہے جزائے اعمال کا یہ منظر بھی دیکھا گیا ہے کہ دو تاجروں کے پاس ایک ہی جنس تھی لیکن ایک تاجر کو اس سے فائدہ ہوا اور دوسرے کو نقصان اٹھانا پڑا یعنی ایک ہی جنس کی وجہ سے ایک خوش نصیب قرار پایا اور دوسرا بدنصیب ٹھہرا۔ جب دونوں تاجروں کے نجی حالات معلوم کئے گئے تو پتا چلا کہ جس تاجر کو منافع ہوا تھا وہ صلہ رحم کرتا تھا اور یوں خدا نے صلہ رحم کا کچھ نہ کچھ بدلہ اسے دنیا میں دے دیا اور قطع رحم کرنے والے کو بھی ہلکی سی سزا اس دنیا میں دے دی۔ یقیناً کچھ اعمال ایسے ہیں جن کا بدلہ خدا اس دنیا میں عطا کرتا ہے اور اس سلسلے میں مسلمان اور کافر کی بھی تخصیص نہیں ہے۔

انسانی اعمال کی خدا کے ہاں تو جزا ہے ہی مگر خدا نے مخلوق میں بھی اس کی جزا مقرر کر رکھی ہے۔ بہرحال ہر انسان کو اس کی محنت کا ثمر ضرور ملتا ہے کیونکہ خدا کا فرمان ہے: وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ○ اور انسان کے لئے اتنا ہی بدلہ ہے جتنی اس نے کوشش کی ہے۔ (سورۂ نجم: آیت ۳۹)

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یہ بات واضح فرمائی ہے کہ جو شخص دنیا کے لئے عمل کرتا ہے اسے دنیا میں ہی اس کا پھل مل جاتا ہے اور جو شخص آخرت کے لئے عمل کرتا ہے اسے آخرت میں اس کی جزا ملے گی۔ وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَسَنَجْزِی الشّٰكِرِیْنَ ○ اور جو دنیا میں بدلے کا خواہشمند ہوگا اسے ہم دنیا میں بدلہ دے دیں گے اور جو آخرت کے بدلہ کا طالب ہوگا اسے ہم آخرت کا ثواب دیں گے اور ہم شکرگزاروں کو عنقریب (بہت اچھا) بدلہ دیں گے۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۴۵)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَیْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِیْهَا وَهُمْ فِیْهَا لَا یُبْخَسُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ... جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتے ہیں ہم ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ اسی دنیا میں دے دیتے ہیں اور کسی طرح کی کمی نہیں کرتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آتش (جہنم) کے سوا اور کچھ نہیں۔ (سورۂ ہود: آیت ۱۵ و ۱۶)

اسی مفہوم کو دوسری جگہ یوں بیان فرمایا ہے: مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِیْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِیْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ یَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْیَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْكُوْرًا ○ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ○ جو شخص دنیا (کی آسودگی) کا طلبگار ہے ہم جلدی سے اس کے لئے جو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں اور پھر اس کے بعد اس کے لئے جہنم ہے جس میں وہ ذلت و رسوائی کے ساتھ داخل ہوگا۔ اور جو شخص آخرت کا خواہشمند ہے اور اس کے لئے اتنی کوشش بھی کرتا ہے جتنی کرنی چاہیے اور مومن بھی ہے تو اس کی کوشش یقیناً

مقبول قرار دیدی جائے گی۔ ہم ان کو اور اُن کو سب کو آپ کے رب کی بخشش سے مدد کرتے ہیں اور آپ کے رب کی بخشش (کسی مومن یا کافر سے) رکی ہوئی نہیں۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۱۸ تا ۲۰)

لغوی تشریح

۱۔ نُوَفِّ اِلَیْھِمْ: وَفّٰی اِلَیْهِ یعنی اس نے اس کا پورا حق اسے دیدیا اور کوئی حق تلفی نہیں کی۔

۲۔ لَایُبْخَسُوْنَ: بَخَسَ الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ یعنی ناپ تول میں کمی کرنا۔

۳۔ بَخَسَ فُلَانٌ حَقَّهٗ: یعنی فلاں نے اس کے حق کی ادائیگی میں کوتاہی کی۔

۴۔ مَحْظُوْرًا: حَضَرَالشَّیْءِ یعنی کسی چیز کو روک دیا۔ محظورًا یعنی ممنوع چیز۔

دنیا اور آخرت میں اعمال کا بدلہ

کچھ اعمال ایسے ہیں جن کی جزا اس دنیا میں ملتی ہے اور کچھ اعمال ایسے ہیں جن کی جزا صرف آخرت میں ملے گی۔ مثلاً شہادت ایک ایسا عمل ہے جس کی جزا شہید اس دنیا میں پا ہی نہیں سکتا۔ اس کی جزا اسے صرف آخرت میں ہی ملے گی۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِیْنَ بِمَا اٰتٰھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اور گمان تک نہ کرنا کہ جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں وہ مردہ ہیں (ہرگز نہیں) بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں رزق پا رہے ہیں۔ جو کچھ خدا نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے اس پر خوش ہیں اور جو ابھی تک ان سے ملحق نہیں ہوئے ان کیلئے بشارت طلب ہیں کہ ان کو بھی نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ اپنے رب کی نعمت اور فضل کو پا کر خوش ہیں اور بے شک خدا مومنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۶۹ تا ۱۷۱)

جس طرح سے شہید اپنی جزا قبر اور حشر میں پاتا ہے اسی طرح سے مومن کے قاتل کی اصل سزا بھی عالم برزخ اور آخرت سے ہی شروع ہوتی ہے۔ فرمان قدرت ہے: وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِیْھَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا ۝ جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے گا اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور خدا اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس کے لئے اُس نے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔ (سورۂ نساء: آیت ۹۳)

اگر کوئی شخص خدا پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور دوستان خدا کو دوست رکھتا ہو اور خدا اسے کسی جسمانی معذوری میں مبتلا کر دے مثلاً اسے اندھا یا بہرا یا لنگڑا کر دے اور وہ اس معذوری پر صبر کرے تو خدا اس کو

آخرت میں بہت ثواب عطا فرمائے گا۔ اسی طرح سے اگر کسی مومن کو کافر سے اذیت پہنچے تو خدا آخرت میں ضرور اس کی تلافی کرے گا اور ایسی نعمتیں عطا کرے گا جس کے سامنے دنیا کی نعمتیں ہیچ ہیں۔[1]

جزائے الٰہی صرف جہان فانی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس جہان کے بعد بھی جزا کے کئی مراحل ہیں۔

آخرت میں اعمال کا بدلہ

ایک کاشتکار موسم سرما میں گندم، جوار اور سبزیاں کاشت کرتا ہے۔ پھر موسم گرما میں انہیں کاٹتا ہے اور ان سے مستفید ہوتا ہے۔ ایک اور کاشتکار انگور، انجیر، زیتون وغیرہ کاشت کرتا ہے اور تین چار سال بعد اس کا پھل حاصل کرتا ہے۔ جب کہ ایک اور کاشتکار کھجور یا اخروٹ اگاتا ہے اور آٹھ دس سال بعد اسے ان کا پھل ملتا ہے۔ غرضیکہ اس طرح سے انسان زمین میں بیج بوتا ہے اور مسلسل محنت کرتا ہے تو خدا اس کی محنت کو رائیگاں نہیں کرتا اور اسے اس کی محنت کا پھل ضرور دیتا ہے۔ پھر وہ اس محنت کا پھل خود بھی کھاتا ہے اور اپنے عزیز و اقارب کو بھی کھلاتا ہے اور اپنے جانوروں کو بھی اس میں سے کچھ نہ کچھ حصہ دیتا ہے۔ یقیناً یہ خدا کی شان رزاقیت کی دلیل ہے جیسا کہ ارشاد اقدس الٰہی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ بیشک خدا رزق دینے والا قوت رکھنے والا (اور) مضبوط ہے۔ (سورۂ ذاریات: آیت ۵۸) اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ... ○ خدا ہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا۔ (سورۂ روم: آیت ۴۰) وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ○ غربت کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ (سورۂ انعام: آیت ۱۵۲) وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ○ زمین پر چلنے والے کتنے ہی جاندار ایسے ہیں جو اپنا رزق اٹھائے اٹھائے نہیں پھرتے۔ خدا ان کو بھی رزق دے رہا ہے اور تم کو بھی رزق دے رہا ہے۔ (سورۂ عنکبوت: آیت ۶۰) وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ○ خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر (حصول) رزق میں فضیلت بخشی ہے۔ (سورۂ نحل: آیت ۷۱)

خدا نے رزق روزی کے لئے زمین پیدا کی ہے اور پانی کے لئے دریا بہائے ہیں۔ اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ زمین میں ہل چلائے اور اناج اگائے۔ اپنی فصل کو پانی دے اور کیڑوں سے بچائے اور جب اس کی فصل تیار ہو جائے تو اسے کاٹ لے اور پھر کھائے۔

زمین اور اس سے حاصل ہونے والے رزق کی مثال ایک ایسے "سیلف سروس ریستوراں" کی ہے جہاں لوگ آتے ہیں اور پلیٹ میں کھانا وغیرہ خود ڈالتے ہیں۔ لوگوں کو ریستوراں میں کھلی اجازت ہے کہ وہ

۱۔ شیخ صدوق، ثواب الاعمال۔ حدیث ۲۱۔

جو ڈش پسند کریں کھا سکتے ہیں لیکن اگر کوئی کاہل ایسے ریستوراں میں جائے اور پلیٹ کو ہاتھ تک نہ لگائے تو وہ اس نعمت کدہ میں محروم ہی بیٹھا رہے گا کیونکہ اس ریستوراں کی خصوصیت "سیلف سروس" ہے۔ یاد رکھیں کہ صاحب الطاف عمیم خدا نے فرش زمین پر اپنا خوان کرم بچھایا ہوا ہے چنانچہ انسان کو چاہئے کہ وہ "سیلف سروس" کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے اس خوان کرم سے استفادہ کرے۔ چونکہ ریستوراں میں بہت کچھ موجود ہے اس لئے اگر کوئی ریستوراں میں سے ایسی چیز کا انتخاب کرے جو اس کے لئے مضر ہو تو اس کی ذمہ داری اس شخص پر عائد ہوگی، ریستوراں کا مالک اس کا ذمے دار نہیں ہوگا۔ خدا نے سچ فرمایا ہے کہ

۱۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ○ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ○ خدا ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے تمہارے کھانے کے لئے پھل پیدا کئے اور اس نے تمہارے لئے کشتیوں (اور جہازوں) کو مسخر کر دیا کہ وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلیں نیز تمہارے لئے دریاؤں کو مسخر کر دیا اور سورج اور چاند کو تمہارے لئے کام میں لگا دیا کہ دونوں (دن رات) ایک دستور پر چل رہے ہیں۔ اور رات اور دن کو بھی تمہاری خاطر کام میں لگا دیا۔ (سورۂ ابراہیم: آیت ۳۲،۳۳)

۲۔ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ○ وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ○ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○ وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ○ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ○ خدا ہی نے (ہمیشہ) آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کیا۔ بے شک اس میں بات سننے والوں کے لئے نشانی ہے۔ اور تمہارے لئے حیوانوں میں بھی ایک سبق ہے کہ ان کے پیٹوں میں جو گوبر اور خون ہے اس کے درمیان سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے۔ کھجور اور انگور کے میووں میں کہ جس سے تم شراب بناتے ہو اور بہترین غذا (کھاتے ہو) بلاشبہ عقلمندوں کے لئے (قدرت خدا کی) نشانی موجود ہے۔ اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کر رکھی ہے کہ پہاڑوں اور درختوں میں اور اونچی اونچی ٹٹیوں میں اپنے چھتے بنائے، ہر قسم کے پھل کھائے اور تابعداری کے ساتھ اپنے رب کے بتائے ہوئے راستوں پر چلے۔ اس کے پیٹ سے جو مشروب نکلتا ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں اس میں لوگوں (کے کئی امراض) کی شفا ہے۔ اور اس میں غور کرنے والوں کے لئے ایک نشانی ہے۔ (سورۂ نحل: آیت ۶۵ تا ۶۹)

لغوی تشریح

۱۔ دَآئِبَیْنِ: داب الشیء کسی چیز کا مسلسل جاری رہنا۔ داب یعنی مستقل عادت۔ سورج اور چاند کو ان کی مسلسل حرکت کی بنا پر دائبین کہا گیا ہے۔

۲۔ فَرْثٍ: گوبر۔

۳۔ یَعْرِشُوْنَ: عرش الکرم انگور کی بیل کو لکڑی پر یا ٹٹی پر چڑھایا۔ کھجور سے بنے ہوئے چھپروں کو بھی "عرش" کہا جاتا ہے۔

حلال اور حرام کی تفریق

رزق دینے والے رب نے انبیاء کرام، اوصیاء عظام اور علماء اعلام کی وساطت سے اپنے نعمت کدہ میں قدم رکھنے والے انسانوں کو اپنی نعمتوں سے مستفید ہونے کی تعلیم دی اور ان کو بتایا کہ اس نعمت کدہ کی کون سی غذائیں مفید ہیں اور کون سی غذائیں مضر ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خوان کرم پر بیٹھنے والوں کو یہ درس دیا:

۱۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَارَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰهِ... اے ایمان والو! ہم نے جو رزق تم کو دیا ہے اس میں سے پاک چیزیں کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۷۲)

۲۔ یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ... (اے رسولؐ) وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا حلال کیا گیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم پر پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں۔ (سورۂ مائدہ: آیت ۴)

۳۔ خدا نے سورۂ اعراف میں اپنے حبیب کریمؐ کا یہ وصف بیان فرمایا ہے کہ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ... وہ پاک چیزوں کو ان کیلئے حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے۔ (آیت ۱۵۷)

جس رب نے ہمیں خلق کیا ہے اور جس نے اپنی بہت سی مخلوق کو ہمارے فائدہ کے لئے مسخر کیا ہے اس نے ہمارے کھانے کے لئے پاک چیزیں پیدا کی ہیں اور وہی ہماری کاشتکاری کی محنت کو رائیگاں نہیں کرتا بلکہ ہمیں اس محنت کا پھل عطا کرتا ہے۔ یقین جانئے جو رب ہماری محنت کو ضائع نہیں کرتا وہ ہمارے ان اعمال کو بھی رائیگاں نہیں کرے گا جو ہم عالم آخرت کے لئے انجام دیتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

۱۔ وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْا اَوْ مَاتُوْا لَیَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا... جن لوگوں نے راہ خدا میں ہجرت کی پھر قتل کر دیئے گئے یا مر گئے خدا ضرور انہیں رزق حسن دیتا ہے۔ (سورۂ حج: آیت ۵۸)

۲۔ اِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ شَیْئًا ۝ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَیْبِ اِنَّهٗ کَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِیًّا ۝ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ

فِیْهَا بُكْرَةً وَّ عَشِیًّا ٥ ہاں جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ہمیشہ رہنے والی جنت میں جس کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے (اور جو ان کے لئے) غیب ہے۔ یقیناً اس کا وعدہ (نیکو کاروں کے سامنے) آنے والا ہے۔ وہاں وہ خیر سلامت کے سوا کوئی فضول بات نہ سنیں گے اور انہیں صبح وشام رزق دیا جائے گا۔ (سورۂ مریم: آیت ۶۰ تا ۶۳)

رب تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کو اس کے عمل کا بدلہ اس دنیا میں بھی ملے اور آخرت میں بھی ملے۔ یہ مفہوم متعدد جگہ بیان ہوا ہے مثلاً

۱۔ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ٥ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ٥ جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھے گا۔ (سورۂ زلزال: آیت ۷ و ۸)

۲۔ فَالْیَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ٥ آج کسی شخص پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا اور تم کو اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔ (سورۂ یٰس: آیت ۵۴)

قدرت کا قانون ہے کہ گندم از گندم بروید جو ز جو۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے: وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ٥ وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ٥ انسان کے لئے اتنا ہی ہے جتنی اس نے کوشش کی ہے۔ اور اس کی کوشش عنقریب اس کے سامنے پیش کردی جائے گی۔ (سورۂ نجم: آیت ۳۹ ـ ۴۰)

انسان اپنے اعمال کا بدلہ صرف دنیا میں ہی نہیں پاتا بلکہ ان پانچ عوالم میں بھی اسے بدلہ دیا جائیگا۔

(۱) نزع میں (۲) قبر میں (۳) حشر میں (۴) جنت یا جہنم میں (۵) اولاد میں

(۱) نزع میں اعمال کا بدلہ

عالم نزع، عالم آخرت کا پہلا مرحلہ ہے۔ موت کے متعلق ارشاد باری ہے: وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِیْدُ ٥ اور جاں کنی کا لمحہ سچ مچ آکر رہے گا کہ جس سے تم بھاگ جانا چاہتے ہو (سورۂ ق: آیت ۱۹) قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ٥ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ موت کا جو فرشتہ تم پر مقرر کیا گیا ہے وہ تمہاری جان نکال لیتا ہے اور تم اپنے رب کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ (سورۂ سجدہ: آیت ۱۱)

کچھ افراد عام طور پر قرآن مجید کی تضاد بیانی ثابت کرنے کیلئے مندرجہ ذیل آیات پیش کرتے ہیں:

اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا جب موت آپہنچتی ہے تو خدا جانوں کو لے لیتا ہے۔ (سورۂ زمر: آیت ۴۲) یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ... موت کا جو فرشتہ تم پر مقرر کیا گیا ہے وہ تمہاری جان نکال لیتا ہے۔ (سورۂ سجدہ: آیت ۱۱) اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ جب فرشتے ان کی جان

نکالنے لگتے ہیں۔ (سورۂ نحل: آیت ۲۸ و ۳۲) اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا... جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی جان نکال لیتے ہیں۔ (سورۂ انعام: آیت ۶۱)

مذکورہ آیات پڑھ کر یہ سوال قائم کیا جاتا ہے کہ پہلی آیت میں جان نکالنے کی نسبت خدا کی طرف جبکہ دوسری آیت میں ملک الموت حضرت عزرائیلؑ کی طرف اور دیگر آیات میں فرشتوں کی طرف ہے اور یہ (نعوذ باللہ) کھلا تضاد ہے۔

اس کے جواب میں ہم یہ عرض کریں گے کہ تینوں نسبتیں اپنے اپنے مقام پر درست ہیں۔ ائمہ اہلبیت علیہم السلام نے اس کی مثال یوں دی کہ ایک بادشاہ نے کسی مقام پر شہر آباد کرنے کا حکم دیا۔ اس کے وزیر تعمیرات نے شہر بنانے کے کام کی نگرانی کی اور مزدوروں نے اس شہر کو بنایا۔ شہر بن جانے کے بعد اگر کوئی شخص یوں کہے کہ بادشاہ نے یہ شہر بنایا ہے تو وہ بھی سچا ہوگا اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مزدوروں نے یہ شہر بنایا ہے تو وہ بھی سچا ہوگا۔ اور اگر کوئی یوں کہے کہ یہ شہر وزیر نے بنایا ہے تو وہ بھی سچا ہوگا۔

یہی حال موت کی نسبتوں کا ہے۔ موت کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا اس کی طرف موت کی نسبت دی جائے تو یہ صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزرائیلؑ کو موت کے شعبہ کا نگران مقرر کیا ہے لہٰذا اگر کوئی کہے کہ موت کا فرشتہ خدا کے اذن سے موت دیتا ہے تو یہ بھی صحیح ہے۔ حضرت عزرائیلؑ کے ماتحت فرشتے روحیں قبض کرتے ہیں لہٰذا اگر کوئی کہے کہ فرشتے موت دیتے ہیں تو یہ بھی صحیح ہے۔ ان تینوں نسبتوں میں کوئی تضاد نہیں۔

موت عالم آخرت کا پہلا مرحلہ ہے اور جیسے ہی یہ مرحلہ شروع ہوتا ہے، انسان سے اعمال کی آزادی چھین لی جاتی ہے۔ اس وقت اس کی سزا و جزا کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے اور عالم آخرت کے اس پہلے مرحلہ پر جو چیز انسان کی مددگار ہوتی ہے اس کا تذکرہ شیخ صدوقؒ نے اپنی سند کے ساتھ رسول خداؐ کی اس روایت سے کیا ہے:

صَوْمُ رَجَبَ يُهَوِّنُ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ رجب کا روزہ جاں کنی کے لمحات کو آسان بنا دیتا ہے۔[1]

موت اگرچہ ہر جاندار پر وارد ہوتی ہے مگر مرنے کی کیفیت کے اعتبار سے لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ○ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ○ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ○ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ○ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ○ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ○ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ○ پھر اگر مرنے والا مقربین میں سے ہے تو اس کے لئے آسائش، خوشبودار پھول اور نعمت کے باغ ہیں۔ اور اگر وہ دائیں ہاتھ والوں میں سے ہے تو (کہا جائے گا کہ) تجھ پر دائیں ہاتھ والوں کی طرف سے سلام ہے۔ اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے تو (اس کے لئے) کھولتے ہوئے پانی کی مہمانی اور آتش دوزخ میں جلنے کی سزا ہے۔ (سورۂ واقعہ: آیت ۸۸ تا ۹۴)

۱۔ شیخ صدوق، ثواب الاعمال۔ حدیث ۳۳۳، باب ثواب صوم رجب۔

اب دیکھیں کہ صنف اول یعنی مقربین اور اصحاب یمین کی موت کے متعلق قرآن مجید کیا فرماتا ہے؟

يَا اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ٥ ارْجِعِيْ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ٥ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ ٥ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ٥ اے مطمئن نفس! اپنے رب کی طرف پلٹ آ۔ اس عالم میں کہ تو اس سے اور وہ تجھ سے راضی ہے۔ پھر میرے بندوں میں شامل ہو جا۔ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ (سورۂ فجر: آیت ۲۷ تا ۳۰)

آیئے دیکھیں کہ موت کے وقت دوسرے گروہ کی کیا حالت ہوگی؟ ارشاد رب العزت ہے:

حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ٥ لَعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ٥ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آ گئی تو کہنے لگا کہ اے میرے رب مجھے واپس (دنیا میں) بھیج دے تاکہ میں جو (دنیا) چھوڑ آیا ہوں اس میں جا کر نیک کام کیا کروں۔ ہرگز نہیں۔ وہ تو بس باتیں ہی بنا رہا ہوگا۔ اور ان کے پیچھے ایک برزخ ہے جہاں وہ دوبارہ اٹھائے جانے تک رہیں گے۔ (سورۂ مومنون: آیت ۹۹ و ۱۰۰)

لغوی تشریح

۱۔ يَتَوَفّٰى: وفاه حقه یعنی اس نے اسے اس کا پورا پورا حق دیا۔ تَوَفَّاهُ یعنی اس نے اسے پورا وصول کیا اور توفی اللّٰہ یا توفی ملک الموت الانسان کے معنی ہیں موت کی وجہ سے انسان کی جان نکلنا۔ توفا اللّٰہ وقت النوم یعنی خدا نے اسے نیند میں موت دی۔ نیند کو بھی موت سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس میں حواس معطل ہو جاتے ہیں اور سویا ہوا آدمی مرے ہوئے آدمی کی مانند ہو جاتا ہے۔

۲۔ حَمِيْم: کھولتا ہوا پانی۔

۳۔ تَصْلِيَةٌ: صَلَى الشَّيْءَ یعنی اس نے ایک چیز کو آگ میں جھونک دیا۔ صلاہ النار کے معنی ہیں آگ نے اسے بھسم کر ڈالا۔ تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ کا مطلب ہے دوزخ کی آگ میں جھونک دینا۔

۴۔ بَرْزَخ: دو چیزوں کے درمیان حد فاصل۔

موت دنیاوی زندگی کا اختتام اور اخروی زندگی کا آغاز ہے۔ موت کے بعد کے واقعات اور حالات جاننے کے لئے انسانوں کے پاس صرف انبیائے کرامؑ کی تعلیمات ہیں۔ اس کے سوا ہمارے پاس عالم برزخ اور حشر کی کیفیات جاننے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ انبیائے کرامؑ کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے:

اگر مرنے والا شخص انبیائے کرامؑ کی تصدیق کرتا ہے اور ان کی تعلیمات کے مطابق اللہ کی صفات اور شریعت پر ایمان لاتا ہے تو وہ موت اور موت کے بعد کے مراحل میں راحت محسوس کرے گا۔ انبیائے کرامؑ نے حیات بعد الموت کے جو کیف و کم بیان کئے ہیں ان کا قیاس ہم اپنے مشاہدات پر نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے حواس صرف دنیاوی محسوسات کو دیکھ سکتے ہیں جب کہ موت کے بعد کی دنیا ہماری دنیا سے قطعاً مختلف ہے۔

ابھی آپ نے یہ حدیث رسولؐ پڑھی کہ رجب کا روزہ جاں کنی کے لمحات کو آسان بنادیتا ہے۔
امام جعفر صادقؑ کا یہ فرمان مبارک کتنا معنی خیز ہے کہ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَحِجَّ حَجَّةَ الْإِسْلَامِ دُوْنَمَا مَانِعٌ يَمْنَعُهُ فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا یعنی جو مسلمان کسی شرعی عذر کے بغیر خانہ کعبہ کا حج نہ کرے تو (خدا کو اس سے کوئی سروکار نہیں) کہ وہ یہودی مرے یا نصرانی۔ [۱]

(۲) قبر میں اعمال کا بدلہ

کتب حدیث اس بات سے بھری ہوئی ہیں کہ ہر انسان کے مرنے کے بعد اس کی قبر میں دو فرشتے آتے ہیں جو اس سے اس کے عقائد کے متعلق سوال جواب کرتے ہیں۔ [۲]

ہر انسان کو قبر میں اس کی خوش اخلاقی، بداخلاقی اور دیگر اعمال کا بدلہ دیا جاتا ہے اور قبر یا تو اس کے لئے جنت کا باغ ہوتی ہے یا پھر جہنم کا گڑھا۔ [۳]

پیشاب کے چھینٹوں کی پروا نہ کرنے والے اور چغل خور کو قبر کا عذاب دیا جاتا ہے۔ [۴]

خوش اخلاق شخص کا ثواب قبر سے ہی شروع ہو جاتا ہے اور آخرت کے باقی مراحل میں بھی وہ اس ثواب سے مستفید ہوتا رہے گا۔ [۵]

جو شخص رکوع کو پوری طرح بجالاتا ہے وہ قبر کی تاریکی سے نہیں گھبرائے گا۔ [۶]

(۳) حشر میں اعمال کا بدلہ

(ا) صور پھونکے جانے کے وقت: روز محشر کا آغاز صور پھونکنے سے ہوگا۔ عربی میں قرنا (بگل) کو صور کہا جاتا ہے جس میں پھونک ماری جائے تو اس سے آواز پیدا ہو۔ جیسا کہ ارشاد اقدس الٰہی ہے:

۱۔ شیخ صدوق، ثواب الاعمال۔
۲۔ شیخ عباس قمی، سفینۃ البحار مادّہ نکر
۳۔ شیخ عباس قمی، سفینۃ البحار مادّہ قبر
۴۔ شیخ صدوق، ثواب الاعمال، ص ۵۱۵، حدیث ۱۔ صحیح مسلم کتاب الطهارة، باب الدليل على نجاسة البول، ص ۲۴۰۔ سنن الدارمی، كتاب الطهارة، باب الاتقاء من البول (۱/۱۸۸)۔ سنن ابی داؤد، كتاب الطهارة، باب الاستبراء من البول (۱/۳۳) سنن ابن ماجہ، كتاب الطهارة، باب التشديد في البول ۱/۱۲۳۔ ۱۲۵۔ مسند احمد بن حنبل (۱/۲۲۵۔ ۵/۲۶۶)۔ صحیح بخاری، كتاب الوضوء، باب من الكبائر ان لا يستتر من بوله (۱/۶۴) و كتاب الادب، باب الغيبة (۸/۲۰) و باب النميمة من الكبائر منه (۸/۲۱)۔
۵۔ ثواب الاعمال، باب ثواب ادخال السرور على الاخ المؤمن۔
۶۔ شیخ عباس قمی سفینۃ البحار (۱/۵۲۴)۔ مادّہ رکع۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ۝ جب صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین کی سب مخلوق بیہوش ہو کر گر پڑے گی سوا اس کے جس کو خدا (رکھنا) چاہے گا۔ پھر دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ (سورۂ زمر: آیت ۶۸)

ایک حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا۔ پہلی مرتبہ حضرت اسرافیلؑ صور پھونکیں گے جس کی آواز سن کر آسمانوں اور زمین کی سب مخلوق مرجائے گی سوائے ان کے جن کو خدا زندہ رکھنا چاہے گا یعنی حاملین عرش، حضرت جبرئیلؑ، حضرت میکائیلؑ اور حضرت عزرائیلؑ۔

اس وقت خدا ملک الموت سے پوچھے گا کہ اب کون باقی رہ گیا ہے؟ جب کہ خدا کو خود بہتر علم ہوگا۔ عزرائیلؑ عرض کریں گے کہ خدایا! اس وقت ملک الموت، حاملین عرش اور جبرئیلؑ و میکائیلؑ رہ گئے ہیں۔ ارشاد ہوگا کہ ان دونوں سے کہہ دو کہ وہ بھی مرجائیں۔ اس کے بعد عزرائیلؑ دونوں کی روح قبض کرلیں گے۔ اس کے بعد خدا پوچھے گا کہ اب کون باقی بچ گیا ہے؟ عزرائیلؑ عرض کریں گے کہ خدایا! ملک الموت اور حاملین عرش باقی بچ گئے ہیں۔ اس وقت خدا فرمائے گا کہ حاملین عرش سے کہو کہ وہ بھی مرجائیں۔ چنانچہ عزرائیلؑ ان کی روحیں بھی قبض کرلیں گے۔ اس کے بعد پوچھا جائے گا کہ اب کون بچ گیا ہے؟ عزرائیلؑ کہیں گے کہ خدایا! ملک الموت بچ گیا ہے۔ اس وقت خدا فرمائے گا کہ اے ملک الموت! تو بھی مرجا۔ چنانچہ عزرائیلؑ بھی مرجائیں گے تب لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ کی صدا گونجے گی۔ چونکہ کوئی جواب دینے والا اس وقت موجود نہیں ہوگا اس لئے آواز قدرت آئے گی لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ یعنی آج خدائے واحد وقہار کی حکومت ہے۔

پھر دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو ساری مخلوق دوبارہ زندہ ہوجائے گی۔ دوسرے صور کے متعلق قرآن مجید میں ہے کہ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا ۝ اور صور پھونکا جائے گا تو ہم سب کو اچھی طرح سے جمع کرلیں گے۔ (سورۂ کہف: آیت ۹۹) وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ وَكُلٌّ أَتَوْهُ دَاخِرِينَ ۝ اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین کی سب مخلوق لرز اٹھے گی سوائے ان کے جن کو خدا چاہے اور سب اس کی بارگاہ میں سر جھکائے حاضر ہوں گے۔ (سورۂ نمل: آیت ۸۷) وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ۝ قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ۝ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ ۝ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ اور جب صور پھونکا جائے گا تو سب کے سب اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف چل کھڑے ہوں گے۔ کہیں گے کہ آخر ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے جگایا ہے۔ بے شک یہی وہ چیز ہے جس کا خدا نے وعدہ کیا

تھا اور اس کے رسولوں نے سچ کہا تھا۔ بس ایک چنگھاڑ کی آواز آئے گی اس کے بعد سب ہماری بارگاہ میں حاضر کر دیے جائیں گے۔ آج کسی شخص پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا اور تم کو اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔ (سورۂ یٰس: آیت ۵۱ تا ۵۴)

قرآن کریم فرماتا ہے کہ قیامت کے دن خدا سب لوگوں کو جمع کرے گا:

وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ○ ہم سب کو جمع کریں گے اور ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ (سورۂ کہف: آیت ۴۷) يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ○ جس دن صور پھونکا جائے گا اس دن ہم مجرموں کو جمع کریں گے اور ان کا رنگ اڑا ہوا ہوگا۔ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۱۰۲) يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ○ (قیامت کے) دن متقیوں کو جمع کرکے رحمٰن کی بارگاہ میں احترام سے لے جایا جائے گا۔ (سورۂ مریم: آیت ۸۵)

لغوی تشریح

۱۔ اَتَوْهُ دَاخِرِيْنَ: سب گردن جھکائے خدا کے حضور پیش ہوں گے۔

۲۔ اَجْدَاثِ: قبریں۔

۳۔ يَنْسِلُوْنَ: چل کھڑے ہوں گے۔

۴۔ زُرْقًا: زَرِقَ لَوْنَهُ رنگ کا سیاہ و سفید کے درمیان ہونا اور ایسا شخص ازرق کہلاتا ہے۔ اس کی جمع زرق ہے۔

۵۔ وَفْدًا: وفد وفداً علی الملک ونحوه انعام حاصل کرنے کی غرض سے بادشاہ کے پاس جانا۔ ایسے شخص کو وافد کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع وفد اور وفود ہے۔

(ب) روز قیامت کے مناظر

۱۔ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ○ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ کیا یہ لوگ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ (مرنے کے بعد بھی) اٹھائے جائیں گے۔ بڑے (سخت) دن میں۔ جس دن سب رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ (سورۂ مطففین: آیت ۴ تا ۶)

۲۔ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ○ جس دن روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے اور کسی کی مجال نہ ہوگی کہ بول سکے سوائے اس کے جسے رحمٰن اجازت دیدے اور وہ صحیح بات کرے۔ (سورۂ نباء: آیت ۳۸)

۳ــ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ o
خدا نے آسمانوں اور زمین کو حق (یعنی عدم) سے پیدا کیا ہے تا کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے اور ان پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (سورۂ جاثیہ: آیت ۲۲)

۴ــ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُوْرًا o اِقْرَاْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا o ہم نے ہر انسان کی کتاب اعمال اس کی گردن میں لٹکا دی ہے اور قیامت کے دن ہم یہ کتاب اسے نکال کر دکھائیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔ (اس سے کہا جائے گا کہ) اپنی کتاب پڑھ لو۔ آج تمہارے حساب کے لئے یہی کتاب کافی ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۱۳و۱۴)

۵ــ ... كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتَابِهَا اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ o هٰذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ o ... وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ o وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسَاكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَاۤءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نَّاصِرِيْنَ o ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ o
... ہر قوم اپنی کتاب (اعمال) کی طرف بلائی جائے گی۔ جو اعمال تم کرتے رہے ہو آج تم کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ یہ ہماری کتاب تمہارے بارے میں سچ سچ بیان کر دے گی۔ جو کچھ تم کرتے جاتے تھے ہم لکھتے جاتے تھے ... اور ان کے اعمال کی برائیاں ان پر ظاہر ہو جائیں گی اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان کو گھیر لے گا۔ اور ان سے کہا جائے گا کہ جس طرح تم نے آج کے دن کی ملاقات کو بھلا رکھا تھا اسی طرح آج ہم نے تمہیں بھلا دیا ہے اور تمہارا انجام جہنم ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں۔ یہ سب اس لئے ہے کہ تم نے خدا کی آیتوں کا مذاق اڑایا تھا اور دنیا کی زندگی نے تم کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ سو آج یہ لوگ نہ جہنم سے نکالے جائیں گے اور نہ ان کو معافی مانگنے کا موقع دیا جائے گا۔ (سورۂ جاثیہ: آیت ۲۸و۲۹۔۳۳و۳۵)

۶ــ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَاؤُمُ اقْرَءُوْا كِتَابِيَهْ o ... وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يَا لَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتَابِيَهْ o وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ o پھر جس کو نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ (خوش خوش دوسروں) سے کہے گا کہ میرا نامۂ اعمال تو پڑھو ... اور جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا کہ اے کاش! یہ نامۂ اعمال مجھے نہ دیا جاتا۔ اور مجھے میرا حساب معلوم نہ ہوتا۔ (سورۂ حاقہ: آیت ۱۹و۲۵۔۲۶)

۷ــ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ o فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا o وَّيَنْقَلِبُ اِلٰى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا o وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهٗ وَرَاۤءَ ظَهْرِهٖ o فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا o وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا o اِنَّهٗ كَانَ فِيْ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا o اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ o بَلٰى اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا o جس کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اس سے

آسان طریقہ سے حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے اہل وعیال میں خوش خوش واپس آئے گا۔ اور جس کا نامۂ اعمال پشت کی طرف سے دیا جائے گا وہ موت کی تمنا کرے گا اور دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ یہ پہلے اپنے اہل و عیال میں مگن رہتا تھا اور سمجھتا تھا کہ وہ پلٹ کر خدا کی طرف نہیں جائے گا۔ ہاں (ہاں) اس کا رب اس کو دیکھ رہا تھا۔ (سورۂ انشقاق: آیت ۷ تا ۱۵)

۸۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ٥ جو لوگ اس مال میں جو خدا نے اپنے فضل سے ان کو دیا ہے بخل کرتے ہیں وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں کیونکہ یہ تو ان کے لئے برا ہے۔ وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں قیامت کے دن وہی مال ان کی گردن میں طوق بنا دیا جائے گا۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۸۰)

۹۔ وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ... اور جس دن تمام گواہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ (سورۂ مومن: آیت ۵۱)

۱۰۔ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَى هَؤُلَاءِ ٥ اور جس دن ہم ہر امت کے خلاف اسی میں سے ایک گواہ اٹھائیں گے اور (اے پیغمبرؐ) ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔ (سورۂ نحل: آیت ۸۹)

۱۱۔ حَتَّى إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ٥ وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ٥ یہاں تک کہ (جب دشمنان خدا جہنم کے پاس آئیں گے تو) ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کا (گوشت) پوست سب ان کے خلاف ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ اور وہ اپنے اعضا سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی تو وہ کہیں گے کہ جس خدا نے سب کو گویائی بخشی ہے اسی نے ہم کو بھی گویائی عطا کی ہے۔ اور اسی نے پہلی بار تم کو پیدا کیا تھا اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔ (سورۂ حٰم السجدہ: آیت ۲۰ و ۲۱)

لغوی تشریح

۱۔ طَائِرَهُ: اچھے اور برے عمل کا کنایہ ہے۔

۲۔ ثُبُورًا: ثبر فلان یعنی فلاں ہلاک ہوگیا۔ دعوۃ الثبور یعنی جو شخص تنگ آ کر موت کی تمنا کرے اور واثبوراہ کا نعرہ لگا رہا ہو۔

۳۔ سَيُطَوَّقُونَ: طوقہ۔ اس نے اس کی گردن میں طوق ڈالا۔ جو لوگ اپنے مالی حقوق (بالخصوص زکوٰۃ) ادا نہیں کرتے تھے قیامت کے دن یہی مال سانپ بن کر ان کے گلے میں طوق کی طرح لپٹ جائے گا۔

۴۔ الشَّهِيدُ وَالْأَشْهَادُ: شَهِدَ عَلَى كَذَا فَهُوَ شَهِيدٌ اس نے اس کے خلاف قطعی خبر دی۔ اس سے

اسم فاعل شہید ہے۔ اَشْهَادْ ، شَاهِدٌ کی جمع ہے جیسا کہ اَصْحَابٌ ، صَاحِبٌ کی جمع ہے۔ اور اَشْهَادْ سے مراد انبیائے کرام ہیں جو خدا کے سامنے اپنی اپنی امتوں کے اعمال کی گواہی دیں گے۔

اعمال کے اثرات کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے کہ۔

(ا) اَطْوَلُكُمْ قُنُوْتًا فِى دَارِ الدُّنْيَا اَطْوَلُكُمْ رَاحَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِى الْمَوْقِفِ دنیا میں طویل قنوت پڑھنے والے قیامت کے دن موقف حساب میں طویل راحت پائیں گے۔[1] اور یہ کہ۔

(ب) مَنْ بَغٰى عَلٰى فَقِيْرٍ اَوْ تَطَاوَلَ عَلَيْهِ وَ اسْتَحْقَرَهُ حَشَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِثْلَ الذَّرَّةِ عَلٰى صُوْرَةِ رَجُلٍ يُدْخِلُ النَّارَ جو (زور آور) کسی غریب سے جھگڑا کرے گا یا اسے مارے گا یا اس کی ہتک کرے گا تو خدا قیامت کے دن اسے چیونٹی کے برابر انسانی صورت میں محشور کرے گا اور دوزخ کی آگ میں ڈال دے گا۔[2]

اعمال کے اثرات کے متعلق حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

(ج) اِذَا سَجَدَ اَحَدُكُمْ فَلْيُبَاشِرْ بِكَفَّيْهِ الْاَرْضَ لَعَلَّ يُصْرَفُ عَنْهُ الْغُلُّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو دونوں ہتھیلیاں زمین پر ٹکا کر رکھے تا کہ قیامت کے دن کی ہتھکڑی سے بچ جائے۔[3]

اعمال کے اثرات کے متعلق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

(د) اِنَّ الْمُتَكَبِّرِيْنَ يُجْعَلُوْنَ فِىْ صُوَرِ الذَّرِّ يَتَوَطَّأُهُمُ النَّاسُ حَتّٰى يَفْرَغَ اللّٰهُ مِنَ الْحِسَابِ یقیناً مغرور لوگ قیامت کے دن چیونٹیوں کی شکل میں محشور ہوں گے۔ لوگ انہیں اپنے قدموں تلے روندتے رہیں گے یہاں تک کہ خدا حساب کتاب سے فارغ ہو جائے۔[4]

۵۔ اَلذَّرِّ یعنی چھوٹی چیونٹی۔ اس کی واحد ذَرَّةٌ ہے۔

(۴) جنت یا جہنم میں اعمال کا بدلہ

قیامت کے دن انسان کے اعمال مجسم ہو جائیں گے۔ ہر انسان اپنے عمل کو دیکھے گا۔ جس نے نیک اعمال کیے ہوں گے وہ جنت کا حقدار قرار پائے گا اور جس نے برے اعمال کیے ہوں گے وہ عذاب کا مستحق ٹھہرے گا جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ... یقیناً خدا ان لوگوں کو جو کہ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ (سورۂ حج: آیت ۲۳)

۱۔ شیخ صدوق، ثواب الاعمال ص ۵۵۔
۲۔ شیخ صدوق، ثواب الاعمال ص ۶۵۵۔
۳۔ شیخ صدوق، ثواب الاعمال ص ۵۵۔
۴۔ شیخ صدوق، ثواب الاعمال ص ۵۰۲، ح ۱۰۔

۲۔ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ٥ اور جو اچھے عمل کریں گے خواہ مرد ہوں یا عورت اور وہ مومن بھی ہوں گے تو وہ جنت میں جائیں گے جہاں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا۔ (سورۂ مومن: آیت ۴۰)

۳۔ ...مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ٥ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ٥ ...اور جو کوئی برا کام کرے گا اسے اسی طرح کا بدلہ دیا جائے گا اور وہ خدا کے سوا کسی کو حمایتی اور مددگار کو نہ پائے گا۔اور جو اچھے عمل کریں گے خواہ مرد ہوں یا عورت اور وہ مومن بھی ہوں گے تو وہ جنت میں جائیں گے اور ان پر رتی بھر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (سورۂ نساء: آیت ۱۲۳ و ۱۲۴)

۴۔ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ٥ ...وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ...٥ .... وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا...٥ تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ خدا پر جھوٹ بولنے والوں کے منہ کالے ہو رہے ہوں گے۔ کیا غرور کرنے والوں کا انجام جہنم نہیں ہے؟ (ضرور ہے)...اور جس شخص نے جو عمل کیا ہوگا اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا... اور جن لوگوں نے اپنے رب کا تقویٰ اختیار کیا ہوگا ان کو گروہ درگروہ جنت الفردوس کی طرف لے جایا جائے گا۔ (سورۂ زمر: آیت ۶۰ و ۷۰ و ۷۳)

۵۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ٥ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ٥ جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرمانبرداری کرتے رہے (ان سے کہا جائے گا کہ) تم اپنی بیویوں سمیت احترام کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (سورۂ زخرف: آیت ۶۹ و ۷۰)

۶۔ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ....٥ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ٥ ...وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ٥ اور یہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو تمہارے اعمال کا صلہ ہے ... بے شک مجرم ہمیشہ جہنم کے عذاب میں مبتلا رہیں گے ...اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی ظالم تھے۔ (سورۂ زخرف: آیت ۷۲ و ۷۴ و ۷۶)

۷۔ ...وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ٥ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ٥ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے راہ خدا (یعنی دین اور معاشرے کی ترقی) میں خرچ نہیں کرتے ان کو (اس دن کے) دردناک عذاب کی خبر سنا دو جس دن وہ سونا چاندی آتش جہنم میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان (بخیلوں) کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا کہ) یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا۔ اب اس کا مزہ چکھو جو تم جمع کیا کرتے تھے۔ (سورۂ توبہ: آیت ۳۴ و ۳۵)

شیخ صدوقؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت رسول مقبولؐ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ چار قسم کے آدمی ایسے ہوں گے جن کی بدبو سے اہل دوزخ کو سخت اذیت ہوگی اور وہ وہاں موت کی آرزو کریں گے۔

(۱) وہ آدمی جس کے سر پر پتھر کا صندوق ہوگا۔ یہ وہ شخص ہوگا جو اس حالت میں مرا ہوگا کہ اس کے ذمے لوگوں کے مال کا بوجھ تھا اور اس نے اس کو ادا نہیں کیا تھا۔

(۲) وہ آدمی جو اپنی انتڑیوں کو گھسیٹ کر چل رہا ہوگا۔ یہ وہ شخص ہوگا جسے یہ فکر نہیں تھی کہ اس کا پیشاب اس کے بدن پر کہاں کہاں گر رہا ہے۔

(۳) وہ آدمی جس کے منہ سے پیپ اور خون جاری ہوگا۔ یہ وہ شخص ہوگا جو دوسروں کی بری باتیں لوگوں کو سنایا کرتا تھا۔

(۴) وہ آدمی جو اپنا گوشت کھا رہا ہوگا۔ یہ وہ شخص ہوگا جو دنیا میں غیبت کر کے اپنے مردہ بھائیوں کا گوشت کھاتا تھا اور چغل خوری کرتا تھا۔[۱]

جنت اور جہنم کے دروازے الگ الگ ہوں گے جیسا کہ خداوند سبحان نے بیان فرمایا ہے:

۱۔ ... وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ۝ متقین کی جائے بازگشت بہت عمدہ ہے۔ ہمیشہ رہنے کیلئے باغات جن کے دروازے ان کیلئے کھلے ہوں گے۔ (سورۂ ص: آیت ۴۹ و ۵۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا تھا:

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ ... لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ۝ جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تیرا زور نہیں چلے گا مگر ہاں جو گمراہوں میں سے تیری پیروی کرے... جہنم کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے کے لئے ایک جماعت مخصوص ہے۔ (سورۂ حجر: آیت ۴۲ و ۴۴)

لغوی تشریح

۱۔ نَقِيْرًا: کھجور کی گٹھلی کے بیچ کا وہ نقطہ جس سے کھجور پیدا ہوتی ہے۔ بے قیمت چیزوں کی بے قیمتی ظاہر کرنے کے لئے بطور ضرب المثل بولا جاتا ہے۔

۲۔ مَثْوىٰ: ثوی ثواءً : مستقل طور پر کہیں ٹھہرنا۔ مثوی اسی سے اسم مکان ہے یعنی مستقل ٹھکانا۔

۳۔ زُمَرًا: فوج اور گروہ کو زمرہ کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع زمر ہے۔

۴۔ مَاٰبٍ: آب الیہ اَوبًا وَمآبًا واپس آیا۔ مآب واپسی کی جگہ۔ جائے بازگشت۔

۵۔ جَنّٰتِ عَدْنٍ: عدن بمکان کذا اس نے فلاں مقام پر سکونت اختیار کی۔ اور جنّٰتِ عدنٍ سے مراد فردوس بریں کے وہ باغات ہیں جو ہمیشہ قائم دائم رہیں گے۔

۱۔ عقاب الاعمال ص ۲۹۵ ـ ۲۹۶۔

روائی تفسیر

آیت کی تفسیر میں حضرت رسول اکرمؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور جہنم کے سات دروازے ہیں اور ان میں سے بعض، بعض سے افضل ہیں۔

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: کیا تم جانتے ہو کہ دوزخ کے دروازے کیسے ہوں گے؟ ہم نے کہا کہ ان عام دروازوں جیسے ہی ہوں گے۔ آپ نے فرمایا: نہیں! وہ اس طرح سے ہوں گے۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھا اور ہاتھ پر ہاتھ کھول دیا۔[1]

تفسیر قرطبی میں اس کے بعد مذکور ہے کہ ان میں سے بعض، بعض کے اوپر ہوں گے۔

رسول اکرمؐ سے مروی ہے کہ ہر طبقے کے اہل اس میں موجود ہوں گے۔[2]

دوزخ کے سات دروازے ہیں اور مختلف قسم کے برے اعمال کی وجہ سے ہر دروازے کو علیحدہ علیحدہ لوگوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی مومن کو خوش کرتا ہے تو خدا اس خوشی سے ایک مخلوق پیدا کرتا ہے۔ جب اس شخص کی موت آتی ہے تو وہ مخلوق اس سے ملاقات کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اے خدا کے دوست! تجھے خدا کی طرف سے عزت اور خدا کی خوشنودی مبارک ہو۔ پھر وہ اس کے ساتھ رہتی ہے یہاں تک کہ مرنے والے کو قبر میں اتارا جاتا ہے تو وہ مخلوق قبر میں بھی اس سے یہی کچھ کہتی ہے۔ اور جب وہ قبر سے اٹھ کر میدان حشر کی جانب رواں ہوگا تو وہ چیز اس سے ملاقات کرے گی اور یہی جملہ دہرائے گی۔ پھر وہ ہر مشکل مقام پر اس کے ساتھ رہے گی اور اسے بشارت دیتی رہے گی۔ بالآخر وہ شخص خود اس سے پوچھے گا کہ خدا تجھ پر رحم کرے! تو کون ہے؟ تب وہ مخلوق کہے گی کہ میں وہ خوشی ہوں جو تو نے فلاں کو پہنچائی تھی۔[3]

بحار الانوار میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث ہے کہ جو شخص کسی مومن کی کوئی تکلیف دور کرے گا تو خدا آخرت میں اس کی تکالیف دور کرے گا اور جب وہ قبر سے اٹھے گا تو اس کا دل ٹھنڈا ہوگا۔ (یعنی وہ خوش ہوگا) اور جو کسی مومن کی بھوک مٹائے گا تو خدا اسے جنت کے پھل کھلائے گا۔ اور جو کسی مومن کو پانی پلائے گا تو خدا اسے جنت کا مہر شدہ پانی پلائے گا۔[4]

حضرت امیر المومنینؑ سے روایت ہے کہ اللہ کے وہ بندے جو ہمیشہ لوگوں کی حاجات پوری کرنے کی

☆ حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جہنم کے سات دروازے (طبقے) ہیں۔ پہلا جحیم ہے دوسرا لظی، تیسرا سقر، چوتھا حطمة، پانچواں ھاویة، چھٹا سعیر اور ساتواں جھنّم ہے۔ بحار الانوار ج ۸، ص ۲۸۹ بحوالہ میزان الحکمة۔

۲۔ تفسیر مجمع البیان، تفسیر قرطبی، تفسیر در منثور۔

۳۔ اصول کافی ج ۲، حدیث ۱۲۔

۴۔ بحار الانوار ج ۶، ص ۳۵۵ بحوالہ معانی الاخبار از شیخ صدوق۔

جستجو میں رہتے ہیں وہ قیامت کے دن امن میں ہوں گے۔ اور جو کسی مومن کا دل خوش کرتا ہے تو خدا روز قیامت اس کے دل کو خوشی سے بھر دے گا۔[1]

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جب بھی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی حاجت پوری کرتا ہے تو خدا اس سے کہتا ہے کہ تیرا ثواب میرے ذمے ہے اور میں جنت کے سوا اس کے کسی بدلے پر راضی نہیں ہوں گا۔[2]

امام جعفر صادقؑ نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

اذان اور اقامت دینے والے شخص کو اس شہید کا سا ثواب عطا کیا جائے گا جو خدا کی راہ میں اپنے خون میں غلطاں ہو۔[3]

ثواب الاعمال میں معروف بن خربوز کی سند سے امام محمد باقرؑ کی یہ حدیث نقل ہوئی ہے کہ جب کسی مومن پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے اور وہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کہتا ہے تو خدا اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے سوائے ان گناہان کبیرہ کے جن کی وجہ سے خدا نے دوزخ واجب کی ہے۔

امام علیہ السلام نے مزید فرمایا: اور جب مومن مستقبل میں اپنی ماضی کی مصیبت کو یاد کرے اور اِنَّا لِلّٰهِ کہے اور خدا کی حمد بجالائے تو اس نے پہلی اِنَّا لِلّٰهِ اور دوسری اِنَّا لِلّٰهِ کے درمیان جتنے گناہ کیئے ہوں گے سوائے گناہان کبیرہ کے خدا ان سب گناہوں کو معاف کر دے گا۔[4]

بحار الانوار میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ خدا فرماتا ہے:

میں جس بندے کو جنت میں داخل کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو اسے جسمانی تکلیف میں مبتلا کرتا ہوں۔ اگر جسمانی تکلیف اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے تو بہتر ورنہ میں اس پر کسی حاکم کو مسلط کر دیتا ہوں۔ اور اگر وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے تو بہتر ورنہ میں اس کا رزق تنگ کر دیتا ہوں۔ اور اگر وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے تو بہتر ورنہ میں اس پر موت کے وقت سختی طاری کر دیتا ہوں یہاں تک کہ جب وہ میرے پاس آتا ہے تو اس کے ذمے کوئی گناہ نہیں ہوتا اور میں اسے جنت میں داخل کر دیتا ہوں...(الحدیث)[5]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ جب بھی کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو پت جھڑ کی طرح اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔[6]

ایک اور حدیث ہے کہ مسلمان پر جو بھی مصیبت آتی ہے تو اس کے ذریعے خدا اس کے گناہوں کو دور

۱۔ اصول کافی ج ۲، حدیث ۲۔

۲۔ اصول کافی ج ۲، حدیث ۷۔

۳۔ ثواب الاعمال۔

۴۔ بحار الانوار ج ۸۲، ص ۱۲۷، بحوالہ ثواب الاعمال ص ۱۷۹۔

۵۔ بحار الانوار ج ۶، ص ۱۷۲، کتاب تمحیص۔

۶۔ صحیح بخاری ج ۳، کتاب المرضیٰ، باب شدۃ المرض۔

کر دیتا ہے خواہ کانٹا ہی کیوں نہ چبھے۔[1]

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ جب کسی مسلمان کو ایک کانٹا چبھتا ہے یا اس سے زیادہ کوئی اذیت پہنچتی ہے تو خداوند عالم اس کی وجہ سے اُس کی برائیوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔[2]

صحیح بخاری اور مسند احمد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ مسلمان پر جو بھی افتاد اور بِپتا پڑتی ہے یا رنج وغم اور حزن وملال ہوتا ہے یا ایذا پہنچتی ہے اگرچہ ایک کانٹا بھی چبھتا ہے تو خداوند عالم اس کی وجہ سے اُس کی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے۔[3]

صبر کی جزا

جس طرح خدا نے اپنے عدل کے تقاضوں کے تحت انسان کے ہر عمل کی دنیوی اور اخروی سزا مقرر ہے اسی طرح سے مصائب ومشکلات پر صبر کرنے کی بھی دنیا وآخرت میں جزا مقرر کی ہے۔

رسول خداؐ نے صبر کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ حضرت علیؑ روایت کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

اَلصَّبْرُ ثَلَاثَۃٌ: صَبْرٌ عِنْدَ الْمُصِیْبَۃِ وَصَبْرٌ عَلَی الطَّاعَۃِ وَصَبْرٌ عَنِ الْمَعْصِیَۃِ

(۱) مصیبت پر صبر کرنا (۲) اطاعت الٰہی پر صبر کرنا (۳) معصیت سے رکنے پر صبر کرنا۔[4]

خدا نے بتایا ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کو ان کے صبر کی بے مثال جزا دی تھی۔

۱۔ **وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ کَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَھَا الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْھَا وَ تَمَّتْ کَلِمَۃُ رَبِّکَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ بِمَا صَبَرُوْا وَ دَمَّرْنَا مَا کَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُہٗ وَمَا کَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ۝**

جس قوم کو کمزور سمجھا جاتا تھا ہم نے اسے سرزمین (شام) کے مشرقی اور مغربی علاقوں کا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی وارث بنا دیا۔ اور بنی اسرائیل کے بارے میں ان کے صبر کی وجہ سے تمہارے رب کا وعدۂ نیک پورا ہوا اور ہم نے فرعون اور قوم فرعون کی ساری تدبیریں الٹی کر دیں جو وہ اپنی سلطنت کو بچانے کے لئے کر رہے تھے۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۳۷)

۱۔ صحیح بخاری ج ۳، کتاب المرضی، باب ماجاء فی کفارہ المرض۔

۲۔ صحیح بخاری ج ۳، کتاب المرضی، باب شدۃ المرض۔ صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ والادب، باب ثواب المؤمن فیما یصیبہ۔

۳۔ صحیح بخاری ج ۳، کتاب المرضی، باب ماجاء فی کفارہ المرض۔ اور مسند احمد بن حنبل ج ۳، ص ۱۸۰۔

۴۔ بحار الانوار ج ۸۲، ص ۱۳۹ بحوالہ مسکن الفواد ص ۱۳۶۔

صبر کی تینوں اقسام کی جزا خداوند تبارک وتعالیٰ نے یوں بیان فرمائی ہے:

۲۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ○ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ○ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ○ اور ہم ضرور تمہیں کسی قدر خوف اور بھوک اور اموال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے آزمائیں گے تو آپ صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیجئے۔ ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ان کے لئے ان کے رب کی طرف سے درود اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۵۵تا۱۵۷)

۳۔ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ○ نیکی یہی کچھ تو نہیں کہ تم اپنا منہ (نماز کے وقت) مشرق اور مغرب کی طرف کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر اور روز آخرت پر اور فرشتوں پر اور (خدا کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور خدا کی محبت میں رشتے داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور (ضرورتمند) مسافروں اور مانگنے والوں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں مال خرچ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب قول وقرار کریں تو اسے پورا کریں اور مصائب ومشکلات میں اور جنگ کے تحت حالات میں صبر کریں۔ یہی لوگ (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۷۷)

سورۂ بقرہ کی ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ متقی وہ ہیں جو نیک اعمال بجالاتے ہیں اور صبر کی تینوں اقسام پر عمل کرتے ہیں۔ مصیبت اور خدا کی اطاعت پر صبر کرنا بھی صبر کی ایک قسم ہے یعنی اگر کفار ومشرکین مسلمانوں کا مذاق اڑائیں تو وہ اسے برداشت کریں جیسا کہ خدا نے بیان فرمایا ہے:

۴۔ إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ○ فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّىٰ أَنْسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُونَ ○ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ○ میرے بندوں میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو دعا کیا کرتا تھا کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے ہیں پس ہمیں معاف کردے اور ہم پر رحم فرما کہ تو بہترین رحم کرنے والا ہے۔ تو تم نے ان لوگوں کو بالکل مذاق بنالیا تھا یہاں تک اُن کا مذاق اڑانے میں تم میری یاد سے بھی غافل ہوگئے۔ آج ہم نے ان کو ان کے صبر کا بدلہ دیا ہے کہ وہ کامیاب ہیں۔ (سورۂ مومنون: آیت ۱۰۹تا۱۱۱)

۵۔ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ○ وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ

رَبِّنَا اِنَّا کُنَّا مِنْ قَبْلِہٖ مُسْلِمِیْنَ ٥ اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَھُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ یَدْرَءُ وْنَ بِالْحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ٥ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْہُ وَقَالُوْا لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ لَا نَبْتَغِی الْجٰھِلِیْنَ ٥ جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جب (قرآن) ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں بے شک وہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے اور ہم تو اس کو پہلے ہی سے تسلیم کیے ہوئے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھیں ان کے صبر کی وجہ سے دو مرتبہ اجر دیا جائے گا کیونکہ یہ بھلائی کے ساتھ برائی کو دور کرتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جب وہ بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ تم کو سلام۔ ہم جاہلوں کی صحبت پسند نہیں کرتے۔ (سورۂ قصص: آیت ۵۲ تا ۵۵)

۶۔ اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کو خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا ہے:

وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْہِ رَبِّھِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً وَّیَدْرَءُ وْنَ بِالْحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عُقْبَی الدَّارِ٥ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَھَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِھِمْ وَاَزْوَاجِھِمْ وَذُرِّیّٰتِھِمْ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْھِمْ مِّنْ کُلِّ بَابٍ ٥ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ ٥ اور جو لوگ اپنے رب کی خاطر (ہر موقع پر) صبر کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور ہمارے عطا کردہ رزق میں سے چھپ کر اور کھل کر انفاق کرتے ہیں اور نیکی سے برائی کو دور کرتے ہیں ان ہی کے لئے آخرت کا گھر (یعنی) ہمیشہ رہنے کے لئے باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے آباؤ اجداد اور ازواج و اولاد میں سے جو نیک ہوں گے وہ بھی (ان میں داخل ہوں گے) اور فرشتے (جنت کے) ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے اور (کہیں گے کہ) تمہارے صبر کرنے کی وجہ سے تم پر سلام ہو۔ یہ تمہارے صبر کا بدلہ ہے اور آخرت کا گھر کتنا اچھا گھر ہے۔ (سورۂ رعد: آیت ۲۲ تا ۲۴)

لغوی تشریح

۱۔ یَعْرِشُوْنَ: یہاں اس سے مراد ہے کہ ہم نے ان کی وہ ساری تدبیریں الٹی کر دیں جو وہ استحکام سلطنت کے لئے کیا کرتے تھے۔

۲۔ اَلْبَاْسِ وَالْبَاْسَآءِ: سختی۔ جنگ۔ یہاں حالات کی سختی مراد ہے۔ اور حالات کی سختی میں جنگ کی سختی بھی شامل ہے۔

۳۔ یَدْرَءُ وْنَ: درأ یعنی دور کیا۔ درأ عنہ الشر یعنی اس نے برائی کو دور کیا۔

روایات میں صابرین[1] کی جزا

بحار میں امام جعفر صادقؑ سے ان کی اسناد کے ساتھ حضرت خاتم الانبیاءؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:
اِذَا نُشِرَتِ الدَّوَاوِيْنُ وَنُصِبَتِ الْمَوَازِيْنُ ، لَمْ يُنْصَبْ لِاَهْلِ الْبَلَاءِ مِيْزَانٌ وَلَمْ يُنْشَرْ لَهُمْ دِيْوَانٌ

ا۔ صبر کی فضیلت اور اس کی اقسام: سورۂ عصر میں خدا نے خسارہ سے محفوظ رہنے والوں کے اوصاف میں بیان فرمایا ہے: وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ٥ اور وہ صبر کی وصیت کرتے رہے۔ صبر دراصل مکارم اخلاق کا گلدستہ ہے۔ چنانچہ خدا نے اپنے حبیبؐ سے فرمایا: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ یعنی آپ اولوالعزم رسولوں کی طرح سے صبر کیجئے۔

صبر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ خدا نے صبر کو نماز پر بھی مقدم رکھا ہے مثلاً فرمایا ہے: وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ یعنی صبر اور نماز کے ذریعے خدا سے مدد طلب کرو۔ خدا نے صابرین کے ساتھ اپنی وابستگی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ یعنی بے شک خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

خدا نے ہر نیک عمل کی جزا مقرر فرمائی ہے لیکن صبر کی جزا مقرر نہیں فرمائی۔ قرآن مجید کہتا ہے: اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ یعنی صبر کرنے والوں کو حساب کے بغیر اجر دیا جائے گا۔ (سورۂ زمر: آیت ۱۰)

امت کی امامت کیلئے بھی خدا نے صبر کی شرط عائد کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ہم نے ان میں ایسے امام مقرر کئے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کو اس وقت امام بنایا جب انہوں نے صبر کیا۔ بنی اسرائیل کو دنیا اور آخرت کی عزت بھی صبر کی بدولت نصیب ہوئی تھی جیسا کہ خدا نے بتایا ہے: وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا یعنی بنی اسرائیل کے بارے میں ان کے صبر کی وجہ سے تیرے رب کا وعدۂ نیک پورا ہوا۔

حقیقت صبر کو جاننا بہت ضروری ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ صبر کی وصیت میں تمام اخلاق عالیہ کی وصیت شامل ہے۔

صبر کی تعریف یہ ہے کہ انسان جسمانی اور نفسانی تکلیف میں ثابت قدم رہے۔ صبر کا مظاہرہ کبھی نفس سے ہوتا ہے اور کبھی جسم سے۔ جسمانی صبر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) عبادات شاقہ میں سستی نہ کرنا۔

(۲) مصائب و مشکلات کا پوری پامردی سے مقابلہ کرنا اور ہر حال میں دین کے تقاضوں کو مقدم رکھنا۔

نفسانی صبر یہ ہے کہ مثلاً جب شکم اور فرج کی کشاکش درپیش ہو تو انسان اپنے دین سے انحراف نہ کرے۔ اس صبر کو عفت کہا جاتا ہے اور اس کی ضد فجور ہے۔ اگر انسان مکروہات میں بھی اپنے دین پر قائم رہے تو یہ صبر مطلق ہے اور اس کی ضد اضطراب ہے۔ اگر دولت ہوتے ہوئے انسان شریعت کا پابند رہے اور تکبر سے بچے تو اس صبر کو وسعت حوصلہ کہا جاتا ہے اور اس کی ضد تنگی حوصلہ ہے۔ اگر جنگ کے دوران انسان شریعت پر کاربند رہے اور میدان سے نہ بھاگے تو یہ صبر شجاعت کہلاتا ہے اور اس کی ضد بزدلی ہے۔ اگر انسان غصے کی حالت میں اپنے دین پر قائم رہے تو اس صبر کو حلم کہا جاتا ہے اور اس کی ضد طیش ہے۔ اگر مہمات میں ثابت قدمی کو فراخی سینہ کہا جاتا ہے اور اس کی ضد تنگ دلی ہے۔ اگر رازداری برتی جائے تو یہ کتمان کہلاتا ہے اور اس کی ضد اظہار ہے۔ اگر قرض و ودیعت میں صبر کرنے کو امانت کہا جاتا ہے اور اس کی ضد خیانت ہے۔ اگر بقدر ضرورت لذائذ دنیا سے استفادہ کیا جائے تو یہ زہد و قناعت ہے اور اس کی ضد حرص و طمع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث نبوی میں وارد ہے: اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ یعنی صبر نصف ایمان ہے۔ اگر حرام سے بچنے پر صبر کرنا فرض ہے اور مکروہ سے بچنے پر صبر کرنا نفل ہے۔ (مترجم عفی عنہ) نقل از تفسیر عزیزی

وَتَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ یعنی جب نامہ اعمال کھولے جائیں گے اور میزان نصب کئے جائیں گے تو اہل مصائب کے لئے نہ تو میزان نصب کیا جائے گا اور نہ ہی ان کا نامہ اعمال کھولا جائے گا۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ یعنی صبر کرنے والوں کو حساب کے بغیر ان کا اجر دیا جائے گا۔[1]

بحار ہی میں امام زین العابدینؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو جمع کرے گا اس وقت ایک منادی پکارے گا: صابرین کہاں ہیں؟ وہ اٹھ کر کسی حساب کے بغیر جنت میں داخل ہو جائیں۔ یہ سن کر بہت سے لوگ اٹھیں گے اور جنت کی طرف چل پڑیں گے۔ فرشتے ان سے پوچھیں گے کہ اے بنی آدم! کہاں جا رہے ہو؟ وہ کہیں گے کہ ہم جنت کی طرف جا رہے ہیں۔ فرشتے کہیں گے کہ کیا حساب سے بھی پہلے جنت جا رہے ہو؟ وہ کہیں گے کہ جی ہاں! فرشتے کہیں گے کہ تم لوگ کون ہو؟ وہ کہیں گے کہ ہم صابرین ہیں۔ فرشتے کہیں گے کہ تم نے کس چیز پر صبر کیا تھا؟ وہ کہیں گے کہ ہم نے خدا کی اطاعت پر صبر کیا تھا اور خدا کی نافرمانی سے بچنے پر صبر کیا تھا یہاں تک کہ خدا نے ہمیں موت دیدی۔ فرشتے کہیں گے کہ واقعی تم ویسے ہی ہو جیسا کہ تم نے کہا ہے۔ تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔ عمل کرنے والوں کے لئے کتنا ہی اچھا بدلہ ہے۔[2]

امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ مَكْفُوْفًا مُحْتَسِبًا مُوَالِيًا لِآلِ مُحَمَّدٍ لَقِيَ اللّٰهَ وَلَا حِسَابَ عَلَيْهِ یعنی جو شخص اس حال میں خدا سے ملے گا کہ وہ دنیا کی خارزار میں دامن بچا کر چلا ہو، اپنا محاسبہ کرتا رہا ہو اور آل محمدؐ کا دوستدار ہو تو جب وہ خدا کے آگے پیش ہوگا تو اس سے حساب نہیں لیا جائے گا۔[3]

(۵) اولاد میں عمل کا بدلہ

اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ انسان کے عمل کی جزا صرف اس کی ذات تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ اس کا سلسلہ اس کی اولاد میں بھی جاری رہتا ہے۔

۱۔ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ○

ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہئے جو اپنے پیچھے ناتواں بچے چھوڑ جائیں اور انہیں خوف ہو (کہ ان کی موت کے بعد ان کا کیا حال ہوگا) تو انہیں چاہئے کہ خدا سے ڈریں اور انصاف کی بات کہیں۔ جو لوگ ناجائز طور پر یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ یقیناً اپنے پیٹ کو آگ سے بھرتے ہیں اور عنقریب انہیں دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا۔ (سورۂ نساء: آیت ۹ و ۱۰)

۱۔ بحار الانوار ج ۸۲، ص ۱۳۵ ۲۔ بحار الانوار ج ۸۲، ص ۱۳۸ ۳۔ ثواب الاعمال ص ۹۳۔

مقصد یہ ہے کہ میراث کی تقسیم میں یتیم بچوں کے ساتھ ناانصافی کرنے والے کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ جب کل کلاں کو وہ مرے گا تو اس کے چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ بھی ناانصافی ہو سکتی ہے۔

۱۔ ماں باپ یا صرف باپ کے نیک عمل کا بدلہ اس کی اولاد کو کیسے ملتا ہے اس کے لئے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کی داستان میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ارشاد اقدس الٰہی ہے:

۲۔ فَانْطَلَقَا حَتّٰى إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ ۔ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ فَأَقَامَهُ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ٥ ... ٥ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ... وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور ان سے کھانا مانگا تو گاؤں والوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کیا۔ پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی تو (خضر نے) اس کو سیدھا کر دیا۔ (موسیٰ نے) کہا کہ اگر آپ چاہتے تو ان سے (اس کی) مزدوری طلب کرتے ... اور وہ دیوار گاؤں کے دو یتیم لڑکوں کی تھی جو شہر میں رہتے تھے اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا۔ اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا تو تمہارے رب نے چاہا کہ وہ دونوں جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ خود نکالیں۔ یہ تمہارے رب کی رحمت ہے۔ (سورۂ کہف: آیت ۷۷و۸۲)

لغوی تشریح

۱۔ سَدِيدًا: سدّ سدادًا ، السداد درست بات۔ قَوْلًا سَدِيدًا یعنی انصاف اور شریعت کے مطابق بات۔

۲۔ سَعِيرًا: سَعَرَ النَّارَ وَالْحَرْبَ یعنی اس نے آگ اور جنگ بھڑکائی۔ نار سعیر یعنی دہکتی ہوئی آگ۔ سعیر سے مراد دوزخ ہے۔

۳۔ يَنْقَضَّ: نقض البناءَ دیوار کو گرا دیا۔ يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ یعنی گرا چاہتی تھی۔

۴۔ أَشُدَّهُمَا: شَدَّ یعنی طاقتور ہوا۔ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا جب وہ دونوں جوانی کو پہنچ کر طاقتور ہو جائیں۔

کچھ اعمال کی جزا موت کے بعد جاری رہتی ہے

انسان کے کچھ اعمال ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے نفع نقصان کا کھاتہ مرنے کے بعد بھی کھلا رہتا ہے۔ خصال صدوق میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ لَيْسَ يَتْبَعُ الرَّجُلَ بَعْدَ مَوْتِهِ مِنَ الْأَجْرِ إِلَّا ثَلَاثُ خِصَالٍ: صَدَقَةٌ أَجْرَاهَا فِي حَيَاتِهِ فَهِيَ تَجْرِي بَعْدَ مَوْتِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ صَدَقَةٌ مَوْقُوفَةٌ لَا تُورَثُ أَوْ سُنَّةُ هُدًى سَنَّهَا وَكَانَ يَعْمَلُ بِهَا وَعَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ غَيْرُهُ ، أَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَسْتَغْفِرُ لَهُ یعنی تین خصلتیں ایسی

ہیں کہ موت کے بعد بھی آدمی کو ان کا ثواب پہنچتا رہتا ہے۔

(۱) ایسا صدقہ جو انسان اپنی زندگی میں وقف کر دے اور جس میں کسی کو وارث نہ بنائے ایسے صدقے کا ثواب موت کے بعد قیامت تک جاری رہتا ہے۔

(۲) ایسا طریقہ قائم کیا ہو جس پر خود بھی عمل کیا ہو اور بعد از موت دوسرے بھی اس پر عمل کرتے ہوں۔

(۳) نیک لڑکا جو اپنے باپ کے لئے استغفار کرتا ہو۔

ایک اور حدیث میں اس حدیث کی شرح یوں بیان کی گئی ہے:

سِتُّ خِصَالٍ يَنْتَفِعُ بِهَا الْمُؤْمِنُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ: وَلَدٌ صَالِحٌ يَسْتَغْفِرُ لَهُ وَمُصْحَفٌ يَقْرَأُ فِيهِ وَقَلِيبٌ يَحْفِرُهُ وَغَرْسٌ يَغْرِسُهُ وَصَدَقَةُ مَاءٍ يَجْرِيهِ وَسُنَّةٌ حَسَنَةٌ يُؤْخَذُ بِهَا بَعْدَهُ چھ چیزیں ایسی ہیں جن سے مرنے کے بعد بھی مومن فائدہ حاصل کرتا رہتا ہے:

(۱) نیک لڑکا جو اپنے باپ کے لئے مغفرت طلب کرتا ہو۔

(۲) وہ قرآن جسے چھوڑ کر مومن مرا ہو اور دوسرے لوگ اس نسخے سے تلاوت کرتے ہوں۔

(۳) کنواں کھدوایا ہو۔

(۴) درخت لگایا ہو۔

(۵) کاریز یا چشمہ جاری کیا ہو۔

(۶) کسی ایسے اچھے رواج کی داغ بیل ڈالی ہو جس پر لوگ اس کے بعد بھی عمل کرتے ہوں۔[۱]

۱۔ خصال صدوق ج ۱، ص ۷۳ ۔ ۱۵۷ بحوالہ بحار الانوار ج ۶، ص ۲۹۳۔

استحقاق شفاعت کچھ اعمال کا بدلہ ہے

شَفَعَ الشَّیْءِ شَفْعًا یعنی ایک چیز کیساتھ اس جیسی دوسری چیز نتھی کی۔ وشفع له عند آخر شفاعةً یعنی اس نے کسی خطا کار کی سفارش کی۔

شفاعت، شفع سے مشتق ہے جس کے معنی جفت کے ہیں۔ اس سے اسم فاعل شافع اور شفیع ہے۔ شفاعت کرنے والے کو شافع اور شفیع کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو خطا کار کے مددگار کے طور پر شامل کر کے اس کے لئے معافی طلب کرتا ہے۔ درج ذیل آیات میں کلام شفیع کو شفاعت کہا گیا ہے:

۱۔ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ... ○ یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا ○ جس دن صور پھونکا جائے گا... ○ اس دن (کسی کی) شفاعت کچھ فائدہ نہ دے گی مگر اس شخص کی جسے خداوند رحمٰن نے اجازت دی ہو اور اس کے بات کرنے پر راضی ہوا ہو۔ (سورۂ طہٰ: آیت ۱۰۲و۱۰۹)

۲۔ لَا یَمْلِکُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ○ (اس دن) لوگ کسی کی شفاعت کا اختیار نہ رکھیں گے سوائے ان کے جنھیں خداوند رحمٰن نے اختیار دے رکھا ہے۔ (سورۂ مریم: آیت ۸۷)

۳۔ ...عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○ (اے رسولؐ) عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۷۹)

۴۔ وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی ...○ وہ (خدا کے پاس کسی کی) شفاعت نہیں کر سکتے مگر اس شخص کی جسے خدا پسند کرے۔ (سورۂ انبیاء: آیت ۲۸)

۵۔ اَلَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فَالْیَوْمَ نَنْسٰهُمْ کَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِهِمْ هٰذَا... یَوْمَ یَاْتِیْ تَاْوِیْلُهٗ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَیَشْفَعُوْا لَنَآ... جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا تو جس طرح یہ لوگ اس دن کی ملاقات کو بھولے ہوئے تھے اور ہماری آیتوں کو جھٹلا رہے تھے اسی طرح آج ہم بھی ان کو بھلا دیں گے ... جب (وعدہ کا) دن آپہنچے گا تو وہ لوگ جو اس کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے وہ کہیں گے کہ بے شک ہمارے رب کے سب رسول حق لے کر آئے تھے بھلا (آج) کوئی شفاعت کرنے والے ہیں جو ہماری شفاعت کریں۔ (سورۂ اعراف: آیت ۵۱۔۵۳)

تفسیر آیات

جس دن صور پھونکا جائے گا وہ بڑا ہولناک دن ہوگا۔ اس دن کسی کی شفاعت کام نہ آئے گی بجز ان بندوں کی شفاعت کے جن کے پاس شفاعت کا استحقاق ہوگا اور جنہوں نے اپنے رب سے عہد لے لیا ہوگا۔ یعنی انبیائے کرام اور اوصیائے عظام علیہم السلام۔ علاوہ ازیں خدا کے صالح بندے بھی مقام شفاعت پر فائز ہوں گے۔ شفاعت ہی وہ "مقام محمود" ہے جس کا خدا نے اپنے حبیب کریمؐ سے وعدہ فرمایا ہے۔ انبیائے کرام صرف ان عاصیوں کی شفاعت کریں گے جن سے خدا خوش ہوگا اور جن کی شفاعت کے لئے وہ اجازت عطا فرمائے گا۔ وہ لوگ جن کو اس دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا وہ روز محشر حسرت سے کہہ رہے ہوں گے اے کاش! ہمارا بھی کوئی شفیع ہوتا جو آج ہماری شفاعت کرتا مگر اس دن ان کا کوئی شفیع نہیں ہوگا۔

شفاعت کی روایات

بحارالانوار میں عیون الاخبار کے حوالے سے امام علی رضاؑ کی روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

مَنْ لَمْ یُؤْمِنْ بِحَوْضِیْ فَلَا اَوْرَدَهُ اللّٰهُ حَوْضِیْ ، وَمَنْ لَمْ یُؤْمِنْ بِشَفَاعَتِیْ فَلَا اَنَالَهُ اللّٰهُ شَفَاعَتِیْ

جو شخص میرے حوض (کوثر) پر ایمان نہیں رکھتا خدا اسے میرے حوض پر آنا نصیب نہ کرے اور جو میری شفاعت پر ایمان نہیں رکھتا خدا اسے میری شفاعت سے بہرہ مند نہ فرمائے۔

روایت کے آخر میں ہے کہ راوی حسین بن خالد نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا: فرزند رسول! وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی کا کیا مطلب ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کا مطلب ہے شفاعت کرنے والے صرف ان کی شفاعت کریں گے جن کے دین سے خدا خوش ہوگا۔[1]

مسند احمد بن حنبل میں رسول اکرمؐ کی حدیث ہے کہ روزہ اور قرآن قیامت کے دن شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا کہ اے پروردگار! میں نے اسے دن کے طعام اور خواہشات سے روک دیا تھا۔ مجھے اس کی شفاعت کی اجازت عطا فرما اور قرآن کہے گا کہ میں نے اسے رات کی نیند سے روک دیا تھا (یعنی رات کو جاگ کر تلاوت کرتا تھا) پس مجھے اس کی شفاعت کی اجازت عطا فرما۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان دونوں کو شفاعت کی اجازت مرحمت فرمائے گا۔[2]

امیر المومنین امام علیؑ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا: ثَلَاثَةٌ یَشْفَعُوْنَ اِلَی اللّٰهِ

۱۔ بحارالانوار ج ۸، ص ۳۴۔

۲۔ مسند احمد ج ۲، ص ۱۷۴، وما جاء فی النص فیشفعنی خطأ۔

فَیَشْفَعُوْنَ: اَلْاَنْبِیَآءِ، ثُمَّ الْعُلَمَآءِ، ثُمَّ الشُّھَدَآءِ یعنی تین گروہ قیامت کے دن خدا کے حضور شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت قبول کی جائے گی: (۱) پہلے انبیاء (۲) پھر علماء (۳) پھر شہداء۔[۱]

سنن ابن ماجہ میں نبی کریمؐ کی حدیث ہے کہ یَشْفَعُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ثَلَاثَۃٌ: اَلْاَنْبِیَآءِ، ثُمَّ الْعُلَمَآءِ، ثُمَّ الشُّھَدَآءِ قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے (۱) پہلے انبیاء (۲) پھر علماء (۳) پھر شہداء۔[۲]

امام جعفر صادقؑ سے قیامت میں شفاعت پیغمبرؐ کی ایک طویل حدیث مروی ہے جس کے آخر میں ہے کہ رسول اکرمؐ اس وقت سجدہ کریں گے اور جب تک خدا چاہے گا وہ سجدے میں رہیں گے۔ پھر خدا فرمائے گا: اِرْفَعْ رَاْسَکَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَ وَذَالِکَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی: عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (اے میرے حبیب!) سر اٹھایئے اور شفاعت کیجئے۔ آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور آپ سوال کیجئے آپکو عطا کیا جائے گا۔ اور یہی مطلب اس آیت کا ہے کہ عنقریب آپ کا رب آپکو مقام محمود پر فائز کرے گا۔[۳]

اس حدیث کی تفصیل تفسیر ابن کثیر اور تفسیر طبری میں دوسرے الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔[۴]

ترمذی نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے: شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ یعنی میری شفاعت میری امت کے گناہان کبیرہ کرنے والوں کیلئے ہوگی۔[۵]

خلاصۂ بحث

شفاعت کا عقیدہ برحق ہے لیکن آیات اور روایات بتاتی ہیں کہ ایسا نہیں ہے کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے جو چاہے گا اور جس کی چاہے گا شفاعت کر سکے گا۔ نیز یہ کہ ہر شخص کی شفاعت نہیں کی جائے گی بلکہ شفاعت مشیت الٰہی کے ساتھ مربوط ہے۔ استحقاق شفاعت کے لئے بھی چند اعمال کی ضرورت ہے مثلاً خدا نے

۱۔ بحار الانوار ج ۸، ص ۳۴۔

۲۔ سنن ابن ماجہ حدیث ۴۳۱۳، باب ذکر الشفاعۃ۔

۳۔ بحار الانوار ج ۸، ص ۳۶۔

☆ سورۂ ضحیٰ کی آیت وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی کی تشریح میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شفاعت ہے۔ بخدا شفاعت ہے۔ بخدا شفاعت ہے۔ (بحار الانوار ج ۸، ص ۵۷)

۴۔ تفسیر طبری ج ۱۵، ص ۹۷ اور تفسیر قرطبی ج ۱۰، ص ۳۰۹ اور ۳۱۴ اور ابن کثیر ج ۳، ص ۵۵ اور کتاب التفسیر از امام بخاری سورۂ بنی اسرائیل میں عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کی تفسیر ج ۳، ص ۱۰۴ اور سنن ابن ماجہ حدیث ۴۳۱۲ اور سنن ترمذی ج ۹، ص ۲۶۷، کتاب صفۃ القیامۃ باب فی الشفاعۃ۔

۵۔ سنن ترمذی، کتاب صفۃ یوم القیامۃ۔

ایک مسلمان کے جو حقوق مقرر کئے ہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرنا۔ محمدؐ و آل محمدؐ سے قلبی محبت اور مودت رکھنا۔ اور شفاعت علماء کے استحقاق کے لئے علماء کا احترام کرنا شرط ہے اور شفاعت شہداء کے استحقاق کے لئے شہداء کا احترام کرنا شرط ہے اور اگر کسی میں یہ صفات موجود ہوں گی تو اللہ تعالیٰ اس کے بعض اعمال کی کمی کی تلافی کے لئے شفاعت کرنے والے بزرگواروں کو اس بندۂ عاصی کی شفاعت کا حق عطا فرمائے گا اور یوں اس کے اعمال کی کمی کی تلافی عمل میں لائی جائے گی۔

روئے والا ہوں شہید کربلا کے غم میں میں
کیا دُرِ مقصد نہ دیں گے ساقیِ کوثر مجھے

اقبالؔ

حبط اعمال بعض افعال کا نتیجہ ہے

حبط العمل او الصنع یحبط یعنی عمل بیکار ہو گیا اور ثمر آور نہ ہو سکا۔
احبط اللّٰہ عملہ یعنی خدا نے اس شخص کے عمل کو ضائع کر دیا۔
مندرجہ ذیل وجوہات کے سبب انسان کے اچھے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

۱۔ کوئی شخص دنیاوی فائدے کیلئے کوئی عمل کرے۔ ایسے شخص کو اس کے عمل کا بدلہ دنیا میں ضرور ملے گا لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اس صنف میں وہ کفار و مشرکین اور مرتدین شامل ہیں جن کا توحید اور قیامت پر ایمان نہیں ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥ اور جن لوگوں نے ہماری آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے عمل ضائع ہو گئے۔ ان کو بس (دنیا میں) ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۴۷)

۲۔ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ٥ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰۗىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ٥ مشرکین کو زیبا نہیں کہ خدا کی مسجدوں کو آباد کریں جبکہ وہ خود اپنے کفر کی گواہی دے رہے ہوں۔ ان لوگوں کے سب عمل ضائع ہو گئے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اللہ کی مسجدوں کو تو وہی آباد کرتے ہیں جو خدا پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز پڑھتے اور زکوۃ دیتے ہیں اور خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ عنقریب یہی لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہوں گے۔ (سورۂ توبہ: آیت ۱۷ و ۱۸)

۳۔ ...وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَھُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ٥ اور تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے مرتد ہو کر کافر مرے گا تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو جائیں گے اور یہی لوگ دوزخ میں جانے والے ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۱۷)

۴۔ ... ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ٥ ...یہ اس لئے ہے کہ وہ اس چیز کے پیچھے چلے جس سے خدا ناخوش ہے اور انہوں نے اس کی خوشنودی کو اچھا نہ سمجھا تو اس نے بھی ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔ (سورۂ محمد: آیت ۲۸)

۵۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ○

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) خدا کے راستے سے روکا اور ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کی وہ خدا کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکیں گے اور وہ عنقریب ان کے اعمال ضائع کر دے گا۔ اے ایمان والو! خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال غارت نہ کرو۔ (سورۂ محمد: آیت ۳۲ و ۳۳)

اعمال کے غارت ہو جانے کا تعلق صرف کفار و مشرکین اور مرتدین سے ہی نہیں ہے بلکہ بعض گناہوں کی وجہ سے مسلمانوں کے اعمال بھی اکارت ہو جاتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے:

۶۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ○ اے ایمان والو! اپنی آواز نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو۔ اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے چلا کر بولتے ہو اس طرح ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو۔ ایسا کرنے سے تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔ (سورۂ حجرات: آیت ۲)

۷۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ...

اے ایمان والو! اپنے صدقات احسان رکھنے اور اذیت دینے سے اس شخص کی طرح برباد نہ کرو جو لوگوں کو دکھانے کے لئے اپنا مال خرچ کرتا ہے... (سورۂ بقرہ: آیت ۲۶۴)

حدیث میں اعمال کے غارت ہونے کے بہت سے اسباب بیان ہوئے ہیں جن میں سے چند ایک ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔ شیخ صدوقؒ نے ثواب الاعمال میں اپنی اسناد کے ساتھ حضرت خاتم الانبیاءؐ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "مَنْ قَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ غَرَسَ اللّٰهُ لَهُ شَجَرَةً فِي الْجَنَّةِ، وَمَنْ قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ غَرَسَ اللّٰهُ لَهُ بِهَا شَجَرَةً فِي الْجَنَّةِ، وَمَنْ قَالَ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ غَرَسَ اللّٰهُ لَهُ بِهَا شَجَرَةً فِي الْجَنَّةِ، وَمَنْ قَالَ: اَللّٰهُ اَكْبَرُ غَرَسَ اللّٰهُ لَهُ بِهَا شَجَرَةً فِي الْجَنَّةِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ شَجَرَنَا فِي الْجَنَّةِ لَكَثِيرٌ، قَالَ: نَعَمْ، وَلٰكِنْ اِيَّاكُمْ اَنْ تُرْسِلُوا عَلَيْهَا نِيرَانًا فَتُحْرِقُوهَا، وَذٰلِكَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ: يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا اَعْمَالَكُمْ يعنی جو شخص سبحان اللہ کہتا ہے خدا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگا دیتا ہے۔ اور جو شخص الحمد للہ کہتا ہے خدا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگا دیتا ہے۔ اور جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے خدا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگا دیتا ہے۔ اور جو شخص اللہ اکبر کہتا ہے خدا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگا دیتا ہے۔ یہ سن کر ایک قریشی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہؐ! پھر تو جنت میں ہمارے بہت سارے درخت ہوں گے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ہاں! لیکن تم اپنے درختوں کو آگ بھیج کر جلا نہ دینا۔ یاد رکھو! خدا نے فرمایا ہے: اے ایمان والو! خدا کی اطاعت

کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔[1]

مسلم نے اور دیگر محدثین نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی ہے اور ہم اس حدیث کو صحیح مسلم سے نقل کر رہے ہیں۔ انا فرطکم علی الحوض. من ورد شرب. ومن شرب لم یظمأ ابدا. ولیردن علیّ اقوام اعرفھم ویعرفونی. ثم یحال بینی وبینھم. یعنی میں تم سے پہلے حوض کوثر پر پہنچ جاؤں گا اور جو وہاں میرے پاس آئے گا وہ کوثر کا جام پیے گا جس کے بعد اسے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی اور وہاں میرے پاس ضرور ایسے لوگ آئیں گے جن کو میں جانتا ہوں گا اور وہ بھی مجھے جانتے ہوں گے۔ پھر میرے اور ان کے درمیان جدائی ڈال دی جائے گی۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اکرم کہیں گے: انھم منی، فیقال: انک لا تدری ما عملوا بعدک یہ مجھ سے ہیں۔ کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا تھا۔[2]

ایک اور روایت ہے: لیردن علی الحوض رجال ممن صاحبنی حتی اذا رأیتھم ورفعوا الیّ، اختلجوا دونی فلاقولن ای رب! اصیحابی اصیحابی فلیقالن لی: انک لا تدری ما احدثوا بعدک یعنی حوض (کوثر) پر ضرور ایسے لوگ میرے پاس آئیں گے جو میری صحبت میں رہ چکے ہوں گے یہاں تک کہ جب میں انہیں دیکھوں گا اور وہ میری طرف بڑھیں گے تو ان کو مجھ سے دور ہٹا دیا جائے گا۔ تب میں کہوں گا: پروردگار! یہ میرے اصحاب ہیں۔ یہ میرے اصحاب ہیں تو مجھ سے کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کچھ بدل دیا تھا۔[3]

ایک اور حدیث ہے: ان المرائی یدعی بہ یوم القیامۃ باربعۃ اسماء: یا کافر! یا فاجر! یا غادر! یا خاسر! حبط عملک و بطل اجرک ولا خلاق لک الیوم، فالتمس اجرک ممن کنت تعمل لہ ریاکار کو قیامت کے دن چار ناموں سے پکارا جائے گا: اے کافر! اے فاجر! اے غادر! اے خاسر! تیرا عمل برباد ہوگیا اور تیرا ثواب ضائع ہوگیا اور آج تیرے لئے نیکی کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ تو اپنا ثواب اس کے پاس جا کر تلاش کر جس کے لئے تو نے عمل کیا تھا۔[4]

۱۔ شیخ صدوق، ثواب الاعمال، ص ۳۲، مطبوعہ تہران، ترجمہ علی اکبر غفاری۔

☆ صحیح مسلم شریف میں آگے ان الفاظ کے اضافے کے ساتھ ایک اور حدیث ہے کہ کہا جائے گا: ما زالوا یرجعون علی اعقابھم یعنی آپ کے یہ اصحاب آپ کے بعد دین سے الٹے پاؤں پھر گئے تھے۔ اس حدیث کی تطبیق قرآن کی اس آیت سے کیجئے وما محمد الا رسول افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا محمد (ص) تو صرف رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو گزرے ہیں۔ بھلا اگر یہ مر جائیں یا مارے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے (یعنی مرتد ہو جاؤ گے؟) اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا وہ خدا کا کچھ نقصان نہیں کر سکے گا۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۴۴)

۲۔ صحیح مسلم، ج ۴، کتاب الفضائل حدیث ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۳۲، ۴۰، مطبوعہ احیاء التراث العربی، بیروت۔

۳۔ بحار الانوار ج ۷۲، ص ۲۹۵ بحوالہ امالی از شیخ صدوق ص ۳۳۶۔

جنات بھی اعمال کا بدلہ پائیں گے

ابلیس ملعون کا تعلق قوم جنات سے تھا اور جب اس نے سجدۂ آدمؑ سے انکار کیا تو خدا نے اس پر لعنت کی اور اسے ہمیشہ کے لئے راندۂ بارگاہ بنا دیا۔ قیامت کے دن جنات کے انجام کے متعلق خدا فرماتا ہے:

۱۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ... يَامَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنْذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا قَالُوا شَهِدْنَا عَلَىٰ أَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ○ اور جس دن وہ سب (جن و انس) کو جمع کرے گا (اور فرمائے گا کہ) اے گروہ جنات تم انسانوں سے تعداد میں زیادہ تھے ...اے گروہ جن و انس! کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آتے رہے جو تم کو میری آیات پڑھ کر سناتے تھے اور آج کے دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ (پروردگار) ہم اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں۔ ان لوگوں کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا اور وہ اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کفر کرتے تھے۔ (سورۂ انعام: آیت ۱۲۹ و ۱۳۱)

۲۔ جنات نے اپنی قوم سے گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا:

وَأَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُونَ وَمِنَّا الْقَاسِطُونَ فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولٰئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ○ وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ○ ہم میں بعض فرماں بردار ہیں اور بعض نافرمان ہیں تو جو فرماں بردار ہوئے وہ سیدھے راستے پر چلے۔ اور جو نافرمان ہوئے وہ جہنم کا ایندھن بنے۔ (سورۂ جن: آیت ۱۴ و ۱۵)

۳۔ قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ فِي النَّارِ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَعَنَتْ أُخْتَهَا حَتّٰى إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلٰكِنْ لَا تَعْلَمُونَ ○ وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ○ خدا فرمائے گا کہ جنوں اور انسانوں کی جو جماعتیں تم سے پہلے جہنم میں جا چکی ہیں تم بھی ان کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ جب ایک جماعت وہاں داخل ہوگی تو وہ اپنے جیسی دوسری جماعت پر لعنت کرے گی یہاں تک کہ جب وہ اس میں داخل ہو جائیں گے تو پچھلی جماعت پہلی جماعت کے متعلق کہے

گی کہ پروردگار! ان ہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا چنانچہ تو ان کو آگ کا دگنا عذاب دے۔ خدا فرمائے گا کہ تم سب کو دگنا عذاب دیا جائے گا لیکن تم جانتے نہیں اور پہلی جماعت پچھلی سے کہے گی کہ تم کو ہم پر کچھ بھی فضیلت نہ ہوئی تو جو عمل تم کیا کرتے تھے اس کے بدلے میں اب عذاب کا مزہ چکھو۔ (سورۂ اعراف: آیت ۳۸ و ۳۹)

۵۔ ...وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ٥ اور تمہارے رب کا فرمان پورا ہوگیا کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا۔ (سورۂ ہود: آیت ۱۱۹)

قرآن کریم کی یہ آیات بتاتی ہیں کہ انسانوں کی طرح سے جنات کو بھی ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا البتہ جتنی تفصیل انسانوں کی جزا کی بیان ہوئی ہے اتنی تفصیل جنات کے متعلق موجود نہیں ہے۔

خلاصۂ بحث

قدرت کا قانون ہے کہ آدمی جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے البتہ کاشت اور برداشت میں اوقات کا فرق ضرور ہوتا ہے۔ اکثر اجناس اور سبزیاں ایسی ہیں جو چند ماہ میں تیار ہوجاتی ہیں جب کہ کچھ درخت ایسے بھی ہیں جو کئی برس بعد پھل دیتے ہیں اور یہ سب کچھ خدا کی شان رزاقی کا کرشمہ ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

۱۔ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ... خدا کا عطا کردہ رزق کھاؤ۔ (سورۂ مائدہ: آیت ۸۸۔ سورۂ نحل: آیت ۱۱۴)

۲۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ... اے ایمان والو! ہم نے جو رزق تم کو دیا ہے اس میں سے پاک چیزیں کھاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۷۲)

۳۔ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ... غربت کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۳۱)

ہم پہلے ہی عرض کرچکے ہیں کہ انسان اس زمین پر اس شخص کی مانند ہے جس نے کسی بہترین سیلف سروس ریستوران میں قدم رکھا ہو۔ میزبان اتنا فیاض ہے کہ اس نے اپنے ریستوران میں انواع و اقسام کے پکوان سجا رکھے ہیں البتہ ان کھانوں سے لطف اٹھانے کے لئے اس شخص کو بھی کچھ نہ کچھ زحمت کرنا پڑتی ہے۔

ایسے ریستوراں میں کھانے والا اگر اپنے حصے کی پلیٹیں اور پکوان خود اٹھائے تو اتنی سی زحمت کے بدلے میں وہ انواع و اقسام کے لذیذ کھانوں سے لطف اندوز ہوسکتا ہے لیکن اگر وہ ناسمجھی کی وجہ سے زیادہ کھالے جو اس کے لئے مضر ثابت ہو تو یہ اس کا اپنا قصور ہوگا، ریستوراں کے مالک کا نہیں۔

اسی طرح سے انسان اپنے اعمال کی جو فصل بوتا ہے اس کا محصول بھی اسے خود اٹھانا پڑتا ہے اور اعمال

کا نتیجہ کبھی دنیا میں بھی جلدی سے مل جاتا ہے۔ مثلاً صلہ رحمی کا بدلہ کثرت مال اور کثرت اولاد کی صورت میں دنیا میں مل جاتا ہے۔ اور کبھی عمل کا پھل قبر میں اور قیامت میں نصیب ہوتا ہے جیسا کہ شہید کو اس کی شہادت کا بہت بڑا بدلہ قبر اور حشر میں نصیب ہوتا ہے۔ اور بعض اعمال کا بدلہ دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں ملا کرتا ہے مثلاً صلہ رحمی کا بدلہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں ملتا ہے۔ بعض لوگ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے قیامت کے دن خدا کے حضور شفاعت کا استحقاق حاصل کر لیتے ہیں جبکہ بعض لوگوں کے کچھ برے اعمال ان کے نیک اعمال کو برباد کر دیتے ہیں۔ اس تمام تر بحث کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ انسان کے لئے اتنا ہی بدلہ ہے جتنی اس نے کوشش کی ہے۔ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝

اللہ تعالیٰ نے قوم جنات کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ انہیں انسانوں کی طرح سے آخرت میں اعمال کا بدلہ ضرور دیا جائے گا۔ یہ سب کچھ صاحب حکمت رب العالمین کی تقدیر کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اور اس کا تعلق رب العالمین کی بعض صفات سے ہے۔

رب العالمین کے چند صفات اور نام

قرآن کریم میں رب تعالیٰ کی مخصوص صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان میں سے چند صفات ایسی ہیں جن کے آثار دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں اور چند صفات ایسی ہیں جن کے آثار آخرت میں ظاہر ہوں گے اور کچھ صفات ایسی بھی ہیں جن کے آثار دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ہم یہاں اپنی بحث کو رب العرش یعنی ذوالعرش، رحمٰن اور رحیم کی صفات تک ہی محدود رکھیں گے۔

ذُوالْعَرْشِ اور رَبُّ الْعَرْشِ

۱۔ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا... اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں بنایا اور اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے...(سورۂ ہود: آیت ۷)

۲۔ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ... بے شک تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں (مرحلوں) میں پیدا کیا۔ پھر وہ عرش اقتدار کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے۔ (سورۂ یونس: آیت ۳)

۳۔ اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا ○ اس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش اقتدار کی طرف متوجہ ہوا وہ رحمٰن ہے اس کے بارے میں اسی باخبر سے پوچھو۔

۴۔ اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ○ حاملین عرش اور ان کے ماتحت فرشتے سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کے لئے مغفرت طلب ہیں کہ اے ہمارے رب! تیرا کرم اور تیرا علم ہر چیز پر محیط ہے تو جن لوگوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستے پر چلے ہیں ان کو بخش دے اور دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ (سورۂ مومن۔ آیت ۷)

۵۔ وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (قیامت کے دن) تم دیکھو گے کہ عرش کے اطراف فرشتے اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے مصروف کار ہوں گے۔ (اس دن) لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور (یہی غلغلہ بلند ہوگا کہ) ساری تعریفیں خدا ہی کے لئے سزاوار ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ (سورۂ زمر: آیت ۷۵)

۶۔ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ۝ (قیامت کے) دن تیرے رب کے عرش (حکومت) کو آٹھ (اصناف کے فرشتے) سنبھالے ہوئے ہوں گے۔ (سورۂ حاقہ: آیت ۱۷)

الرحمٰن

۷۔ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ... اور یقیناً تمہارا رب رحمٰن ہے۔ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۹۰)

۸۔ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ... اور ہمارا رب رحمٰن ہے۔ (سورۂ انبیاء: آیت ۱۱۲)

۹۔ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ ۝ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب رحمٰن ہے۔ (سورۂ نباء: آیت ۳۷)

الرحیم

۱۰۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبٍّ رَحِيمٍ ۝ مہربان رب کی طرف سے سلام کہا جائے گا۔ (سورۂ یٰس: آیت ۵۸)

۱۱۔ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ تمہارا رب غالب اور مہربان ہے۔ (سورۂ شعراء: آٹھ آیتیں)

۱۲۔ سورۂ فاتحہ میں رحمٰن اور رحیم دونوں الفاظ ساتھ ساتھ استعمال ہوئے ہیں:

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ۝ تمام تعریف خدا کے لئے ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔ جو رحمٰن ہے رحیم ہے۔ (سورۂ فاتحہ: آیت ۲و۳)

لغوی تشریح

۱۔ العرش: لغت میں چھت کو عرش کہا جاتا ہے اور اس کی جمع عروش ہے۔ بادشاہ کے تخت کو بھی بلندی کی وجہ سے عرش کہا جاتا ہے۔ اور یہ لفظ کنایۃً عزت، بادشاہ اور بادشاہت کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ لسان العرب میں ہے کہ ثَلَّ اللّٰهُ عَرْشَهُمْ اَیْ هَدَمَ مُلْكَهُمْ خدا نے ان کے عرش کو یعنی ان کی بادشاہت کو ختم کر دیا۔[1]

۱۔ مفردات راغب مادّہ العرش، المعجم الوسیط، لسان العرب مادّہ ثلل۔

اسی معنی کو ایک شاعر نے یوں نظم کیا ہے:

اِذَا مَا بَنُوْ مَرْوَانَ ثُلَّتْ عُرُوْشُهُمْ

وَاَوْدَتْ كَمَا اَوْدَتْ اِيَادٌ وَحِمْيَرُ

جب بنی مروان کی بادشاہت ختم ہوئی تو وہ اسی طرح برباد ہوئے جس طرح ایاد و حمیر برباد ہوئے تھے[1]

۲۔ اِسْتَوٰی: کتاب التحقیق فی کلمات القرآن میں ہے کہ مختلف موقع پر استواء کا مفہوم مختلف ہوتا ہے اور ہر مفہوم موقع محل کی مناسبت کے مطابق ہوتا ہے۔[2]

نیز راغب اصفہانی نے مفردات میں لکھا ہے کہ اِسْتَوٰی فُلَانٌ عَلٰی عَمَالَتِهٖ وَاسْتَوٰی اَمْرُ فُلَانٍ فلاں نے اپنی جائیداد کا قبضہ لیا اور فلاں کا معاملہ پختہ ہوگیا۔

جب اِسْتَوٰی کا صلہ عَلٰی کے ساتھ ہو تو اس کے معنی استیلاء و تصرف کے ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی یعنی رحمٰن عرش پر متمکن و متصرف ہوا۔ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۵)

المعجم الوسیط میں ہے: یُقَالُ اِسْتَوٰی عَلٰی سَرِیْرِ الْمُلْکِ اَوْعَلَی الْعَرْشِ تَوَلَّی الْمُلْکَ عربی کا محاورہ ہے: اِسْتَوٰی عَلٰی سَرِیْرِ الْمُلْکِ اَوْعَلَی الْعَرْشِ یعنی وہ سریر آرائے مملکت ہوا۔

اسی طرح سے اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کا مفہوم ہے وہ برسر اقتدار ہوا۔

مشہور شاعر اخطل نے بشر بن مروان اموی کی مدح میں کہا تھا:

قَدِ اسْتَوٰی بِشْرٌ عَلَى الْعِرَاقِ

مِنْ غَيْرِ سَيْفٍ وَّ دَمٍ مُّهْرَاقِ

بشر تلوار چلائے بغیر اور خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر ملک عراق پر تخت نشین ہوگیا۔[3]

الرحمٰن الرحیم

معاجم اللغۃ میں ہے: رَحِمَهٗ رُحْمًا وَ رُحُمًا وَ رَحْمَةً وَمَرْحَمَةً: یعنی اس کیلئے اس کا دل نرم ہوا۔ راغب کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ رحمت اس رقت کو کہا جاتا ہے جو "مرحوم" پر احسان کا تقاضا کرے

۱۔ بحار الانوار ج ۶۸، ص ۷۔

۲۔ کتاب التحقیق فی کلمات القرآن، مؤلف استاد حسن مصطفوی، مطبوعہ تہران ۱۴۰۰ھ۔

۳۔ بشر بن مروان، عبدالملک بن مروان کا بھائی تھا۔ عبدالملک نے ۷۴ھ میں اسے عراق کا حاکم مقرر کیا تھا۔ اس نے بصرہ میں وفات پائی۔ دیکھیں ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق۔ اس شعر کو قاضی عبدالجبار متوفی ۴۱۵ھ نے بھی اپنی کتاب تنزیہ القرآن، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۹ھ کے صفحہ ۱۵۷ اور ۱۵۹ پر نقل کیا ہے۔ اس شعر کو عبدالرحمٰن بن احمد المعروف ایجی متوفی ۷۵۶ھ نے اپنی کتاب المواقف، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۵۷ھ کے صفحہ ۲۹۷ پر نقل کیا ہے۔ اس نے "بِشْرٌ" کی بجائے "عَمْرٌو" لکھا ہے۔

لفظ رحمت کبھی رقت کے معنی میں اور کبھی رقت کے بغیر محض احسان کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی لئے روایت کی جاتی ہے: اِنَّ الرَّحْمَةَ مِنَ اللهِ اِنْعَامٌ وَافْضَالٌ وَمِنَ الْآدَمِيِّيْنَ رِقَّةٌ وَتَعَطُّفٌ... جب رحمت کی اضافت خدا کی طرف ہو تو اس کے معنی انعام اور فضل ہے اور جب اس کی نسبت آدمیوں کی طرف ہو تو اس کے معنی رقت اور مہربانی ہے۔

رحمٰن ورحیم، ندمان وندیم کے وزن پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو رحمٰن کہنا درست نہیں ہے کیونکہ رحمٰن کا مفہوم اس ذات کبریا کے سوا کسی کو زیبا نہیں۔ اللہ ہی وہ واحد ذات ہے جس کی رحمت ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ البتہ رحیم کا اطلاق خدا پر اور خدا کی رحمدل مخلوق دونوں پر ہوتا ہے۔ خدا کی رحمت کی کوئی حد نہیں ہے۔ وہ فرماتا ہے: اِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥ بے شک خدا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ اس آیت میں خدا نے اپنے آپ کو رحیم کہا ہے اور دوسرے مقام پر اپنے حبیبؐ کے لئے فرمایا ہے: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ٥ (اے لوگو!) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کے بہت زیادہ خواہشمند ہیں۔ وہ مومنوں پر بے حد شفیق اور مہربان ہیں۔ (سورۂ توبہ: آیت ۱۲۸)

اس آیت میں خداؐ نے رسول پاک کو بھی رحیم کہا ہے۔ رحمٰن اور رحیم کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ خدا دنیا میں رحمٰن اور آخرت میں رحیم ہے کیونکہ دنیا میں اس کی نعمتیں مومن اور کافر سب پر یکساں ہیں جبکہ آخرت کی نعمتیں صرف اہل ایمان کے لئے مخصوص ہیں۔ اس نکتہ کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے: وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ... اور میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ میں اسے ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو متقی ہیں۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۵۶) اس آیت میں یہ جتلا دیا گیا ہے کہ دنیا کی نعمتیں مومن اور کافر دونوں کے لئے عام ہیں جبکہ آخرت کی نعمتیں صرف اہل ایمان کے حصے میں آئیں گی۔

تاج العروس کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ رحمٰن اللہ تعالیٰ کا خاص نام ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور پر اس کا اطلاق صحیح نہیں ہے کیونکہ پیدا کرنے، رزق دینے اور فائدہ پہنچانے کے لحاظ سے اس کی نعمتیں ساری کائنات کو احاطہ کئے ہوئے ہیں جبکہ رحیم ہر اس شخص کو کہا جاسکتا ہے جس میں رحمت کی خاصیت موجود ہو۔ امام جعفر صادقؑ نے اس مفہوم کو یوں واضح فرمایا ہے: اَلرَّحْمٰنُ اِسْمٌ خَاصٌّ لِصِفَةٍ عَامَّةٍ، وَالرَّحِيْمُ اِسْمٌ عَامٌّ لِصِفَةٍ خَاصَّةٍ یعنی الرحمٰن صفت عام کے لئے اسم خاص ہے اور رحیم صفت خاص کے لئے اسم عام ہے اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ قرآن کریم میں سینتالیس (۴۷) جگہ رَحِيْمٌ کے ساتھ غَفُوْرٌ، بَرٌّ، رَءُوْفٌ، وَدُوْدٌ اور تَوَّابٌ آیا ہے۔[1]

۱۔ المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، مادہ رحم۔

سورۂ رحمٰن میں لفظ رحمٰن کو اس ذات کریم کے اسم وصفت کے طور پر بیان کیا گیا ہے جس نے انسان کو خلق کرنے کے بعد قرآن کے ذریعے نعمت ہدایت سے مالامال کیا اور اسے بیان کی تعلیم دی یعنی بولنا سکھایا۔ اس نے زمین بنائی جس میں انسان کے فائدے کی چیزیں اگائیں یعنی پھل پھول، کھجوریں اور غلہ وغیرہ۔ پھر اس نے جنوں اور انسانوں کو بار بار مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ٥ تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ سورۂ رحمٰن میں دنیاوی نعمتوں کے ساتھ ساتھ خدا نے کچھ اخروی نعمتیں بھی بیان فرمائی ہیں: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ٥ اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لئے دو باغات ہیں۔ اس آیت کے بعد خدا نے سورۂ کے آخر تک مسلسل اخروی نعمتوں کا ذکر کیا ہے اور اس آیت پر سورہ کا اختتام فرمایا ہے: تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ٥ (اے رسولؐ) تمہارے صاحب جلالت وعظمت رب کا نام بڑا بابرکت ہے۔

تفسیر آیات

ہم لغوی تشریح کے ضمن میں یہ عرض کر چکے ہیں کہ عربی زبان میں جب عرش کا صلہ عَلٰی کے ساتھ ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے حکومت چلانا اور اقتدار سنبھالنا۔ عربی زبان میں اِسْتَوٰی عَلٰی سَرِیْرِ الْمُلْکِ اَوْعَلَی الْعَرْشِ کا مطلب بھی اقتدار سنبھالنا ہے۔

قرآن مجید کی سات آیتوں میں عرش پر استواء کا تذکرہ ہے۔ سورۂ یونس کی تیسری آیت ہے: اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یعنی وہ حکومت پر متمکن ہوا۔ وہی ہر کام کا انتظام کرتا ہے۔ سورۂ سجدہ کی چوتھی اور پانچویں آیت ہے: ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ...٥ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ٥ سورۂ رعد کی دوسری آیت ہے: ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ...٥ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ٥

مذکورہ آیات میں ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کے ساتھ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ کے الفاظ بڑی وضاحت سے بتاتے ہیں کہ خداوند متعال کے استواء علی العرش کا مطلب تخت نشین ہونا نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب حکومت سنبھالنا یعنی اپنی مخلوق کے معاملات کی تدبیر کرنا ہے۔ مذکورہ آیات کے ساتھ ان دو آیات کو بھی شامل کر لیا جائے تو مطلب اور واضح ہو جاتا ہے۔

۱۔ اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ وہ عرش اقتدار پر متمکن ہوا وہی رات کو دن بناتا رہتا ہے۔ (سورۂ اعراف: آیت ۵۴)

۲۔ اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وہ حکومت پر متمکن ہوا جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے وہ اسے جانتا ہے۔ (سورۂ حدید: آیت ۴)

مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی سلطنت کے چپے چپے سے پوری طرح آگاہ ہے۔

مذکورہ آیات کے تجزیہ کے بعد ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ سورۂ فرقان کی آیت ۵۹ میں ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ الرَّحْمٰنُ کا مطلب ہے وہ اپنی سلطنت کے تمام معاملات اپنی شان رحمت سے انجام دیتا ہے۔ اور یہی مفہوم سورۂ طٰہٰ کی پانچویں آیت اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى میں بیان ہوا ہے۔

اسی مفہوم کی مزید وضاحت سورۂ ہود کی ساتویں آیت میں یوں کی گئی ہے: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ٥ اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کا اقتدار پانی پر تھا۔ یعنی یہ کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پہلے پانی کے سوا کچھ نہیں تھا اور خدا کا اقتدار پانی پر قائم تھا۔ البتہ اس پانی کی حقیقت و ماہیت کیا تھی اس کے متعلق وہی بہتر جانتا ہے۔ اور جہاں تک سورۂ مومن کی آیت ۷ اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ کا تعلق ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا اپنی سلطنت کے امور فرشتوں کے ذریعے انجام دیتا ہے۔ کچھ فرشتے انبیاء کی مدد کے لئے، کچھ فرشتے نافرمان امتوں پر عذاب نازل کرنے کے لئے اور کچھ فرشتے روح قبض کرنے کے لئے اترتے ہیں۔

سورۂ مبارکہ حاقہ آیت ۱۷ میں ارشاد قدرت ہے: وَیَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ یَوْمَئِذٍ ثَمٰنِیَةٌ ٥ (قیامت کے) دن تیرے رب کے عرش (حکومت) کا انتظام آٹھ (فرشتے) سنبھالے ہوئے ہوں گے۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے دن فرشتوں کے آٹھ اصناف ربوبیت کے امور نافذ کریں گے۔ یہ بحث صفحہ ۱۲۷ پر بھی گذر چکی ہے۔

اسم

قرآنی اصطلاح میں اسم کا اطلاق چیز کی صفت اور حقیقت کو واضح کرنے والے خواص پر ہوتا ہے۔ چنانچہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کا مفہوم یہ ہے کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو اشیاء کے خواص بتائے اور علم مخزون (یعنی اپنے ذاتی علم غیب) کے علاوہ تمام علوم سکھائے۔ آدمؑ اور بنی آدم کو اشیاء کے خواص کا کس قدر علم دیا گیا اس کی وضاحت قرآن مجید کی ان آیات سے ہوتی ہے: وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ ٥ اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کر دیا تاکہ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے پہننے کے لئے جواہرات نکالو۔ اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں سمندر میں پانی کو چیرتی چلی جاتی ہیں۔ (سورۂ نحل: آیت ۱۴)

مقصد یہ ہے کہ خدا نے انسان کو علم الاسما کے ذریعے اتنی تعلیم دی ہے جس کی وجہ سے وہ سمندروں سے

مچھلیاں پکڑ کر تازہ گوشت حاصل کرسکتا ہے۔ اور سمندر میں غوطہ خوری کر کے موتی، مونگے، مروارید اور مرجان وغیرہ نکال کر اپنے لئے زیورات بنا سکتا ہے اور کشتی رانی کے ذریعے سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاسکتا ہے جب کہ اسی سورہ میں انسان اور حیوان کے تعلق کو اس طرح سے اجاگر کیا گیا ہے: وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ٥ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ٥ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ٥ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ہم نے تمہارے لئے چوپائے بنائے۔ ان میں تمہارے لئے جڑاول اور دیگر بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے بعض (کے گوشت) کو تم کھاتے ہو۔ اور جب تم انہیں صبح جنگل میں چرانے لے جاتے ہو اور شام کو لے آتے ہو تو ان سے تمہاری عزت وشان ہے۔ یہ چوپائے (دشوار گزار) علاقوں میں جہاں تم مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے تمہارا سامان ڈھوتے ہیں۔ بیشک تمہارا رب بڑا شفیق اور مہربان ہے اور (اسی نے) گھوڑے خچر اور گدھے پیدا کئے تا کہ تم ان پر سواری کرو۔ وہ تمہاری زینت بھی ہیں۔ (سورہ نحل آیت ۵تا۸)

خدا نے صرف جانور ہی پیدا نہیں کئے بلکہ علم الاسما کے تحت انسان کو اس سے فائدہ حاصل کرنے کی ترکیب بھی بتائی۔ جانوروں اور کشتی کی سواری خدا کی ایک عظیم نعمت ہے۔

وَالَّذِي خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ٥ لِتَسْتَوُوا عَلٰى ظُهُورِهِ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ اسی نے تمام قسم کے جوڑے پیدا کئے اور تمہارے لئے کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ (چوپائے کی ایسی) پیٹھ بنائی کہ تم اس پر بیٹھ سکو پھر جب اس پر بیٹھ جاؤ تو اپنے رب کی نعمت کو یاد کرتے ہوئے کہو کہ وہ ذات پاک ہے جس نے اس کو ہمارے لئے مسخر کر دیا جبکہ ہم میں طاقت نہ تھی کہ اس کو بس میں کر لیتے۔ (سورۂ زخرف: آیت ۱۲و۱۳)

المختصر یہ کہ خدا نے کائنات کی اشیاء کے خواص انسان کو سکھائے اور ان سے استفادہ کرنے کے طریقے بتائے۔ سمندروں اور جانوروں سے فائدہ اٹھانے کے ذرائع بیان فرمائے۔ اسی خالق حکیم نے شہد کی مکھیوں کو مامور کیا کہ چمن چمن جا کر پھولوں کا رس چوسیں۔ پھر اسی رس سے شہد جیسا مشروب بنائیں تا کہ وہ لوگوں کے امراض کے لئے شفا بن جائے۔ یہ خدا کی وسیع رحمت ہے کہ اس نے ہمیں تمام چیزوں کے خواص بتائے جس سے ہم اپنی زندگی بسر کرنے کے قابل ہوئے۔

رب حکیم نے اپنی ہر مخلوق کو جینے کا طریقہ سکھایا اور اسے جینے کے لئے جس چیز کی ضرورت تھی وہ بتائی یعنی اشیا کے خواص تعلیم فرمائے۔ اس نے شہد کی مکھی کو "وہ اسما سکھائے" جن کی اسے اپنی زندگی جاری

رکھنے کے لئے ضرورت تھی۔ اسی طرح اس نے مچھلیوں کو "وہ اسما سکھائے" جن کی اُن کو زندگی گزارنے کے لئے ضرورت تھی اور انسان تو خدا کی تمام مخلوقات میں گل سرسبد کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب انسانی تخلیق کے تمام مراحل پورے ہوگئے تو خدا نے اپنی اس تخلیق پر ناز کرتے ہوئے فرمایا: فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ ۝ بڑا بابرکت ہے خدا جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔ (سورۂ مومنون: آیت ۱۴)

خدا نے انسان کو تمام اشیا کے حقائق وخواص کی تعلیم دی اور ارشاد فرمایا: وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۝ اور خدا نے آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کردیا۔ (سورۂ جاثیہ: آیت ۱۳) ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا: اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۝ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے خدا نے سب کو تمہارے قابو میں کردیا ہے۔ (سورۂ لقمان: آیت ۲۰)

رب رحمٰن نے اپنی شان ربوبیت کے تحت استفادہ کے لئے ایک صنف کی دوسری صنف کی طرف رہنمائی کی اور دوسری صنف کو پہلی صنف کے لئے مسخر کردیا۔ اس نے تمام اشیا کے خواص کا علم انسان کی سرشت میں رکھ دیا تاکہ وہ تھوڑی سی جدوجہد کرکے کائنات کے حقائق دریافت کرے اور مختلف چیزوں سے فائدہ اٹھائے۔ خدا نے انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ جب وہ ایک ذرہ (ایٹم) پر تحقیق کرتا ہے تو ذرے کو چیر کر اتنی انرجی حاصل کرتا ہے جو ہزاروں کارخانوں کو چلانے کیلئے کافی ہوتی ہے۔ خدا ہی نے انسان کو طبعیات (فزکس) میں سے برقیات (Electric) اور حرارت (Heat) کے خواص سکھائے اور چیزوں کی کیمسٹری سکھائی جس کی بدولت وہ مختلف دھاتوں کو جوڑ کر ہوائی جہاز بناتا ہے اور سرعت سے طویل فاصلے طے کرتا ہے۔

بات یہ ہے کہ جس رب نے انسان کو وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا کے تحت کائنات کی تمام چیزوں کے خواص کا علم عطا فرمایا ہے اور اسے آزادی بھی بخشی ہے اس کو معلوم تھا کہ انسان چیزوں کو مثبت اور منفی دونوں طرح سے استعمال کرسکتا ہے چنانچہ اس نے اپنے تقاضائے رحمانیت کے تحت انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ انسان کو مثبت کاموں کی ترغیب دیں اور منفی کاموں سے روکیں اور اسے یہ بتائیں کہ وہ مسخر چیزوں سے کس طرح استفادہ کرے اور اپنے ہم جنسوں کو بھی فائدہ پہنچائے۔ اور ایسے کاموں سے پرہیز کرے جو خود اُس کے لئے اور معاشرے کے لئے نقصان کا باعث ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا لوگوں کو آسمانی کتابوں کی تعلیم دینا رب رحمٰن کی شان رحمت کا مظہر ہے۔ اسی لئے اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی کے تحت پوری کائنات کے مقتدر اعلیٰ نے سورۂ رحمٰن میں اپنی رحمانیت کا تعارف یوں کرایا ہے: اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ۝ یعنی رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اسی نے اس کو بیان کرنا سکھایا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیان کا بالعموم اور تعلیم قرآن کا بالخصوص رحمٰن کی رحمت سے گہرا تعلق ہے۔

اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا آتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ○ آسمانوں اور زمین کے تمام رہنے والے رحمٰن کے بندے بن کر اس کے سامنے پیش ہوں گے۔ (سورۂ مریم: آیت ۹۳)

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ○ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدَانِ ○ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ ○ ...وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ○ فِیْهَا فَاکِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَکْمَامِ ○ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّیْحَانُ ○ فَبِاَیِّ آلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○ سورج اور چاند ایک مقررہ حساب سے چل رہے ہیں۔اور بوٹیاں اور درخت سجدہ کررہے ہیں اور اسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی ... اور اسی نے انسانوں کے لئے زمین بچھائی۔ اس (زمین) میں میوے ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن کے خوشوں پر غلاف ہوتے ہیں اور اناج (بھی) جس کے ساتھ بھس ہوتا ہے اور خوشبودار پھول۔ (اے جنو اور انسانو) تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (سورۂ رحمٰن: آیت ۵ تا ۱۳)

ان آیات سے لے کر سورۂ رحمٰن کی آخری آیت تک خدا نے اپنی دنیوی اور اخروی نعمتوں کا بھرپور تذکرہ فرمایا ہے اور انسانوں اور جنوں کو متنبہ کیا ہے کہ آخر وہ اس منعم کی کس کس نعمت کا انکار کریں گے؟

رب کبریا نے ایک اور جگہ فرمایا ہے:

یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ○ وہ جسے چاہتا ہے فراوان رزق دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے روزی تنگ کر دیتا ہے۔ (سورۂ سباء: آیت ۳۶،۳۹)

رب رحمٰن کی دنیوی نعمتیں بلاتخصیص مومنوں اور کافروں کے لئے عام ہیں۔ مذکورہ آیات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ دنیا میں رب کی صفات کا اظہار لفظ "رحمٰن" سے ہوتا ہے کیونکہ رحمٰن کی نعمات تمام مخلوقات کے لئے ہیں اور اس میں مومن اور کافر کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ رب نے رسولوں کو ہدایت کے لئے بھیجا اور اپنے احکام کو وحی کے ذریعے نازل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید انبیاء کے فرامین کو ان کے ذاتی فکر و نظر کے بجائے وحی کہتا ہے اور وحی اور رسالت و کتاب کا ارتباط لفظ رب سے قائم کرتا ہے۔ ارشاد اقدس الٰہی ہے:

...ذٰلِکَ مِمَّا اَوْحٰی اِلَیْکَ رَبُّکَ مِنَ الْحِکْمَةِ ○ ...(اے رسولؐ) یہ حکمت کی ان (باتوں) میں سے ہے جو خدا نے آپ کی طرف وحی کی ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۳۹)

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ○ (اے رسولؐ) جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اس کی پیروی کریں۔ (سورۂ انعام: آیت ۱۰۷)

انبیاء و مرسلین کی رسالت اور ان کی کتابوں کا نزول بھی رب کے تقاضائے ربوبیت کا نتیجہ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں انبیائے کرامؑ کے تذکرے میں مذکور ہے۔

حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: یَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّي رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ ۞ اُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي ... اے قوم! مجھ میں حماقت کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ میں پروردگار عالم کا پیغمبر ہوں۔ میں تمہیں اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں۔ (سورۂ اعراف: آیت ۶۷-۶۸)

حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: یَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَّلٰكِنِّي رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ ۞ اُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي... اے قوم! مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں ہے بلکہ میں پروردگار عالم کا پیغمبر ہوں۔ میں تمہیں اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں۔ (سورۂ اعراف: آیت ۶۱-۶۲)

حضرت موسیٰؑ نے بھی فرعون سے یہی فرمایا تھا: يَا فِرْعَوْنُ اِنِّي رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ ۞ اے فرعون! بے شک میں پروردگار عالم کا پیغمبر ہوں۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۰۴)

آسمانی کتابوں کے اتارنے کے متعلق خداوند عالم نے فرمایا ہے:

وَاتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ... (اے رسولؐ) آپ کے رب کی کتاب میں سے جو وحی کے ذریعے آپ کے پاس بھیجی گئی ہے تلاوت کرتے رہا کریں۔ (سورۂ کہف: آیت ۲۷)

تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ ۞ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کتاب کا نازل کیا جانا پروردگار عالم کی طرف سے ہے۔ (سورۂ سجدہ: آیت ۲)

اِنَّهُ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۞ فِيْ كِتَابٍ مَّكْنُوْنٍ ۞ لَّا يَمَسُّهُ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۞ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ ۞ بے شک یہ عالی رتبہ قرآن ہے جو کتاب مکنون میں (لکھا ہوا) ہے۔ اسے کوئی چھو نہیں سکتا مگر وہ جو پاک ہیں۔ یہ پروردگار عالم کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ (سورۂ واقعہ: آیت ۷۷-۸۰)

لفظ "امر" کی نسبت بھی رب کی طرف دی گئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ... (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے تو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ تم ہر نماز کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو... (سورۂ اعراف: آیت ۲۹)

دین و ایمان کے تمام احکام کا تعلق رب کی ربوبیت کے تقاضوں کا ثمر ہے جیسا کہ خدا نے خاتم الانبیاءؐ اور دوسرے مومنین کی طرف سے ہمیں یہ خبر دی ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۞ رسول ان تمام باتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو اُن کے رب کی طرف سے اُن پر نازل ہوئی ہیں اور مومنین بھی سب خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم اس کے رسولوں میں کچھ فرق نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم نے خدا کا پیغام سنا اور اطاعت کی۔ اے ہمارے رب ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور ہماری بازگشت تیری ہی طرف ہے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۸۵)

رسول رب کے نمائندے تھے اسی لئے ان کی اطاعت رب کی اطاعت اور ان کی نافرمانی اور مخالفت رب کی نافرمانی اور مخالفت قرار پائی جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے خدا کی اطاعت کی۔ ﴿سورۂ نساء: آیت ۸۰﴾ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ○ رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال برباد نہ کرو۔ ﴿سورۂ محمد: آیت ۳۳﴾ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ابلیس کے علاوہ سب نے سجدہ کیا۔ وہ جنات میں سے تھا پس اس نے اپنے رب کی حکم عدولی کی۔ ﴿سورۂ کہف: آیت ۵۰﴾ قوم ثمود کے متعلق فرمایا: فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ آخر انہوں نے اونٹنی (کی کونچوں) کو کاٹ ڈالا اور اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی ﴿سورۂ اعراف: آیت ۷۷﴾

رسول، رب کے احکام کی تبلیغ کرتے ہیں اسی لئے ان کی نافرمانی رب کی نافرمانی قرار دی گئی جیسا کہ خدا نے فرعون اور اس کی قوم کے علاوہ امم سابقہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے: فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی۔ (سورۂ حاقہ: آیت ۱۰)

توبہ کی قبولیت کا تعلق بھی صفت ربوبیت سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب گناہ کے بعد بندہ توبہ کرتا ہے تو رب اس کی توبہ قبول کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے ہیں پس تو ہمارے گناہ معاف کر دے۔ ﴿سورۂ آل عمران: آیت ۱۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اور ان کا کہنا بس یہی تھا کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو بخش دے۔ ﴿سورۂ آل عمران: آیت ۱۴۷﴾ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہماری برائیوں کو ہم سے دور فرما۔ ﴿سورۂ آل عمران: آیت ۱۹۳﴾ حضرت موسیٰؑ نے رب کے حضور دعا کی تھی: رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ اے میرے رب! میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے تو مجھے معاف کر دے۔ چنانچہ خدا نے ان کو معاف کر دیا۔ ﴿سورۂ قصص: آیت ۱۶﴾

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات میں لفظ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کو رب کی صفت کے طور پر بیان کیا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ اور جن لوگوں نے برے کام کئے پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو یقیناً تمہارا رب اس کے بعد (بخش دے گا کہ وہ) بخشنے والا (اور) بڑا مہربان ہے۔ ﴿سورۂ اعراف: آیت ۱۵۳﴾ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ○ میں نے کہا کہ اپنے رب سے معافی مانگو

بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ ﴿سورۂ نوح: آیت ۱۰﴾ حضرت آدمؑ کی توبہ کی قبولیت کی داستان بیان کرتے ہوئے خدا نے اپنی صفت ربوبیت کا تذکرہ فرمایا ہے: فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ٥ پھر آدمؑ نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اُس نے اُن کی توبہ قبول کرلی۔ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا (اور) بڑا مہربان ہے۔ ﴿سورۂ بقرہ: آیت ۳۷﴾

یہاں یہ نکتہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ جو گناہوں سے توبہ نہیں کرے گا خدا اسے اس کے برے اعمال کا بدلہ دے گا جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ٥ اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ٥ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ٥ بے شک اہل کتاب میں سے جنہوں نے کفر کیا اور وہ جو مشرک ہیں سب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور یہی بدترین خلائق ہیں۔ (اور) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ بہترین خلائق ہیں۔ ان کی جزا ان کے رب کے پاس ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ ابدالآباد ان میں رہیں گے۔ خدا ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔ یہ سب کچھ اس کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔ (سورۂ بینہ: آیت ۶ و ۸)

رب کی طرف سے کبھی اعمال کا صلہ اس جہان میں اور کبھی دوسرے جہان میں ملتا ہے اور کبھی دونوں جہان میں ملتا ہے۔ جزا کا تعلق بھی رب کی ربوبیت کے ساتھ مربوط ہے جیسا کہ ارشادِ باری ہے: لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ٥ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ٥ ذٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجَازِيْ اِلَّا الْكَفُوْرَ ٥ (قوم) سباء کے لئے ان کے شہر ہی میں ہماری ایک نشانی تھی (یعنی) دائیں اور بائیں دونوں طرف باغات تھے (ہم نے ان سے کہا کہ) تم اپنے رب کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ (یہاں تمہارے رہنے کو یہ) اچھا شہر ہے اور (وہاں بخشنے کو) خدائے بخشندہ۔ مگر انہوں نے (شکر گزاری سے) منہ پھیر لیا تو ہم نے ان پر (بند توڑ کر) بڑے زور کا سیلاب چھوڑ دیا اور ان کے دونوں باغات کو ایسے دو باغات میں تبدیل کردیا جن کے پھل بدمزہ تھے۔ ان میں جھاؤ کے (بہت) اور بیر کے تھوڑے سے درخت تھے۔ یہ ہم نے ان کو ان کی ناشکری کی سزا دی اور ہم سزا ناشکروں کو ہی دیتے ہیں۔ (سورۂ سباء: آیت ۱۵ تا ۱۷)

قیامت کے دن حشر اور حساب کے بعد جزا ملے گی۔ حشر اور حساب کو قرآن مجید خدا کی صفت ربوبیت سے جڑا جاتا ہے: اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ... بے شک تیرا رب انہیں جمع کرے گا۔ ﴿سورۂ حجر: آیت ۲۵﴾

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ○ ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی پھر وہ اپنے رب کی بارگاہ میں جمع کئے جائیں گے۔ ﴿سورۂ انعام: آیت ۳۸﴾ إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ ان کا حساب میرے رب کے ذمے ہے کاش کہ تم سمجھو۔ ﴿سورۂ شعراء: آیت ۱۱۳﴾ حساب کے بعد مومنین پر خدا کی رحمت سایہ فگن ہوگی جیسا کہ قرآن بتاتا ہے: يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ○ (قیامت کے دن متقیوں کو جمع کر کے رحمٰن کی بارگاہ میں احترام کے ساتھ لے جایا جائے گا۔ ﴿سورۂ مریم: آیت ۸۵﴾

قیامت کے دن خدا کی رحمت عام نہیں ہوگی بلکہ صرف اہل ایمان کیلئے مخصوص ہوگی۔ خدا کی رحمت کا اظہار اس کے دو اسماء اَلرَّحْمٰنُ اور اَلرَّحِيْمُ سے ہوتا ہے اور لفظ اَلرَّحْمٰنُ کو اَلرَّحِيْمُ پر تقدم حاصل ہے جیسا کہ بسملہ شریف میں پہلے اَلرَّحْمٰنِ اور پھر اَلرَّحِيْمِ ہے۔ سورۂ فاتحہ میں بھی پہلے اَلرَّحْمٰنِ اور بعد میں اَلرَّحِيْمِ ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ لفظ رحمٰن کے تقدم کی ایک وجہ تقدم زمانی بھی ہے کیونکہ خدا کی شان رحمانی کا تعلق دنیا سے اور شان رحیمی کا تعلق آخرت سے ہے۔ دنیا پہلے اور آخرت بعد میں ہے۔

سورۂ نباء کی حسب ذیل آیات کے شروع میں عذاب کا اور بعد کی آیات میں ثواب کا ذکر ہے۔ خدا نے جہاں ثواب بیان کیا ہے وہاں اپنے آپ کو رب کہا ہے اور جہاں عذاب کا ذکر کیا ہے وہاں اس صفت کو بیان نہیں کیا ہے: إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ○ لِلطَّاغِينَ مَآبًا ○ لَابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا ○ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ○ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ○ جَزَاءً وِفَاقًا ○ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ○ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ○ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ○ فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ○ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ○ حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ○ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ○ وَكَأْسًا دِهَاقًا ○ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا ○ جَزَاءً مِنْ رَبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا ○ بے شک جہنم ان کی گھات میں ہے۔ سرکشوں کا وہی ٹھکانا ہے۔ اس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔ وہاں نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھ سکیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا۔ سوائے کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کے۔ یہ ان کے اعمال کا مکمل بدلہ ہے۔ یہ لوگ حساب کی بالکل امید ہی نہیں رکھتے تھے۔ اور ہماری آیتوں کو جھوٹ سمجھ کر جھٹلاتے تھے اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر ضبط کر رکھا ہے۔ سو (اب تم اپنی بداعمالی کا) مزہ چکھو۔ ہم تم پر عذاب ہی بڑھاتے جائیں گے۔ بے شک متقیوں کے لئے کامیابی ہے۔ باغات ہیں اور انگور ہیں۔ نوخیز دوشیزائیں ہیں۔ اور شراب کے چھلکتے ہوئے جام۔ وہاں نہ تو کوئی لغو بات سنیں گے نہ خرافات۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے حساب کی ہوئی عطا ہے۔ (سورۂ نبا: آیت ۲۱ تا ۳۶)

اعمال کی جزا و سزا لفظ رب کی تعبیروں میں سے ایک تعبیر ہے اسی لئے رب کی ایک صفت اس کا مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہونا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ اسی لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ لفظ رب ایک ایسی شمع ہے کہ رحمان، رحیم، تواب، غفار اور رزاق اس کی کرنیں ہیں۔

خلاصۂ بحث

سورۂ اعلیٰ میں ہے کہ مخلوق کا رب وہی خدا ہے جس نے اسے پیدا کیا، اس کی سرشت میں ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت رکھی اور اس میں سے ہر ایک کے لئے زندگی مقدر کی اور پھر اسے ہدایت دی۔ اس کے بعد خدا چراگاہ کی مثال بیان فرماتا ہے کہ رب وہی ہے جس نے حیوانات کی چراگاہیں قائم کیں۔ اور چراگاہ کی گھاس کی تربیت کی یہاں تک کہ وہ خشک ہوکر کوڑا ہوگئی جب کہ پہلے وہ سرسبز و شاداب دکھائی دیتی تھی۔

سورۂ رحمٰن میں مقام ربوبیت کا وصف بیان کرتے ہوئے قرآن مجید فرماتا ہے کہ خدا نے بیان کے وسیلے سے انسان میں قبول ہدایت کی صلاحیت ودیعت فرمائی۔ سورۂ علق میں بھی صفات ربوبیت کے ساتھ صنف انسان کا تذکرہ کیا گیا ہے اور یہ پیغام دیا گیا ہے کہ رب نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اسی نے اسے قلم کے ذریعے سے تعلیم دی ہے۔ اس پیغام میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ رب نے قلم کے وسیلے سے انسان کو ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی۔ سورۂ رحمٰن اور سورۂ علق کی یہ آیات سورۂ اعلیٰ کے لفظ فسوّیٰ کی تعبیر ہیں۔

سورۂ شوریٰ، سورۂ نساء اور سورۂ آل عمران میں یہ بتایا گیا ہے کہ رب نے انسان کی ہدایت کس طرح سے کی ہے اور پھر یہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو شتر بے مہار بنا کر نہیں بھیجا بلکہ اس کے لئے دین مقرر کیا ہے جس کی وحی اُس نے اپنے انبیاء کو کی۔ سورۂ یونس اور سورۂ اعراف میں ہے کہ تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور انہیں ہدایت تسخیری سے ممتاز کیا۔

سورۂ انعام کی آیت ۹۵ سے ۱۰۱ تک مخلوقات کی مختلف انواع کا ذکر ہے۔ اس کے بعد آیت ۱۰۲ میں ارشاد ہے: ذَالِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ... وہی اللہ تمہارا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ تم اسی کی عبادت کرو۔

رب کی صفات وافعال

قرآنی صفات میں لفظ رب ایسی مشعل ہے جس کی مختلف کرنیں اور مختلف صفات ہیں۔ ان میں سے کچھ صفات کا اظہار صرف دنیا میں ہوتا ہے اور کچھ صفات کا اظہار آخرت میں ہوتا ہے اور کچھ صفات کا تعلق دنیا اور آخرت دونوں سے ہے۔ ان صفات میں لفظ رحمٰن بھی رب کی ایک صفت ہے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں رب العزت کا فرمان ہے: اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ بے شک تمہارا رب رحمٰن ہے۔

لفظ رحمٰن رحمت سے مشتق ہے۔ خدا نے لفظ رحمٰن کے آثار کا تذکرہ دنیا کی نعمات کے ضمن میں کیا ہے: ...خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوَاتِ الْعُلٰى ٥ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ٥ اس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔ (خدائے) رحمٰن عرش اقتدار پر متمکن ہوا۔ ﴿سورۂ طٰہٰ: آیت ۴ و ۵﴾ اَلَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ

وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ٥ اس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا۔ اس کے بعد عرش اقتدار پر متمکن ہوا۔ وہ رحمٰن ہے اس کی تخلیق کے بارے میں اسی باخبر سے پوچھو۔ ﴿سورۂ فرقان: آیت ۵۹﴾

مذکورہ بالا آیات کا پیغام یہ ہے کہ رحمٰن وہی ہے جو پوری کائنات کے عرش اقتدار پر متمکن ہے اور وہ اپنی وسیع رحمت کی بدولت تمام جہانوں کی تربیت یعنی نشوونما اور بقا کا اہتمام کرتا رہتا ہے۔ اور اس کی رحمت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ وہ تمام مخلوقات کو ہدایت دے جس کی وجہ سے وہ درجۂ کمال تک پہنچ جائیں۔

چنانچہ رحمٰن نے جمادات، نباتات اور حیوانات کو تسخیری ہدایت عطا فرمائی اور انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء و مرسلین کو وسیلہ بنایا اور ان پر اپنی وحی نازل فرمائی۔ اس مفہوم کی وضاحت کے لئے قرآن کریم کے دو الفاظ یعنی الاسم اور التسخیر پر تفصیلی بحث کی ضرورت ہے۔

اسمائے حسنیٰ

علمائے لغت نے کہا ہے کہ لفظ اللہ، الہ سے مشتق ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ لفظ اللہ دراصل الہ تھا جو جنس آلھۃ کا اسم ہے۔ اس پر الف لام تعریف داخل کیا گیا تو وہ اَلْاِلٰہ بن گیا۔ پھر الف کو حذف کر کے ایک لام کو دوسری لام میں مدغم کیا گیا تو وہ اللہ بن گیا اور یوں اللہ اور الٰہ کی وہی حیثیت ہے جو رجل اسم نکرہ اور الرجل اسم معرفہ کی ہے۔ جس طرح سے الرجل سے ایک خاص مرد مراد ہوتا ہے اسی طرح اللہ سے ایک خاص معبود مراد ہے چنانچہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی معبود نہیں ہے بس وہی معبود ہے جس کا میں قصد کر رہا ہوں اور جسے میں معین کر رہا ہوں۔ علمائے لغت کا یہ قول سراسر غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لفظ اللہ علمائے نحو کی اصطلاح کے مطابق اسم مرتجل ہے اور یہ اس ذات کا نام نامی ہے جس کی صفات میں تمام اسمائے حسنیٰ شامل ہیں اور یہ اس کے سوا کسی اور کا نام نہیں۔ جس طرح وہ اپنے نام میں منفرد ہے اسی طرح وہ اپنی الوہیت میں بھی منفرد ہے۔

اسلامی اصطلاح میں اللہ اس ذات کا نام نامی ہے جو تمام صفات کمال کی جامع ہے۔ ارشاد باری ہے:
وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ○ اللہ کے لئے ہی اسمائے حسنیٰ ہیں ﴿سورۂ اعراف: آیت ۱۸۰﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ○ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اسی کیلئے اسمائے حسنیٰ ہیں ﴿سورۂ طٰہٰ: آیت ۸﴾

اس تشریح کے بعد ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ جو تمام صفات کمال کا جامع ہے اور جو اسمائے حسنیٰ سے موسوم ہے اس کے سوا نہ کوئی خالق ہے نہ کوئی وجود میں موثر ہے اور نہ کوئی معبود ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسم قیوم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قائم بالذات ہے، ہر چیز کی حفاظت کرنے والا ہے اور ہر چیز کو سامان زیست فراہم کرنے والا ہے جیسا کہ اس آیت میں بیان ہوا ہے: اَلَّذِیْۤ اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ○ اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر ہدایت بخشی۔ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۵۰) اس مفہوم کی بنا پر اللہ ہی رب ہے اور وہی رحمٰن ہے۔ وہی رزاق ہے۔ وہی تواب ہے۔

وہی غفار ہے۔ وہی رحیم ہے اور وہی مالک یوم الدین ہے۔ اس کے سوا دیگر اسمائے حسنیٰ سے بھی وہی ذات موسوم ہے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید کے مطالعے کے دوران ہمیں یہ لطیف نکتہ بھی دکھائی دیتا ہے کہ جن افعال وصفات کو لفظ رب سے تعبیر کیا گیا ہے ان ہی صفات و افعال کو لفظ اللّٰہ کی صفات و افعال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً لفظ رب کے اوصاف میں رزاق، تواب، غفور اور رحیم اور اعمال کا بدلہ دینے جیسی صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان ہی صفات کا ذکر اسم اللّٰہ کی صفات میں بھی کیا گیا ہے۔ ویسے تو ایسی کئی آیات ہیں لیکن ہم یہاں صرف چار آیات نقل کرتے ہیں۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۝ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کو وسیع یا تنگ کردیتا ہے۔ ﴿سورۂ رعد: آیت ۲۶﴾ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ بیشک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہے۔ ﴿سورۂ توبہ: آیت ۱۰۴﴾ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ بیشک اللہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ ﴿سورۂ بقرہ: آیت ۱۸۲﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کی بہترین جزا عطا کرے۔ ﴿سورۂ توبہ: آیت ۱۲۱﴾

اس کے علاوہ اسم اللّٰہ کی مخصوص صفات بھی ہیں جیسا کہ آیۃ الکرسی میں مذکور ہے:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ اور قائم بالذات ہے۔ اسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر (کسی کی) سفارش کرسکے۔ جو کچھ ان (لوگوں) کے سامنے ہو رہا ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہو چکا ہے وہ سب جانتا ہے اور یہ (لوگ) اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کرسکتے مگر اسی قدر جس قدر وہ چاہتا ہے۔ اس کی کرسی (علم) آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور اسے ان کی حفاظت تھکا نہیں سکتی۔ وہ بہت بلند اور بہت عظیم ہے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۵۵)

العزیز، الحکیم ، القدیر، السمیع، البصیر، الخبیر، غنیّ حمید ، ذوالفضل العظیم ، واسعٌ علیم اور فعّال لما یشآء ... جیسی خاص صفات الٰہیہ کا منبع و مصدر اسم اللّٰہ ہے۔ عبرانی میں اللّٰہ کا مترادف یہوہ ہے اور الا لٰہ کا مترادف الوہیم ہے۔

اللہ جل شانہٗ کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر محیط ہے۔ آیئے دیکھیں کہ کرسی سے کیا مراد ہے؟

کرسی کا مفہوم

لغت میں کرسی تخت اور علم کو کہا جاتا ہے۔

طبری، قرطبی اور ابن کثیر نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے۔ ہم یہاں طبری کی روایت کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا: کرسیہ علمہ اس کی کرسی سے اس کا علم مراد ہے۔

طبری کہتے ہیں کہ خدا نے فرشتوں کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے: رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا یعنی اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ (سورۂ مومن: آیت ۷)

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے قول کی تصدیق فرمائی: وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ اور یہاں کرسی سے مراد علم ہے۔ یعنی اللہ کا علم آسمانوں اور زمین پر محیط ہے۔

اسی لیے لکھی ہوئی کاپی کو بھی عربی زبان میں کراسۃ اور علماء کو کراسی کہا جاتا ہے مثلاً یہ شعر دیکھیے:

تَحُفُّ بِهِمْ بِيضُ الْوُجُوهِ وَ عُصْبَةٌ

كَرَاسِيُّ بِالْأَحْدَاثِ حِينَ تَنُوبُ

ان کے پاس جو حوادث کے اترنے کا علم رکھتے ہیں رو سفید اور معزز لوگوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔

کراسی بالاحداث سے علماء بحوادث الامور مراد ہیں۔ (طبری کا قول ختم ہوا)

ہم طبری کی تائید کرتے ہوئے اس بات کا اضافہ کرتے ہیں کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ کے اس قول کو نقل فرمایا ہے جو انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا: وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ○ میرا رب اپنے علم سے ہر چیز پر محیط ہے۔ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرو گے؟ (سورۂ انعام: آیت ۸۱)

حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ... ہمارے رب کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ (سورۂ اعراف: آیت ۸۹)

حضرت موسیٰؑ نے سامری سے فرمایا تھا: إِنَّمَا إِلَٰهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا تمہارا معبود تو وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۹۸)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے کسی نے پوچھا کہ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ کا کیا مطلب ہے؟ حضرت نے فرمایا: عِلْمُهُ۔ لفظ کرسی سے اللہ تعالیٰ کا علم مراد ہے۔[1]

ویسے بھی آیت الکرسی میں کرسی کا لفظ علم خدا کے بعد آیا ہے: يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ۔ اس آیت میں يَعْلَمُ اور عِلْمِهِ دو قرائن ایسے موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ سے اس کا علم مراد ہے۔ بعض روایات

۱۔ شیخ صدوق، توحید، ص ۳۲۷، باب معنی قول اللہ عزوجل وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ۔

میں حضرت رسول اکرمؐ سے منقول ہے: کل شیء فی الکرسی یعنی ہر چیز کرسی میں ہے۔ مطلب یہ کہ ہر چیز اللہ کے علم میں ہے۔ عبودیت کی بحث چونکہ اسمائے حسنیٰ کی بحث سے مربوط ہے لہٰذا اس سلسلے میں ہم کچھ معروضات پیش کرتے ہیں۔

عبد اور عبودیت

عَبَدَ عِبَادَةً وَعُبُوْدِيَّةً۔ عبودیت یعنی اطاعت اور عبودیت یعنی اظہار خضوع و تذلل۔ عبادت کے یہ دونوں معنی بیان کیے گئے ہیں۔

سورۂ فاتحہ میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے الفاظ اطاعت کے معنی میں آئے ہیں یعنی ہم تیری اطاعت کرتے ہیں اور نَعْبُدُ کے معنی اطاعت کے اس لئے ہیں کہ یہ لفظ رب العالمین کے بعد آیا ہے اور رب العالمین کی شان کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ وہ اپنے اوامر شرعی سے لوگوں کو ہدایت کرے۔

لفظ عبادت، اطاعت کے معنوں میں حضرت امام جعفر صادقؑ کی اس حدیث میں آیا ہے: مَنْ اَطَاعَ رَجُلاً فِیْ مَعْصِیَةٍ فَقَدْ عَبَدَهٗ یعنی جس نے معصیت میں کسی آدمی کی اطاعت کی تو اس نے اس کی عبادت کی۔[1]

حضرت امام علی رضاؑ فرماتے ہیں: مَنْ اَصْغٰی اِلٰی نَاطِقٍ فَقَدْ عَبَدَهٗ فَاِنْ کَانَ النَّاطِقُ عَنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَقَدْ عَبَدَ اللّٰهَ وَاِنْ کَانَ النَّاطِقُ عَنْ اِبْلِیْسَ فَقَدْ عَبَدَ اِبْلِیْسَ یعنی جس نے کسی بولنے والے کی طرف دھیان دیا تو اس نے اس کی عبادت کی۔ اگر بولنے والا اللہ کی طرف سے ہوگا تو اس نے اللہ کی عبادت کی اور اگر بولنے والا شیطان کی طرف سے ہوگا تو اس نے شیطان کی عبادت کی۔[2]

باشعور مخلوق اپنے ارادے اور اختیار سے عبادت کرتی ہے جبکہ بے شعور مخلوق مسخر ہو کر عبادت کرتی ہے ارشاد باری ہے: اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا یعنی آسمانوں اور زمین میں کوئی ایسا نہیں جو اس کی بارگاہ میں بندہ بن کر حاضر ہونے والا نہ ہو۔ (سورۂ مریم: آیت ۹۳)

یہی مفہوم قرآن مجید کی دیگر آیات میں یوں بیان ہوا ہے: وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِکَةُ وَهُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ ○ تمام جاندار جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں خدا کو سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی۔ اور وہ ذرا غرور نہیں کرتے۔ ﴿سورۂ نحل: آیت ۴۹﴾ وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ○ آسمانوں اور زمین کی سب مخلوق خوشی سے یا ناخوشی سے خدا کو سجدہ کر رہی ہے اور ان کے سائے بھی صبح و شام (سجدہ کرتے ہیں)۔ ﴿سورۂ رعد: آیت ۱۵﴾

۱۔ شیخ کلینی، اصول کافی، ج ۲، ص ۳۹۸۔

۲۔ عیون اخبار الرضاؑ ج ۱، ص ۳۰۳، حدیث ۶۳۔ وسائل الشیعہ ج ۱۸، ص ۹۲۔

عبد کے چار معانی ہیں:

۱۔ عَبۡدٌ بمعنی زرخرید غلام۔ ارشاد الٰہی ہے: ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً عَبۡدًا مَّمۡلُوۡكًا لَّا يَقۡدِرُ عَلٰی شَیۡءٍ... خدا ایک زرخرید غلام کی مثال بیان کرتا ہے جو کسی چیز پر قادر نہیں۔ (سورۂ نحل: آیت ۷۵)

عَبۡدٌ کی جمع عَبِيۡدٌ ہے۔ ایک حدیث رسولؐ میں یہ لفظ غلاموں کے معنی میں آیا ہے۔ آپ نے فرمایا: مَنۡ خَرَجَ اِلَيۡنَا مِنَ الۡعَبِيۡدِ فَهُوَ حُرٌّ یعنی جو غلام ہمارے پاس آئے گا وہ آزاد ہوگا۔[۱]

۲۔ عَبۡدٌ جو پیدائشی بندہ ہو۔ اس کی مثال یہ آیت ہے: اِنۡ كُلُّ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّا اٰتِی الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا یعنی آسمانوں اور زمین میں کوئی ایسا نہیں جو اس کی بارگاہ میں بندہ بن کر حاضر ہونے والا نہ ہو۔ (سورۂ مریم: آیت ۹۳) اس طرح کے عَبۡدٌ کی جمع عَبِيۡدٌ ہے جیسا کہ اس آیت میں آیا ہے: وَاَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ○ بے شک خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ (سورۂ انفال: آیت ۵۱)

۳،۴۔ وہ عبد جو عبادت اور خدمت کی وجہ سے عبد کہلاتا ہو البتہ ایسے عبد کو عابد کہنا زیادہ بلیغ ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں:

(ا) خلوص سے خدا کی عبادت کرنے والا۔ اور اس کی جمع عباد ہے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کی داستان میں آیا ہے: فَوَجَدَا عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَاۤ اٰتَيۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا ○ انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایسے بندے کو پالیا جسے ہم نے اپنی طرف سے رحمت دی تھی۔ (سورۂ کہف: آیت ۶۵)

(ب) ہر وقت دنیا طلبی میں سرگرداں رہنے والا۔ دنیا کے طالب عبد کی جمع عَبِيۡدٌ ہے۔ حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے: تَعِسَ عَبۡدُ الدِّرۡهَمِ وَعَبۡدُ الدِّيۡنَارِ یعنی درہم و دینار کا غلام ہلاک ہوا اور یہ کہ مَنۡ خَرَجَ اِلَيۡنَا مِنَ الۡعَبِيۡدِ فَهُوَ حُرٌّ۔

لوگوں کی ہدایت کے لئے اوامر و نواہی کا حقیقی سرچشمہ رب العالمین ہے۔ جو کوئی اپنے رب کی عبادت اور اطاعت کرے وہ اس کا عابد ہے اور جو کوئی اس سے منہ پھیر کر دوسروں کی عبادت اور اطاعت کرے وہ ان معبودوں کا عابد ہے۔

یہاں تک آپ نے الوہیت اور ربوبیت کی بحث ملاحظہ فرمائی۔ رب العالمین کی ایک صفت یہ ہے کہ اس کائنات کی ہر چیز اس کی مشیت پر عمل پیرا ہے اس لئے اب ہم لفظ مشیت کی بحث پیش کرتے ہیں۔

۱۔ مسند احمد بن حنبل ج ۱، ص ۲۳۸۔

رب العالمین کی مشیت

رب العالمین کی چند صفات میں یعنی ہدایت دینے میں، رزق دینے میں، عذاب دینے میں اور رحمت نازل کرنے میں اس کی مشیت بھی ایک صفت ہے۔

(ا) **لغت میں** شآء، یشآء، مشیئۃ کا مطلب ہے اس نے ارادہ کیا۔ وہ ارادہ کرے گا۔

چونکہ انسان ایک باارادہ مخلوق ہے اس لئے لفظ "مشیت" قرآن میں ان ہی معنوں میں آیا ہے:

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ○ یقیناً یہ (قرآن) عبرت و نصیحت ہے۔ جس کا جی چاہے اپنے رب کے راستے کو اختیار کرے۔ (سورۂ مزمل: آیت ۱۹۔ سورۂ دہر: آیت ۲۹)

یعنی یہ کہ اگر کوئی انسان خدا کے راستے پر چلنا چاہے تو وہ پوری طرح آزاد ہے اور اسے اس کا اختیار حاصل ہے۔ یہی مفہوم سورۂ مدثر کی آیت ۵۵، سورۂ عبس کی آیت ۱۲، سورۂ تکویر کی آیت ۲۸ اور سورۂ کہف کی آیت ۲۹ کے علاوہ دیگر آیات میں بھی بیان ہوا ہے۔

لغت میں مشیت کے معنی ارادہ ہے اس لئے یہ لفظ لغوی معنی میں خدا کی طرف بھی منسوب ہوا ہے۔

۱۔ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ○ کیا تم نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا کہ اس نے سایہ کو کیسے پھیلایا اور اگر وہ چاہتا تو اسے ساکن بھی بنا سکتا تھا۔ (سورۂ فرقان: آیت ۴۵)

۲۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِى النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ○ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ○ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِى الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ○ پس بدبخت دوزخ میں ڈالے جائیں گے جہاں وہ چیختے چلاتے ہوں گے۔ جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں وہ اسی میں رہیں گے مگر یہ کہ تمہارا رب جسے نکالنا چاہے۔ بے شک تمہارا رب جو چاہے کر سکتا ہے۔ اور نیک بخت جنت میں داخل کئے جائیں گے اور جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں وہ وہیں رہیں گے مگر یہ کہ تمہارا رب اس کے خلاف چاہے۔ یہ خدا کی ایک عطا ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگی۔ (سورۂ ہود: آیت ۱۰۶ تا ۱۰۸)

اسی مفہوم کو سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۸۶ اور سورۂ فرقان کی آیت ۵۱ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

پہلی آیت بتاتی ہے کہ چیزوں کا سایہ ان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ ہر چیز کا سایہ خدا کے اختیار میں ہے۔ وہی دوپہر ڈھلنے کے بعد سائے کو مشرق کی طرف پھیلاتا ہے اور آہستہ آہستہ اسے انتہائی طویل بنا دیتا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو اس سائے کو ہمیشہ کے لئے ساکن بھی بنا سکتا تھا۔ چنانچہ سائے کا پھیلاؤ اور اس کی حرکت خدا کی قدرت اور اس کے ارادے سے مربوط ہے، اس کے ارادے سے خارج نہیں۔

دوسری آیت بتاتی ہے کہ دوزخی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور جنتی ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ اہل نار کا ہمیشہ دوزخ میں رہنا اور اہل جنت کا ہمیشہ جنت میں رہنا خدا کی قدرت اور ارادے سے وابستہ ہے۔ اس کے ارادے اور قدرت سے باہر نہیں۔

قرآن کی اصطلاح میں جہاں بھی رزق، ہدایت اور عذاب یا رحمت کے بعد مشیت کا ذکر آیا ہے تو اس سے رزق، ہدایت اور عذاب یا رحمت کے وہ قوانین مراد ہیں جو خدا نے اپنی حکمت سے انسانوں کے لئے بنائے ہیں اور خدا کے بنائے ہوئے قوانین بدلتے نہیں ہیں جیسا کہ خود اس نے بتایا ہے:

۱۔ سُنَّةَ اللهِ ... وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيْلًا ۝ یہ خدا کا قانون ہے اور تم خدا کے قانون میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ (سورۂ احزاب: آیت ۳۸ و ۶۲۔ سورۂ فتح: آیت ۲۳)

۲۔ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللهِ تَحْوِيْلًا ۝ تم خدا کے قانون میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے اور تم خدا کے قانون میں ہرگز کوئی تغیر نہ دیکھو گے۔ (سورۂ فاطر: آیت ۴۳)

(۲) رزق کو بھی قرآن مجید نے خدا کی مشیت کے ساتھ جوڑا ہے۔ مثلاً ارشاد ہے: لَهُ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ آسمانوں اور زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ وہ جس کی چاہتا ہے روزی کھول دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک وہ ہر چیز جانتا ہے۔ ﴿سورۂ شوریٰ: آیت ۱۲﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ اَللهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ اِنَّ اللهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ زمین پر چلنے والے کتنے ہی جاندار ایسے ہیں جو اپنا رزق اٹھائے اٹھائے نہیں پھرتے۔ خدا ان کو بھی رزق دے رہا ہے اور تم کو بھی رزق دے رہا ہے۔ اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا ہے تو یقیناً وہ کہیں گے کہ خدا نے۔ تو پھر یہ کدھر بہکے چلے جا رہے ہیں؟ خدا اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک خدا ہر چیز سے واقف ہے۔ اور اگر تم ان سے

پوچھو کہ آسمان سے پانی برسا کر مردہ زمین کو کس نے زندہ کیا تو یقیناً وہ کہیں گے کہ خدا نے۔ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ ساری حمد خدا کے لئے سزاوار ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ ﴿سورۂ عنکبوت: آیت ۶۰ تا ۶۳﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اور تم جو چیز اس کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا بدلہ ضرور پاؤ گے وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ ﴿سورۂ سبا: آیت ۳۹﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ ... وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ خبردار! اپنے ہاتھ کو نہ تو بالکل باندھ لو (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) اور نہ ہی بالکل کھول دو (کہ سب کچھ دے دو اور آخرکار) خالی ہاتھ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔ بے شک تمہارا رب جس کی روزی چاہتا ہے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے اور ان کو دیکھ رہا ہے۔ غربت کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے ...اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ پھٹکنا مگر اس طریقے سے (اس کے مال میں تصرف کرنا) جو بہترین طریقہ ہے یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائے۔ اور اپنے عہد کو پورا کرو یقیناً عہد کے متعلق پوچھا جائے گا۔ جب (کوئی چیز) ناپ کر دو تو پیمانہ پورا بھرا کرو اور (جب کوئی چیز تول کر دو تو) ترازو سیدھی رکھ کر تولو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی بہت اچھا ہے۔ ﴿سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۲۹ تا ۳۱ و ۳۴ و ۳۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ اے خدا تو ہی مالک الملک ہے۔ تو جس کو چاہے ملک دے اور جس سے چاہے ملک لے لے۔ اور جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کرے۔ ہر طرح کا خیر تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور بے شک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ تو ہی بے جان سے جاندار کو پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان کو پیدا کرتا ہے[☆] اور تو جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ ﴿سورۂ آل عمران: آیت ۲۶ و ۲۷﴾

☆ مثلاً بے جان انڈے سے جاندار کو اور جاندار سے بے جان انڈے کو پیدا کرتا ہے۔

جزائے اعمال کی بحث میں ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ خدا نے روزی کی فراخی کو صلہ رحمی میں مضمر رکھا ہے اور یہ کہ باپ کی نیکی کا بدلہ اولاد کو بھی ملتا ہے جس طرح حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کی داستان میں آیا ہے۔ حضرت خضر نے گرتی ہوئی دیوار اس لئے بلا معاوضہ بنا دی تھی کہ وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔ اس دیوار میں بچوں کے لئے خزانہ دفن تھا۔ بہر نوع صلہ رحمی اور باپ کی نیکی اولاد کے حق میں وسعت رزق کا مؤثر ذریعہ ہے اور یہ دونوں چیزیں رزق کے متعلق رب العالمین کی مشیت کی مظہر ہیں اور یہ رب العالمین کا بنایا ہوا ناقابل تبدیل قانون ہے۔

(۳) **ہدایت** میں رب العالمین کی مشیت کے دو مفہوم قرآن مجید میں دکھائی دیتے ہیں:

۱۔ ہدایت بمعنی تعلیم۔ اس سے انسان کو اسلام کے عقائد اور احکام کی صرف تعلیم مراد ہوتی ہے۔ قرآن مجید اس طرح کی ہدایت کو عموماً انبیائے کرامؑ سے منسوب کرتا ہے کیونکہ خدا نے انہیں عقائد اور احکام کی تبلیغ پر مامور کیا ہے۔ اور کبھی اس طرح کی ہدایت کی نسبت انبیائے کرامؑ کی بجائے براہ راست خدا کی طرف ہوتی ہے کیونکہ انبیائے کرامؑ کو خدا ہی مامور کرتا ہے۔

۲۔ ہدایت بمعنی توفیق۔ اس سے مراد ہے کہ خدا انسان کو اسلام کے عقائد اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ ہدایت کے اس مفہوم کی نسبت صرف خداوند متعال کی طرف دی گئی ہے۔ کبھی تو اسے مشیت الٰہی کے ساتھ اور کبھی ذکر مشیت کے بغیر بیان کیا گیا ہے۔ انشاء اللہ اگلی بحثوں میں اس کی علیحدہ علیحدہ مثالیں بیان کی جائیں گی۔

اس طرح کی ہدایت کے لئے خدا کی طرف سے یہ شرط ہے کہ انسان برضا و رغبت اسلام قبول کرے اور اپنے عمل سے ہدایت کی اس قسم کے لئے صلاحیت کا مظاہرہ کرے۔

(ا) **ہدایت بمعنی تعلیم**: قرآن مجید میں ہدایت بمعنی تبلیغ کی زیادہ تر نسبت انبیائے کرامؑ کی طرف دی گئی ہے مثلاً وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِلَی اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ۝ اور بیشک (اے رسولؐ) آپ صراط مستقیم کی ہدایت کرتے ہیں (یعنی) خدا کے راستے کی طرف جو آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کا مالک ہے۔ آگاہ رہو کہ سب کاموں کی بازگشت خدا ہی کی طرف ہے۔ ﴿سورۂ شوریٰ: آیت ۵۲ و ۵۳﴾ اور کبھی انبیائے کرامؑ کی اس ہدایت کی نسبت خدا نے اپنی طرف دی ہے۔ وہ فرماتا ہے: وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا... ہم نے ان (نبیوں) کو لوگوں کا امام بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے۔ ﴿سورۂ انبیاء: آیت ۷۳﴾ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ... وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا۔ ﴿سورۂ فتح: آیت ۲۸﴾

قرآن مجید میں ہدایت بمعنی تعلیم کی اضافت آسمانی کتابوں کی طرف بھی ملتی ہے مثلاً شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرتا ہے اور اس میں ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور (جو حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے۔ ﴿سورۂ بقرہ: آیت ۱۸۵﴾ وَاَنْزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًی لِّلنَّاسِ اس نے اس سے پہلے توارت اور انجیل کو لوگوں کی ہدایت کے لئے اتارا۔ ﴿سورۂ آل عمران: آیت ۳و۴﴾

قرآن مجید میں ہدایت بمعنی تعلیم کی نسبت خداوند متعال کی طرف بھی دی گئی ہے مثلاً اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ ۝ وَهَدَیْنَاهُ النَّجْدَیْنِ ۝ کیا ہم نے انسان کو دو آنکھیں نہیں دیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ اور ہم نے اسے (خیر و شر کے) دونوں راستے دکھا دیئے۔ ﴿سورۂ بلد: آیت ۸تا۱۰﴾ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَیْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عَلَی الْهُدٰی ۝ اور ہم نے قوم ثمود کو ہدایت دی تھی مگر انہوں نے ہدایت سے آنکھ بند کرلینا (زیادہ) پسند کیا۔ ﴿سورۂ حم السجدہ: آیت ۱۷﴾

قرآن مجید میں ہدایت بمعنی تعلیم کی نسبت خدا کی طرف بھی دی گئی ہے اور انبیائے کرامؑ کی طرف بھی ہدایت تعلیمی خدا کا فرض ہے۔ اس کے بعد یہ انسان کی اپنی ذمے داری ہے کہ وہ اس خدائی ہدایت کو قبول کرتا ہے یا مسترد کرتا ہے۔

(ب) **انتخاب راہ کی آزادی:** خدا نے انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیائے کرامؑ کو مبعوث فرمایا اور ان پر اپنی کتابیں بھی نازل فرمائیں۔ انبیاءؑ کی تبلیغ کے بعد لوگوں کے دو گروہ بن گئے۔ ایک گروہ نے انبیاءؑ کے پیغام کو قبول کیا اور انہوں نے ہدایت کو گمراہی پر ترجیح دی جب کہ دوسرے گروہ نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْآنَ فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَا اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ اور یہ بھی کہ میں قرآن کی تلاوت کروں تو جو شخص ہدایت اختیار کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدے کے لئے اختیار کرتا ہے اور جو شخص گمراہ رہتا ہے تو (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں۔ ﴿سورۂ نمل: آیت ۹۲﴾ قُلْ یَا اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا وَمَا اَنَا عَلَیْکُمْ بِوَکِیْلٍ ۝ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! یقیناً تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق پہنچ چکا ہے تو اب جو کوئی ہدایت اختیار کرے گا وہ اپنے ہی فائدے کے لئے کرے گا اور جو گمراہی اختیار کرے گا تو وہ خود ہی نقصان اٹھائے گا اور میں تمہارا ذمے دار نہیں ہوں۔ ﴿سورۂ یونس: آیت ۱۰۸﴾

یہی مفہوم سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۱۵ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ ہدایت قبول کرنے کے بعد خدا کی طرف سے ہدایت قبول کرنے والے کے لئے توفیق کا مرحلہ آتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: وَیَزِیْدُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ

اهْتَدَوْا هُدًی ○ اور خدا ہدایت حاصل کرنے والوں کو مزید ہدایت دیتا ہے۔ ﴿سورۂ مریم: آیت ۷۶﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ○ اور جو ہدایت قبول کرتے ہیں خدا ان کو مزید ہدایت بخشتا ہے اور تقویٰ عنایت کرتا ہے۔ ﴿سورۂ محمدؐ: آیت ۱۷﴾

جو خوش نصیب انبیاء کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں تو خدا کی توفیق انہیں اپنے دامن میں لے لیتی ہے۔ اس کے برعکس جو بدنصیب انبیاء کی تکذیب کرتے ہیں اور خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں تو انہیں گمراہی گھیر لیتی ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا ہم ضرور انہیں اپنے راستوں کی ہدایت کریں گے اور خدا تو حسن عمل والوں کے ساتھ ہے۔ ﴿سورۂ عنکبوت: آیت ۶۹﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ○ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدَاهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّاصِرِيْنَ ○ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ... اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (جس نے یہ تعلیم دی کہ) خدا کی عبادت کرو اور طاغوت کی پرستش نہ کرو۔ پھر ان میں سے بعض کو خدا نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی۔ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیسا (برا) انجام ہوا۔ (اے رسولؐ) اگرچہ آپ ان (کافروں) کی ہدایت کے خواہاں ہیں مگر خدا جن کو گمراہی میں چھوڑ چکا ہے اب وہ انہیں ہدایت نہیں دے گا اور نہ (قیامت کے دن) ان کا کوئی مددگار ہوگا۔ انہوں نے خدا کی قسم کھا کر (لوگوں کو بہکایا تھا) کہ خدا مرنے والوں کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔ ﴿سورۂ نحل: آیت ۳۶ تا ۳۸﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ ایک گروہ کو تو اس نے ہدایت دی اور ایک گروہ پر گمراہی ثابت ہوگئی۔ ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست بنالیا اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ ﴿سورۂ اعراف: آیت ۳۰﴾

ہدایت کی اس قسم کا تعلق یقیناً مشیت الٰہی سے ہے جیسا کہ اس کی وضاحت پیش کی جائے گی۔

(ج) ہدایت بمعنی توفیق: لفظ ہدایت ایمان اور عمل کی توفیق کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے اور ہدایت کے اس مفہوم کی نسبت خدا کی طرف دی گئی ہے جیسا کہ ان آیات سے واضح ہوتا ہے: وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ خدا جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت (توفیق) دیتا ہے۔ ﴿سورۂ بقرہ: آیت ۱۴۲ و ۲۱۳۔ سورۂ نور: آیت ۴۶۔ سورۂ یونس: آیت ۲۵﴾ ...مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ خدا جس کو چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے صراط مستقیم پر لگا دیتا ہے۔ ﴿سورۂ انعام: آیت ۳۹﴾ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ

(اے رسولؐ) آپ جس کو چاہیں اسے ہدایت (کی توفیق) نہیں دے سکتے بلکہ خدا ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت (کی توفیق) دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بخوبی جانتا ہے۔ ﴿سورۂ قصص: آیت ۵۶﴾

لغوی تشریح

۱۔ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ: سیدھا اور صاف راستا جس میں کسی طرح کی کوئی کجی نہ ہو۔

سورۂ فاتحہ میں ہے کہ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ○ صراط مستقیم ان لوگوں کا راستا ہے جن پر خدا نے اپنی نعمتیں نازل کی ہیں ان کا راستا نہیں جن پر غضب کیا گیا یا جو بھٹکے ہوئے ہیں۔ (سورۂ فاتحہ: آیت ۷)

انعام یافتہ لوگوں کا راستا ہی صراط مستقیم ہے۔ خدا نے سورۂ مریم میں حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس علیہم السلام کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے: أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ... وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا یہ سب وہ انبیاء ہیں جن پر خدا نے اپنی نعمتوں کو نازل کیا تھا... اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی ہے اور منتخب کیا ہے۔ (سورۂ مریم: آیت ۵۸)

انبیاء کی دعوت اور ان کی سیرت صراط مستقیم ہے۔ ویسے تو بہت سی نافرمان قوموں پر خدا کا قہر و غضب نازل ہوا ہے لیکن یہودی مغضوب الخاص ہیں جیسا کہ خدا نے بتایا ہے: وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ○ (آخر) ان پر ذلت و رسوائی اور محتاجی مسلط کردی گئی اور وہ غضب الٰہی میں گرفتار ہوگئے۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ وہ خدا کی آیات کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کردیتے تھے۔ اس لئے کہ یہ سب نافرمان تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۶۱)

سورۂ آل عمران کی آیت ۱۱۲ میں بھی یہی مفہوم بیان ہوا ہے۔

۲۔ ضَالِّينَ: سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے دین اسلام کو قبول نہیں کیا: وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ... وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ○ اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین پیش کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا... اور یہی لوگ گمراہ ہیں۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۸۵ و ۹۰)

۳۔ يَهْدِي: اس کے مفہوم کیلئے "خلق کے لئے رب العالمین کی ہدایت" کی بحث صفحہ ۱۱۵ پر دیکھیں۔

(ی) **عذاب و رحمت** کو قرآن مجید میں کئی مقامات پر رب العالمین کی مشیت سے مربوط بتایا گیا ہے۔

۱۔ وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ قَالَ عَذَابِيْ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۤءُ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ○ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰۤئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ اُولٰۤئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔ ہم تیری طرف رجوع ہو چکے۔ ارشاد ہوا کہ جو میرا عذاب ہے اسے تو جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں اور جو میری رحمت ہے وہ ہر چیز پر وسیع ہے جسے میں عنقریب ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو تقویٰ رکھنے والے، زکوۃ دینے والے اور ہماری آیتوں پر ایمان لانے والے ہیں۔ جو لوگ (محمدؐ) رسول (اللہ) کا جو نبی امیؐ ہیں اتباع کرتے ہیں جن کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال اور ناپاک چیزوں کو ان کے لئے حرام قرار دیتے ہیں۔ اور ان پر سے بوجھ اور طوق (جو ان کی گردنوں میں تھے) اتارتے ہیں۔ تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کا احترام کیا اور ان کی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو ان کے ساتھ نازل ہوا ہے وہی کامیاب ہیں۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۵۶ و ۱۵۷)

۲۔ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ○ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ○ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ○ قَالَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاۤءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ بَلْ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَاۤ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ○ مَاۤ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ○ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْۤ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ○ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَاۤءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ○ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

لوگوں کے لئے حساب کا وقت قریب آپہنچا ہے اور وہ غفلت میں پڑے اس سے روگردانی کئے جا رہے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس ان کے رب کی طرف سے کوئی نئی نصیحت (کتاب) نہیں آتی مگر یہ کہ وہ اسے سن لیتے ہیں اور پھر کھیل تماشے میں لگ جاتے ہیں۔ ان کے دل غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ظالم لوگ چپکے چپکے (آپس میں) کہتے ہیں کہ یہ (شخص) تو تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہے تو تم دیدہ دانستہ اس کے جادو کی لپیٹ میں کیوں آتے ہو۔ (پیغمبر نے) کہا کہ جو بات آسمان اور زمین میں کہی جاتی ہے میرا رب اسے جانتا ہے۔ اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ بلکہ (ظالم) لوگ تو کہتے ہیں کہ یہ (کتاب) خواب پریشاں کا مجموعہ ہے بلکہ اس نے اس کو

اپنی طرف سے اختراع کیا ہے بلکہ یہ شاعری ہے ورنہ یہ بھی ایسی نشانی لے کر ہمارے پاس آتے جیسی نشانیاں دے کر پچھلے پیغمبر بھیجے گئے تھے۔ ان سے پہلے جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا تھا اس بستی کے لوگ ایمان نہیں لاتے تھے تو کیا یہ ایمان لے آئیں گے۔ (اے رسولؐ) ہم نے آپ سے پہلے مرد ہی پیغمبر بنا کر بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے۔ اگر تم نہیں جانتے تو جاننے والوں سے پوچھ لو۔ اور ہم نے ان لوگوں کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ کھانا نہ کھائیں اور ہمیشہ جیتے رہیں۔ پھر ہم نے ان کے بارے میں (اپنا) وعدہ سچ کر دکھایا تو ان کو اور ان کے ساتھ جن کو چاہا بچا لیا اور حد سے گزرنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ بے شک ہم نے تمہاری طرف وہ کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے۔ تو کیا تم نہیں سمجھتے۔ (سورۂ انبیاء: آیت ۵ تا ۱۰)

۳۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَانَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ جو شخص دنیا کا طلبگار ہے ہم اسے جو چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں۔ پھر اس کے بعد اس کے لئے دوزخ ہے جس میں وہ ذلت و رسوائی کے ساتھ داخل ہوگا۔ اور جو شخص آخرت کا خواستگار ہے اور اس کے لئے ویسی ہی کوشش بھی کرتا ہے جیسی کرنی چاہیے اور وہ مومن بھی ہو تو اس کی کوشش ضرور مقبول قرار دی جائے گی۔ ہم آپ کے رب کی عطا سے اِن کی اور اُن کی سب کی مدد کرتے ہیں اور آپ کے رب کی عطا کسی سے رکی ہوئی نہیں۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۱۸ تا ۲۰)

۴۔ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ یہ لوگ صرف دنیا کی نعمتوں کو پسند کرتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بڑے سنگین دن (قیامت) کو چھوڑے ہوئے ہیں... یہ تو ایک نصیحت ہے۔ جس کا جی چاہے اپنے رب کے راستے کو اختیار کرے۔ اور تم لوگ کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر جو خدا کو منظور ہو۔ بے شک خدا جاننے والا حکمت والا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور اس نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔
(سورۂ دہر: آیت ۲۷ تا ۳۱)

رب العالمین کی مشیت کی بحث کے بعد ہم یہ عرض کریں گے کہ محو و اثبات کا اختیار بھی خدا کی صفات میں سے ہے۔

بداء یا لوح محو وثبت

لغت میں بداء کے دو معانی آئے ہیں:

(۱) بَدَا الْاَمْرُ بُدُوًّا وَ بَدَاءً: کوئی کام کھل کر واضح ہو جائے۔

(۲) بَدَا لَهٗ فِی الْاَمْرِ كَذَا: اس نے کسی کام میں سابقہ رائے سے ہٹ کر نئی رائے قائم کی۔

علمائے عقائد کی اصطلاح میں بَدَاءَ اللّٰهُ فِی اَمْرٍ کا مطلب یہ ہے کہ پروردگار کی طرف سے بندوں کے سامنے کوئی ایسا امر آشکار ہو جائے جو پہلے مخفی ہو لہٰذا اگر کوئی اپنی دانست میں بداء اللہ کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ خدا (لاعلمی کی بنا پر) کسی امر کی نسبت اپنی رائے کو بدل کر نئی رائے کا اظہار کرتا ہے تو وہ غلط سمجھتا ہے کیونکہ خدا کے علم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

قرآن میں بداء کا تصور

سورۂ مبارکہ رعد میں ہے: وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ کافر کہتے ہیں کہ اس (پیغمبرؐ) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی؟۔ (سورۂ رعد: آیت ۷ و ۲۷)

اس کے جواب میں رب کائنات نے فرمایا: ... وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ٥ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ٥ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ٥ کسی رسول کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ حکم خدا کے بغیر کوئی نشانی لائے۔ ہر بات کا وقت کتاب میں لکھ دیا گیا ہے۔ خدا جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب (لوح محفوظ) ہے۔ (اے محمدؐ) اگر ہم کوئی عذاب جس کا ان لوگوں سے وعدہ کرتے ہیں تمہیں دکھائیں یا تمہیں اٹھالیں (یعنی تمہارے ہوتے ہوئے یا تمہارے بعد ان پر عذاب بھیجیں) تو تمہارا کام (ہمارے احکام) پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔ (سورۂ رعد: آیت ۳۸ تا ۴۰)

لغوی تشریح

۱۔ آیۃ: لغت میں واضح نشانی کو آیت کہا جاتا ہے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَهٗ آیَۃٌ
تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ

ہر چیز میں اس کی نشانی واضح ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایک ہے۔

انبیائے کرامؑ کے معجزات کو بھی قرآن مجید میں آیات کہا گیا ہے کیونکہ یہ معجزے ان کی صداقت اور خدا کی قدرت کی نشانی تھے مثلاً حضرت موسیٰؑ کا عصا اور حضرت صالحؑ کی اونٹنی۔ (سورۂ شعراء: آیت ۶۷ اور سورۂ اعراف آیت: ۷۳)

کافروں پر جتنے عذاب آئے ہیں انہیں بھی قرآن نے آیت کہا ہے قوم نوحؑ کے بارے میں آیا ہے:
... ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبَاقِیْنَ ○ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً پھر اس کے بعد ہم نے باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔ بے شک اس میں بھی ہماری ایک نشانی ہے۔ (سورۂ شعراء: آیت ۱۲۰ و ۱۲۱)

قوم ہودؑ کے انجام کے بارے میں خداوند متعال فرماتا ہے: فَکَذَّبُوْهُ فَاَهْلَکْنٰهُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً انہوں نے ہود کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ بے شک اس میں بھی ہماری ایک نشانی ہے۔ (سورۂ شعراء: آیت ۱۳۹)

قوم فرعون کے متعلق خداوند متعال فرماتا ہے: فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ پھر ہم نے ان پر سیلاب، ٹڈی دل، جوں، مینڈک اور خون کو واضح نشانی بنا کر بھیجا۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۳۳)

۲۔ اَجَلٌ: کسی چیز یا کام کی مقررہ انتہائی مدت کو اجل کہا جاتا ہے جیسے جآء اجلہ اس کی اجل آ گئی یعنی اس کی موت کا مقررہ وقت آ گیا۔ ضربت لہ اجلاً یعنی میں نے اس کام کا ایک وقت معین کر دیا۔

۳۔ کِتَابٌ: اس لفظ کے کئی معانی ہیں اور یہاں لکھی ہوئی مقدار یا معین چیز مراد ہے۔ لکل اجل کتاب کا مطلب ہے انبیاء کے لئے معجزات کا ایک وقت معین ہوتا ہے۔

۴۔ یَمْحُوْ: محاہ اس نے اسے مٹا دیا، زائل کر دیا، باطل کر دیا یا اس کا اثر ختم کر دیا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: فَمَحَوْنَا اٰیَۃَ الَّیْلِ وَجَعَلْنَا اٰیَۃَ النَّهَارِ مُبْصِرَۃً ہم نے رات کو زائل کر دیا اور دن کو روشن بنا دیا۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۱۲) وَیَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَ یُحِقُّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِهٖ خدا باطل (کے اثرات) کو مٹا دیتا ہے اور اپنی باتوں سے حق کو ثابت کرتا ہے۔ (سورۂ شوریٰ: آیت ۲۴)

تفسیر آیات

مذکورہ آیات میں خداوند عالم نے بتایا ہے کہ کفار قریش نے رسول اکرمؐ سے معجزات طلب کئے تھے۔ ان کے مطالبات سورۂ بنی اسرائیل میں موجود ہیں۔ مثلاً انہوں نے کہا تھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ زمین سے چشمہ جاری کر کے دکھائیں یا آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا کر دکھائیں یا خدا کو اور ملائکہ کو ہمارے روبرو لا کر دکھائیں۔

سورۂ رعد کی آیت ۳۸ میں خدا نے صاف صاف فرمایا ہے: وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ... کسی رسول کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ لوگوں کا من چاہا معجزہ خدا کے حکم کے بغیر لا سکے۔ اور ویسے بھی ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا گیا ہے اور وہ وقت کتاب میں لکھ دیا گیا ہے۔

اس کے بعد والی آیت میں خدا نے استثناء کرتے ہوئے فرمایا ہے: يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ یعنی اس کتاب (محو) میں سے بھی خدا جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے مثلاً رزق، موت، سعادت اور شقاوت[1] کو مٹا دیتا ہے اور جو کچھ اس کتاب (اثبات) میں پہلے سے لکھا ہوا نہیں ہوتا اسے لکھ دیتا ہے۔ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ یعنی اصل کتاب (لوح محفوظ) اسی کے پاس ہے جس میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

اس کے بعد خداوند عالم اپنے حبیبؐ سے فرماتا ہے: وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ یعنی جس عذاب کا ان لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے اگر ہم اس کے چند مناظر آپ کو آپ کی زندگی میں دکھائیں تو یہ بھی ممکن ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ ان لوگوں پر کوئی عذاب نازل ہونے سے قبل ہی ہم آپ کو اس دار دنیا سے اٹھالیں۔ ہر دو صورت میں آپ کو پریشان ہونے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ کیونکہ آپ کے ذمے صرف ہمارا پیغام پہنچانا ہے وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ اور ان سے حساب لینا ہمارے ذمے ہے۔

مقصد یہ ہے کہ خدا کو اپنے بندوں کی سرنوشت بدلنے کا مکمل اختیار حاصل ہے۔ مکتب خلفاء کے علماء کو جو عقیدۂ بداء پر اعتراض کرتے رہتے ہیں طبری، قرطبی اور ابن کثیر کی تفاسیر میں سے يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ... کے ذیل میں وارد اس روایت کو پڑھنا چاہیے۔ مذکورہ تینوں کتب تفسیر کی مذکورہ روایت کا خلاصہ یہ ہے:

حضرت عمر بن خطابؓ طواف کعبہ کے دوران دعا مانگ رہے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنِيْ فِيْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَاَثْبِتْنِيْ فِيْهَا وَاِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنِيْ فِيْ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ وَالذَّنْبِ فَامْحُنِيْ وَاَثْبِتْنِيْ فِيْ اَهْلِ السَّعَادَةِ وَالْمَغْفِرَةِ فَاِنَّكَ تَمْحُوْ مَا تَشَاۗءُ وَتُثْبِتُ وَعِنْدَكَ اُمُّ الْكِتٰبِ خدایا! اگر تو نے میرا نام خوش بختوں میں لکھا ہے تو وہ تحریر لکھی رہنے دے اور اگر تو نے میرا نام بدبختوں اور گنہگاروں میں لکھا ہے تو وہاں

---

[1] لغت میں سعادت کے معنی خوش بختی اور شقاوت کے معنی بدبختی ہیں لیکن علمائے دین کی اصطلاح میں سعادت سے مراد وہ امر ہے جو جنت میں داخلے اور ابدی راحت کا موجب ہو اور شقاوت سے مراد وہ امر ہے جو جہنم میں داخلے اور ابدی عذاب کا موجب ہو یعنی آخرت میں کامران و کامگار کو سعید اور آخرت میں ناکام و نامراد کو شقی کہتے ہیں۔

سے میرا نام مٹا کر مجھے خوش نصیبوں اور نجات پانے والوں میں لکھ دے۔ تو جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور تو جو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے اور تیرے پاس اصل کتاب ہے۔

روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ یہ دعا مانگا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنِيْ فِي السُّعَدَاءِ فَاَثْبِتْنِيْ فِيْهِمْ وَاِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنِيْ فِي الْاَشْقِيَاءِ فَامْحُنِيْ مِنَ الْاَشْقِيَاءِ وَاكْتُبْنِيْ فِي السُّعَدَاءِ فَاِنَّكَ تَمْحُوْ مَا تَشَآءُ وَتُثْبِتُ وَعِنْدَكَ اُمُّ الْكِتَابِ خدایا! اگر تو نے میرا نام خوش بختوں میں لکھا ہے تو میرے نام کو وہاں ثابت رہنے دے اور اگر تو نے میرا نام بد بختوں میں لکھا ہے تو وہاں سے مٹا کر خوش بختوں میں لکھ دے۔ بیشک تو جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے اور تیرے پاس اصل کتاب ہے۔

یہ دعا ابو وائل کے ورد زبان رہتی تھی: اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنَا اَشْقِيَاءَ فَامْحُ وَاكْتُبْنَا سُعَدَاءَ وَاِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنَا سُعَدَاءَ فَاَثْبِتْنَا فَاِنَّكَ تَمْحُوْ مَا تَشَآءُ وَتُثْبِتُ وَعِنْدَكَ اُمُّ الْكِتَابِ خدایا! اگر تو نے ہمارا نام بد بختوں میں لکھا ہے تو وہاں سے ہمارا نام مٹا دے اور خوش بختوں میں لکھ دے اور اگر تو نے ہمارا نام خوش بختوں میں لکھا تو اسے باقی رہنے دے۔ بے شک تو جو چاہتا ہے مٹا کر ختم کر دیتا ہے اور جو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے اور تیرے پاس اصل کتاب ہے۔[1]

بحار الانوار میں ایک دعا ان الفاظ سے مروی ہے: وَاِنْ كُنْتُ مِنَ الْاَشْقِيَاءِ فَامْحُنِيْ مِنَ الْاَشْقِيَاءِ وَاكْتُبْنِيْ مِنَ السُّعَدَاءِ فَاِنَّكَ قُلْتَ فِيْ كِتَابِكَ الْمُنْزَلِ عَلٰى نَبِيِّكَ صَلَوَاتُكَ عَلَيْهِ وَآلِهٖ یعنی پروردگار اگر میرا نام بد نصیبوں میں لکھا ہے تو وہاں سے مٹا دے اور اسے خوش نصیبوں میں لکھ دے کیونکہ تو نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ پر نازل کردہ کتاب میں فرمایا ہے: يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابِ[2]

قرطبی نے محو و اثبات کے اس خدائی اختیار کیلئے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّبْسَطَ لَهٗ فِيْ رِزْقِهٖ وَاَنْ يُّنْسَاَ لَهٗ فِيْ اَثَرِهٖ (اَجَلِهٖ) فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ جسے اپنے رزق کی فراخی اور عمر کی درازی پسند ہو اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کرے۔

دوسری روایت میں یہی مطلب دوسرے لفظوں میں بیان ہوا ہے: مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّمُدَّ اللّٰهُ فِيْ عُمُرِهٖ وَيَبْسُطَ لَهٗ رِزْقَهٗ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ وَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ یعنی جو یہ چاہتا ہو کہ خدا اس کی عمر لمبی اور اس کا رزق کشادہ کر دے تو اسے چاہئے کہ وہ خدا سے ڈرے اور صلہ رحمی کرے۔[3]

۱۔ یہ تینوں دعائیں طبری نے تفسیر آیت کے ذیل میں نقل کی ہیں۔ ابو وائل شقیق بن سلمہ اسدی کوفی کا شمار ثقہ لوگوں میں ہوتا تھا۔ وہ مخضرم تھے یعنی انہوں نے صحابہ اور تابعین کا زمانہ پایا تھا۔ وہ عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں سو برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰، ص ۳۵۴)

۲۔ بحار الانوار ج ۹۸، ص ۱۶۲۔

۳۔ صحیح بخاری ج ۳، ص ۳۴، کتاب الادب، باب ۱۲ و ۱۳۔ صحیح مسلم ص ۱۹۸۲ حدیث ۲۰، ۲۱، باب صلة الرحم۔ مسند احمد بن حنبل ج ۳، ص ۱۵۶، ۲۴۷، ۲۶۶ اور ج ۵، ص ۷۶۔

قرطبی نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ عمر اور اجل میں اضافہ کیسے ہوتا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ خدا نے فرمایا ہے: هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا وَأَجَلٌ مُسَمًّى عِنْدَهُ اس نے تمہیں مٹی سے بنایا پھر تمہارے لئے ایک اجل مقرر کر دی اور اس کے پاس ایک دوسری اجل مقرر ہے۔ (سورۂ انعام: آیت۲) پہلی اجل سے مراد وہ وقت ہے جو انسان کی پیدائش سے لے کر اس کی موت پر محیط ہے اور دوسری اجل سے مراد موت کے بعد سے لے کر قبروں سے اٹھائے جانے تک کا وقفہ ہے (یعنی عالم برزخ) جس کی مدت خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پس جو شخص خدا کا تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صلہ رحمی کرتا ہے تو خدا برزخ کی زندگی میں سے جس قدر چاہتا ہے اس کی دنیاوی زندگی بڑھا دیتا ہے۔ اور جب کوئی شخص خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور قطع رحمی کرتا ہے تو خدا جس قدر چاہتا ہے اس کی دنیاوی زندگی کم کر دیتا ہے اور اتنی ہی مدت کا برزخ کی زندگی میں اضافہ کر دیتا ہے۔[1]

ابن کثیر نے اس استدلال پر یہ اضافہ کیا ہے کہ اس قول کی تائید احمد بن حنبل، نسائی اور ابن ماجہ کی روایت کردہ اس حدیث نبوی سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: إِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ وَلَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ یعنی آدمی گناہ کرنے کے سبب رزق سے محروم ہو جاتا ہے اور دعا کے سوا کوئی چیز تقدیر کا لکھا مٹا نہیں سکتی اور نیکی کے سوا کوئی چیز اس کی عمر بڑھا نہیں سکتی۔[2]

ایک اور حدیث ہے کہ إِنَّ الدُّعَاءَ وَالْقَضَاءَ لَيَعْتَلِجَانِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ یعنی آسمان اور زمین کے درمیان دعا اور قضاء ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے ہیں۔[3]

مکتب خلفاء کے علماء نے اس آیت کے متعلق کچھ اور وجوہات کا بھی ذکر کیا ہے مثلاً یہ کہ اس سے ایک حکم کا محو کرنا اور دوسرے حکم کا ثابت کرنا یعنی نسخ احکام مراد ہے۔

ہم عرض کرتے ہیں کہ اس آیت کو صرف نسخ احکام سے مخصوص کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ آیت عام ہے اور وہ تمام وجوہات کو شامل ہے جیسا کہ قرطبی نے بھی کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں: الآيَةُ عَامَّةٌ فِي جَمِيعِ الْأَشْيَاءِ وَهُوَ الْأَظْهَرُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ یہ آیت تمام چیزوں کے لئے عام ہے اور یہی بات زیادہ واضح ہے۔ واللہ اعلم[4]

قرآن مجید کی آیت يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ کے متعلق طبری اور سیوطی نے ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ يُقَدِّرُ اللّٰهُ أَمْرَ السَّنَةِ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ إِلَّا السَّعَادَةَ وَالشَّقَاوَةَ یعنی اللہ تعالیٰ سعادت اور شقاوت کے سوا شب قدر میں پورے سال کے بھلے برے سب امور کو مقدر کرتا ہے۔[5]

۱و۴۔ تفسیر قرطبی ج ۹، ص ۳۲۹۔۳۳۱۔

۲۔ سنن ابن ماجہ، باب ۱۰، حدیث ۹۰۔

۳۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۵۱۹۔

۵۔ تفسیر طبری ج ۱۳، ص ۱۱۱ اور تفسیر سیوطی۔

اسی آیت کے متعلق آیا ہے کہ خدا کے پاس دو کتابیں ہیں ایک کتاب محو ہے جس سے خدا جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور دوسری کتاب اثبات ہے جس میں جو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے۔[1]

سورۂ یونس میں ارشاد اقدس الٰہی ہے: فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ۝ پس کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان اسے فائدہ پہنچاتا۔ ہاں یونس کی قوم جب ایمان لائی تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ان سے ذلت کا عذاب ہٹا دیا اور ایک مدت تک (فوائد سے) بہرہ مند رکھا۔ (سورۂ یونس: آیت ۹۸)

لغوی تشریح

۱۔ كَشَفْنَا: كَشَفَ عَنْهُ الْغَمَّ اس نے اس سے غم دور کر دیا۔ كَشَفَ الْعَذَابَ یعنی عذاب ہٹا دیا۔

۲۔ اَلْخِزْيُ: خَزِيَ خِزْيًا یعنی ذلیل و رسوا ہوا۔

۳۔ حِيْنٍ: وقت اور مدت۔ اس کے معنی میں قلت یا کثرت کا کوئی دخل نہیں۔

تفسیر آیات

تفسیر قرطبی، تفسیر طبری اور تفسیر مجمع البیان کے بیانات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یونسؑ موصل کے قریب نینوا کی بستی میں ایک بت پرست قوم کے پاس رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ آپ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور بت پرستی سے منع فرمایا۔ اس قوم میں سے ایک عابد اور ایک عالم آپ پر ایمان لائے۔ عابد ہمیشہ آپ کو اپنی قوم کے لئے بددعا کرنے کی ترغیب دیتا تھا لیکن عالم روکتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ آپ ایسا نہ کیجئے کیونکہ خدا آپ کی دعا تو ضرور مستجاب کرے گا لیکن وہ اپنے بندوں کو ہلاک کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔

حضرت یونسؑ نے عابد کے مشورے پر عمل کیا اور اپنی قوم کے لئے بددعا کی۔ خدا نے ان کی دعا قبول کر لی اور بتایا کہ فلاں دن ان کی قوم پر عذاب نازل ہوگا۔ حضرت یونسؑ نے بھی اپنی قوم کو روز عذاب سے باخبر کر دیا۔ چنانچہ جب روز عذاب آیا تو حضرت یونسؑ عابد کو ساتھ لے کر وہاں سے نکل گئے لیکن عالم اپنی قوم میں ہی رہا۔ قوم یونس نے ایک دوسرے سے کہا کہ ہم نے آج تک یونسؑ کو جھوٹ بولتے نہیں سنا۔ دیکھو اگر آج رات وہ یہاں بسر کریں تو سمجھو کہ عذاب نہیں آئے گا اور اگر وہ یہ بستی چھوڑ دیں تو سمجھ لو کہ کل عذاب آ کر رہے گا۔ آدھی رات کے قریب حضرت یونسؑ بستی سے نکل گئے۔ جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا تو انہیں یقین ہو گیا کہ اب ان پر عذاب نازل ہو کر رہے گا۔ چنانچہ وہ گھبرا کر عالم کے پاس پہنچے اور اس سے مشورہ طلب کیا۔ عالم نے ان لوگوں سے کہا کہ تم سب خدا کے حضور توبہ کرو۔ مجھے امید ہے کہ وہ تم پر رحم فرمائے گا اور عذاب ہٹا دے گا۔

۱۔ تفسیر سیوطی ج ۴، ص ۶۵ بحوالہ ابن جریر طبری و حاکم۔ امام حاکم نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

عالم کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے پوری قوم صبح سویرے صحرا میں نکل گئی۔ ماؤں سے ان کے بچے اور جانوروں سے ان کے بچے الگ کردیئے گئے۔ پھر پوری قوم نے گڑگڑا کر خدا سے دعا مانگی اور خلوص دل سے ایمان لانے کا عہد کیا۔ بچے الگ روتے تھے اور مائیں الگ بکاء کرتی تھیں۔ سب یک زبان ہوکر کہتے تھے کہ خدایا! ہم تجھ پر اور تیرے رسول یونسؑ پر ایمان لاتے ہیں۔ آسمان پر عذاب کے بادل نمودار ہوئے مگر وہ مسلسل توبہ وگریہ میں مصروف رہے۔ آخر خدا کی رحمت جوش میں آئی اور عذاب کے بادل چھٹنے لگے اور کچھ دیر بعد مطلع بالکل صاف ہوگیا۔ تب وہ لوگ ہنسی خوشی اپنے گھروں کو لوٹے اور یوں خدا کا یہ فرمان عملی صورت میں پورا ہوا کہ خدا جس فیصلے کو چاہے مٹادے اور اس کی جگہ نیا فیصلہ لکھ دے کہ اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔[1] سچ ہے کہ رحمت حق بہانہ می جوید۔

تفہیم بداء کے لئے یہ دو آیات دیکھئے: وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً اور ہم نے موسیٰؑ کے لئے تیس رات کی میعاد مقرر کی۔ پھر دس راتیں اور بڑھا دیں۔ یوں ان کے رب کی چالیس رات کی میعاد پوری ہوگئی۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۴۲) یہ واقعہ دوسری جگہ یوں بیان ہوا ہے: وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ اور جب ہم نے موسیٰؑ کے لئے چالیس رات کی میعاد مقرر کی تو تم نے ان کے پیچھے بچھڑے کو (معبود) بنالیا اور تم ظالم تھے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۵۱)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے قوم یونسؑ پر عذاب نازل کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن ان لوگوں کی دعا اور توبہ وزاری کی وجہ سے خدا نے ان پر رحم کیا اور عذاب ہٹا دیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ کے لئے تیس رات کی میعاد مقرر تھی مگر خدا نے بعد میں دس راتیں بڑھادیں اور یوں ان کے رب کی مقررہ میعاد تیس کی بجائے چالیس رات میں پوری ہوئی۔

مکتب خلفاء اور بداء

طیالسی، احمد بن حنبل، ابن سعد اور ترمذی نے رسول اکرمؐ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ان کی اولاد دکھائی۔ انہوں نے اپنی اولاد میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کا نور چمک رہا تھا تو انہوں نے پوچھا: پروردگار! یہ کون ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تیرا بیٹا داؤدؑ ہے۔

حضرت آدمؑ نے کہا: پروردگار! اس کی عمر کتنی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ساٹھ سال۔

۱۔ تفسیر مجمع البیان ج ۳، ص ۱۳۵۔ تفسیر قرطبی ج ۸، ص ۳۸۴۔ تفسیر طبری ج ۱۱، ص ۱۱۸۔ تفسیر در منثور ج ۳، ص ۳۱۷۔

حضرت آدمؑ نے کہا: پروردگار! اس کی عمر بڑھا دے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم اپنی عمر میں سے اسے کچھ دے دو تو میں اس کی عمر بڑھا دوں گا۔

حضرت آدمؑ نے کہا: پروردگار! میری عمر کتنی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک ہزار سال۔

حضرت آدمؑ نے کہا: میں اپنی عمر کے چالیس سال اسے دیتا ہوں۔

جب حضرت آدمؑ کا وقت رحلت آیا اور فرشتے ان کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں۔

فرشتوں نے کہا: آپ نے وہ چالیس سال داؤدؑ کو بخش دیئے تھے۔[1]

روایات اہلبیتؑ میں بداء کا تذکرہ

بحارالانوار میں امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: مَا بَعَثَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ نَبِيًّا حَتّٰى يَأْخُذَ عَلَيْهِ ثَلَاثَ خِصَالٍ: اَلْاِقْرَارَ بِالْعُبُوْدِيَّةِ وَخَلْعَ الْاَنْدَادِ وَاَنَّ اللّٰهَ يُقَدِّمُ مَايَشَآءُ وَيُؤَخِّرُ مَايَشَآءُ خدا نے اس وقت تک کسی نبی کو نہیں بھیجا جب تک اس سے ان تین باتوں کا اقرار نہیں لے لیا۔

(۱) عبودیت کا اقرار (۲) باطل خداؤں سے کنارہ کشی کا اقرار (۳) اس بات کا اقرار کہ خدا جو چاہے مقدم کر دے اور جو چاہے مؤخر کر دے۔[2]

دوسری روایت میں اسی تقدیم و تاخیر کو امام جعفر صادقؑ نے محو و اثبات کے لفظوں سے تعبیر فرمایا ہے: مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا قَطُّ حَتّٰى يَأْخُذَ عَلَيْهِ ثَلَاثًا: اَلْاِقْرَارَ لِلّٰهِ بِالْعُبُوْدِيَّةِ وَخَلْعَ الْاَنْدَادِ وَاَنَّ اللّٰهَ يَمْحُوْ مَايَشَآءُ وَيُثْبِتُ مَايَشَآءُ یعنی خدا نے کسی نبی کو اس وقت تک نہیں بھیجا جب تک اس سے تین باتوں کا اقرار نہیں لے لیا:

(۱) اللہ کی عبودیت کا اقرار (۲) باطل خداؤں سے کنارہ کشی کا اقرار (۳) اس بات کا اقرار کہ خدا جو چاہے محو کر دے اور جو چاہے ثبت کر دے۔[3]

تیسری روایت میں محو و اثبات کو لفظ بداء سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مَا تُنُبِّئَ نَبِيٌّ قَطُّ حَتّٰى يُقِرَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى... بِالْبَدَاءِ یعنی کسی نبی کو جس نے خدا کے لئے بداء کا اقرار نہ کیا ہو نبوت سے سرفراز نہیں کیا گیا۔[4]

امام علی رضاؑ نے فرمایا ہے: مَا بَعَثَ نَبِيًّا قَطُّ اِلَّا بِتَحْرِيْمِ الْخَمْرِ وَاَنْ يُقِرَّ لَهٗ بِالْبَدَاءِ یعنی خدا نے جس

۱۔ مسند طیالسی، حدیث ۲۶۹۲۔ مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۱، ۲۹۸، ۳۷۱۔ طبقات ابن سعد مطبوعہ یورپ ج ۱، ق ۱، ص ۸۔۹۔ سنن ترمذی ج ۱۱، ص ۱۹۶۔۱۹۷ در تفسیر سورۂ اعراف۔ بحارالانوار ج ۴، ص ۱۰۲۔۱۰۳ منقول از محمد باقر علیہ السلام۔

۲ و ۳۔ بحارالانوار ج ۴، ص ۱۰۸ بحوالہ توحید شیخ صدوق۔

۴۔ بحارالانوار ج ۴، ص ۱۰۸ بحوالہ المحاسن۔

نبی کو بھی بھیجا اس نے شراب کو حرام قرار دیا اور خدا کے لئے بداء کا اقرار کیا۔[1]

عبداللہ بن مسکان نے امام جعفر صادقؑ سے محو و اثبات کے زمانے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: جب شب قدر آتی ہے تو ملائکہ، روح اور کاتبان اعمال آسمان دنیا پر نازل ہوتے ہیں اور اس سال کے لئے خدا کے تمام فیصلوں کو لکھ لیتے ہیں۔ اس کے بعد اگر خدا کسی فیصلے میں تقدیم و تاخیر یا کمی بیشی کرنا چاہتا ہے تو وہ فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ خدا جسے مٹانا چاہتا ہے مٹا دے اور خدا نے جس امر کا ارادہ کیا ہے اسے ثبت کر دے۔[2]

امام محمد باقرؑ کی ایک حدیث ہے کہ شب قدر میں فرشتے اور کاتبان اعمال آسمان دنیا پر اترتے ہیں اور سال بھر میں بندوں پر گزرنے والے بھلے برے امور لکھ لیتے ہیں۔ یہ تمام امور خدا کی مشیت پر موقوف ہوتے ہیں۔ پھر وہ جس چیز کو چاہتا ہے مقدم کر دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے موخر کر دیتا ہے (مثلاً عمر، رزق، بلائیں بیماریاں وغیرہ) اور يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ کا یہی مفہوم ہے۔[3]

لَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا (جب کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو خدا اسے ہرگز موخر نہیں کرتا۔ سورۂ منافقون: آیت ۱۱) کے متعلق امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: خدا کے پاس ایسی کتابیں ہیں جن میں لوگوں کی موت کا وقت مقرر ہے۔ خدا جس کے لئے چاہتا ہے تقدیم و تاخیر کرتا رہتا ہے۔ جب شب قدر آتی ہے تو خدا آئندہ شب قدر تک کے تمام فیصلے اس رات میں کرتا ہے اور اسی بات کو لَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا میں بتایا گیا ہے۔ آسمانوں میں لکھنے والوں نے شب قدر میں جو لکھا ہوتا ہے وہ حتمی نوشتہ موخر نہیں ہوتا۔[4]

اس باب میں علامہ مجلسی نے حضرت آدمؑ اور حضرت داؤدؑ کی وہ روایت بھی نقل کی ہے جسے ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔[5]

ائمہ اہلبیتؑ کی روایات میں بداء کا یہی مفہوم ہے۔ اگر کوئی معاذ اللہ یہ کہتا ہے کہ خدا لاعلمی کی بنا پر کسی بات کو نہیں جانتا اسی لئے وہ بعد میں اپنی رائے بدل لیتا ہے تو ایسا شخص خدا کے ارفع و اعلیٰ مقام سے ناآشنا ہے۔ ایسا نظریہ رکھنے والوں کی ائمہ اہلبیتؑ نے پرزور مذمت کی ہے۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: مَنْ زَعَمَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَبْدُوْ لَهٗ فِيْ شَيْءٍ لَمْ يَعْلَمْهُ اَمْسِ فَابْرَؤُوْا مِنْهُ جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ خدا کل ایک چیز نہیں جانتا تھا اور اسے آج اس کا علم ہوا ہے تو تم اس سے بیزاری کا اظہار کرو۔[6]

۱۔ بحار الانوار ج ۴، ص ۱۰۸ بحوالہ توحید شیخ صدوق۔
۲۔ بحار الانوار ج ۴، ص ۹۹ بحوالہ تفسیر علی بن ابراہیم قمی۔
۳۔ بحار الانوار ج ۴، ص ۱۰۲ بحوالہ امالی شیخ مفید۔
۴۔ بحار الانوار ج ۴، ص ۱۰۲ بحوالہ تفسیر علی بن ابراہیم قمی۔
۵۔ بحار الانوار ج ۴، ص ۱۰۲ بحوالہ علل الشرائع۔
۶۔ بحار الانوار ج ۴، ص ۱۱۱ بحوالہ اکمال الدین۔

بداء پر اعتقاد کا اثر

اگر عقیدۂ بداء یعنی خدا کے محو و اثبات کے اختیار کا انکار کر دیا جائے تو اس کا نقصان یہ ہے کہ مثلاً اگر ایک شخص یہ عقیدہ رکھے کہ خدا نے اس کا نام خوش بختوں اور سعادت مندوں میں لکھ دیا ہے اس لئے اب وہ جو چاہے گناہ کرتا پھرے اس کی سعادت مندی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اس غلط عقیدے کی وجہ سے لوگوں کو گناہ کرنے کی ترغیب ملے گی۔ اور یہ کہ اگر ایک شخص یہ عقیدہ رکھے کہ خدا نے اس کا نام بدبختوں میں لکھ دیا ہے اور خدا کے لکھے ہوئے کو کوئی مٹا نہیں سکتا تو ایسا شخص خدا کی رحمت سے مایوس ہو جائے گا اور توبہ و استغفار اور اپنی اصلاح نہیں کرے گا۔[1]

اس کے برعکس اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ خدا کے پاس محو و اثبات کا اختیار ہے تو اپنے آپ کو سعادت مند میں سمجھنے والا بھی پھونک پھونک کر قدم رکھے گا کیونکہ اسے ہر وقت یہ خیال رہے گا کہ جس خدا نے اس کا نام سعادت مندوں میں لکھا ہے وہ وہاں سے مٹا کر اس کا نام بدبختوں میں بھی لکھ سکتا ہے۔

☆ شیخ صدوقؒ نے معانی الاخبار میں سلسلۂ رواۃ کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت بیان کی ہے اس میں امام نے فرمایا: جس گناہ سے نعمتوں کو زوال آتا ہے، وہ تکبر ہے۔ جس گناہ کے کرنے پر پچھتانا پڑتا ہے، وہ قتل ہے۔ جس گناہ پر عتاب آتا ہے، وہ ظلم ہے۔ جس گناہ سے پردہ فاش ہو جاتا ہے، وہ شراب نوشی ہے۔ جس گناہ سے رزق بند ہو جاتا ہے وہ زنا ہے۔ جس گناہ سے عمر کم ہو جاتی ہے، وہ قطع رحمی ہے۔ جس گناہ سے دعا قبول نہیں ہوتی وہ والدین کی نافرمانی ہے۔

یہ حدیث ثقۃ الاسلام شیخ کلینیؒ نے بھی روایت کی ہے۔

معانی الاخبار ہی میں ابو خالد کابلی سے روایت کی ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

وہ گناہ جو نعمتوں سے محرومی کا سبب بنتے ہیں، یہ ہیں: لوگوں پر زیادتی کرنا، بھلائی اور احسان کی عادت کو ترک کرنا کفران نعمت اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

وہ گناہ جن پر پچھتانا پڑتا ہے، یہ ہیں: کسی کو بے قصور قتل کرنا، خدا فرماتا ہے: لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے دفن کر دے۔ خدا نے فرمایا: فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ۔ رشتے داروں سے قطع تعلق کرنا یہاں تک کہ وہ خود بھی خیال چھوڑ دیں۔ نماز نہ پڑھنا، یہاں تک کہ نماز کا وقت جاتا رہے۔ وصیت نہ کرنا اور غصب کی ہوئی چیزوں کو نہ لوٹانا۔ زکات ادا نہ کرنا یہاں تک کہ موت آ جائے اور زبان بند ہو جائے۔

وہ گناہ جو عتاب لاتے ہیں، یہ ہیں: ہٹ دھرمی سے صاحب علم کی مخالفت کرنا، لوگوں پر دست درازی کرنا، ان کا مذاق اڑانا اور ان کی تحقیر کرنا۔

وہ گناہ جن سے روزی کم ہوتی ہے، یہ ہیں: اپنے آپ کو محتاج ظاہر کرنا، غروب آفتاب اور صبح کی نماز کے وقت سونا، خدا کی نعمتوں کو حقیر سمجھنا اور اپنے معبود کی شکایت کرنا۔

وہ گناہ جن سے رسوائی ہوتی ہے، یہ ہیں: شراب پینا، جوا کھیلنا، لوگوں کو ہنسانے کے لئے بیہودہ مذاق کرنا، لوگوں کے عیب بیان کرنا اور برے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا۔

اسی طرح سے جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اس کا نام بدبختوں میں لکھا جاچکا ہے تو وہ بھی خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوگا کیونکہ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہوگا کہ خدا کے پاس محو و اثبات کا اختیار ہے اور وہ یہ سوچے گا کہ اگر اس نے توبہ کرلی تو خدا اس کا نام بدبختوں میں سے مٹا کر خوش بختوں میں لکھ دے گا۔

مختصر یہ کہ اگر عقیدۂ بداء کا انکار کردیا جائے تو نیکوکار خدا کے عذاب سے بے خوف ہوجائیں گے اور گنہگار اس کی رحمت سے مایوس ہوجائیں گے۔ پس عذاب الٰہی سے بے خوفی اور رحمت الٰہی سے مایوسی سے بچنے کے لئے عقیدۂ بداء پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔

یہاں تک آپ نے عقیدۂ بداء یعنی خدا کے محو و اثبات کے اختیار کے متعلق پڑھا۔ اب ہم جبر و تفویض کی حقیقت پر گفتگو کریں گے کیونکہ آیات و روایات پر دسترس نہ رکھنے کی وجہ سے مسلمانوں کے ایک فرقے نے انسان کو مجبور محض اور دوسرے فرقے نے آزاد و مطلق سمجھ لیا ہے۔

وہ گناہ جن سے بلائیں آتی ہیں، یہ ہیں: مصیبت زدہ کی پکار نہ سننا، مظلوم کی مدد نہ کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے غفلت برتنا۔

وہ گناہ جن سے دشمنوں کو غلبہ حاصل ہوتا ہے، یہ ہیں: علانیہ ظلم کرنا، کھلم کھلا بدکاری کرنا، ناجائز کو جائز سمجھنا، نیک لوگوں کی مخالفت کرنا، برے لوگوں کا ساتھ دینا۔

وہ گناہ جن سے موت نزدیک آتی ہے، یہ ہیں: رشتے داروں سے بدسلوکی کرنا، بدکاروں کی مدد کرنا، جھوٹ بولنا، زنا کرنا، مسلمانوں کے کاموں میں رکاوٹ ڈالنا، امامت کا جھوٹا دعویٰ کرنا۔

وہ گناہ جو ناامیدی پیدا کرتے ہیں، یہ ہیں: خدا کی عطا سے ناامید ہونا، خدا کی رحمت سے مایوس ہونا، غیر خدا پر بھروسا کرنا، خدا کے وعدے کو جھٹلانا۔

وہ گناہ جو معاشرے میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں، یہ ہیں: جادو، کہانت، نجوم پر یقین کرنا، تقدیر کو جھٹلانا، والدین کی نافرمانی کرنا۔

وہ گناہ جن سے پردہ دری ہوتی ہے، یہ ہیں: ادا کرنے کی نیت کے بغیر قرض لینا، غلط کاموں پر بے دریغ خرچ کرنا بیوی بچوں اور اقرباء پر خرچ میں کنجوسی کرنا، بدمزاجی، بے صبری، گھبراہٹ اور سستی، دیداروں کی بے حرمتی۔

وہ گناہ جن کی وجہ سے دعا قبول نہیں ہوتی، یہ ہیں: بدنیتی، خبث باطنی، بھائیوں سے منافقت، دعا کے قبول نہ ہونے پر یقین رکھنا، فرض نمازوں کا وقت پر ادا نہ کرنا، فضول گوئی اور فحش کلامی کرنا۔

وہ گناہ جن کی وجہ سے بارش نہیں ہوتی، یہ ہیں: حکمرانوں کی ناانصافی، جھوٹی گواہی، سچی گواہی کو چھپانا، زکات، قرض اور ضرورت کی چیزیں نہ دینا، غریبوں کے ساتھ سنگدلی سے پیش آنا، یتیم اور بیوہ پر ظلم کرنا، شام کے وقت سائل کو جھڑکنا اور خالی ہاتھ لوٹا دینا۔

جبر، تفویض اور اختیار

لغت میں جبر کا مفہوم ہے: جَبَرَهٗ عَلَى الْاَمْرِ وَ اَجْبَرَهٗ یعنی کسی کو مجبور کر کے اس سے کوئی کام کرانا۔

علمائے عقائد کی اصطلاح میں جبر کا مفہوم یہ ہے کہ خدا انسان کو اعمال و افعال انجام دینے پر مجبور کرتا ہے خواہ وہ اعمال و افعال اچھے ہوں یا برے نیز یہ کہ ان کی ادائیگی میں انسان کے ارادے اور اختیار کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہ عقیدہ رکھنے والوں کو مجبّرہ کہا جاتا ہے۔ اس عقیدے کے مطابق انسان سے جو فعل سرزد ہوتا ہے وہ ازل سے مقدر ہوتا ہے اور وہ اس فعل کو بجالانے میں مجبور محض (یعنی کٹھ پتلی) ہے۔ اشاعرہ کا (یعنی مکتب خلفاء کے ماننے والوں کی اکثریت کا) یہی عقیدہ ہے۔[1]

لغت میں تفویض کا مفہوم ہے: فَوَّضَ اِلَيْهِ الْاَمْرَ تَفْوِيْضًا یعنی اس نے معاملہ اس کے سپرد کر دیا اور اس کو تصرف کی پوری اجازت دے دی۔

علمائے عقائد کی اصطلاح میں تفویض کا مفہوم یہ ہے کہ خدا نے انسان کو ہر طرح کے اعمال و افعال انجام دینے کی پوری آزادی دے دی ہے چنانچہ وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور ان کے اعمال و افعال میں خدا کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہ عقیدہ رکھنے والوں کو مفوّضہ کہا جاتا ہے۔ معتزلہ کا یہی عقیدہ ہے۔[2]

لغت میں اختیار کا مفہوم ہے: خَيَّرَهٗ یعنی اس نے اسے دو یا دو سے زائد امور میں سے چناؤ کا اختیار دے دیا۔

علمائے عقائد کی اصطلاح میں اختیار کا مفہوم یہ ہے کہ خدا نے انبیاء و مرسلین کی وساطت سے انسانوں کو بعض اعمال و افعال بجالانے اور بعض اعمال و افعال سے باز رہنے کا حکم دیا ہے۔ خدا نے امرونہی سے قبل انسانوں کو اعمال و افعال بجالانے کی قوت اور ارادہ دیا ہے اور ان کو اعمال و افعال بجالانے یا ترک کرنے کا اختیار بھی دیا ہے۔ وہ کسی کو کوئی فعل انجام دینے یا انجام نہ دینے پر مجبور نہیں کرتا۔ (امامیہ شیعوں کا یہی عقیدہ ہے)۔

۱و۲۔ اشاعرہ اور معتزلہ کی تعریف کے لئے شہرستانی کی کتاب الملل والنحل کا مطالعہ کریں۔

قضاء وقدر

قضاء وقدر کا اطلاق چند معانی پر ہوتا ہے۔ ان میں سے کچھ کا تعلق ہماری اس بحث سے ہے۔

قضاء کا مفہوم

۱۔ قضاء بمعنی فیصلہ۔ قرآن کہتا ہے: اِنَّ رَبَّکَ یَقۡضِیۡ بَیۡنَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فِیۡمَا کَانُوۡا فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ تیرا رب قیامت کے دن ان کے باہمی اختلافات کا فیصلہ کردے گا۔ (سورۂ یونس: آیت ۹۳۔ سورۂ جاثیہ: آیت ۱۷)

اس آیت میں قضاء کے معنی "فیصلہ" ہے۔

۲۔ قضاء بمعنی خبر دینا۔ قرآن کہتا ہے: وَقَضَیۡنَاۤ اِلَیۡہِ ذٰلِکَ الۡاَمۡرَ اَنَّ دَابِرَ ہٰۤؤُلَآءِ مَقۡطُوۡعٌ مُّصۡبِحِیۡنَ اور ہم نے اسے یہ بات بتادی کہ صبح ہوتے ہی اس قوم کی جڑیں تک کاٹ دی جائیں گی۔ (سورۂ حجر: آیت ۶۶)

اس آیت میں قضاء کے معنی "خبر دینا" ہے۔

۳۔ قَضَی اللّٰہُ الشَّیۡءَ، بِہٖ یعنی کوئی چیز واجب کرنا۔ قرآن کہتا ہے: وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ تمہارے رب نے حکم دے دیا ہے اور اس نے واجب کردیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۲۳)

۴۔ قَضَی اللّٰہُ الۡاَمۡرَ اَوِ الشَّیۡءَ یعنی خدا نے اس کام یا چیز کے بارے میں ارادہ کیا۔ قرآن کہتا ہے: وَاِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ○ جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ ہوجا پس وہ ہوجاتا ہے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۱۷)

۵۔ قضاء بمعنی مقرر کرنا۔ قرآن کہتا ہے: ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ○ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تمہاری زندگی کا ایک وقت مقرر کردیا۔ (سورۂ انعام: آیت ۲)

قدر کا مفہوم

قَدَرَ عَلَی الشَّیۡءِ اَوِ الۡعَمَلِ یعنی کسی چیز یا کام کی قدرت رکھنا۔ اسی سے قادر اور قدیر مشتق ہیں مثلاً

۱۔ اَوَلَيۡسَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنۡ يَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ ؕ بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ ان کو پھر ویسے ہی پیدا کردے۔ (سورۂ یٰس: آیت ۸۱)

۲۔ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمۡعِهِمۡ وَاَبۡصَارِهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ؕ اور اگر خدا چاہے تو ان کی سماعت و بصارت کو بھی ختم کرسکتا ہے بے شک خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۰)

یعنی وہ ہر اس کام پر قدرت رکھتا ہے جو اس کی حکمت کا تقاضا ہو۔

قَدَرَ یعنی تنگ کرنا۔

قَدَرَ الرِّزْقَ عَلَيْهِ وَيَقْدِرُ کا مطلب ہے روزی تنگ کرنا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

۱۔ قُلۡ اِنَّ رَبِّىۡ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ کہہ دیجئے کہ بے شک میرا رب جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ کردیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کردیتا ہے۔ (سورۂ سبا: آیت ۳۶)

۲۔ قَدَرَ اللّٰهُ الْاَمْرَ بِقَدْرِهٖ خدا نے کسی امر کی تدبیر کی اور اس کے وقوع کا ارادہ کیا۔ سورۂ مرسلات میں ہے:
فَقَدَرۡنَا ۖ فَنِعۡمَ الۡقٰدِرُوۡنَ یعنی ہم نے تدبیر کی اور ہم بہترین تدبیر کرنے والے ہیں۔ (آیت ۲۳)

قَدَّرَ

۱۔ قَدَّرَ اللّٰهُ الْاَمْرَ یعنی اللہ نے ایک امر کا حکم دے دیا اور فیصلہ کردیا جیسا کہ زوجہ لوطؑ کے متعلق فرمایا:
فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗۤ اِلَّا امۡرَاَتَهٗ قَدَّرۡنٰهَا مِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ ہم نے لوطؑ اور ان کے گھر والوں کو نجات دی سوائے ان کی بیوی کے جس کیلئے ہم نے فیصلہ کردیا تھا کہ وہ ہلاک شدگان میں سے ہوگی۔ (سورۂ نمل: ۵۷)

۲۔ قَدَّرَ فِى الْاَمْرِ یعنی ٹھہر ٹھہر کر کوئی کام کرنا جیسا کہ خدا نے حضرت داؤدؑ سے فرمایا:
وَّقَدِّرۡ فِى السَّرۡدِ (زرہیں بناؤ) اور ان کی کڑیوں کو ٹھہر ٹھہر کر جوڑو۔ (سورۂ سبا: آیت ۱۱)

اَلْقَدَرُ

۱۔ قَدَرٌ، مقدار اور کمیت کو کہا جاتا ہے جیسا کہ فرمان خداوندی ہے:
وَاِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ؕ اور ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ان کو مناسب مقدار میں نازل کرتے رہتے ہیں۔ (سورۂ حجر: آیت ۲۱)

۲۔ قَدَرُ الشَّىْءِ زَمَانُهٗ وَمَكَانُهٗ کسی چیز کا زمان اور مکان۔ فرمان الٰہی ہے:
اَلَمۡ نَخۡلُقْكُّمۡ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ ۙ فَجَعَلۡنٰهُ فِىۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ ۙ اِلٰى قَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ۙ کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے نہیں پیدا کیا؟ پھر اس (نطفے) کو محفوظ جگہ (یعنی رحم مادر) میں رکھا۔ ایک معینہ مدت تک۔
(سورۂ مرسلات: آیت ۲۰ تا ۲۲)

۳۔ قَدَرُ اللّٰهِ۔ اس سے مخلوق کے متعلق خدا کی حتمی قضاء اور اس کا مبرم حکم مراد ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَکَانَ اَمْرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ○ جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کے بارے میں بھی خدا کا یہی دستور رہا ہے اور خدا کا حکم محکم و مبرم ہوتا ہے۔(سورۂ احزاب: آیت ۳۸)

ہم سمجھتے ہیں کہ قضاء اور قدر کے معنوں کی کثرت کے سبب یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی میں جو کچھ عمل کرتا ہے وہ سب قضاء و قدر کے تحت ہوتا ہے اور اس کی زندگی کے تمام اعمال کا فیصلہ اس کی پیدائش سے پہلے ہو چکا ہوتا ہے۔ احادیث میں مجبّرہ اور مفوّضہ دونوں کے لئے قدریہ کا لفظ آیا ہے۔[1] قَدَرَ دو متضاد معانی میں استعمال ہوتا ہے جیسے قُرْءٌ دو متضاد معانی کا حامل ہے۔ قُرْءٌ کا ایک معنی حیض ہے اور ایک معنی اس کے بالکل برعکس یعنی حیض سے پاک ہونا ہے۔ یہاں ہم مجبّرہ اور مفوّضہ کے سوالات و جوابات میں الجھے بغیر چند احادیث نقل کرتے ہیں جن میں ان کے سوالوں کے جوابات بھی موجود ہیں۔

قضاء و قدر پر ائمہ اہلبیتؑ کی روایات

(۱) شیخ صدوقؒ نے کتاب ''توحید'' میں اپنی اسناد کے ساتھ امام حسن مجتبیٰ (ع) سے اور ابن عساکر نے ''تاریخ دمشق'' میں اپنی اسناد کے ساتھ ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ توحید صدوق میں ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام (ایک دن جنگ صفین کے بعد کوفہ میں تشریف فرما تھے) کہ ایک عراقی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا: یا امیر المومنین! کیا ہمارا اہل شام سے لڑنے کے لئے جانا قضاء و قدر سے تھا؟

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ہاں! اس سفر کے دوران تم جس ٹیلے پر چڑھے اور جس وادی میں اترے وہ سب قضاء و قدر کے موافق تھا۔ اس نے کہا: پھر تو ہمیں کوئی ثواب نہیں ملا۔ یہ سن کر امیر المومنینؑ نے فرمایا: تم نے ایسا کیوں سمجھ لیا؟ اس عراقی نے کہا: اگر قضاء و قدر کے فیصلوں سے مجبور ہو کر ہم نے یہ سب کچھ کیا تو پھر اطاعت پر ثواب نہیں اور معصیت پر عذاب نہیں۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا: شاید تم نے سمجھ لیا ہے قضاء و قدر نے حتمی اور لازمی فیصلہ کر دیا ہے (جیسا کہ مجبرہ سمجھتے ہیں)۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر ثواب اور عذاب، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، زجر و توبیخ اور وعدہ وعید کا کچھ مطلب نہ ہوتا۔ کوئی بدکار قابل ملامت اور کوئی نیکوکار قابل تعریف نہ ہوتا۔ نیکوکار، بدکار سے زیادہ قابل ملامت بن جاتا اور بدکار، نیکوکار سے زیادہ قابل تعریف ٹھہرتا۔ یہ قول ہے بت پرستوں، خدا کے دشمنوں، اس امت کے قدریوں اور مجوسیوں کا۔ اے شخص! یاد رکھ خدا نے جن کاموں کا حکم دیا ہے انسان کو ان کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار بھی دیا ہے اور جن کاموں سے منع کیا ہے ان کا نقصان بھی بتا دیا ہے۔ اس نے انسان کو آسان کاموں کا مکلف ٹھہرایا ہے اور تھوڑے عمل پر بہت زیادہ ثواب بتلایا ہے۔ نہ کوئی خدا کی نافرمانی پر مجبور ہے اور نہ کسی پر خدا کی اطاعت کے لئے زبردستی ہے۔ خدا نے آسمانوں کو، زمین کو اور جو

۱۔ بحار الانوار ج ۵، ص ۵۔

کچھ ان کے درمیان ہے بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ یہ تو کافروں کا گمان ہے اور ان کافروں کی تو دوزخ میں شامت آجائے گی۔

حضرت علیؑ کی یہ گفتگو سن کر اس شخص نے کہا: اے امیر المومنینؑ! آپ نے میرا غم زائل کر دیا۔ خدا آپ سے غموں کو دور رکھے۔ اس کے بعد وہ شخص کھڑا ہوا اور اس نے فی البدیہہ یہ اشعار کہے:

اَنْتَ الْاِمَامُ الَّذِیْ نَرْجُوْ بِطَاعَتِهٖ ۔۔۔ یَوْمَ النَّجَاةِ مِنَ الرَّحْمٰنِ غُفْرَانًا

اَوْضَحْتَ مِنْ دِیْنِنَا مَاکَانَ مُلْتَبِسًا ۔۔۔ جَزَاکَ رَبُّکَ عَنَّا فِیْهِ اِحْسَانًا

فَلَیْسَ مَعْذِرَةٌ فِیْ فِعْلِ فَاحِشَةٍ ۔۔۔ قَدْ کُنْتُ رَاکِبَهَا فِسْقًا وَ عِصْیَانًا

آپ وہ امام ہیں کہ آپ کی اطاعت کی وجہ سے ہم قیامت کے دن خدائے رحمٰن کی بخشش کے امیدوار ہیں۔ آپ نے ہمارے لئے دین کا وہ مسئلہ واضح کر دیا جو ہم پر مشتبہ تھا۔ خدا آپ کو ہماری طرف سے اس نیکی کا بدلہ عطا فرمائے۔ فعل بد پر کوئی عذر نہیں تراشا جا سکتا کیونکہ گناہ کا فعل خود انسان سے سرزد ہوتا ہے۔[1]

(۲) حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: اِنَّ النَّاسَ فِی الْقَدَرِ عَلٰی ثَلَاثَةِ اَوْجُهٍ: رَجُلٌ یَزْعَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَجْبَرَ النَّاسَ عَلَی الْمَعَاصِیْ فَهٰذَا قَدْ ظَلَمَ اللّٰهَ فِیْ حُکْمِهٖ فَهُوَ کَافِرٌ وَرَجُلٌ یَزْعَمُ اَنَّ الْاَمْرَ مُفَوَّضٌ اِلَیْهِمْ فَهٰذَا قَدْ اَوْهَنَ اللّٰهَ فِیْ سُلْطَانِهٖ فَهُوَ کَافِرٌ وَرَجُلٌ یَزْعَمُ اَنَّ اللّٰهَ کَلَّفَ الْعِبَادَ مَا یُطِیْقُوْنَ وَلَمْ یُکَلِّفْهُمْ مَا لَا یُطِیْقُوْنَ وَاِذَا اَحْسَنَ حَمِدَ اللّٰهَ وَاِذَا اَسَاءَ اسْتَغْفَرَ اللّٰهَ فَهٰذَا مُسْلِمٌ بَالِغٌ۔

لوگوں کے نزدیک قدر کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی صورت میں آدمی سمجھتا ہے کہ خدا نے لوگوں کو گناہوں پر مجبور کیا ہے۔ اس آدمی نے خدا کو اس کے فیصلے میں ظالم قرار دیا ہے۔ پس وہ کافر ہے۔ دوسری صورت میں آدمی سمجھتا ہے کہ تمام معاملات لوگوں کے سپرد کر دیئے گئے ہیں۔ ایسے شخص نے خدا کی حکومت میں (سے خدا کو بے دخل کر کے اس کی) توہین کی ہے۔ پس وہ کافر ہے۔ تیسری صورت میں آدمی سمجھتا ہے کہ خدا نے اپنے بندوں کو ان ہی کاموں کا مکلف ٹھہرایا ہے جن کی وہ طاقت رکھتے ہیں اور ان کاموں کا مکلف نہیں ٹھہرایا ہے جو ان کے بس سے باہر ہیں۔ اور جب اس سے کوئی اچھائی ہوتی ہے تو خدا کی تعریف کرتا ہے اور جب اس سے کوئی برائی ہو جاتی ہے تو اس سے معافی مانگتا ہے۔ یہ آدمی بالیدہ مسلمان ہے۔[2]

۱۔ شیخ صدوق، توحید ص ۳۸۰۔ تاریخ دمشق از ابن عساکر ج ۳، ص ۲۳۱ تحقیق۔ شیخ محمودی

۲۔ شیخ صدوق، توحید، ج ۲، ص ۳۶۰۔۳۶۱۔

☆ حضرت امیرؑ اور عراقی کا یہ مکالمہ اصول کافی ج ۵، ص ۲۱۵، مطبوعہ انتشارات علمیہ اسلامیہ تہران میں بھی موجود ہے البتہ دوسرا شعر یوں تحریر ہے: اَوْضَحْتَ مِنْ اَمْرِنَا مَاکَانَ مُلْتَبِسًا ۔۔۔ جَزَاکَ رَبُّکَ بِالْاِحْسَانِ اِحْسَانًا

ڈاکٹر نیاز فتح پوری، مدیر نگار لکھنؤ نے اپنی کتاب "من ویزداں" میں حضرت امیرؑ کے اسی قول سے مسئلہ قضاء و قدر کو سمجھایا ہے۔

(۳) حضرت امام علی رضاؑ فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَمْ یُطَعْ بِاِکْرَاهٍ وَلَمْ یُعْصَ بِغَلَبَةٍ ، وَلَمْ یُهْمِلِ الْعِبَادَ فِی مُلْکِهٖ ، هُوَ الْمَالِکُ لِمَا مَلَّکَهُمْ وَالْقَادِرُ عَلٰی مَا اَقْدَرَهُمْ عَلَیْهِ فَاِنِ ائْتَمَرَ الْعِبَادُ بِطَاعَتِهٖ لَمْ یَکُنِ اللّٰهُ مِنْهَا صَادًّا ، وَلَا مِنْهَا مَانِعاً ، وَاِنِ ائْتَمَرُوا بِمَعْصِیَتِهٖ فَشَاءَ اَنْ یَحُوْلَ بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ ذَالِکَ فَعَلَ وَاِنْ لَمْ یَحُلْ وَفَعَلُوْهُ فَلَیْسَ هُوَ الَّذِیْ اَدْخَلَهُمْ فِیْهِ یعنی خدا نہ کسی سے زبردستی اطاعت کراتا ہے نہ کسی نے گناہ کرکے خدا پر غلبہ پالیا ہے نہ خدا اپنی سلطنت میں بندوں سے لاتعلق ہوگیا ہے۔ اس نے بندوں کو جن چیزوں کا مالک بنایا ہے دراصل وہ خود ان کا مالک ہے اور جن کاموں کی اس نے بندوں کو طاقت بخشی ہے وہ خود اس پر قدرت رکھتا ہے۔ اگر بندے اس کی اطاعت کریں تو اس کی طرف سے کوئی رکاوٹ اور ممانعت نہیں۔ جب بندے اس کی نافرمانی کرتے ہیں تو وہ بندوں کے اور ان کی نافرمانی کے بیچ حائل ہونا چاہے تو ہوسکتا ہے لیکن اگر وہ حائل نہ ہو اور لوگ نافرمانی کریں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اسی نے لوگوں کو نافرمانی کی طرف دھکیلا ہے۔[۱]

امام علیہ السلام کے فرمان کا ماحصل یہ ہے کہ اطاعت کرنے والا اطاعت پر مجبور نہیں اور معصیت کرنے والا خدا کی مشیت پر غالب نہیں۔ خدا کی مشیت یہ ہے کہ انسان اپنے افعال میں بااختیار ہو۔

امام علی رضاؑ فرماتے ہیں: یَا ابْنَ آدَمَ ! بِمَشِیَّتِیْ کُنْتَ اَنْتَ الَّذِیْ تَشَاءُ لِنَفْسِکَ مَا تَشَاءُ ، وَبِقُوَّتِیْ اَدَّیْتَ فَرَائِضِیْ ، وَبِنِعْمَتِیْ قَوِیْتَ عَلٰی مَعْصِیَتِیْ ، جَعَلْتُکَ سَمِیْعًا ، بَصِیْرًا ، قَوِیًّا ، مَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِکَ اے فرزند آدمؑ! تو اپنے لئے جو کچھ چاہتا ہے تو تیرا یہ چاہنا میری ہی بخشی ہوئی مشیت سے ہے۔ اور میری ہی بخشی ہوئی قوت سے ہی تو نے میرے فرائض ادا کئے اور میری ہی نعمت کی وجہ سے تجھے نافرمانی کی قوت ملی۔ میں نے تجھے سننے والا، دیکھنے والا اور قوت رکھنے والا بنایا ہے۔ تجھے جو اچھائی ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ہے اور تجھے جو بھی برائی پہنچتی ہے وہ خود تیری اپنی پیدا کردہ ہے۔[۲]

ایک اور روایت میں ہے کہ تو نے میری دی ہوئی قوت سے میری نافرمانی کی ہے۔[۳]

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: لَا جَبْرَ وَلَا تَفْوِیْضَ وَلٰکِنْ اَمْرٌ بَیْنَ اَمْرَیْنِ یعنی (انسانی اعمال میں) نہ جبر ہے نہ تفویض بلکہ معاملہ ان دونوں کے درمیان ہے۔

راوی نے پوچھا کہ مولا! اَمْرٌ بَیْنَ اَمْرَیْنِ سے کیا مراد ہے؟ تو امامؑ نے فرمایا: اس کی مثال یوں سمجھو کہ تم نے ایک شخص کو برائی کرتے ہوئے دیکھا تو اسے برائی سے منع کیا لیکن وہ تمہارے کہنے پر برائی سے باز نہ آیا چنانچہ تم نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور اس نے برائی کا ارتکاب کیا۔ اب جو تم نے نصیحت قبول نہ

۱۔ شیخ صدوق، توحید ص ۳۶۱۔

۲۔ شیخ صدوق، توحید ص ۳۳۰۔ ۳۴۳۔ ۳۶۲۔ اصول کافی ج ۱، ص ۱۶۰۔

۳۔ شیخ صدوق، توحید ص ۳۶۲۔

کرنے پر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ تم نے اسے برائی کا حکم دیا۔[1]

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: جس بات پر تم کسی شخص کو ملامت کرسکو وہ فعل اس کی طرف سے ہے اور جس بات پر تم کسی کو ملامت نہ کرسکو وہ فعل خدا کی طرف سے ہے۔

يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِلْعَبْدِ لِمَ عَصَيْتَ ؟ لِمَ فَسَقْتَ ؟ لِمَ شَرِبْتَ الْخَمْرَ ؟ لِمَ زَنَيْتَ ؟ فَهٰذَا فِعْلُ الْعَبْدِ وَلَا يَقُوْلُ لَهٗ لِمَ مَرِضْتَ ؟ لِمَ قَصُرْتَ ؟ لِمَ ابْيَضَضْتَ ؟ لِمَ اسْوَدَدْتَ ؟ لِاَنَّهٗ مِنْ فِعْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى

یعنی خدا بندے سے کہے گا کہ تو نے گناہ کیوں کیا؟ تو نے نافرمانی کیوں کی؟ تو نے شراب کیوں پی؟ تو نے زنا کیوں کیا؟ یہ بندے کے فعل ہیں اور خدا یہ نہیں کہے گا کہ تو بیمار کیوں ہوا؟ تو ٹھگنا کیوں تھا؟ تو گورا کیوں تھا؟ تو کالا کیوں تھا؟ اس لئے کہ یہ خدا کے فعل ہیں۔[2]

جبر و تفویض کے دو پہلو

(۱) ایسی جبر و تفویض جس کا تعلق اللہ کی صفات سے ہے۔

(۲) ایسی جبر و تفویض جس کا تعلق انسان کی صفات سے ہے۔

جس کا تعلق اللہ کی صفات سے ہے تو انبیاء اور اوصیاء کی وساطت سے ہمیں اس پر عقیدہ رکھنا چاہئے۔

اور جس کا تعلق انسان کی صفات سے ہے مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ "تیری مرضی تو یہ کرے یا نہ کرے" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مخاطب کے پاس مذکورہ کام کرنے یا نہ کرنے کا اختیار موجود ہے۔

ہم پہلے تفصیل سے بتا چکے ہیں کہ انسان کی حرکت ستاروں اور سیاروں کی حرکت کی طرح غیر اختیاری نہیں ہے۔ ستارے، سیارے اور کہکشائیں اپنی حرکت میں تسخیری ہدایت کے مطابق رواں دواں ہیں لیکن انسان عقل و شعور رکھتا ہے لہٰذا اسے بے جان اشیا کی طرح سے تقدیر کا پابند نہیں بنایا گیا بلکہ اسے اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسے بہت سے اختیارات دے کر اس جہان میں بھیجا گیا ہے۔ البتہ اس کے اختیارات کی بھی ایک حد ہے اور حد سے زیادہ اس کے پاس اختیار نہیں ہے۔ جہاں اسے بہت سے اختیارات دیئے گئے ہیں وہاں اسے اپنی ذات کے اور دوسرے تمام مسخرات کے اختیارات نہیں دیئے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، اسے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بخشی اور حق و باطل میں تمیز کرکے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار دیا۔ پھر جیسے ہی انسان عقل سلیم اور کچھ اختیارات لے کر دنیا میں آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی رہنمائی کے لئے انبیاء بھیجے جنہوں نے اسے یہ بتایا کہ حق پر ایمان لانے کا طریقہ کیا ہے اور اس کے کون سے افعال اس کے لئے مفید یا مضر ہیں۔ اب اگر کوئی انبیاء کی دعوت پر لبیک کہے اور صراط مستقیم پر چلنا شروع

۱۔ شیخ صدوق، توحید، ص ۳۶۲۔ اصول کافی ج ۱، ص ۱۶۰۔ ۲۔ طرائف۔

کرے تو توفیق الٰہی اس کے شامل حال ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی سنت اور حکمت کے مطابق جس کے لئے چاہتا ہے دنیا و آخرت میں اس کے اعمال کا اجر سات سو گنا بڑھا دیتا ہے۔

ہم نے انسان اور دنیا کے حوالے سے ایک مثال پیش کی تھی کہ یہ دنیا "سیلف سروس ریستوراں" کی مانند ہے جہاں ہر طرح کے طباق سجے ہوئے ہیں اور مومن و کافر دونوں ہی اس خدائی ریستوراں سے مستفید ہو رہے ہیں البتہ مومن اس ریستوراں میں بیٹھ کر مفید غذاؤں کا انتخاب کر رہا ہے جبکہ کافر اپنے لئے مضر غذاؤں کا چناؤ کر رہا ہے۔ بہرنوع جہاں تک چناؤ کا تعلق ہے تو دونوں ایک ہی ریستوراں سے اپنی اپنی پسند کی چیزوں کا چناؤ کر رہے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے: كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ○ ہم اِن کو اور اُن کو سب کو آپ کے رب کی بخشش سے مدد کرتے ہیں اور آپ کے رب کی بخشش (کسی مومن یا کافر سے) رکی ہوئی نہیں۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۲۰)

اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو فکری اور جسمانی طاقت عطا نہ کرتا اور ان کے لئے بہت سی اشیا کو مسخر نہ کرتا تو بندۂ مومن عمل صالح نہ کر سکتا اور کافر غلط کام نہ کر سکتا تھا اور اگر اللہ تعالیٰ اپنی بخشی ہوئی عقل اور صحت جیسی نعمت کو ایک لمحے کے لئے چھین لے تو کوئی کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کائنات میں انسان جو عمل کر رہا ہے وہ خدا ہی کی بخشی ہوئی قوت سے کر رہا ہے۔ خدا نے ہر چیز انسان کے سپرد نہیں کی ہے (جیسا کہ مفوضہ کہتے ہیں) اور نہ اسے کسی فعل پر مجبور کیا ہے (جیسا کہ مجبرہ کہتے ہیں) بلکہ معاملہ ان دونوں کے درمیان ہے۔ اَلْاَمْرُ بَیْنَ الْاَمْرَیْنِ کا یہی مطلب ہے۔ انسانی افعال کے متعلق مشیت اور سنت خداوندی کا یہی مفہوم ہے اور سنت خداوندی میں ہرگز تبدیلی نہیں ہوتی۔

چند سوال اور ان کے جواب

اس مقام پر چار سوال پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) انسانی افعال کو اختیاری افعال کیسے قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ انسان پر شیطان کو مسلط کر دیا گیا ہے جسے انسان دیکھ تک نہیں سکتا اور اسے انسان کے دل تک رسائی دیدی گئی ہے جس میں وہ ہر وقت وسوسے ڈالتا رہتا ہے اور برائی پر اکساتا رہتا ہے؟

(۲) ایسا شخص جو برے ماحول میں پیدا ہوا ہو اور پلا بڑھا ہو اور جس نے بھلائی کو دیکھا تک نہ ہو اگر وہ برائی کرے تو کیا وہ برائی کرنے میں مجبور نہیں سمجھا جائے گا؟

(۳) وہ لوگ جو متمدن دنیا سے دور جنگلوں میں رہتے ہیں اور جن تک انبیاء کی دعوت ہی نہیں پہنچی ان کا حساب کتاب کیسے ہوگا؟

(۴) ولد الحرام کی فطرت میں اس کے والدین کی خیانت کی وجہ سے برائی سے محبت شامل ہے لہٰذا اگر وہ دنیا میں برے کام کرے تو اس میں اس کا کیا قصور ہے؟

پہلے دو سوالوں کا جواب ہم کتاب کے شروع میں عرض کر چکے ہیں کہ انسان جسم اور روح سے عبارت ہے۔ جس طرح جسم کے لئے غذا کی ضرورت ہے اسی طرح سے روح کے لئے بھی غذا کی ضرورت ہے۔ اگر جسم کو اس کی غذا نہ ملے تو وہ بے چین ہو جاتا ہے اور غذا کی تلاش میں دن رات ایک کر دیتا ہے اور اسے حاصل کر کے ہی دم لیتا ہے۔ اسی طرح سے روح کی غذا مسبب الاسباب کی پہچان ہے۔ اور مسبب الاسباب کی پہچان انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے اسی لئے سورۂ اعراف میں ہے: اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ○ تاکہ قیامت کے دن تم لوگ یہ نہ کہہ سکو کہ ہم اس سے غافل تھے۔ (آیت:۱۷۲)

جس طرح سے انسانی جسم کو بھوک پیاس ستاتی ہے اسی طرح سے انسانی روح کو بھی معرفت خداوندی کی تڑپ رہتی ہے اور جب تک روح اس حقیقت کا ادراک نہ کر لے اس وقت تک تشنگی محسوس کرتی رہتی ہے۔

تیسرے سوال کے جواب میں ہم سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۶ کا ایک ٹکڑا پیش کرتے ہیں اور یہ اس سوال کا مکمل جواب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا خدا کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔

چوتھے سوال کا جواب یہ ہے کہ ولد الحرام برائی پر مجبور نہیں ہے۔ البتہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جب کوئی خیانت کار مرد اور عورت بدکاری کر رہے ہوتے ہیں تو ان دونوں کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ وہ اس بیچ فعل کا ارتکاب کر کے سماج سے خیانت کر رہے ہیں اور اگر سماج نے انہیں اس حالت میں دیکھ لیا تو وہ ان کو سخت ذلیل کریں گے۔ اسی لئے جب مرد و عورت خیانت کرتے ہیں تو ان کو اپنے سماج سے نفرت ہوتی ہے خاص طور پر سماج کے شریف لوگوں سے ان کو شدید نفرت ہوتی ہے اور جب اس حالت میں نطفہ ٹھہرتا ہے تو اس میں سماج کے خلاف بالعموم اور شرفاء کے خلاف بالخصوص دشمنی کے جذبات پروان چڑھتے ہیں اور اس نطفے سے پیدا ہونے والا شخص شریف لوگوں کی دشمنی لے کر پیدا ہوتا ہے۔

اگر اس حقیقت سے کسی کو اختلاف ہو اور وہ دلیل کا خواہش مند ہو تو اسے زیاد بن ابیہ اور ابن زیاد کے حالات زندگی پر نظر کرنی چاہئے۔ ان دونوں کو کائنات کے شریف ترین شخص یعنی حضرت علیؑ سے اور ان کی اولاد سے دشمنی کیوں تھی؟ اس کا سبب ان کی ماؤں کی خیانت ہے۔

آپ دیکھیں کہ ابن زیاد نے آل محمدؐ کے ساتھ کربلا میں کیا کیا۔ اس نے انہیں ناحق قتل کیا۔ گھوڑوں کی نعل بندی کر کے ان کی پاک لاشوں کو پامال کیا۔ یہی نہیں اس کی کمینگی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ اس نے کاشانۂ نبوت کی پاک بیبیوں کو بے مقنع و چادر شہر شہر پھرایا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ امام حسینؑ کی شہادت عظمیٰ کے

بعد آل محمدؐ میں مزید تب و تاب نہیں رہی تھی مگر اس نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ اس کے خمیر میں کائنات کے شریف ترین افراد کی دشمنی شامل تھی۔

ولد الحرام کو شریف لوگوں سے دشمنی اپنے والدین سے ورثے میں ملتی ہے جبکہ ولد الحلال کو شریف لوگوں سے دوستی ورثے میں ملتی ہے لیکن پھر بھی دونوں اپنے افعال میں مجبور نہیں ہیں۔

مسئلے کی مزید وضاحت کے لئے ہم یہاں ایک مثال بیان کرنا چاہتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ دو آدمی ہیں ایک بیس سال کا بھرپور جوان ہو اور دوسرا نوے برس کا بوڑھا ہو جس کی شہوت انتہائی کم ہو چکی ہو۔ جوان ہر وقت جنسی جذبے کی تسکین چاہتا ہو جبکہ بوڑھے کو اس کی پروا تک نہ ہو۔ اب اگر وہ جوان اپنے جنسی جذبے کو قابو میں رکھے اور اسے آوارہ نہ ہونے دے تو وہ یقیناً اجر و ثواب کا مستحق ہوگا جبکہ جنس سے پرہیز کی وجہ سے بوڑھے کو ثواب نہیں ملے گا کیونکہ اس میں شہوانی قوت ہی موجود نہیں ہے۔

اسی طرح سے ایک ولد الحرام کو برائی کی شدید خواہش ہوتی ہے اور اگر وہ اپنے آپ پر قابو رکھے اور برائی سے بچے تو یقیناً اجر و ثواب پائے گا بالخصوص اگر وہ زنا سے بچے تو خدا اسے اس کا اجر عطا فرمائے گا۔

بہرنوع جب ہم انسانی افعال کا جائزہ لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ انسانی افعال انسانی اختیار کا مظہر ہیں۔ البتہ غفلت اور جہالت کی بات علیحدہ ہے۔

(ضمیمہ نمبر۱)

مخلوق کی ابتداء اور بعض مخلوق کی صفات کا تذکرہ

احمد بن حنبل، محمد بن سعد، ابو داؤد اور ترمذی نے اپنی سند سے حضرت رسول اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ان اللّٰہ خلق آدم من قبضۃ قبضھا من جمیع الارض فجاء بنو آدم علی قدر الارض فجاء منھم الاحمر والابیض والاسود و بین ذالک ... خدا نے آدمؑ کو ایک مٹھی خاک سے پیدا کیا تھا جو تمام روئے زمین سے لی تھی۔ یہی باعث ہے کہ زمین کے اثر سے فرزندان آدم میں کوئی سرخ ہے، کوئی سفید ہے، کوئی سیاہ ہے، کوئی درمیانی رنگ (گندمی، سانولا وغیرہ) کا ہے۔[۱]

ابن سعد نے رسول خداؐ سے روایت کی ہے کہ جب آدمؑ سے خطا سرزد ہوئی تو ان کی شرمگاہ ان پر ظاہر ہوگئی۔ اس سے پہلے انہوں نے اپنی شرمگاہ نہیں دیکھی تھی۔[۲]

مسعودی نے تخلیق کائنات کے متعلق حضرت علیؑ سے حسب ذیل روایت نقل کی ہے:

... فسطح الارض علی ظھر المآء و اخرج من المآء دخاناً فجعلہ السمآء ثم استجلبھما الی الطاعۃ فاذعنتا بالاستجابۃ، ثم اَنشاء اللّٰہ الملا ئکۃ من انوار اَبدعھا، واَرواح اخترعھا، وقرن بتوحیدہ نبوۃ محمد(ص) فشھرت فی السمآء قبل بعثتہ فی الارض، فلما خلق اللّٰہ آدم ابان فضلہ للملا ئکۃ، واَراھم ما خصہ بہ من سابق العلم من حیث عرّفہ عند استنبائہ ایاہ اسمآء الاشیآء، فجعل اللّٰہ آدم محراباً و کعبۃً و باباً وقبلۃً اَسجد الیھا الابرار والروحانین الانوار، ثم نبہ آدم علی مستودعہ، وکشف لہ عن خطر ما ائتمنہ علیہ، بعد ما سماہ اماماً عند الملا ئکۃ ... پھر خدا نے زمین کو پانی پر بچھایا اور پانی سے دھواں اٹھایا۔ اس دھوئیں سے آسمان بنایا۔ پھر زمین و آسمان کو اپنی اطاعت کی دعوت دی تو انہوں نے خوشی سے اطاعت قبول کی۔ پھر خدا نے نور سے فرشتوں اور ارواح کو پیدا کیا اور اپنی توحید کے ساتھ محمد (ص) کی نبوت کو شامل کیا۔ زمین پر ان کی بعثت سے پہلے آسمان پر ان کی نبوت مشہور ہو چکی تھی۔ پھر جب خدا نے آدم کو پیدا کیا تو فرشتوں کو ان کی فضیلت سے باخبر کیا اور انہیں علم الاسما (یعنی چیزوں کے نام) سکھائے اور پھر فرشتوں سے ان چیزوں کے نام پوچھ کر آدمؑ کی عظمت دکھلائی۔ خدا نے آدمؑ کو محراب و کعبہ اور

۱۔ سنن ترمذی ج ۱۱، ص ۱۶۔ ج ۱ از تفسیر سورۂ بقرہ۔ سنن ابی داؤد کتاب السنۃ، باب ۱۶۔ مسند احمد ج ۴، ص ۴۰۰۔۴۰۶۔ طبقات ابن سعد، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۱، ص ۴۵۔ درج بالا روایات کے الفاظ سنن ترمذی کے ہیں۔

۲۔ طبقات ابن سعد مطبوعہ، یورپ، ج ۱، ق ۱، ص ۱۰۔

دروازہ و قبلہ قرار دیا[1] اور تمام ابرار اور روحانی انوار کو ان کی طرف سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ پھر حضرت آدم کو ان کی عارضی قیام گاہ پر متنبہ کیا اور جس چیز کا انہیں امین بنایا تھا اس کے خطرے سے انہیں آگاہ کیا۔ جبکہ اس سے قبل بزم ملائکہ میں ان کا نام امام رکھا تھا۔[2]

مخلوق کی پیدائش کا تفصیلی تذکرہ

نہج البلاغہ کے پہلے خطبے میں امیرالمومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں:

... اَنْشَاَ الْخَلْقَ اِنْشَاءً وَابْتَدَاہُ اَبْتِدَاءً سے لے کر فَاَعْطَاہُ اللّٰہُ النَّظْرَۃَ اسْتِحْقَاقًا لِلسُّخْطَۃِ تک

اس نے پہلے پہل خلق کو ایجاد کیا بغیر کسی فکر کی جولانی کے اور بغیر کسی تجربہ کے جس سے فائدہ اٹھانے کی اسے ضرورت پڑی ہو اور بغیر کسی حرکت کے جسے اس نے پیدا کیا ہو اور بغیر کسی ولولہ اور جوش کے جس سے وہ بے تاب ہوا ہو۔ ہر چیز کو اس کے وقت کے حوالے کیا، بے جوڑ چیزوں میں توازن وہم آہنگی پیدا کی، ہر چیز کو جداگانہ طبیعت و مزاج کا حامل بنایا اور ان طبیعتوں کے لئے مناسب صورتیں ضروری قرار دیں۔ وہ ان چیزوں کو ان کے وجود میں آنے سے پہلے جانتا تھا، ان کی حد و نہایت پر احاطہ کئے ہوئے تھا اور ان کے نفوس و اعضا کو پہچانتا تھا۔ پھر یہ کہ اس نے کشادہ فضا، وسیع اطراف و اکناف اور خلا کی وسعتیں خلق کیں اور ان میں ایسا پانی بہایا جس کے دریائے مواج کی لہریں طوفانی اور بحر زخار کی موجیں تہ بہ تہ تھیں، اسے تیز ہوا اور تند آندھی کی پشت پر لادا۔ پھر اسے پانی کے پلٹانے کا حکم دیا اور اسے اس کے پابند رکھنے پر قابو دیا اور اسے پانی کی سرحد سے ملا دیا۔ اس کے نیچے ہوا دور تک پھیلی ہوئی تھی اور اوپر پانی ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ پھر اللہ سبحانہٗ نے اس پانی کے اندر ایک ہوا خلق کی، جس کا چلنا بانجھ (بے ثمر) تھا اور اسے اس کے مرکز پر برقرار رکھا، اس کی جھونکے تیز کر دیئے اور اس کے چلنے کی جگہ دور و دراز تک پھیلا دی۔ پھر اس ہوا کو مامور کیا کہ وہ پانی کے ذخیرے کو تھپیڑے دے اور بحر بیکراں کی موجوں کو اچھالے۔ اس ہوا نے پانی کو یوں متھ دیا جس طرح دہی کے مشکیزے کو متھا جاتا ہے اور اسے دھکیلتی ہوئی تیزی سے چلی جس طرح خالی فضا میں چلتی ہے اور پانی کے ابتدائی حصے کو آخری حصے پر اور ٹھہرے ہوئے کو چلتے ہوئے پانی پر پلٹانے لگی یہاں تک کہ اس متلاطم پانی کی سطح بلند ہوگئی اور وہ تہ بہ تہ پانی جھاگ دینے لگا اللہ نے وہ جھاگ کھلی ہوا اور کشادہ فضا کی طرف اٹھائی اور اس سے ساتوں آسمان پیدا کئے۔ نیچے والے آسمان کو رکی ہوئی موج کی طرح بنایا اور اوپر والے آسمان کو محفوظ چھت اور بلند عمارت کی صورت میں اس طرح قائم کیا کہ نہ ستونوں کے سہارے کی حاجت تھی، نہ بندھنوں سے جوڑنے کی ضرورت، پھر ان کو ستاروں کی سج دھج اور روشن تاروں کی چمک دمک سے آراستہ کیا اور ان میں ضوپاش چراغ اور جگمگاتا چاند رواں کیا جو

۱۔ اس سلسلے میں صفحہ ۳۰۷ پر حاشیہ ملاحظہ کیجئے۔ ۲۔ مروج الذہب ج ۱، ص ۳۳۔

گھومنے والے فلک چلتی پھرتی چھت اور جنبش کھانے والی لوح میں ہے۔ پھر خداوند عالم نے بلند آسمانوں کے درمیان شگاف پیدا کئے اور ان کی وسعتوں کو طرح طرح کے فرشتوں سے بھر دیا۔ کچھ ان میں سربسجود ہیں جو رکوع نہیں کرتے، کچھ رکوع میں ہیں جو سیدھے نہیں ہوتے، کچھ صفیں باندھے ہوئے ہیں جو اپنی جگہ نہیں چھوڑتے اور کچھ پاکیزگی بیان کر رہے ہیں جو اکتاتے نہیں، نہ ان کی آنکھوں میں نیند آتی ہے، نہ ان کی عقلوں میں بھول چوک پیدا ہوتی ہے، نہ ان کے بدنوں میں سستی و کاہلی آتی ہے، نہ ان پر نسیان کی غفلت طاری ہوتی ہے۔ ان میں کچھ تو وحی الٰہی کے امین، اس کے رسولوں کی طرف پیغام رسانی کے لئے زبان حق اور اس کے قطعی فیصلوں اور فرمانوں کو لے کر آنے جانے والے ہیں۔ کچھ اس کے بندوں کے نگہبان اور جنت کے دروازوں کے پاسبان ہیں، کچھ وہ ہیں جن کے قدم زمین کی تہہ میں جمے ہوئے ہیں اور ان کے پہلو اطراف عالم سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں، ان کے شانے عرش کے پایوں سے میل کھاتے ہیں، عرش کے سامنے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہیں اور اس کے نیچے اپنے پروں میں لپٹے ہوئے ہیں، ان میں اور دوسری مخلوق میں عزت کے حجاب اور قدرت کے سراپردے حائل ہیں۔ وہ شکل و صورت کے ساتھ اپنے رب کا تصور نہیں کرتے، نہ اس پر مخلوق کی صفتیں طاری کرتے ہیں، نہ اسے محل و مکان میں گھرا ہوا سمجھتے ہیں، نہ اشباہ و نظائر سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ پھر اللہ نے سخت و نرم اور شیریں و شورہ زار زمین سے مٹی جمع کی، اسے پانی سے اتنا بھگویا کہ وہ صاف ہو کر نتھر گئی اور تری سے اتنا گوندھا کہ اس میں لس پیدا ہو گیا۔ اس سے ایک ایسی صورت بنائی، جس میں موڑ ہیں اور جوڑ، اعضا ہیں اور مختلف حصے، اسے یہاں تک سکھایا کہ وہ خود تھم سکی اور اتنا سخت کیا کہ وہ کھنکھنانے لگی۔ ایک وقت معین اور مدت معلوم تک اسے یونہی رہنے دیا۔ پھر اس میں روح پھونکی تو وہ ایسے انسان کی صورت میں کھڑی ہو گئی جو قوائے ذہنی کو حرکت دینے والا، فکری حرکات سے تصرف کرنے والا، اعضا و جوارح سے خدمت لینے والا اور ہاتھ پیروں کو چلانے والا ہے اور ایسی شناخت کا مالک ہے جس سے حق و باطل میں تمیز کرتا ہے اور مختلف مزوں، بوؤں، رنگوں اور جنسوں میں فرق کرتا ہے۔ رنگا رنگ مٹی اور ملتی جلتی موافق چیزوں اور مخالف ضدوں اور متضاد خلطوں سے اس کا خمیر ہوا ہے۔ یعنی گرمی، سردی، تری، خشکی کا پیکر ہے۔ پھر اللہ نے فرشتوں سے چاہا کہ وہ اس کی سونپی ہوئی ودیعت ادا کریں اور اس کے پیمان وصیت کو پورا کریں جو سجدۂ آدمؑ کے حکم کو تسلیم کرنے اور اس کی بزرگی کے سامنے تواضع و فروتنی کے لئے تھا، اس لئے اللہ نے کہا کہ "آدم کو سجدہ کرو۔ ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔" اسے عصبیت نے گھیر لیا، بدبختی اس پر چھا گئی، آگ سے پیدا ہونے کی وجہ سے اپنے کو بزرگ و برتر سمجھا، اور کھنکھناتی ہوئی مٹی کی مخلوق کو ذلیل جانا، اللہ نے اسے مہلت دی تاکہ وہ پورے طور پر غضب کا مستحق بن جائے ... (ترجمہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ)

علامہ مجلسی بحار الانوار میں لکھتے ہیں کہ تخلیق ملائکہ کا ذکر کرتے ہوئے امیر المومنینؑ نے فرمایا:

وَمَلَائِكَةٌ خَلَقْتَهُمْ وَاَسْكَنْتَهُمْ سَمَاوَاتِكَ، فَلَيْسَ فِيهِمْ فَتْرَةٌ، وَلَا عِنْدَهُمْ غَفْلَةٌ، وَلَا فِيهِمْ مَعْصِيَةٌ، هُمْ اَعْلَمُ خَلْقِكَ بِكَ، وَاَخْوَفُ خَلْقِكَ مِنْكَ، وَاَقْرَبُ خَلْقِكَ اِلَيْكَ، وَاَعْمَلُهُمْ بِطَاعَتِكَ، وَلَا يَغْشَاهُمْ نَوْمُ الْعُيُوْنِ، وَلَا سَهْوُ الْعُقُوْلِ، وَلَا فَتْرَةُ الْاَبْدَانِ، لَمْ يَسْكُنُوا الْاَصْلَابَ وَلَمْ تَضُمَّهُمُ الْاَرْحَامُ، وَلَمْ تَخْلُقْهُمْ مِنْ مَاءٍ مَهِيْنٍ، اَنْشَاْتَهُمْ اِنْشَاءً فَاَسْكَنْتَهُمْ سَمَاوَاتِكَ وَاَكْرَمْتَهُمْ بِجِوَارِكَ وَائْتَمَنْتَهُمْ عَلٰى وَحْيِكَ، وَجَنَّبْتَهُمُ الْاٰفَاتِ، وَوَقَيْتَهُمُ الْبَلِيَّاتِ وَطَهَّرْتَهُمْ مِنَ الذُّنُوْبِ، وَلَوْلَا تَقْوِيَتُكَ لَمْ يَقْوَوْا، وَلَوْلَا تَثْبِيْتُكَ لَمْ يَثْبُتُوْا، وَلَوْلَا رَحْمَتُكَ لَمْ يُطِيْعُوْا، وَلَوْلَا اَنْتَ لَمْ يَكُوْنُوْا، اَمَا اِنَّهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ مِنْكَ وَطَوَاعِيَتِهِمْ اِيَّاكَ وَمَنْزِلَتِهِمْ عِنْدَكَ وَقِلَّةِ غَفْلَتِهِمْ عَنْ اَمْرِكَ لَوْ عَايَنُوْا مَا خَفِيَ عَنْهُمْ مِنْكَ لَاحْتَقَرُوْا اَعْمَالَهُمْ، وَلَاَزْرَوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ، وَلَعَلِمُوْا اَنَّهُمْ لَمْ يَعْبُدُوْكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ، سُبْحَانَكَ خَالِقًا وَ مَعْبُوْدًا مَا اَحْسَنَ بَلَاءَكَ عِنْدَ خَلْقِكَ یعنی خداوندا تو نے فرشتوں کو پیدا کیا اور انہیں اپنے آسمانوں میں جگہ دی۔ ان پر کاہلی اور سستی نہیں چھاتی، غفلت نہیں پکڑتی اور معصیت نہیں کرتے۔ وہ خلق میں سب سے زیادہ تجھ کو جاننے والے ہیں اور خلق میں سب سے زیادہ تجھ سے ڈرنے والے ہیں اور خلق میں سب سے زیادہ تجھ سے قریب ہیں اور سب سے زیادہ تیری اطاعت کرنے والے ہیں۔ ان پر آنکھوں کی نیند طاری نہیں ہوتی، ان کی عقلوں میں بھول چوک نہیں ہوتی اور ان کے بدنوں پر سستی نہیں چھاتی۔ وہ باپوں کی صلبوں میں نہیں ٹھہرے اور ماؤں کے شکموں میں نہیں رہے۔ تو نے انہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا۔ تو نے انہیں خلق کیا اور اپنے آسمانوں میں ٹھہرایا اور اپنی ہمسائیگی کا شرف بخشا، تو نے انہیں اپنی وحی کا امین بنایا اور انہیں آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھا۔ تو نے انہیں گناہوں سے پاک بنایا اور اگر تو انہیں قوت فراہم نہ کرتا تو وہ قوت حاصل نہ کر پاتے اور اگر تو انہیں ثبات عطا نہ کرتا تو وہ ثابت نہ رہتے اور اگر تیری رحمت ان کے شامل حال نہ ہوتی تو وہ تیری اطاعت نہ کر سکتے۔ اور اگر تو نہ ہوتا تو وہ بھی نہ ہوتے مگر تیری جناب میں ایسا مرتبہ رکھنے، تیری اطاعت کرنے، تیرے نزدیک منزلت رکھنے اور تیرے حکم سے غفلت نہ برتنے کے باوجود بھی اگر وہ تیری اس عظمت کو دیکھ لیتے جو اُن سے مخفی رکھی گئی ہے تو وہ اپنے سب اعمال کو حقیر جانتے اور خود کو قصوروار ٹھہراتے اور انہیں معلوم ہو جاتا کہ انہوں نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔ اے خالق و معبود تو کتنا پاک ہے اور تیری طرف سے تیری مخلوق کی آزمائش کتنی اچھی ہے۔[1]

۱۔ بحار الانوار ج ۵۹، ص ۱۷۵۔۱۷۶ بحوالہ تفسیر علی بن ابراہیم قمی ص ۵۸۳۔

(ضمیمہ نمبر۲)

قرآن کریم اور اصول کائنات

نجوم، کواکب اور سیارگان سمیت تمام طبیعی مظاہر اور مخلوقات کو کائنات کہا جاتا ہے۔
Macmillan Encyclopedia کے مطابق ان اجرام پر جن کی پہچان ممکن ہو مثلاً زمین، سورج اور نظام شمسی کے تمام سیاروں اور ان سیاروں کی گزرگاہوں نیز ان کے درمیان موجود تمام چیزوں پر لفظ کائنات کا اطلاق ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر لفظ کائنات پہاڑوں، چٹانوں، معدنیات، گیسوں، مٹی، حیوانوں اور انسانوں کے علاوہ تمام ثابت اور متحرک اجسام پر محیط ہے۔
ماہرین فلکیات کے نزدیک لفظ کائنات کا اطلاق فضا اور اجرام فلکی پر ہوتا ہے۔ اور جہاں تک کائنات کی وسعت کا تعلق ہے تو یہ فضا اتنی بسیط ہے کہ اس میں ہمارا سورج اور اس کے گرد گردش کرنے والے سیاروں کی حیثیت نقطوں کی سی ہے۔ اس وسیع کائنات میں سورج جیسے تقریباً دس ارب ستارے اور موجود ہیں۔
دیو ہیکل دوربینوں سے دیکھا جائے تو نظام شمسی بہت بڑا دکھائی دیتا ہے۔ ہماری یہ زمین سورج سے تقریباً ترانوے ملین میل کے فاصلے پر ہے جبکہ پلوٹو[1] جو ہمارے ہی نظام شمسی کا ایک سیارہ ہے زمین اور سورج کے فاصلے کے چار برابر فاصلے پر واقع ہے۔
تخلیق کائنات کے متعلق اس وقت مختلف نظریات موجود ہیں۔ ان میں سے مقبول عام اور جدید ترین Big Bang Theory ہے جسے جارج لامیٹر نے ۱۹۲۰ء میں پیش کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ آج سے تقریباً دس بیس بلین سال پہلے ہائیڈروجن اور ہیلیم کے انتہائی درجۂ حرارت کی وجہ سے ایک زوردار دھماکہ ہوا تھا جس سے سورج کے ٹکڑے دور دور تک بکھر گئے تھے اور یہی دھماکہ مختلف کرّوں کے وجود میں آنے کا باعث بنا تھا۔
سائنسی دنیا میں کائنات کی وسعت پذیری سے متعلق Hubble's Law of Expanding Universe کو بڑی پذیرائی ملی ہے۔ اس نظریے کے مطابق کائنات مسلسل پھیل رہی ہے اور اس میں برابر وسعت پیدا ہو رہی ہے۔ ماہرین فلکیات نے اپنے تازہ انکشافات میں کہا ہے کہ ہماری کہکشاں جیسی کائنات میں کئی کہکشائیں ہیں اور ہر کہکشاں کے لاتعداد نظام شمسی ہیں اور یہ کہکشائیں ہماری زمین سے دس بلین نوری سال کے فاصلے پر واقع ہیں۔

یہ حافظ محمد سلیم کے اس مضمون کا اقتباس ہے جو پاکستان کے شامی سفارتخانے سے شائع ہونے والے رسالے الثقافۃ الباکستانیہ میں ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا تھا۔

☆ [1] ۲۰۰۶ء میں AU (انٹرنیشنل اسٹرانامیکل یونین) کے ماہرین فلکیات نے پلوٹو کو نظام شمسی سے خارج قرار دے دیا ہے۔

قرآن کریم انسانوں کے نام اللہ تعالیٰ کا آخری آسمانی پیغام ہے۔ چنانچہ اس میں بڑی وضاحت سے یہ بات کہی گئی ہے کہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے زمین، سورج، چاند اور دیگر اجرام فلکی کو دقیق ترین حساب اور تناسب سے بنایا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ اللہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے اور جب وہ کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے تو بس کہہ دیتا ہے کہ ہوجا، اور وہ ہوجاتی ہے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۱۷) یہ آیت صاف صاف بتاتی ہے کہ آسمانوں اور زمین کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ لفظ بَدِيْعُ عدم سے وجود میں لانے پر دلالت کرتا ہے۔

علامہ راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں: مادّے اور نمونے کے بغیر کسی چیز کے بنانے کو بدع کہتے ہیں۔ جب لفظ بَدِيْعُ اللہ تعالیٰ کی نسبت بطور صفت استعمال ہو تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اشیا کو عدم سے معرض وجود میں لاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق سے پیدا کیا ہے اور جس وقت وہ کہتا ہے کہ ہوجا تو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے۔ (سورۂ انعام: آیت ۷۳) علامہ راغب کہتے ہیں کہ لفظ حق نئی چیز کی طرف اشارہ کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کی پہلے مثال موجود نہ ہو۔ اور جب اس لفظ کا تعلق اوصاف خالق سے ہو تو اس سے مراد عدم سے نئی چیز کا پیدا کرنا ہوتا ہے۔

نیز کئی آیات میں ظواہر کائنات اور طبعیات پر بھی بحث کی گئی ہے مثلاً وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ... وہی تو ہے جس نے رات، دن، سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے۔ (سورہ انبیاء: آیت ۳۳)

ایک اور مقام پر ارشاد ہے: هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ مَاخَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور چاند کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور کاموں کا حساب معلوم کرو۔ یہ سب خدا نے حق (یعنی عدم) سے پیدا کیا ہے۔ سمجھنے والوں کے لئے وہ اپنی آیتیں تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ (سورۂ یونس: آیت ۵)

اپنی شان خلاقی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۝ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ ان کے پیدا کرنے سے تھکا نہیں۔ وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کردے۔ (سورۂ احقاف: آیت ۳۳)

مذکورہ آیات سے یہ بات بڑی مبرہن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم محسوس کو ایک حساب کے تحت بنایا ہے اور اگر وہ اپنی مخلوق کو دوبارہ لوٹانا چاہے تو وہ اس بات پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ اسی نے مادّہ کو پیدا کیا ہے اور اسی نے طبیعی قوانین بنائے ہیں جن کی وجہ سے ان کی حرکت میں ہم آہنگی اور ہمیشگی پائی جاتی ہے۔

قرآن مجید میں کئی جگہ تخلیق کائنات کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً

۱۔ اَوَلَمْ یَرَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ○ کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین باہم جڑے ہوئے تھے تو ہم نے ان کو جدا جدا کر دیا اور ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ پھر بھی یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ (سورۂ انبیاء: آیت ۳۰)[☆]

حسب ذیل آیت میں زمین اور آسمان کی تخلیق کے بعد کا تذکرہ کیا گیا ہے:

۲۔ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْھًا قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ اس کے بعد وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو بالکل دھواں تھا۔ اُسے اور زمین کو حکم دیا کہ خوشی سے یا ناخوشی سے ہماری طرف آؤ۔ دونوں نے کہا کہ ہم خوشی سے آتے ہیں۔ (سورۂ حم السجدہ: آیت ۱۱)

ان آیات سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ

۱۔ تخلیق کائنات میں ایک ہی مادّہ کارفرما تھا۔

۲۔ پوری کائنات پہلے پہل جڑی ہوئی تھی۔

۳۔ ایک ہی کرّے کے مختلف حصے بنائے گئے۔ پھر ایک منظم اور طبیعی قانون کے تحت انہیں جدا کیا گیا اور ایک ہی کرّے سے جدا ہونے والے حصے اپنے بڑے کرّے کے گرد گردش کرنے لگے۔ ہمارے نظام شمسی کی طرح اس کائنات میں کئی نظام شمسی موجود ہیں اور ہر سورج کے گرد اس کے سیارے گردش کر رہے ہیں۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں انتہائی قیمتی نکات اٹھائے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ابتداء میں آسمان ایک ہی ٹکڑے کی شکل میں تھا۔ بعدازاں اللہ تعالیٰ نے اسے سات آسمانوں میں تقسیم کیا اور زمین بھی ایک ٹکڑے کی شکل میں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی ٹکڑے کو سات ٹکڑوں میں تقسیم کیا۔ جبکہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آسمان اور زمین ابتداء میں جڑے ہوئے تھے اور فضائی غلاف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک دوسرے سے جدا کیا۔

Dr. Maurice Bucaille[☆] نے گہرے مشاہدے اور مطالعے کے بعد اس نظریے کو قبول کیا ہے جو مسلمان علماء نے تشکیل کائنات کے ضمن میں قرآنی آیات کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر بوکائل کا کہنا ہے کہ قرآنی آیات سائنسی مشاہدے اور تحقیق کے عین مطابق ہیں کیونکہ پہلے تمام کائنات ایک ہی جسم تھا۔ بعدازاں دھماکے کی وجہ سے ایک کرّے سے مختلف کرّے وجود میں آئے جسے قرآن مجید نے لفظ فتق سے تعبیر کیا ہے۔

Big Bang Theory بھی اس حقیقت کی تصدیق کرتی ہے کہ کائنات کے مختلف کرّے انتہائی درجۂ حرارت کی وجہ سے پیدا ہونے والے دھماکے سے وجود میں آئے ہیں اور اس سے پہلے تمام کائنات ایک ہی جسم کی شکل میں تھی لیکن فزکس کے قوانین اس دھماکے کے نتیجے میں وجود میں نہیں آئے۔

☆ دعائے جوشن کبیر میں جہاں یَا مَنْ خَلَقَ الْاَشْیَآءَ مِنَ الْعَدَمِ آیا ہے وہیں خدا کو یَا فَاصِلُ (یعنی جدا کرنے والا) کہا گیا ہے۔

☆ مشہور کتاب The Bible , the Qur'an and Science کا فرانسیسی مصنف اور بائبل کا اسکالر۔

موجودہ دور کے اس مقبول عام نظریے کو دیکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ برسہا برس کی محنت و جستجو کے بعد سائنسدان جس نتیجے پر پہنچے ہیں قرآن مجید نے ان سائنسی حقائق کو آج سے چودہ سو سال قبل بیان کردیا تھا جبکہ اس وقت ان بحثوں کا کوئی رواج تک نہیں تھا۔ آج سائنسدان ہبل تھیوری کو ۔نیائے سائنس کا عظیم انکشاف سمجھ رہے ہیں لیکن قرآن حکیم نے چودہ سو سال پہلے اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ سے کیا تھا:

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنَاهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ○ اور آسمان کو ہم نے اپنے دست قدرت سے بنایا اور ہم ہی اسے توسیع دینے والے ہیں۔ (سورۂ ذاریات: آیت ۴۷)

قدیم علماء نے آسمان کی وسعت سے بارش اور رزق کا نزول مراد لیا تھا لیکن آج یہ بات طے ہوچکی ہے کہ فضا میں مسلسل توسیع ہورہی ہے اور آج تک اس میں کئی گنا وسعت کا انکشاف ہوچکا ہے۔

جب ہم جدید ترین فلکی آلات سے کائنات کی وسعت پذیری کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ چیز دکھائی دیتی ہے کہ سورج میں موجود ہائیڈروجن انتہائی درجۂ حرارت کی وجہ سے ہر وقت ہیلیم میں تبدیل ہورہی ہے۔ مجمی غبار Stardust بھی دراصل ستاروں کا عظیم مجموعہ ہے جو فاصلے کی وجہ سے ہمیں غبار دکھائی دیتا ہے۔

بہرنوع یہ کائنات ایک عظیم الشان قوت کے ذریعے سے وجود میں آئی ہے اور اس میں مسلسل توسیع جاری ہے اور یہ تمام نتائج اس مفروضے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جس میں یہ کہا گیا ہے کہ Red Shift یعنی سرخ تبدیلی Dopler Effect کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

کائنات کی وسعت کو سمجھنے کے لئے لفظ عالَمِین سے کافی مدد مل سکتی ہے اور یہ لفظ قرآن مجید میں چھتیس (۳۶) بار استعمال ہوا ہے جن میں سے چند مقامات حسب ذیل ہیں:

۱۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْفَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِيْنَ ○ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۵۱)

۲۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ (سورۂ انعام: آیت ۱۶۳)

۳۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ○ (سورۂ اعراف: آیت ۵۴)

۴۔ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ ○ (سورۂ انبیاء: آیت ۱۰۷)

۵۔ اِنِّيْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ○ (سورۂ قصص: آیت ۳۰)

۶۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ (سورۂ فاتحہ: آیت ۲)

درج بالا آیات ہمیں یہ پیغام دیتی ہیں کہ کائنات کا مالک، محافظ اور اس کو وسعت دینے والا اللہ ہے اور لفظ عالَمِین سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم کے علاوہ اور بھی بہت سے عالم موجود ہیں۔

اس فضائے بسیط میں کئی بلین ستاروں کے مجموعے موجود ہیں اور ہر مجموعے میں کئی بلین ستارے اور سیارے موجود ہیں اور ہماری کہکشاں جیسی لاتعداد کہکشائیں موجود ہیں۔

ڈاکٹر موریس بوکائل نے کائنات کی وسعت و ضخامت پر نہایت علمی گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ سورج کی روشنی کو پلوٹو تک پہنچنے کے لئے چھ گھنٹے لگتے ہیں جبکہ روشنی کی رفتار ۱،۸۶،۰۰۰ میل فی سیکنڈ ہے۔ یہ عالم اتنا وسیع ہے کہ یہاں بعض ستاروں کی روشنی کو زمین تک پہنچنے کے لئے کئی کروڑ سال لگتے ہیں۔

جب ہم کائنات کی وسعت پذیری کو دیکھتے ہیں تو بے ساختہ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ کی صداقت نگاہوں میں پھر جاتی ہے اور جب ہم جدید سائنس کا یہ انکشاف پڑھتے ہیں کہ پہلے پہل کائنات گیسوں کی شکل میں تھی تو ہمارا ذہن ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ کی صداقت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

مادہ اپنے ابتدائی دور میں گیس کی شکل میں تھا اور آج بھی ستاروں کے گرد دکھائی دینے والا دھندلا حلقہ Nebula اسی امر کی جانب رہنمائی کرتا ہے اور جب ہم قرآن مجید میں پڑھتے ہیں کہ وَجَعَلْنَا فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ (سورۂ انبیاء: آیت ۳۱) اور ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ تو قرآنی ترتیب کے مطابق ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ابتداء میں مادہ گیسوں کی شکل میں تھا اور جب ان گیسوں نے جمع ہو کر ٹھوس صورت اختیار کی تو ایک زوردار دھماکہ ہوا جس سے مختلف اجرام فلکی وجود میں آ گئے۔

امید ہے کہ سائنس جس قدر ترقی کرے گی قرآن مجید کے حقائق اور زیادہ روشن ہو کر دنیا کے سامنے آئیں گے اور یوں قرآن مجید کی صداقت اور حقانیت سے ایک عالم کو آشنائی نصیب ہوگی۔

(ضمیمہ نمبر ۳)

کتاب مقدس

یعنی

پرانا اور نیا عہد نامہ

بائبل سوسائٹی

انار کلی - لاہور

باب ۱۱ اور ایسا ہوا کہ دوسرے سال جس وقت بادشاہ جنگ کے لئے نکلتے ہیں داؤد نے یوآب اور اُسکے ساتھ اپنے خادموں اور سب اسرائیلیوں کو بھیجا اور اُنہوں نے بنی عمون کو قتل کیا اور ربّہ کو جا گھیرا پر داؤد یروشلیم ہی میں رہا۔

۲ اور شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ پر سے اُٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اُس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی۔ ۳ تب داؤد نے لوگ بھیجکر اُس عورت کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا کیا وہ اِلعام کی بیٹی بت سبع نہیں جو حِتّی اوریاہ کی بیوی ہے؟ ۴ اور داؤد نے لوگ بھیجکر اُسے بُلا لیا۔ وہ اُسکے پاس آئی اور اُس نے اُس سے صحبت کی (کیونکہ وہ اپنی ناپاکی سے پاک ہو چکی تھی)۔ پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی۔ ۵ اور وہ عورت حاملہ ہو گئی۔ سو اُس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں۔ ۶ اور داؤد نے یوآب کو کہلا بھیجا کہ حِتّی اوریاہ کو میرے پاس بھیج دے۔ سو یوآب نے اوریاہ کو داؤد کے پاس بھیج دیا۔ ۷ اور جب اوریاہ آیا تو داؤد نے پوچھا کہ یوآب کیسا ہے اور لوگوں کا کیا حال ہے اور جنگ کیسی ہو رہی ہے؟ ۸ پھر داؤد نے اوریاہ سے کہا کہ اپنے گھر جا اور اپنے پاؤں دھو اور اوریاہ بادشاہ کے محل سے نکلا اور بادشاہ کی طرف سے اُسکے پیچھے پیچھے ایک خوان بھیجا گیا۔ ۹ پر اوریاہ بادشاہ کے گھر کے آستانہ پر اپنے مالک کے اور سب خادموں کے ساتھ سویا اور اپنے گھر نہ گیا۔ ۱۰ اور جب اُنہوں نے داؤد کو یہ بتایا کہ اوریاہ اپنے گھر نہیں گیا تو داؤد نے اوریاہ سے کہا کیا تُو سفر سے نہیں آیا؟ پس تُو اپنے گھر کیوں نہ گیا؟ ۱۱ اوریاہ نے داؤد سے کہا کہ صندوق اور اسرائیل اور یہوداہ جھونپڑیوں میں رہتے ہیں اور میرا مالک یوآب اور میرے مالک کے خادم کُھلے میدان میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں تو کیا میں اپنے گھر جاؤں اور کھاؤں پیوں اور اپنی بیوی کے ساتھ سوؤں؟ تیری حیات اور تیری جان کی قسم مجھ سے یہ بات نہ ہوگی۔ ۱۲ پھر داؤد نے اوریاہ سے کہا کہ آج بھی تُو یہیں رہ جا۔ کل میں تجھے روانہ کر دونگا۔ سو اوریاہ اُس دن اور دُوسرے دن بھی یروشلیم میں رہا۔ ۱۳ اور جب داؤد نے اُسے بلایا تو اُس نے اُسکے حضور کھایا پیا اور اُس نے اُسے پلا کر متوالا کیا اور شام کو وہ باہر جا کر اپنے مالک کے اور خادموں کے ساتھ اپنے بستر پر سو رہا پر اپنے گھر کو نہ گیا۔ ۱۴ صبح کو داؤد نے یوآب کے لئے ایک خط لکھا اور اُسے اوریاہ کے ہاتھ بھیجا۔ ۱۵ اور اُس نے خط میں یہ لکھا کہ اوریاہ کو گھمسان میں سب سے آگے رکھنا اور تم اُسکے پاس سے ہٹ جانا تاکہ وہ مارا جائے اور

۲ - سموئیل

۱۶ جان بحق ہو۔ اور یوں ہُوا کہ جب یوآب نے اُس شہر کا ملاحظہ کر لیا تو اُس نے اوریاہ کو ایسی جگہ رکھا جہاں وہ جانتا تھا کہ بہادر مرد ہیں۔ ۱۷ اور اُس شہر کے لوگ نکلے اور یوآب سے لڑے اور وہاں داؤد کے خادموں میں سے تھوڑے سے لوگ کام آئے اور حتّی اوریاہ بھی مر گیا۔ ۱۸ تب یوآب نے آدمی بھیج کر جنگ کا سب حال داؤد کو بتایا۔ ۱۹ اور اُس نے قاصد کو تاکید کر دی کہ جب تو بادشاہ سے جنگ کا سب حال عرض کر چکے۔ ۲۰ تب اگر ایسا ہو کہ بادشاہ کو غصّہ آ جائے اور وہ تجھ سے کہنے لگے کہ تم لڑنے کو شہر کے ایسے نزدیک کیوں چلے گئے؟ کیا تم نہیں جانتے تھے کہ وہ دیوار پر سے تیر مارینگے؟ ۲۱ یربّست کے بیٹے ابیملک کو کس نے مارا؟ کیا ایک عورت نے چکی کا پاٹ دیوار پر سے اُسکے اوپر ایسا نہیں پھینکا کہ وہ تیبض میں مر گیا؟ سو تم شہر کی دیوار کے نزدیک کیوں گئے؟ تو پھر تو کہنا کہ تیرا خادم حتّی اوریاہ بھی مر گیا ہے۔ ۲۲ سو وہ قاصد چلا اور آ کر جس کام کے لئے یوآب نے اُسے بھیجا تھا وہ سب داؤد کو بتایا۔ ۲۳ اور اُس قاصد نے داؤد سے کہا کہ وہ لوگ ہم پر غالب ہُوئے اور نکلکر میدان میں ہمارے پاس آ گئے۔ پھر ہم اُنکو رگیدتے ہُوئے پھاٹک کے مدخل تک چلے گئے۔ ۲۴ تب تیراندازوں نے دیوار پر سے تیرے خادموں پر تیر چھوڑے۔ سو بادشاہ کے تھوڑے سے خادم بھی مرے اور تیرا خادم حتّی اوریاہ بھی مر گیا۔ ۲۵ تب داؤد نے قاصد سے کہا کہ تُو یوآب سے یُوں کہنا کہ تجھے اِس بات سے ناخوشی نہ ہو اِسلئے کہ تلوار جیسا ایک کو اُڑاتی ہے ویسا ہی دُوسرے کو۔ سو تُو شہر سے اور سخت جنگ کر کے اُسے ڈھا دے اور تُو اُسے دم دلاسا دینا۔

۲۶ جب اوریاہ کی بیوی نے سُنا کہ اُسکا شوہر اوریاہ مر گیا تو وہ اپنے شوہر کے لئے ماتم کرنے لگی۔ ۲۷ اور جب سوگ کے دن گذر گئے تو داؤد نے اُسے بُلوا کر اُسکو اپنے محل میں رکھ لیا اور وہ اُسکی بیوی ہو گئی اور اُس سے اُسکے ایک لڑکا ہُوا پر اُس کام سے جسے داؤد نے کیا تھا خداوند ناراض ہُوا۔

باب ۱۲

۱ اور خداوند نے ناتن کو داؤد کے پاس بھیجا۔ اُس نے اُسکے پاس آ کر اُس سے کہا کسی شہر میں دو شخص تھے۔ ایک امیر دُوسرا غریب۔ ۲ اُس امیر کے پاس بہت سے ریوڑ اور گلّے تھے۔ ۳ پر اُس غریب کے پاس بھیڑ کی ایک پٹھیا کے سوا کچھ نہ تھا جسے اُس نے خرید کر پالا تھا اور وہ اُس کے اور اُسکے بال بچوں کے ساتھ بڑھی تھی۔ وہ اُسی کے نوالہ میں سے کھاتی اور اُسکے پیالہ سے پیتی اور اُسکی گود میں سوتی تھی اور اُسکے لئے بطور بیٹی کے تھی۔ ۴ اور اُس امیر کے ہاں کوئی مسافر آیا۔ سو اُس نے اُس مسافر کے لئے جو اُسکے ہاں آیا تھا پکانے کو اپنے ریوڑ اور گلّہ میں سے کچھ نہ لیا بلکہ اُس غریب کی بھیڑ لے لی اور اُس شخص کے لئے جو اُسکے ہاں آیا تھا پکائی۔ ۵ تب داؤد کا غضب اُس شخص پر بشدّت بھڑکا اور اُس نے ناتن سے کہا کہ خداوند کی حیات کی قسم کہ وہ شخص جس نے یہ کام کیا واجب القتل ہے۔ ۶ سو اُس شخص کو اُس بھیڑ کا چوگنا بھرنا پڑیگا کیونکہ اُس نے ایسا کام کیا اور اُسے ترس نہ آیا۔

۷ تب ناتن نے داؤد سے کہا کہ وہ شخص تُو ہی ہے۔ خداوند اسرائیل کا خدا یُوں فرماتا ہے کہ مَیں نے تجھے مسح کر کے اسرائیل کا بادشاہ بنایا اور مَیں نے تجھے ساؤل کے ہاتھ سے چھڑایا۔ ۸ اور مَیں نے تیرے آقا کا گھر تجھے دیا اور تیرے آقا کی بیویاں تیری گود میں کر دیں اور اسرائیل اور یہوداہ کا گھرانا تجھ کو دیا اور اگر یہ سب کچھ تھوڑا تھا تو مَیں تجھ کو اور اور چیزیں بھی دیتا۔ ۹ سو تُو نے کیوں خداوند کی بات کی تحقیر کر کے اُسکے حضور بدی کی؟ تُو نے حتّی اوریاہ کو تلوار سے مارا اور اُسکی بیوی لے لی تا کہ وہ تیری بیوی بنے اور اُسکو بنی عمّون کی تلوار سے قتل کروایا۔ ۱۰ سو اب تیرے گھر سے تلوار کبھی الگ نہ ہوگی کیونکہ تُو نے مجھے حقیر جانا اور حتّی اوریاہ کی بیوی لے لی تا کہ وہ تیری بیوی ہو۔ ۱۱ سو خداوند یُوں فرماتا ہے کہ دیکھ مَیں شر کو تیرے ہی گھر سے تیرے خلاف اُٹھاؤنگا اور مَیں تیری بیویوں کو لیکر تیری آنکھوں کے سامنے تیرے ہمسایہ کو دُونگا اور وہ دن دہاڑے

۲۔ سموئیل

۱۲ تیری بیویوں سے صحبت کریگا۔ کیونکہ تُو نے تو چھپ کر
یہ کیا پر مَیں سارے اسرائیل کے رُوبرو دن دہاڑے
۱۳ یہ کرونگا۔ تب داؤد نے ناتن سے کہا مَیں نے خداوند
کا گناہ کیا۔ ناتن نے داؤد سے کہا کہ خداوند نے بھی تیرا
۱۴ گناہ بخشا۔ تُو مریگا نہیں۔ تو بھی چونکہ تُو نے اس کام
سے خداوند کے دشمنوں کو کفر بکنے کا بڑا موقع دیا ہے
۱۵ اسلئے وہ لڑکا بھی جو تجھ سے پیدا ہوگا مر جائیگا۔ پھر
ناتن اپنے گھر چلا گیا اور خداوند نے اس لڑکے کو جو اوریاہ
کی بیوی کے داؤد سے پیدا ہُوا تھا مارا اور وہ بہت بیمار
۱۶ ہوگیا۔ اسلئے داؤد نے اس لڑکے کی خاطر خدا سے منت
کی اور داؤد نے روزہ رکھا اور اندر جا کر ساری رات زمین
۱۷ پر پڑا رہا۔ اور اسکے گھرانے کے بزرگ اُٹھ کر اسکے پاس
آئے کہ اُسے زمین پر سے اٹھائیں پر وہ نہ اٹھا اور نہ اس
۱۸ نے اُنکے ساتھ کھانا کھایا۔ اور ساتویں دن وہ لڑکا مر گیا
اور داؤد کے ملازم اسے ڈر کے مارے یہ نہ بتا سکے کہ
لڑکا مر گیا کیونکہ اُنہوں نے کہا جب وہ لڑکا ہنوز زندہ
تھا اور ہم نے اس سے گفتگو کی تو اس نے ہماری بات
نہ مانی پس اگر ہم اُسے بتائیں کہ لڑکا مر گیا تو وہ بہت ہی
۱۹ کُڑھیگا۔ پر جب داؤد نے اپنے ملازموں کو آپس میں
پھُسپھُساتے دیکھا تو داؤد سمجھ گیا کہ لڑکا مر گیا۔ سو داؤد
نے اپنے ملازموں سے پوچھا کیا لڑکا مر گیا؟ اُنہوں نے
۲۰ جواب دیا مر گیا۔ تب داؤد زمین پر سے اٹھا اور غسل
کر کے اس نے تیل لگایا اور پوشاک بدلی اور خداوند
کے گھر میں جا کر سجدہ کیا۔ پھر وہ اپنے گھر آیا اور اسکے
حکم دینے پر اُنہوں نے اسکے آگے روٹی رکھی اور اس نے
۲۱ کھائی۔ تب اسکے ملازموں نے اس سے کہا یہ کیسا
کام ہے جو تُو نے کیا؟ جب وہ لڑکا جیتا تھا تو تُو نے
۲۲ اسکے لئے روزہ رکھا اور روتا بھی رہا اور جب وہ لڑکا
مر گیا تو تُو نے اُٹھ کر روٹی کھائی۔ اس نے کہا کہ جب
تک وہ لڑکا زندہ تھا مَیں نے روزہ رکھا اور مَیں روتا
رہا کیونکہ مَیں نے سوچا کیا جانے خداوند کو مجھ پر رحم
۲۳ آجائے کہ وہ لڑکا جیتا رہے؟ پر اب تو وہ مر گیا پس
مَیں کس لئے روزہ رکھوں؟ کیا مَیں اسے لوٹا لاسکتا ہوں؟
مَیں تو اسکے پاس جاؤنگا پر وہ میرے پاس نہیں لوٹیگا۔
۲۴ پھر داؤد نے اپنی بیوی بت سبع کو تسلی دی اور اسکے
پاس گیا اور اس سے صحبت کی اور اس کے ایک بیٹا
ہُوا اور داؤد نے اسکا نام سلیمان رکھا اور وہ خداوند کا
۲۵ پیارا ہُوا۔ اور اس نے ناتن نبی کی معرفت پیغام بھیجا
سو اس نے اسکا نام خداوند کی خاطر یدیدیاہ رکھا۔
۲۶ اور یوآب بنی عمون کے ربّہ سے لڑا اور اس نے
۲۷ دارالسلطنت کو لے لیا۔ اور یوآب نے قاصدوں کی معرفت
داؤد کو کہلا بھیجا کہ مَیں ربّہ سے لڑا اور مَیں نے پانیوں
۲۸ کے شہر کو لے لیا۔ پس اب تُو باقی لوگوں کو جمع کر اور اس
شہر کے مقابل خیمہ زن ہو اور اس پر قبضہ کرلے تا نہ ہو
کہ مَیں اس شہر کو سر کروں اور وہ میرے نام سے کہلائے۔
۲۹ تب داؤد نے سب لوگوں کو جمع کیا اور ربّہ کو گیا اور اس
۳۰ سے لڑا اور اسے لے لیا۔ اور اس نے اُنکے بادشاہ کا
تاج اسکے سر پر سے اتار لیا۔ اسکا وزن سونے کا ایک
قنطار تھا اور اس میں جواہر جڑے ہُوئے تھے۔ سو وہ
داؤد کے سر پر رکھا گیا اور وہ اس شہر سے لوٹ کا بہت
۳۱ سا مال نکال لایا۔ اور اس نے اُن لوگوں کو جو اس میں
تھے باہر نکال کر اُنکو آروں اور لوہے کے ہینگوں اور
لوہے کے کلہاڑوں کے نیچے کر دیا اور اُنکو اینٹوں کے
۳۲ پزاوے میں سے چلوایا اور اس نے بنی عمون کے سب
شہروں سے ایسا ہی کیا۔ پھر داؤد اور سب لوگ یروشلیم
کو لوٹ آئے۔

☆ بائبل کے مقابلے میں قرآن کی حقانیت پر مبلغ اسلام مرحوم احمد دیدات کی کتابیں اور تقریریں بےمثال ہیں۔ اسی طرح قرآن اور بائبل پر مبلغ اسلام ڈاکٹر ذاکر نائیک کے مناظرے خاص کر شمالی امریکہ میں ڈاکٹر کیمبل کے ساتھ ہونے والے لاجواب مناظرہ میں جس کی وڈیو کیسٹ اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن بمبئی نے جاری کی ہے قرآن کی حقانیت ثابت کی گئی ہے۔

(ضمیمہ نمبر۴)

اسلامی افکار میں فکر اہلبیتؑ کی پختگی

مسلمان ہمیشہ سے اسلامی عقائد کی گفتگو وجستجو کرتے آئے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اس جستجو میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اعتقادی اختلاف پیدا ہوا اور کئی فرقے پیدا ہوگئے لیکن سب فرقے اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اسلام کا سرچشمہ قرآن اور حدیث ہے۔دین کے سرچشمے میں متحد ہونے کے باوجود اس اختلاف کی کئی وجوہات ہیں جن میں حسب ذیل اسباب کو بڑی اہمیت حاصل ہے:

(۱) بحث واجتہاد کے طریقہ کار میں اختلاف

(۲) بدعات اور غلط تاویلات

(۳) جہالت اور نصوص سے عدم واقفیت

(۴) قبائلی اختلافات اور سیاسی خواہشات

(۵) مسلمان ہونے والے علمائے یہود ونصاریٰ کا جھوٹی روایات گھڑ کر اسلام میں تخریب کاری کرنا۔

اس مقالے میں ہم مختلف اسلامی افکار کے مقابلے میں فکر اہلبیتؑ کو پیش کریں گے تاکہ آپ دیکھ لیں کہ دوسرے چراغوں کے مقابلے میں " چراغ اہلبیتؑ " کس قدر روشن ہے۔

اعتقادی اختلافات کی تاریخ اور بنیاد

ہمیں یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ رسول اکرمؐ کی حیات طیبہ میں ہی کچھ فکری اور اعتقادی اختلافات نے سر اٹھایا تھا لیکن وہ اختلاف اس حد تک نہیں پہنچا تھا کہ وہ مذہب کی شکل اختیار کرتا کیونکہ آنحضرت موجود تھے اور آپ اس طرح کے اختلاف کا بروقت تدارک کرتے تھے اور اسے پھیلنے نہیں دیتے تھے۔ آپ کی مدبرانہ قیادت کی وجہ سے مسلمان معاشرہ ایسی محبت واخوت کا ایسا گہوارا بن گیا تھا جس کی مثال تاریخ میں ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ رسول اکرمؐ کی حیات طیبہ ہی میں صحابہ کی اولاد میں مسئلہ تقدیر پر اختلاف پیدا ہوا تھا

جناب شیخ عباس علی براتی کا یہ مقالہ رسالہ " الثقلین " ۔تہران کے شکریے کے ساتھ افادہ عام کے لئے شائع کیا جارہا ہے۔ ناشر

اور یہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ باقاعدہ بحثیں ہوتی تھیں۔ جب رسول اکرمؐ نے ان کی صدائیں سنیں تو گھر سے باہر تشریف لائے اور انہیں اس سے منع کیا۔ کتب حدیث میں اس کا تذکرہ موجود ہے جیسا کہ احمد بن حنبل نے عمرو بن شعیب سے، اس نے اپنے والد سے اور اس نے اپنے والد سے روایت کی کہ ایک دن رسول اکرمؐ گھر سے باہر تشریف لائے تو لوگ (مسجد میں) تقدیر کے موضوع پر بحث کر رہے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ ان کی گفتگو سن کر آپ کا چہرہ انار کے دانوں کی طرح سے سرخ ہوگیا اور آپ نے ان سے کہا کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے بعض آیات کو بعض پر مار رہے ہو۔ تم سے پہلی امتیں بھی اسی وجہ سے ہلاک ہوئی تھیں۔[1]

قرآن و حدیث میں اصول عقائد کی بنیادوں کا تذکرہ موجود ہے لیکن رسول اکرمؐ کی رحلت کے بعد کچھ ایسے سوال منظر عام پر آئے جن کا قرآن و حدیث میں واضح جواب موجود نہیں تھا چنانچہ استنباط و اجتہاد کی ضرورت محسوس کی گئی اور عقیدہ و شریعت میں اجتہاد کا حق فقہاء و مجتہدین کے سپرد کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں بعض اعتقادی مسائل میں صحابہ کے مابین اختلاف دکھائی دیتا ہے۔

رسول اکرمؐ کی زندگی میں اختلاف اور آپ کی وفات کے بعد کے اختلاف میں بڑا فرق تھا۔ آپ کی زندگی میں اگر کہیں اختلاف پیدا ہوتا تھا تو آپ اس کا فیصلہ کر کے اسے ختم کر دیتے تھے[2] لیکن آپ کی وفات کے بعد وہ حالت قائم نہ رہی۔ حکمران کسی صحابی یا چند صحابہ کے اجتہاد کی سرپرستی کرتے تھے لہذا اختلاف ختم نہیں ہوتا تھا کیونکہ کئی صحابہ کے نظریات ان اصحاب کے نظریات سے ہم آہنگ نہیں تھے۔ بطور مثال حسب ذیل دو معاملات کو ہی دیکھ لیں:

(۱) رسول اکرمؐ کی جانشینی اور امامت کبریٰ کا مسئلہ۔[3]

(۲) مانعین زکوٰۃ کو قتل کرنے اور مرتد قرار دینے کا مسئلہ۔

الغرض اس طرح کے مسائل مختلف کلامی اور اعتقادی مذاہب کے فروغ کا ذریعہ بنے ہیں چنانچہ ان مذاہب کے استدلال اور استنباط کے لئے جن نظریات نے جنم دیا وہ یہ ہیں:

(۱) محض نقلی استدلال (۲) محض عقلی استدلال (۳) ذوقی و اشراقی استدلال

(۴) حسی اور تجرباتی استدلال (۵) فطری استدلال

۱۔ مسند احمد بن حنبل ج ۲، ص ۱۷۸۔۱۹۶۔

۲۔ سیرت ابن ہشام ج ۱، ص ۳۳۱۔۳۳۲۔ مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ ڈاکٹر محمد حمید اللہ ج ۱، ص ۷۔

۳۔ اشعری کی مقالات الاسلامیین و اختلاف المصلین ج ۱، ص ۳۳۔۳۹۔ ابن حزم کی الفصل فی الملل والاھواء والنحل ج ۲، ص ۱۱۱۔ احمد امین مصری کی کتاب فجر الاسلام۔

(۱) محض نقلی استدلال

احمد بن حنبل اپنے دور میں اس طرز فکر کے امام تھے اور آج اہلحدیث اس طرز فکر کی نمائندگی کر رہے ہیں جو اپنی ذمے داری صرف یہی قرار دیتے ہیں کہ روایات کی میراث کی حفاظت کریں۔ انھیں روایات کے مطالب کی گہرائی سے اور صحیح و سقیم کی پہچان سے کوئی غرض نہیں ہے۔ فی زمانہ اس طرز فکر کے حامل سلفی کہلاتے ہیں۔ حنبلی اپنی فقہ میں بھی اسی طرز فکر کے قائل ہیں۔ ان کی نظر میں دینی مسائل پر غور و فکر کرنا حرام ہے اور ان کے متعلق سوال کرنا بدعت اور ان میں بحث کرنا بدعت پسندی کا درجہ رکھتی ہے۔ انہوں نے درس حدیث کو اپنے لئے ضروری لیکن غور و فکر کو حرام قرار دیا ہے۔ وہ اسے "اتباع" اور اس کے سوا ہر طرز فکر کو "بدعت پسندی" کہتے ہیں۔ ان کی تمام تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ اعتقادی مسائل کے باب میں جو احادیث آئی ہیں ان کی تدوین و تبویب کریں اور اگر ہو سکے تو لفظی تشریح اور روایات کی اسناد بیان کریں۔ چنانچہ بخاری، احمد بن حنبل، ابن خزیمہ، بیہقی اور ابن بطہ کی کتابوں میں یہی انداز کارفرما دکھائی دیتا ہے۔ ان لوگوں کی شدت پسندی کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اعتقادی مسائل میں علم کلام اور عقلی سوچ کو حرام قرار دیا ہے یہاں تک کہ ابن قدامہ نے رسالہ تحریم النظر فی علم الکلام بھی لکھی ہے۔

امام احمد بن حنبل کہا کرتے تھے کہ علم کلام کا حامل شخص کبھی نجات نہیں پائے گا اور جو شخص علم کلام کا شائق ہوگا اس کے دل میں منافقت ضرور ہوگی۔ انہوں نے علم کلام کی پرزور مذمت کی ہے اور ان کی شدت پسندی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے حارث محاسبی سے قطع تعلق کر لیا تھا حالانکہ حارث ایک زاہد اور پرہیزگار آدمی تھا۔ اس قطع تعلق کی وجہ یہ تھی کہ حارث نے اہل بدعت کے خلاف ایک کتاب لکھی تھی جس پر تنقید کرتے ہوئے احمد بن حنبل نے کہا تھا کہ "تم پر افسوس ہے کہ تم نے اپنی کتاب میں پہلے اہل بدعت کا تذکرہ کیا ہے اور پھر ان کی تردید کی ہے۔ اس طرح تم نے درحقیقت لوگوں کو اہل بدعت کے نظریات پڑھنے اور ان میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے جس سے لوگ رائے اور بحث کی طرف مائل ہوں گے۔"

امام حنبل اتنے شدت پسند تھے کہ کہا کرتے تھے: "علمائے متکلمین بے دین ہیں۔"

امام شافعی کی رائے بھی کچھ مختلف نہ تھی۔ زعفرانی کا بیان ہے کہ امام شافعی کا فیصلہ تھا:

"متکلمین کو کوڑے مارے جائیں اور پھر قبائل میں پھرایا جائے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ قرآن اور حدیث کو چھوڑ کر علم کلام میں داخل ہونے والوں کی یہی سزا ہے۔"

سلفی شروع ہی سے اس نظریے کے قائل رہے ہیں۔ وہ ہمیشہ اس بات کے مدعی رہے ہیں کہ صحابہ باقی لوگوں کی بہ نسبت حقائق کو بہتر طور پر جانتے تھے اور دوسروں کی بہ نسبت الفاظ کی ترتیب سے بھی زیادہ آشنا

تھے مگر اس کے باوجود انہوں نے بہت سے مسائل میں سکوت کیا تھا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ان مسائل سے برائیاں جنم لیں گی اور رسول اکرمؐ نے بھی فرمایا تھا: **ھلک المتطعون ، ھلک المتطعون ، ھلک المتطعون** یعنی زیادہ بحث مباحثہ کرنے والے ہلاک ہوئے، زیادہ بحث مباحثہ کرنے والے ہلاک ہوئے، زیادہ بحث مباحثہ کرنے والے ہلاک ہوئے۔[1]

سلفی خدا کے متعلق تجسیم و تشبیہ کا عقیدہ رکھتے تھے۔ یہ لوگ تقدیر کا یہ معنی کرتے تھے کہ انسان کسی بھی طور سے آزاد نہیں ہے۔ وہ ہر لحاظ سے مجبور محض ہے۔[2] اس گروہ نے عقیدے میں تقلید کو جائز اور غور و فکر کو حرام قرار دیا۔ ڈاکٹر احمد محمود صبحی رقم طراز ہیں کہ عقیدے میں تقلید نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی جائز جبکہ عبیداللہ بن حسن عنبری، **حشویہ** اور **تعلیمیہ**[3] نے نیز **رازی**[4] نے **المحصل** میں اس کی مخالفت کی ہے جبکہ جمہور علماء کا نظریہ ہے کہ عقیدے میں تقلید جائز نہیں ہے۔

شرح ترتیب میں استاد ابواسحاق لکھتے ہیں کہ علمائے حق کا اس امر پر اجماع ہے کہ عقیدے میں تقلید جائز نہیں ہے۔ امام الحرمین نے اپنی کتاب الشامل میں لکھا ہے کہ حنبلیوں کے علاوہ اصول دین میں تقلید کا کوئی بھی قائل نہیں ہے لیکن امام شوکانی نے اس اجماع سے اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ عقائد کو دلیل و برہان سے جاننا **تکلیف مالایطاق** ہے اور ہر شخص اس کی اہلیت اور طاقت نہیں رکھتا۔ بعد میں شوکانی نے ان علماء کے دلائل کی تردید کی جو اصول دین میں تقلید کے قائل نہیں ہیں۔ ہمیں شوکانی کے اس مقالے پر شدید تعجب ہے۔ شوکانی کہتے ہیں کہ اصول دین کو دلیل و برہان سے ماننا اس امت پر ظلم کے مترادف ہے۔ یہ ایسی تکلیف ہے جو ان کی اہلیت و طاقت سے زیادہ ہے۔ بہت سے صحابہ چونکہ درجۂ اجتہاد پر فائز نہیں تھے اس لئے انہوں نے اصول دین میں بھی تقلید کی تھی ... امت کے افراد کی اکثریت کے لئے اصول عقائد میں غور و فکر کرنا حرام ہے اور یہ جہالت و ضلالت کا پیش خیمہ ہے۔[5]

یہ طرز فکر رکھنے والے علم منطق کا پڑھنا پڑھانا حرام جانتے ہیں اور اسے معرفت بشر تک پہنچنے کا وسیلہ تسلیم نہیں کرتے جبکہ علم منطق دلیل و برہان کا علم ہے اور اس میں دلائل کی تنظیم کا طریقہ بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ ڈاکٹر عبدالحلیم محمود کی کتاب التوحید الخالص او الاسلام والعقل ص ۳۔۳۰۔

۲۔ صابونی ابوعثمان اسماعیل کی کتاب رسالۃ عقیدۃ السلف واصحاب الحدیث۔ (فی الرسائل المنیرۃ)

۳۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ج ۴، ص ۳۰۰۔

۴۔ شوکانی، ارشاد الفحول ص ۲۶۶۔۲۶۷۔

۵۔ امام الجوینی، الارشاد الی قواطع الادلۃ ص ۲۵۔ امام غزالی، الجام العوام عن علم الکلام ص ۶۶۔۶۷ اور ڈاکٹر احمد محمود صبحی، علم الکلام ج ۱۔

اس علم کے بنیادی اصول ارسطو نے اپنی کتاب الارغانون میں بیان کئے تھے اور انہیں ''میزان'' کا نام دیا تھا۔

روایات پرست گروہ علم منطق کی ناکامی کے لئے یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ کندی، فارابی، ابن سینا، غزالی، ابن باجہ، ابن طفیل اور ابن رشد عالم اسلام کے مشہور مفکر اور علم منطق کے ماہر تھے۔ اگر علم منطق کسی صحیح نتیجے پر پہنچانے میں معاون ہوتا تو ان میں باہمی اختلاف نہ ہوتا جبکہ علم منطق سے آراستہ ہونے کے باوجود ان کے افکار و آراء میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس لئے منطق کو حق و باطل کی ''میزان'' قرار نہیں دیا جا سکتا۔

یہ گروہ اپنے ابتدائی ادوار میں اسی سوچ کا حامل رہا اور اس نے علم کلام اور علم منطق کی شدید مخالفت کی لیکن بعد کے میں اسے حالات سے مجبور ہو کر اپنے موقف سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ مثلاً جب ہم اس گروہ کے ایک اور سرخیل ابن تیمیہ کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اس کے اندر علم کلام کے متعلق کافی لچک دکھائی دیتی ہے۔ وہ علم کلام کو مطلقاً حرام قرار نہیں دیتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ بوقت ضرورت علم کلام حلال ہو جاتا ہے چنانچہ ابن تیمیہ نے ملاحدہ اور زنادقہ کے نظریات کی تردید کے لئے عقلی اور شرعی دلائل کا سہارا لیا۔[1]

ابن تیمیہ نے جہاں علم کلام سے مصالحت کر لی تھی وہاں اس نے نہ صرف علم منطق سے مخاصمت برقرار رکھی بلکہ اس کی ردّ میں ایک کتاب الرد علی المنطقیین بھی لکھی۔

ابن تیمیہ کے پیروکار کہتے ہیں کہ فرانسیسی فلسفی ڈیکارٹ (۱۵۹۶ء - ۱۶۵۰ء) نے ارسطو کی منطق کی بجائے صحیح اور غلط کی پہچان کے لئے کچھ اصول و قواعد وضع کئے تھے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ جو آدمی اس کے اصول و قواعد کی مکمل پیروی کرے گا وہ فکری غلطی سے محفوظ رہے گا اور یقین کی دولت سے مالا مال ہوگا۔ لیکن ہوا کیا؟ ارسطو کی منطق کی طرح ڈیکارٹ کے اصول و قواعد بھی انسان کو فکری غلطیوں سے محفوظ نہ رکھ سکے اور انسان آج بھی اصابت فکر کے لئے ہزاروں برس قبل کے انسان کی طرح ترس رہا ہے۔[2]

بہت سے اسلامی مفکر عقلی طریقے کو ناپسند کرتے تھے چنانچہ امام غزالی نے تہافۃ الفلاسفہ لکھ کر فلاسفہ کی آراء کو دلائل سے ردّ کیا۔ غزالی کی کتاب کا لب لباب یہ ہے کہ عقل پر انحصار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جہاں عقل تعمیر کرتی ہے وہاں تخریب کا باعث بھی ثابت ہوتی ہے۔ امام غزالی یہ ثابت کرتے ہیں کہ الٰہیات اور اخلاقیات کے متعلق انسانی عقل زیادہ سے زیادہ تخمین پیدا کر سکتی ہے یقین نہیں۔

ابن رشد اندلسی (متوفی ۵۹۵ھ) نے غزالی کی ردّ میں تہافۃ التہافۃ لکھی جس میں غزالی کے نظریے کا بطلان کرتے ہوئے لکھا کہ عقل صریح اور نقل صحیح میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اُس نے اس مسئلے کی مزید

۱۔ ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ ج ۳، ص ۳۰۶ - ۳۰۷۔

۲۔ ڈاکٹر عبدالحلیم محمود، التوحید الخالص ص ۵ - ۲۰۔

وضاحت اپنی کتاب فصل المقال فیما بین الحکمۃ و الشریعۃ من الاتصال میں کی۔ اسے حالات کا جبر کہیں یا حسن اتفاق کہ جو نظریہ ابن رشد نے پیش کیا تھا بعینہٖ وہی نظریہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب موافقۃ صریح المعقول لصحیح المنقول میں پیش کیا ہے۔

ہمیں تو ابن تیمیہ کے دو متضاد موقف اختیار کرنے پر تعجب ہے۔ بہرنوع اہلسنت میں سے اہلحدیث ہوں یا شیعوں میں سے اخباری[1] وہ آیات اور روایات کے ظاہری الفاظ کی پیروی کرتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہو رائے اور قیاس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔[2]

آج کل سلفی اور اہلحدیث مذہب کو سعودی عرب (نجد) میں فروغ حاصل ہے۔ ان کی تھوڑی بہت جماعتیں (پاکستان)، عراق، شام اور مصر میں بھی موجود ہیں۔[3]

(۲) محض عقلی استدلال

معتزلی مذہب میں عقل کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اس مکتب کے افراد تاریخ میں اصحاب الرائے (اور اصحاب التوحید والعدل) کہلاتے ہیں۔ اس مکتب کے بانی واصل بن عطا (۸۰ھ۔۱۳۱ھ) اور عمرو بن عبید مصری (۸۰ھ۔۱۴۳ھ) تھے۔ اس وقت منصور دوانقی کا دور خلافت تھا۔ واصل اور عمرو کے بعد اس مکتب کی آبیاری احمد بن ابی داؤد نے کی جو مامون الرشید کا وزیر تھا اور قاضی عبدالجبار بن احمد ہمدانی (متوفی ۴۱۵ھ) نے بھی معتزلی عقائد کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔ فرقہ معتزلہ میں نظام، ابوالہذیل، علاف، جاحظ اور جبائیان کو بھی خصوصی مقام حاصل ہے۔ معتزلہ عقل کو خصوصی اہمیت دینے کے سبب معرفت خداوندی اور صفات خداوندی اور شریعت کی تفہیم کے لئے عقل پر بھروسا کرتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ عقل کے بغیر دین کا ادراک اور اس کی تطبیق ممکن نہیں ہے۔

اب معتزلہ معدوم ہو چکے ہیں اور فی زمانہ کہیں دکھائی نہیں دیتے البتہ زیدی اور اباضی مذاہب میں معتزلی افکار کا پرتو دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ دونوں مذاہب بہت سے عقائد میں معتزلہ سے متاثر ہیں۔ معتزلہ چند مسائل میں شیعہ اثناء عشری اور شیعہ اسماعیلی سے بھی متفق تھے۔ اہلحدیث معتزلہ کو "قدریہ" کہا کرتے تھے کیونکہ معتزلہ انسانی ارادے کی مکمل آزادی کے قائل تھے۔ ان کے عقائد کی اہم کتاب قاضی عبدالجبار کی

۱۔ شیخ مفید، اوائل المقالات۔

۲۔ سیوطی، صون المنطق والکلام عن علمی المنطق والکلام ص ۲۵۲۔ شوکانی ارشاد الفحول ص ۲۰۲۔ علی سامی النشار مناھج البحث عند مفکری الاسلام ص ۱۹۳۔ علی حسین الجابری، الفکر السلفی عند الاثنیٰ عشریۃ ص ۱۵۳۔۲۰۳۔۲۳۹۔

۳۔ القاسمی، تاریخ الجھمیۃ والمعتزلۃ ص ۵۶۔

شرح الاصول الخمسہ ہے۔اس کے علاوہ ان کے ہاں رسائل العدل والتوحید کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہے جو مشہور معتزلی علماء حسن بصری، قاسم الرسی اور عبدالجبار بن احمد کے تالیف کردہ ہیں۔

معتزلہ ایسی تمام آیات واحادیث کی تاویل کرتے تھے جو ان کے عقیدے کے خلاف ہوتی تھیں اس لئے وہ مکتب تاویل کے افراد شمار ہوتے تھے۔ معتزلہ نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ عباسی دور کی ابتدا میں یونانی فلسفے کے فروغ کی وجہ سے اسلام کے خلاف جو بلاخیز فکری طوفان آیا تھا معتزلہ نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا۔ مامون اور معتصم جیسے جابر بادشاہ بھی معتزلہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے لیکن متوکل کے عہد میں معتزلہ کا زوال شروع ہوا کیونکہ حکمران ان کے مخالف ہوگئے تھے اور اہلحدیث ان پر کفر، ضلالت اور فسق کے فتوے لگا رہے تھے چنانچہ آہستہ آہستہ یہ مکتب معدوم ہوتا چلا گیا۔معتزلہ کو معصوم اور مظلوم کہنا بھی صحیح نہیں کیونکہ انہوں نے بھی اپنے زمانہ عروج میں اپنے مخالفین کو شدید اذیتوں کا نشانہ بنایا تھا۔ بعدازاں جو کچھ ہوا اسے مکافات عمل کا نام دیا جاسکتا ہے مزید وضاحت کے لئے اس عنوان پر لکھی گئی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔[1]

معتزلہ مندرجہ ذیل پانچ اصول دین کے قائل تھے:

۱۔ توحید: یعنی اللہ مخلوقات کی صفات سے پاک ہے اور اسے ظاہری آنکھوں سے دیکھنا محال ہے۔

۲۔ عدل: یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا اور وہ اپنی مخلوق کو معصیت پر مجبور نہیں کرتا۔

۳۔ المنزلۃ بین المنزلتین: یعنی گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ تو مومن ہے اور نہ کافر ہے بلکہ وہ فاسق ہے۔

۴۔ وعد و وعید: یعنی اللہ پر واجب ہے کہ مومنوں سے جنت اور کافروں سے دوزخ کا وعدہ پورا کرے

۵۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر: جب ظالم حکام نصیحت سے باز نہ آئیں تو ان کی مخالفت واجب ہے

اشعری اور ماتریدی عقائد

اشعری مذہب جس کی نمائندگی موجودہ اہلسنت والجماعت[☆] کرتے ہیں معتزلہ اور اہلحدیث[☆] کے

۱۔ زہدی حسن جار اللہ، المعتزلہ، طبع دوم، بیروت دار الاھلیۃ للنشر والتوزیع ۱۹۷۴ء۔

☆ اکثر برادران اہلسنت عقائد میں اشعری کو امام مانتے ہیں اور فقہ میں ان ائمہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کرتے ہیں۔

۱۔ ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن نعمان زوطی متولد ۸۰ھ کوفہ — متوفی ۱۵۰ھ بغداد

۲۔ ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک اصبحی متولد ۹۳ھ مدینہ — متوفی ۱۷۹ھ مدینہ

۳۔ محمد بن ادریس بن عباس بن شافع مطلبی متولد ۱۵۰ھ غزہ — متوفی ۱۹۸ھ مصر

۴۔ احمد بن محمد بن حنبل ذہلی شیبانی مروزی متولد ۱۶۴ھ بغداد — متوفی ۲۴۱ھ بغداد

☆ اہلحدیث سلفی بھی کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ متقدمین میں محمد بن عبدالوہاب نجدی اور متاخرین میں عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کے عقائد ونظریات کی پیروی کرتے ہیں۔

درمیان ایک اعتدال پسند مذہب ہے۔ اس مکتب کا بانی ابوالحسن اشعری (متوفی ۳۲۴ھ) پہلے معتزلی تھا۔ وہ چالیس سال تک معتزلی عقائد پر کاربند رہا لیکن ۳۰۰ھ میں اس نے بصرہ کی جامع مسجد میں معتزلی عقائد سے تائب ہوکر اہلسنت والجماعت کا مذہب اختیار کیا۔ اس نے اہلحدیث اور معتزلہ کے درمیانی راستے کا انتخاب کیا۔ اس نے عملی طور پر اہلحدیث کو تقویت پہنچائی لیکن اس کے لئے اس نے معتزلہ کا عقلی طریقہ استعمال کیا۔ اس کی اسی روش کی وجہ سے معتزلہ نے اس کی مخالفت کی جبکہ اہلحدیث نے بھی اسے اپنے موضوع میں جگہ نہ دی۔ اہلحدیث آج تک اسے معاف کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ وہ اسے بنیادی اصول سے روگردانی کا مجرم قرار دیتے ہیں اور بعض شدت پسند اہلحدیث اس پر کفر کا فتویٰ بھی صادر کرتے ہیں۔

اشعری کے زمانے میں ابومنصور ماتریدی سمرقندی (متوفی ۳۳۳ھ) بھی بعینہ ان ہی خطوط پر عمل کررہا تھا ماتریدی کو بھی عقائد میں اہلسنت کا امام تصور کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اشعری اور ماتریدی دونوں مذہب اہلسنت کے عقائد کے امام تھے لیکن بعض مسائل میں دونوں کی رائے یکساں نہیں تھی۔ کچھ افراد نے ان کے اختلافات کی تعداد گیارہ تک بیان کی ہے۔[۱] اشعری قرآن اور حدیث کے ظاہری الفاظ کی تاویل سے بہت اجتناب کرتا تھا اور وہ تشبیہ وتجسیم کے پاتال میں بلاکیف کہہ کر اور مسائل قدر میں بالکسب کہہ کر جبر کے اتھاہ سمندر میں ڈوبنے سے بچنے کی کوشش کیا کرتا تھا جبکہ دوسرے فرقے اس کی اس کوشش کو فکری اور اعتقادی مسائل میں اس کی نارسائی تصور کرتے تھے۔ بہرحال اشعری مذہب اہلحدیث کے سامنے سینہ سپر رہا اور رفتہ رفتہ عالم اسلام میں پھیل گیا۔[۲]

(۳) ذوقی و اشراقی استدلال

اسلامی مکاتب فکر میں ایک ایسا مکتب بھی گزرا ہے جو علم کلام کے مسائل کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھتا تھا اور پھر اس نظریے کا انتخاب کرتا تھا جو صوفیاء کے ذوق سے مطابقت رکھتا تھا۔ یہ مکتب عقلیات پر قائم فلاسفہ و متکلمین کے مسلک سے بالکل جدا تھا۔ اس مکتب کا بانی حلاج تھا۔☆

اس مکتب میں امام غزالی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ انہوں نے الجام العلوم عن علم الکلام میں لکھا ہے کہ یہ "خاصہ" کا طرز فکر ہے۔ اس کے سوا باقی طرز فکر "عامہ" سے تعلق رکھتے ہیں۔ "عامہ" اور ان کے

۱۔ محمد ابوزہرہ، تاریخ المذاهب الاسلامیہ، قسم الاشاعرۃ والماتریدیۃ۔ آیت اللہ جعفر سبحانی، الملل والنحل ص ۱-۳۔ فرد وبل، الفرق الاسلامیۃ فی الشمال الافریقی ص ۱۱۸۔ احمد محمود صبحی، علم الکلام ج ۱۔

۲۔ سبکی، طبقات الشافعیۃ ج ۳، ص ۳۹۱۔ یافعی، مرآۃ الجنان ج ۳، ص ۳۴۳۔ ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج ۱۲، ص ۶۷۔

☆ مشہور صوفی منصور حلاج مراد ہے۔ منصور دراصل اس کے باپ کا نام تھا اور اس کا نام حسین تھا جو ۳۰۹ھ انا الحق کہنے پر سولی دیا گیا اور اس کی لاش کو جلا کر دریائے دجلہ میں بہا دیا گیا تھا۔

پیروکار "ادلہ" کو تو جانتے ہیں لیکن "استدلال" سے محروم ہیں۔[1]

ڈاکٹر سلیمان دینا نے غزالی اور دوسرے صوفیاء کے طرز فکر پر الحقیقة فی نظر الغزالی کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ ڈاکٹر احمد محمود صبحی نے غزالی پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ غزالی نے ذات باری کی حقیقت کے متعلق یہ فتویٰ دیا تھا کہ عوام کو اس میں غور و فکر کرنا حرام ہے۔ ہمیں غزالی کے اس فتویٰ سے تو کوئی اختلاف نہیں لیکن غزالی کی انتہا پسندی یہ ہے کہ اس نے ادیبوں، نحویوں، محدثوں، فقیہوں اور متکلمین سب کو عوام کے زمرے میں شامل کیا ہے اور یہ فتویٰ دیا ہے کہ ذات باری کی حقیقت کے متعلق راسخین فی العلم سے مراد صرف بحر معرفت میں ڈوبے ہوئے اولیاء ہیں جو کہ خواہشات دنیا سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ غزالی کی یہ عبارت اُن لوگوں کے لئے سند ہے جن کا یہ دعویٰ ہے کہ حکمت اشراقیہ اور فیض کے متعلق غزالی کا ایک علیحدہ نکتہ نظر تھا۔ اسی نظریے کی وجہ سے ابو حامد غزالی کو حجۃ الاسلام کہا جاتا تھا۔

اس کے بعد ڈاکٹر صبحی کہتے ہیں کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ فقہاء، مفسرین اور متکلمین کو تو راسخین فی العلم کی صف سے باہر رکھا جائے اور صوفیاء کو ہی علم میں راسخ قرار دیا جائے؟ کیا اس سے صوفیاء کے لئے مزید "شطحیات" کا دروازہ نہیں کھل جاتا؟ جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ فیض و اشراق اور اس کے درآمد شدہ اصول اسلامی عقائد کے لئے اتنے ہی مضر ہیں جتنا کہ متکلمین کے خود ساختہ مسائل نقصان دہ ہیں۔[2] اس کے باوجود تصوف نے اسلامی عقائد سے متعلق ہماری میراث چھوڑی ہے جس میں "فتوحات مکیہ" سرفہرست ہے۔[3]

(۴) حسی اور تجرباتی استدلال

اسلامی عقائد کے متعلق یہ بالکل نئی فکر ہے اور اس فکر کے حامل زیادہ تر وہ علماء اور دانشور ہیں جو مغرب سے زیادہ متاثر ہیں۔ یہ علماء اور دانشور مصر، ہندوستان، عراق اور ان اسلامی ممالک سے تعلق رکھتے ہیں جو انگلستان، امریکہ، جاپان اور فرانس کی نو آبادیات رہے ہیں۔ اس طرز فکر کے حامل افراد معرفت بشری کے ذرائع کے متعلق ایک خاص نکتہ نظر رکھتے ہیں اور وہ حسی اور تجرباتی اسالیب پر زیادہ انحصار کرتے ہیں۔ ان کی نظر میں قدیم عقلی طرز فکر اور ارسطو کی منطق کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ان لوگوں نے مابعد الطبیعیاتی علوم یعنی Metaphysics اور معارف دینیہ کو سائنسی اور تجرباتی میزان پر پرکھنے کی کوششیں کی ہیں۔[4]

۱۔ امام غزالی، الجام العوام عن علم الکلام ص ۶۲۔

۲۔ ڈاکٹر احمد محمود صبحی، علم الکلام ج ۲، ص ۲۰۳۔

۳۔ شعرانی عبد الوہاب بن احمد، الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر۔ سمیح عاطف الزین، الصوفیة فی نظر الاسلام طبع سوم، مطبوعہ دار الکتاب اللبنانی ۱۹۸۵ء۔

۴۔ ڈاکٹر عبد الحلیم محمود، التوحید فی الخالص او الاسلام والعقل۔

اس مسلک کے علماء اور دانشور معجزات کی مادّی تفسیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نبوت انسانی عبقریت کا دوسرا نام ہے۔ کچھ محققین نے اس طرز فکر پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔[1] مثال کے طور پر سرسید احمد خان کی تالیفات۔[2] سرسید نے اپنی تفسیر قرآن میں سخت مغرب پسند ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ ان کی تفسیر جدید سائنسی انکشافات سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے۔ سرسید کو اگرچہ مذکورہ طرز فکر کا پورا علمبردار تو نہیں کہا جاسکتا البتہ یہ بات ضرور کہی جاسکتی ہے کہ انہوں نے قرآن کے متعلق معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا ہے اور یہ تاثر دینے کی بھرپور کوشش کی کہ قرآن مجید مکمل طور پر جدید علوم کا حامی ہے۔ اس طرز فکر کی فی الحال کوئی سرحد معین نہیں کی جاسکتی البتہ اس کا پرتو مختلف دینی مسائل اور جدید سائنسی مقالات میں پوری طرح سے دیکھا جاسکتا ہے۔[3]

(۵) فطری استدلال

اہلبیتؑ کی تعلیمات میں فطری استدلال کے بنیادی عناصر موجود ہیں جن کے بغیر اسلامی عقائد کا صحیح ادراک ممکن نہیں ہے۔ اس طرز فکر کی اساس قرآن وسنت سے ماخوذ ہے جیسا کہ قرآن مجید بتاتا ہے:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

دین وہ فطرت الٰہی ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اور خلقت الٰہی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی ہے۔ یقیناً یہی سیدھا اور مستحکم دین ہے مگر لوگوں کی اکثریت اس بات سے بالکل بے خبر ہے۔ (سورۂ روم: آیت ۳۰)

اس آیت میں یہ اعلان ہے کہ معارف دین تک پہنچنے کا بہترین راستا انسان کی فطرت ہے اور فطرت کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ بری معاشرت اور خراب تربیت سے تبدیل نہ ہوئی ہو اور خواہشات کی پیروی اور ناحق بحث ومباحثہ سے اس کا نور مدھم نہ ہوا ہو۔ انسانوں کی اکثریت حق وحقیقت تک اس لئے نہیں پہنچ پاتی کہ عصبیت کی وجہ سے ان کا چراغ فطرت بجھ چکا ہے اور ان کی ہٹ دھرمی حقائق کے ادراک میں مانع ہے۔

حدیث میں بھی فطرت سلیمہ کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: **کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُنَصِّرَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ** یعنی ہر پیدا ہونے والا فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔[4]

۱۔ ڈاکٹر عبدالرزاق نوفل، المسلمون والعلم الحدیث۔ فرید وجدی، الاسلام فی عصر العلم۔

۲۔ ترجمہ تفسیر قرآن ج ۱، ص ۶۔۲۵۔

۳۔ شیخ محمود شلتوت، تفسیر القرآن الکریم کے پہلے دس پارے ص ۱۱ تا ۱۳۔ علامہ اقبال، احیاء الفکر الدینی فی الاسلام جس کا فارسی ترجمہ احمد آرام نے کیا ہے ص ۱۴۷۔۱۵۱۔ سید جمال الدین افغانی، العروۃ الوثقی ج ۷، ص ۳۸۳، مطبوعہ اٹلی۔ (اسی طرز فکر کی جھلک پرویز کی تحریروں میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ مترجم)

۴۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز وکتاب التفسیر ۳۰۔۱ قدر ۳۰، صحیح مسلم، کتاب القدر حدیث ۲۲۔۲۳۔۲۴۔ مسند احمد ج ۲، ص ۲۳۳۔۲۸۱، ج ۳، ص ۳۵۳ نیز آصف محسنی قندہاری کی صراط الحق میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

فطری طرز فکر میں عقل ،نقل ، شہود ، اشراق اور سائنسی انداز سب ہی شامل ہیں۔ اس طرز تفکر کی خوبی یہ ہے کہ وہ صرف ایک ہی طریقے پر انحصار نہیں کرتا بلکہ خدائی ہدایت کے تحت جہاں جس طریقے کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس سے استفادہ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

ہدایت کی توفیق اللہ کی طرف سے ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: يَمُنُّونَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَا تَمُنُّوْا عَلَىَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ○ یہ آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ اسلام لے آئے ہیں۔(اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ تم مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو۔ اگر تم اپنے ایمانی دعوے میں سچے ہو تو اللہ تم پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی ہے۔(حجرات: آیت ۱۷) ایک اور آیت میں ہے: وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَازَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا... اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی کبھی بھی پاکباز نہ بن سکتا تھا۔ (سورۂ نور: آیت ۲۱)

اس طرز فکر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے پیروکار علم کلام کے مناظرات اور شکوک وشبہات سے پرہیز کرتے ہیں۔ وہ ائمہ اہلبیتؑ سے ایسی روایات نقل کرتے ہیں جن میں دین کے متعلق خواہ مخواہ کی مناظرہ بازی سے منع کیا گیا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے مخالفین ایک مذہب رکھنے کے باوجود سو سے زیادہ مسائل کے متعلق اختلاف کا شکار ہیں۔[1] اللہ کی پیدا کردہ فطرت کو روایات اہلبیتؑ میں کبھی طینت اور کبھی عقل مطبوع سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے علم حدیث کے ذخیروں کی طرف رجوع فرمائیں۔[2]

عقائد سمجھنے کے لئے اہلبیتؑ کا طرز فکر

عقیدے کی بحث میں اس کے مصادر کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ قبلا ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ قرآن اور حدیث اسلامی عقائد کا سرچشمہ ہے۔ دوسرے مکاتب فکر اور اہلبیتؑ کے مکتب فکر میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اہلبیتؑ کا مکتب کسی صورت میں بھی قرآن اور حدیث سے جدا نہیں ہوتا اور ہر مسئلہ قرآن اور حدیث کے سائے میں حل کرتا ہے۔وہ قرآن اور حدیث کے مقابلے میں کسی خواہش اور عصبیت کو ترجیح دینے پر آمادہ نہیں۔ یہ مکتب اجتہاد کے بنیادی اصول میں بھی قرآن اور حدیث کو ہی اولین ماخذ قرار دیتا ہے۔ اسی لئے:

(۱) اس مکتب فکر کے افکار کی گہرائی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے پیرو اجتہاد کو نص پر مقدم نہیں کرتے اور یہ ضرور دیکھتے ہیں کہ نص معارض سے خالی ہو یا اگر معارض موجود ہو تو وہ نص کے مفہوم کی مقاومت نہ کرسکتا ہو۔ جبکہ دوسرے مذاہب کا نصوص کے ساتھ رویہ کچھ بہتر نہیں۔ ایسے مکاتب بھی موجود ہیں

۲۔ علی بن طاؤس، کشف المحجة لثمرة المهجة ص ۱۱۔۲۰، مکتبة الداوری، قم۔

۳۔ اصول کافی ج ۱، ۳۱۰، باب الهدایة ج ۲۔۳ باب طینة المؤمن والکافر، طبع چهارم مکتبة الاسلامیه، تہران ۱۳۹۲ھ۔

جو کمزور تاویلات کا سہارا لے کر نصوص کی پابندی سے اپنے آپ کو آزاد کرنے کی فکر میں دکھائی دیتے ہیں۔

حضرت امیر المومنینؑ نے حارث بن حوط سے فرمایا تھا: ... انک لم تعرف الحق فتعرف من اتاہ ولم تعرف الباطل فتعرف من اتاہ یعنی تم نے ابھی تک حق کو ہی نہیں پہچانا تو حق والوں کو کیسے پہچانتے اور تم نے باطل کو ہی نہیں پہچانا تو بھلا اہل باطل کو کیسے پہچانتے؟ (نہج البلاغہ، حکمت ۲۶۲)

(۲) مکتب اہلبیتؑ میں نص پر کسی چیز کو مقدم نہیں رکھا جاتا بشرطیکہ نص قطعی اور متواتر ہو۔ اسلامی عقیدے کے لئے یہ بنیادی شرط ہے کیونکہ تخمین و ظن سے عقیدے کا اثبات ممکن نہیں ہے۔ اہلبیتؑ کے پیروؤں کی روش کو مدنظر رکھ کر سلفی حضرات کو بھی اپنی اصلاح کرنی چاہئے کیونکہ وہ عقیدے کے متعلق ضعیف اور اخبار آحاد کو بھی قبول کرتے ہیں اور اپنے طرز فکر کے دفاع میں مرنے مارنے سے دریغ نہیں کرتے اور بعض ضعیف روایات پر انحصار کر کے مسلمانوں کو کافر کہنے سے بھی نہیں چوکتے۔ انہیں صرف روایت پسندی ہی نہیں ہونا چاہئے بلکہ روایت کے صدق و کذب اور عام و خاص، محکم و متشابہ اور راوی کے حفظ و وہم کی جستجو اور تحقیق بھی کر لینی چاہئے۔

(۳) اسلامی عقائد کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: ''ضروری'' اور ''نظری''۔ ضروری سے مراد وہ عقائد ہیں جن کا منکر دین سے خارج ہو جاتا ہے۔ مثلاً توحید، نبوت اور قیامت جو ضروریات دین میں سرفہرست ہیں۔ نظری عقائد سے مراد ایسے عقائد ہیں جن کے لئے تحقیق اور دلیل کی ضرورت محسوس ہو اور جن میں ارباب مذاہب میں اختلاف ممکن ہو۔ پس ضروری عقائد کا منکر کافر ہوتا ہے جبکہ نظری عقائد کا منکر کافر نہیں ہوتا۔

(۴) عقیدے میں قیاس اور استحسان قابل قبول نہیں ہیں۔

(۵) مکتب اہلبیتؑ اس بات پر بھی عقیدہ رکھتا ہے کہ عقل کے صحیح تقاضے صحیح منقول کے موافق ہوتے ہیں بشرطیکہ دونوں کے تقاضوں کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے اور ظنیات کو بطور مسلمات پیش نہ کیا جائے۔ معقول صریح کے مقابلے میں منقول ضعیف کو اور صحیح متواتر روایت کی جگہ پر خبر واحد کو نہ لایا جائے۔

(۶) ایسے تمام اجتہادات اور تعبیرات ناجائز ہیں جن کا مقصد بدعت کی آبیاری ہو۔

(۷) مکتب اہلبیتؑ تمام انبیاءؑ اور بارہ ائمہ اہلبیتؑ کو دلائل قطعیہ سے معصوم جانتا ہے اور جب ان سے کوئی چیز ثابت ہو جائے تو اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ مجتہد سے صحیح اجتہاد بھی ممکن ہے اور اس سے اجتہادی غلطی کا بھی امکان ہے البتہ اگر اس نے اجتہاد کی تمام شرائط کے مطابق حق تحقیق ادا کیا ہو تو وہ معذور ہے۔

(۸) امت میں محدث بھی موجود ہیں اور وہ بھی جن کو الہام ہوتا ہے اور وہ بھی جنہیں سچے خواب دکھائی دیتے ہیں اور وہ ان ذرائع سے حقیقتوں کو پا لیتے ہیں لیکن یہ تمام امور اثبات کے محتاج ہیں۔ عقیدہ و عمل میں ان کا بھی ایک مقام ہے لیکن اس کے لئے شرائط مقرر ہیں۔

(۹) تقویٰ اور ادب آداب کے ساتھ کیا جانے والا مناظرہ جس کا مقصد اجالا پھیلانا، حق پہنچانا اور عقائد

کی ترویج کرنا ہو تو وہ قابل تعریف ہے لیکن اپنا علمی تجر دکھانے کے لئے مناظرہ کرنا قابل مذمت ہے۔ مناظرے کے دوران ایسی کوئی بات ہرگز نہیں کہنی چاہئے جس کا پورا علم اور یقین نہ ہو۔

(۱۰) مکتب اہلبیتؑ بدعت سے متنفر ہے اور ہر وہ کام بدعت ہے جسے دین کے نام پر رائج کیا جائے جبکہ وہ دین میں سے نہ ہو۔ بعض لوگ کسی چیز کو بدعت اور کسی چیز کو سنت سمجھ لیتے ہیں لیکن جب تحقیق کی جاتی ہے تو وہ چیز بدعت یا سنت نہیں ہوتی اس لئے پہلے اچھی طرح سے تحقیق کرلینی چاہئے پھر فتویٰ دینا چاہئے۔[1]

(۱۱) کسی کو کافر کہنے کے لئے انتہائی غور وفکر ضروری ہے۔ جب تک کوئی شخص خود اپنے کفر کا اقرار نہ کرے یا اس کے خلاف ناقابل تردید شہادت نہ ملے اس وقت تک کفر کا فتویٰ نہیں لگانا چاہئے کیونکہ "تکفیر" حد شرعی کا سبب ہے اور حد شرعی کے لئے قاعدہ یہ ہے کہ "حدود، شبہات سے ٹل جاتی ہیں۔" کسی کو کافر کہنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ہاں اگر کوئی واقعی کافر ہو جائے تو پھر اسے کافر کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[2]

(۱۲) اختلافات کی صورت میں کتاب، سنت اور عترت کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے:

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ اگر لوگ (اس امر کو) رسول اور اپنے صاحبان امر کے پاس پہنچاتے تو تحقیق کرنے والے (صاحبان امر) اس امر کی تحقیق کرلیتے۔ اور اگر تم پر فضل و کرم نہ ہوتا تو معدود چند لوگوں کے سوا سب شیطان کے پیرو ہو جاتے۔ (سورۂ نساء: آیت ۸۳)

(۱۳) صفات باری کے متعلق مکتب اہلبیتؑ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات عین ذات ہیں۔ وہ بذات خود زندہ ہے، حیات کی وجہ سے زندہ نہیں ہے۔ وہ بذات خود قادر ہے اور بذات خود عالم ہے۔[☆] اللہ ان معنوں میں صفات سے موصوف نہیں جیسا کہ مشبہ کہتے ہیں۔ صفات باری کے متعلق جو بدترین نظریہ ابوہاشم جبائی نے پیش کیا تھا اور جس کی وجہ سے وہ اہل توحید سے جدا ہوا تھا مذہب اہلبیتؑ ایسے تمام نظریات کا ابطال کرتا ہے۔ صفات باری کے متعلق امامیہ اور معتزلہ کا مجموعی عقیدہ یہی ہے البتہ معتزلہ میں سے چند ایک نے اس بات سے اختلاف کیا ہے جن کی نشاندہی ابھی ہم نے کی ہے۔ امامیہ اور معتزلہ کے علاوہ زیدیہ، اکثر موجئہ اور اصحاب حدیث کی ایک جماعت کا تعلق یا تو اہل اثبات سے ہے یا پھر اہل تعطیل سے۔[3]

(۱۴) مکتب اہلبیتؑ اشیا کے حسن وقبح کو عقلی جانتا ہے اور یہ مکتب اس بات پر عقیدہ رکھتا ہے کہ عقل بعض اشیا کے حسن وقبح کو فوراً محسوس کرلیتی ہے۔

۱۔ شریف مرتضیٰ علی بن حسین موسوی متوفی ۴۳۶ھ، رسائل الشریف المرتضیٰ، رسالہ الحدود والحقائق۔

۲۔ ان لوگوں کی تکفیر جو کہتے ہیں کہ اللہ کی صفات ہیں اور وہ ان صفات سے موصوف تھا اور انہوں نے ان کے اثبات کے لئے حد تشبیہ کو عبور کیا۔

☆ حضرت امیرؑ دعائے صباح میں فرماتے ہیں: يَا مَنْ دَلَّ عَلٰى ذَاتِهٖ بِذَاتِهٖ وَتَنَزَّهَ عَنْ مُجَانَسَةِ مَخْلُوْقَاتِهٖ۔

۳۔ شیخ مفید، اوائل المقالات ص ۱۸۔

توحید کے متعلق نظریات: مکتب اہلبیتؑ توحید میں تنزیہ مطلق پر ایمان رکھتا ہے کیونکہ فرمان الٰہی ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ (سورۂ شوریٰ: آیت ۱۱) علاوہ ازیں مکتب اہلبیتؑ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حاسہ چشم سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہے کیونکہ فرمان الٰہی ہے: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ یعنی آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں جبکہ وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے۔ (سورۂ انعام: آیت ۱۰۳)

اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی صفات سے متصف کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ فرمان الٰہی ہے: سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وہ ان باتوں سے جو اس کی نسبت بیان کرتے ہیں پاک ہے (اور اس کی شان ان سے) بلند ہے۔ (سورۂ انعام: آیت ۱۰۱) سُبْحَانَ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں آسمانوں اور زمین اور عرش کا پروردگار ان باتوں سے پاک ہے۔ (سورۂ زخرف: آیت ۸۲)

عدل کے متعلق نظریات: مکتب اہلبیتؑ اللہ تعالیٰ کو عادل بتاتا ہے اور اس سے ظلم کی نفی کرتا نظر آتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ... بیشک اللہ ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ (سورۂ نساء: آیت ۴۰) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ بیشک اللہ تو انسانوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا لیکن انسان ہی اپنی جانوں پر ظلم کررہے ہیں۔ (سورۂ یونس: آیت ۴۴)

نبوت کے متعلق نظریات: نبوت کے متعلق مکتب اہلبیتؑ کا پیغام یہ ہے کہ انبیاء مطلقاً معصوم ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ... ۝ اور کبھی نہیں ہوسکتا کہ نبی خیانت کرے اور خیانت کرنے والوں کو قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز لاکر حاضر کرنی ہوگی۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۶۱) قُلْ اِنِّيْ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے یوم عظیم کے عذاب کا خوف ہے۔ (سورۂ انعام: آیت ۱۵)

مکتب اہلبیتؑ انبیائے کرامؑ کو وحی پہنچانے میں بھی معصوم سمجھتا ہے ارشاد باری ہے: وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ اگر یہ پیغمبر اپنی طرف سے ہماری نسبت کوئی بات خود بنالیتے تو ہم ان کے ہاتھ کو پکڑ لیتے۔ پھر ان کی رگ گردن کاٹ ڈالتے۔ (سورۂ حاقہ: آیت ۴۴ تا ۴۶)

مکتب اہلبیتؑ فرشتوں کو بھی معصوم سمجھتا ہے: ... لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔ (سورۂ تحریم: آیت ۶)

امامت کے متعلق نظریات: مکتب اہلبیتؑ کا نظریہ ہے کہ امامت ایک خدائی عہدہ ہے اور

غیر معصوم امام نہیں ہو سکتا مگر عصمت کی شرط امامت کبریٰ کے لئے ہے اور امامت کبریٰ سے مراد دنیا اور دین کے امور میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی ہے۔ یہ شیعہ نظریہ اس آیت پر قائم ہے: وَاِذِ ابْتَلٰی اِبْرَاهِمَ رَبُّهٗ بِكَلِمَاتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظَّالِمِیْنَ ۝ جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیم کو آزمایا تو وہ ان میں پورے اترے۔ خدا نے کہا کہ میں تم کو لوگوں کا امام بنا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میری اولاد میں سے بھی (امام بنانا)۔ ارشاد ہوا کہ ہمارا یہ عہدہ ظالموں کیلئے نہیں۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۲۴)

الغرض ان نصوص قطعیہ کی بنیاد پر ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انبیاء اور ائمہ کے خواب بھی سچے ہوتے ہیں اور اللہ نے انہیں خواب کی غلطی سے بھی معصوم بنایا ہے۔[1]

مکتب اہلبیتؑ میں استنباط کیلئے عقل کا مقام

مکتب اہلبیتؑ معتزلہ کی افراط اور اہلحدیث کی تفریط کے بین بین عقل کو ایک خاصا مقام عطا کرتا ہے۔ جیسا کہ شیخ مفید (متوفی ۴۱۳ھ) رقم طراز ہیں: اگر کوئی یہ کہے کہ مذہب امامیہ کے ائمہ کے متعلق متواتر روایات موجود نہیں ہیں بلکہ ان کے لئے اخبار آحاد ہیں تو ہمارے مذہب کی صحت پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ اخبار احاد کے ساتھ ساتھ ہمارے پاس ایسے عقلی دلائل بھی موجود ہیں جو ائمہ ہدیٰ کی امامت کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔ اور اگر خدانخواستہ مذکورہ نقلی روایات باطل ہوتیں جیسا کہ مخالفین کہتے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ عقلی دلائل بھی باطل ہو جاتے جو ائمہ کی امامت کو ضروری قرار دیتے ہیں...[2]

شیخ مزید لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی توفیق و مشیت سے میں اس کتاب میں مذہب شیعہ اور مذہب معتزلہ کا فرق واضح کروں گا اور اس کے ساتھ ساتھ عدل الٰہی کا نظریہ رکھنے والے شیعوں اور عدل الٰہی کا عقیدہ رکھنے والے معتزلہ کا باہمی فرق بھی اجاگر کروں گا۔[3]

شیخ صدوق محمد بن بابویہ (متوفی ۳۸۱ھ) فرماتے ہیں: خدا کی سنت یہ ہے کہ پہلے وہ عقل میں کسی چیز کے حقائق کی تصویر کشی کرتا ہے۔ اس کے بعد اس چیز کی دعوت دیتا ہے کیونکہ اگر عقل میں پہلے سے اس کی تصویر ہی موجود نہ ہو تو پھر دعوت کا کوئی فائدہ مرتب نہیں ہو سکتا۔ اشیا عقل میں اپنی صورت بناتی ہیں اور اپنے متضاد کی

---

۱ و ۳۔ شیخ مفید، اوائل المقالات۔

۲۔ شیخ مفید، المسائل الجارودیہ ص ۳۶۔

بھی خبر دیتی ہیں۔ اگر عقل میں انبیاء کا انکار پہلے سے موجود ہوتا تو خدا کبھی بھی کسی نبی کو مبعوث نہ کرتا۔[1]

شیخ صدوق مزید لکھتے ہیں: اس سلسلے کی صحیح ترین گفتگو یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ ہم نے خدا کو خدا کے ذریعے سے ہی پہچانا ہے کیونکہ اگر ہم نے خدا کو اپنی عقل سے پہچانا تو عقل بھی تو خدا نے عطا کی ہے اور اگر ہم نے خدا کو انبیاء اور ائمہ کے ذریعے سے پہچانا تو انہیں بھی تو خدا نے مبعوث کیا ہے اور اسی نے ہی انہیں اپنی حجت قرار دیا ہے۔ اور اگر ہم نے خدا کو اپنے نفوس سے پہچانا تو ہمارے نفوس بھی تو خدا کے ہی پیدا کردہ ہیں۔ لہٰذا ذریعہ معرفت جو بھی ہو اس کا آخری نتیجہ یہی ہوگا کہ ہم نے خدا کو خدا ہی سے پہچانا۔[2] اور عقل کے متعلق یہ طرز عمل یعنی اسے انبیاء اور ائمہ ہدیٰ کے پہلو بہ پہلو تسلیم کرنا مذہب امامیہ کا ہی طرۂ امتیاز ہے اور مکتب اہلبیتؑ کے علاوہ کسی بھی مذہب میں عقل کو یہ پذیرائی نہیں ملی۔

صادق آل محمدؐ سے اس سلسلے میں یہ حدیث مروی ہے: **لولا اللّٰہ ما عرفنا ولولا نحن ما عرف اللّٰہ** یعنی اگر خدا نہ ہوتا تو ہماری پہچان نہ ہوتی اور اگر ہم نہ ہوتے تو خدا کی پہچان نہ ہوتی۔[3]

شیخ صدوق اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر خدا کی حجتیں نہ ہوتیں تو اس کی مکمل پہچان نہ ہوتی اور اگر خدا نہ ہوتا تو حجتوں کو کوئی نہ پہچانتا۔[4]

علم کلام کے مناظروں کے متعلق مکتب اہلبیتؑ کا نظریہ

مناظرے کے متعلق دو قسم کے نظریات پائے جاتے ہیں۔ اہلحدیث علماء کے نزدیک علم کلام کے مسائل پر گفتگو کرنا مطلقاً حرام اور ناجائز ہے جب کہ معتزلہ کا دارومدار ہی علم کلام کے مباحثوں پر رہا ہے۔ یہ دونوں نظریات افراط و تفریط پر مبنی ہیں جبکہ مکتب اہلبیتؑ کا نظریہ دونوں انتہاؤں کے بیچ میں ہے اور مکتب اہلبیتؑ مناظرہ کے لئے اعتدال پسندانہ نکتہ نظر رکھتا ہے۔

۱۔ شیخ صدوق، اکمال الدین واتمام النعمۃ۔

☆ اہل دانش کی یہ بات کہ انسان اپنی فطرت کی بنا پر جو فطرت اسلام ہے یہ جان سکتا ہے کہ اس کائنات کا اور خود انسان کا ایک خالق ہے ادھورا سچ ہے۔ اگر خداوند عالم اپنے نبیوں کو نہ بھیجتا تو انسان کبھی اپنی عقل سے خدا کے احکامات و مرضیات اور موت کے بعد کی زندگی کو نہیں جان سکتا تھا اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے پیغمبر باطن یعنی عقل کے ساتھ پیغمبر ظاہر بھی بھیجے جن کا بھیجنا اس بات کی دلیل ہے کہ عقل کی رسائی ان امور تک نہیں ہے لہٰذا جوش کا یہ کہنا بالکلیہ صحیح نہیں ہے کہ

ہم اہل نظر کو ثبوت حق کے لئے
اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

۲ تا ۴۔ شیخ صدوق، کتاب التوحید ص ۲۹۰۔

مذہب اہلبیتؑ قرآن کریم کی اتباع میں مناظرے کو دو قسموں میں تقسیم کرتا ہے:

(۱) اچھا مباحثہ (۲) برا مباحثہ

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ٥ (اے رسولؐ) لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحت سے اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریقے سے ان سے مناظرہ کرو۔ جو راستے سے بھٹک گیا ہے تمہارا رب اسے بھی خوب جانتا ہے اور جو راستے پر چلنے والے ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے۔ (سورۂ نحل: آیت ۱۲۵)

شیخ مفید مناظرے کے متعلق کتب اہلبیتؑ کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جماعت صادقین نے اپنے ماننے والوں میں سے ایک گروہ کو حکم دیا کہ وہ مخالفین سے مناظرہ نہ کریں اور دوسرے گروہ کو حکم دیا کہ وہ مخالفین سے مناظرہ کریں اور انہیں حق کی دعوت دیں۔ معصومین نے دونوں گروہوں کے حالات کو مدنظر رکھ کر انہیں علیحدہ علیحدہ حکم دیا۔ جو گروہ حق کی صحیح ترجمانی سے قاصر تھا اسے مناظرہ کرنے کا اہل قرار نہیں دیا گیا اور جو گروہ احقاق حق اور ابطال باطل کی صلاحیت رکھتا تھا اسے اس کا حکم دیا گیا۔[1]

شیخ مفید کے کلام میں جماعت صادقین سے مراد عترت طاہرہ کے وہ معصوم امام ہیں جن کی طہارت کی خبر خدا نے دی ہے اور جنہیں خدا نے ہر رجس سے پاک رکھا ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا ٥ اے اہلبیتؑ! اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ تم سے ہر طرح کی ناپاکی کو دور رکھے اور تمہیں اس طرح سے پاک رکھے جیسا کہ پاک رکھنے کا حق ہے۔ (سورۂ احزاب: آیت ۳۳)

اور جماعت صادقین سے مراد وہ معصوم ہستیاں ہیں جن کے متعلق خدا نے حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ ٥ اے ایمان والو! خدا سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ (سورۂ توبہ: آیت ۱۱۹)

جماعت صادقین ان ائمہ ہدیٰ پر مشتمل ہے جن کی امامت پر رسول اکرمؐ نے نص فرمائی اور ہر پہلے امام نے دوسرے کے متعلق نص فرمائی یہاں تک کہ ان کی تعداد پوری ہوگئی۔ احادیث میں ائمہ ہدیٰ کے متعلق مختلف الفاظ میں اعلان موجود ہیں اور حدیث نبوی میں ان کی تعداد بھی موجود ہے اور ان کے پہلے امام پر واضح الفاظ میں نص بھی موجود ہے۔ جو حضرات تفصیل کے خواہشمند ہوں تو وہ اس موضوع کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔[2]

۱۔ شیخ مفید، تصحیح الاعتقاد ص ۲۶۔

۲۔ اس موضوع کے لئے ابن عیاش جوہری کی کتاب مقتضب الاثر فی النص علی عدد الائمة الاثنی عشر، ابن طولون دمشقی کی کتاب الشذرات الذهبية فی ائمة الاثنا عشرية، شیخ مفید کی کتاب المسائل الجارودیہ اور شیخ حر عاملی محمد بن حسن کی کتاب اثبات الهداة بالنصوص والمعجزات کا مطالعہ کیجئے۔

معرفت الٰہی کے متعلق غور و فکر واجب ہے

مکتب اہلبیتؑ میں عقل و شریعت کو ایک دوسرے کا مخالف نہیں بلکہ حلیف سمجھا جاتا ہے جیسا کہ شیخ صدوق نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے پہلے زہرہ کو پھر چاند کو اور پھر سورج کو دیکھا اور جب سب کو غروب ہونے والا پایا تو فرمایا: یا قوم انی بریءٌ مما تشرکون ۵ اے میری قوم! میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے مگر اس کے باوجود وہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ دلیل کے بغیر توحید کو ثابت نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بیان کردہ دلیل کو اپنی القائی حجت بتایا ہے: وتلک حجتنا اتیناھا ابراھیم علی قومہ یہ ہماری وہ دلیل تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے مقابلے پر دی تھی۔

معرفت توحید کے لئے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے مستغنی نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ سے فرمایا: فاعلم انہ لا الٰہ الا اللّٰہ آپ جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔[1]

شیخ صدوق کا مقصود یہ ہے کہ عقل وحی کے بغیر معرفت پروردگار حاصل کرنے سے قاصر ہے لیکن اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ عقل بالکل ہی بے سود ہے اور جن نتائج پر عقل پہنچاتی ہے ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

شیخ مفید لکھتے ہیں کہ عقل اپنے مقدمات اور نتائج کے لئے وحی کی محتاج ہے۔[2] اور ساتھ ہی وہ تفہیم عقائد کیلئے عقل کے استعمال پر بھی زور دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کے متعلق کلام کرنے سے جو منع کیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو مخلوق سے تشبیہ نہ دی جائے اور اس پر مخلوق کے احکام جاری نہ کئے جائیں۔[3]

شیخ مفید اپنے مخالفین کو عقل و نظر استعمال نہ کرنے پر مطعون کرتے اور ضعیف الرائے قرار دیتے تھے۔ انہوں نے ایک مقام پر لکھا: فی العدول عن النظر المصیر الی التقلید المذموم باتفاق الکلمۃ یعنی فکر و نظر کو چھوڑ کر تقلید مذموم کو اختیار کرنا بالاتفاق قابل مذمت ہے۔[4]

مکتب اہلبیتؑ میں نقل کا مقام اور کردار

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں دین کی معرفت کے لئے اگرچہ عقل کا کردار اہم ہے لیکن جب تک عقل کے ساتھ وحی کا نور شامل نہ ہو اس وقت تک وہ صحیح راستے کو از خود تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتی اور تمام اسلامی مذاہب اور کلامی مکاتب اس نکتے پر متفق ہیں۔

۱۔ شیخ صدوق، کتاب التوحید ص ۲۹۲۔

۲۔ اوائل المقالات ص ۱۱-۱۲۔

۳ و ۴۔ تصحیح الاعتقاد بصواب الانتقاد۔ یہ کتاب ۱۳۷۰ھ میں تبریز سے اوائل المقالات کے ساتھ ہی شائع ہوئی تھی۔

البتہ اگر اختلاف ہے تو وہ نقل (یعنی حدیث) کے حدود کے متعلق ہے۔ کیونکہ نقل کبھی تو خبر متواتر کی صورت میں ہم تک پہنچتی ہے اور اس کے بیان کرنے والے اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ دل اس پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ رسول اکرمؐ یا عترت طاہرہ یا صحابہ نے یہ بات کہی ہے۔ اور کبھی حدیث ہم تک متواتر نہیں پہنچتی اور اس سے ایک قوی یا ضعیف قسم کا ''ظن'' پیدا ہوتا ہے۔ کبھی حدیث خبر واحد کی شکل میں بھی ہم تک پہنچتی ہے۔ اگر حدیث خبر واحد تک محدود ہو تو اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والا ''ظن'' شک سے کچھ زیادہ دور نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں مکتب اہلبیتؑ کی تعلیم یہ ہے کہ جب تک ایسی روایت کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ موجود نہ ہو جس سے اس کی صداقت ظاہر ہوتی ہو تو اس وقت تک اس روایت پر انحصار کرنا صحیح نہیں ہے۔

عقیدے کے لئے خبر واحد ناکافی ہے

جب کسی روایت کا تعلق عقیدے سے ہو تو مکتب اہلبیتؑ میں اس کے متعلق سخت احتیاط برتی جاتی ہے اور عقیدے کا استدلال ضعیف دلیل اور کمزور حجت کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔ دور حاضر میں احتیاط کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ ہمارے اور رسول اکرمؐ کے عہد میں چودہ سو سال کا طویل فاصلہ حائل ہے اس لئے ہمیں ظنیات سے اجتناب کر کے مسلمات کو اپنانے کی ضرورت ہے تاکہ ہم فتنوں سے محفوظ رہ سکیں۔ جب ہم مسلمات کو اپنائیں گے تو ایسے مباحثوں سے بچ جائیں گے جن سے اسلام اور اس کی رویات کو خطرات لاحق ہوئے۔

اس سلسلے میں شیخ مفید فرماتے ہیں: اور میں یہ کہتا ہوں کہ اخبار آحاد پر عمل واجب نہیں ہے۔ کسی شخص کے لے جائز نہیں ہے کہ خبر واحد کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرے تا آنکہ اس کے راوی کی صداقت کی کسی اور طریقے سے تصدیق نہ ہو جائے۔ اور یہی تمام شیعوں اور بہت سے معتزلہ اور محکمہ اور مرجئہ کے ایک گروہ کا نظریہ ہے لیکن فقہائے عامہ اور اصحاب الرائے اس سے متفق نہیں ہیں۔[1]

مذکورہ تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ آل محمدؐ کے پیروکار اعتقادی مسائل میں کس قدر احتیاط برتتے تھے اتنی سخت احتیاط کا حکم بھی انہیں ائمہ اہلبیتؑ کی طرف سے ملا تھا۔ ائمہ اہلبیتؑ نے اپنے پیروکاروں کو حکم دیا تھا:

(۱) اخوک دینک فاحتط لدینک یعنی تیرا دین تیرا بھائی ہے لہٰذا اپنے دین میں احتیاط کر۔

(۲) اورع الناس من وقف عند الشبھة یعنی وہ آدمی بڑا پرہیزگار ہے جو شبہہ والی چیزوں سے رک جائے۔

۱۔ اوائل المقالات ص ۱۰۰، مطبوعہ تبریز، ایران۔

اختتام بحث

اسلامی عقائد کے لحاظ سے مکتب اہلبیتؑ بہترین مکتب ہے اور علم و معرفت کے جتنے بھی ذرائع ہیں مکتب اہلبیتؑ ان سب سے استفادہ کرتا ہے لیکن وہ الٰہیات کے مسائل اور صفات باری کے متعلق مذکورہ ذرائع کی مداخلت کو درست قرار نہیں دیتا کیونکہ الٰہیات کے مسائل اس کی عقل کے دائرے سے باہر ہیں۔

مکتب اہلبیتؑ صرف ایک ہی ذریعے پر انحصار نہیں کرتا جیسا کہ اہلحدیث صرف نقل پر اور اہل تصوف صرف ذوق پر کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں مکتب اہلبیتؑ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ کسی بھی ذریعۂ علم کو اس کی قدر و قیمت سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ مثلاً وہ عقل کو اس کا مناسب مقام تو دیتا ہے لیکن اسے استقلالی حیثیت دینے پر آمادہ نہیں ہے اور حواس کی حدود سے غائب اشیا اور روز قیامت کی تفصیلات کے متعلق عقل سے ذرہ برابر بھی رہنمائی قبول نہیں کرتا مگر اس کے باوجود یہ مکتب عقل کی بے قدری بھی نہیں کرتا اور مکتب اہلبیتؑ نے صریح الفاظ کے ساتھ یہ پیغام دیا کہ نور عقل کی روشنی کے بغیر وحی کا سمجھنا مشکل ہے۔

مکتب اہلبیتؑ احتیاط پسند مکتب ہے اس لئے وہ ہر قسم اور ہر طرح کی روایت اور سنت و نقل پر اس وقت تک اعتماد کا اظہار نہیں کرتا جب تک اس کی نسبت کے متعلق یقین نہ ہو جائے کہ واقعی رسول اکرمؐ یا صحابہ یا ائمہ ہدیٰ نے ایسا ہی فرمایا تھا۔ اور جب تک خبر واحد دوسری نصوص اور کتاب اللہ سے ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر انحصار نہیں کیا جا سکتا۔ اور روایات و اخبار کے لئے خاص و عام، ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ اور حقیقت و مجاز کا جاننا انتہائی ضروری ہے۔ اور ان تمام چیزوں کے لئے جامع ترین لفظ ''اجتہاد'' ہے جس کے معنی نصوص سے مراد شرعی حاصل کرنے کی پوری کوشش کرنے کے ہیں۔

مکتب اہلبیتؑ میں مناظرہ فساد کا دروازہ کھولنے کے لئے نہیں بلکہ رب العالمین کے دین کی دعوت کے لئے کیا جاتا ہے اور ایسا مناظرہ احسن انداز سے کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مناظرے میں ہمیشہ حکمت اور نصیحت کے اصولوں کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ اور اگر مناظرہ صرف اپنی تجلیل اور دوسرے کی تذلیل یا فساد کی غرض سے ہو تو ایسے مناظرے سے خدا کی پناہ مانگنی چاہئے۔

ہم اپنے مضمون کا اختتام اس آیت قرآنی اور ارشاد ربانی پر کرتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ ○ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهَارُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ

اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ہم (اعمال میں) کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے ایسے ہی لوگ جنتی ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور ہم ان کے سینوں سے ہر کینہ کو الگ کر دیں گے۔ ان کے قدموں تلے نہریں جاری ہوں گی اور وہ کہیں گے کہ خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو یہاں تک آنے کا راستا بتا دیا اور اگر خدا ہم کو راستا نہ دکھاتا تو ہم راستا نہ پا سکتے تھے۔ بے شک ہمارے رب کے سب رسول دین حق لے کر آئے تھے اور (اس روز) انھیں آواز دی جائے گی کہ یہ وہ جنت ہے جس کا تمھیں تمہارے اعمال کی بنا پر وارث بنایا گیا ہے۔ (سورۂ اعراف: آیت ۴۲و۴۳)

التماس سورۃ الفاتحہ

سیدہ فاطمہ رضوی بنت سید حسن رضوی
سید ابوذر شہرت بلگرامی ابن سید حسن رضوی

سید مظاہر حسین نقوی ابن سید محمد نقوی
سید محمد نقوی ابن سید ظہیر الحسن نقوی

سید الطاف حسین ابن سید محمد علی نقوی
سیدہ اُمّ حبیبہ بیگم

حاجی شیخ علیم الدین
شمشاد علی شیخ
مسیح الدین خان

فاطمہ خاتون
شمس الدین خان
و جملہ شہداء و مرحومین ملت جعفریہ

طالبانِ دعا

سید حسن علی نقوی، حسان ضیاء خان، سعد شمیم
زوہیب حیدر، حافظ محمد علی، مسلم جعفری

اللھم صل علی محمد و آل محمد و عجل فرجہم

Hassan

naqviz@live.com